DUE DATE



حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

[illegible]

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت [illegible]

مدیر احمد مکین

شمارہ [illegible] جلد ۱۹

قیمت فی پرچہ [illegible] سالانہ زر تعاون [illegible] ششماہی [illegible]

[illegible] غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
مولوی احمد مکین [illegible] بخشی بازار
الہ آباد [illegible] فون [illegible]

پرنٹر، پبلشر [illegible] پریس [illegible]

ترتیب

اعلان

سال رواں ۹۶ء کا بدل اشتراک سالانہ ستر روپیہ اور ششماہی چالیس روپیہ ہے — اولین فرصت میں اپنا چندہ ارسال فرما کر ادارہ کا تعاون فرما دیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

: إِن يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُم بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ (پ ممتحنہ)

(ترجمہ) اگر انھیں تم پر دسترس ہو جائے تو اظہار عداوت کرنے لگیں اور تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور وہ تو یہ چاہتے ہی ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ۔

۱۹۴۷ء میں جب یہ ملک آزاد ہوا اور زمام اقتدار اکثریتی فرقہ کی گرفت مضبوط ہو گئی تو نگاہیں پھر گئیں، انداز بدل گئے، نزدیکیاں ہٹ گئیں اور دوریاں بڑھ گئیں، یگانگت کی جگہ بیگانگی نے اور محبت کی جگہ عداوت نے لے لی۔ تقسیم ملک کے نام پر ہونے والے خون ریز واقعات اور قیامت خیز حالات نے اس ملک میں مسلمانوں کے وجود اور بقا پر ایک سوالیہ نشان لگا دیا تھا چنانچہ مسلمانوں میں اپنی بے بسی، بے کسی اور مجبوری کا احساس شدت سے پیدا ہوا اور مایوسی اور یاس کا غلبہ ہو گیا۔ قدم اکھڑ گئے، ہجرت کے دشوار اور پر خطر راہوں پر ان دنوں میں قافلے کے قافلے رواں دواں ہو گئے۔ اس دوران دشمن کا خیال تھا کہ مطالبہ پاکستان پورا ہونے کے بعد اب مسلمانوں کو اس ملک میں سکونت کا کوئی حق نہیں لیکن کچھ مسلم قائدین اور رہنما اس بات کے لیے مسلسل کوشاں تھے کہ مسلمانوں میں خود اعتمادی بحال ہو، خوف و ہراس کی جگہ عزم و ثبات پیدا ہو۔ انھیں غیر معتدل حالات میں دستور ہند مرتب ہوا اور ۲۶ نومبر ۱۹۴۹ء کو آئین کی کچھ دفعات فوری طور پر نافذ کر دی گئیں اور باقی دفعات کے نفاذ کے لیے ۲۶ جنوری ۱۹۵۰ء کی تاریخ مقرر ہوئی۔

یونیفارم کوڈ کا تصور اچانک بعد کو اس وقت سامنے آیا جبکہ آئین ساز اسمبلی ملک کا آئین تیار کرنے میں مصروف تھی۔ اس مرحلہ میں ذیلی کمیٹی کی ۲۰ اپریل ۱۹۴۷ء کی میٹنگ میں مسٹر ایم۔ آر۔ مسانی کی طرف سے ایک تجویز رکھی گئی کہ بنیادی حقوق میں یکساں سول کوڈ کی بھی شامل کی جائے جس کا اطلاق بلا تفریق مذہب تمام شہریوں پر ہو۔ پہلے مرحلے میں کمیٹی کی اکثریت نے یہ تجویز مسترد کر دی لیکن

۲۷ مارچ ۱۹۴۷ء کی میٹنگ میں تجویز پھر پیش ہوئی اسکے بعد ذیلی کمیٹی نے معمولی اکثریت سے یہ فیصلہ دیا کہ یکساں سول کوڈ کی ایک کلاز (شق، سماجی پالیسی کے رہنما اصولوں میں شامل کرلی جائے پارلیمنٹ میں جب دستور ہند کی خواندگی ہوئی اور دفعہ ۴۴ کی یکساں سول کوڈ کی آئینی حیثیت زیر بحث آئی تو بہت سے مسلم ممبران نے اسکے خلاف آواز اٹھائی اور دفعہ ۴۴ کے مضر اثرات کو ختم کرنے کیلئے مختلف ترمیمات پیش کیں لیکن یہ ترمیمات منظور نہ ہوسکیں[۵]۔

مسلم ممبران پارلیمنٹ کی زور دار مخالفت کے باوجود دفعہ ۴۴ بغیر کسی ترمیم واضافہ کے منظور کرلی گئی اور مسلم ممبران کی وہ ترمیمات جنکا مقصد مسلم پرسنل لا کو دفعہ ۴۴ کی زد سے بچانا تھا منظور نہ ہوسکیں اگرچہ آزادی میں شریک کار مسلم تنظیموں سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ ہم مسلم پرسنل لا میں کوئی ترمیم نہیں کریں گے اور دستور ہند کی منظوری کے بعد یہ یقین دہانی کرائی گئی کہ حکومت مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گی لیکن ان تمام وعدوں کے باوجود حکومت ہند یکساں سول کوڈ کیلئے راہ ہموار کرنے کے عمل سے کبھی غافل نہیں رہی اور اس بات کیلئے برابر کوشاں رہی کہ اس ملک کا ہر شہری "یونیفارم سول کوڈ" (جو در اصل ہندو کوڈ ہے) کے تابع ہوجائے اور اپنے عائلی قوانین سے دست بردار ہوجائے۔

اسی ذہنیت کا ترجمان عدالت عالیہ کا حالیہ فیصلہ ہے جسٹس کلدیپ لکھتے ہیں " جب ہندوستان کے اسّی فیصد سے زیادہ شہری ایک پارلیمنٹ کے ذریعہ مدون شدہ پرسنل لا کے تحت لائے جاچکے ہیں (اشارہ ہندو قانون نکاح، ہندو قانون وراثت، ہندو قانون طفولیت، ولدیت اور ہندو قانون تبنیت، ہندو کوڈ بل کی طرف جو ۱۹۵۵ء و ۱۹۵۶ء میں پارلیمنٹ نے مدون کئے) تو کوئی وجہ نہیں کہ یونیفارم سول کوڈ کیوں نہ نافذ کردیا جائے[۶]" موصوف کے نزدیک یکساں سول کوڈ سے مراد ہندو کوڈ بل ہے اور اسی کو علی الاطلاق تمام شہریوں پر نافذ کردینا چاہتے ہیں اور اسی فیصلہ کا سہارا لیکر بعض صوبوں میں اسکا نفاذ بھی عملی طور پر شروع کردیا گیا اور آئندہ ملک کے ہر صوبہ میں اسکے نفاذ کے لئے زوردار مہم بھی شروع ہوچکی ہے۔ موجودہ صورت حال میں مسلمانوں کے دینی شعور اور

---

[۶] ۔ الفرقان اگست ستمبر ۹۵ء

غیرت دونوں کی آزمائش ہے اس فتنہ کے تدارک اور سد باب کیلئے نہایت دانشمندی سے عملی اقدام کی ضرورت ہے ۔ ہماری دینی غیرت اور حمیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم دنیاوی مفاد اور ذاتی اغراض کے لئے ان عدالتوں یا منصفوں کا سہارا نہ لیں ۔ ان قوانین کا نفاذ ایک مسلمان پر اسی وقت ہوگا جب ہم عدالت میں خود جائیں ایک معلقہ کے لئے شوہر سابق کو نفقہ کا ذمہ دار عدالت اسی وقت بنائیگی جب ایک مسلمان عورت عدالت سے چارہ جوئی کرے گی ۔ اگر اس طرح کے نزاعی معاملات باہم اتفاق رائے اور علماء کی موجودگی میں شرعی احکام کے مطابق حل کرلئے جائیں تو عدالت یکساں سول کوڈ کا پابند ہم کو نہیں بنا سکتی اگر دونوں فریق شریعت کے پابند ہوں تو غیر شرعی امر کے لئے کوئی کسی کو مجبور نہیں کرسکتا ۔ " جس کو ہو ایمان و دین عزیز وہ اسکی گلی میں جائے کیوں ؟ "

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ اے ایمان والو! تم پر لازم ہے کہ اپنی حفاظت خود کرو لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ اگر تم ہدایت پر ہوگے تو کوئی گمراہ تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتا فرمان خداوندی کے مطابق اہل ایمان کو نقصان اسی وقت پہنچے گا جب وہ خود ہی جادۂ حق اور راہ شریعت سے ہٹ جائیں گے ۔ اسی صورت میں طاغوتی طاقتیں اپنا زیر اثر اور اپنے حکم کا تابع بنا سکتی ہیں اور اگر اہل ایمان اپنے دین پر قائم اور احکام شرعیہ پر عمل پیرا رہیں تو ہزار غلبہ و تسلط اور اکثریت میں ہونے کے باوجود کسی مسلمان کو غیر اسلامی قانون کا پابند نہیں بنا سکتے ۔ لَن تُغْنِيَ عَنكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ یاد رکھو! تمھاری جمعیت تمھارے ذرا بھی کام نہ آئیگی گو کتنی ہی زیادہ ہو اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ باطل کے غلبہ اور اسکے ضرر سے محفوظ رہنے کیلئے ضروری ہے کہ اہل ایمان اپنا رشتہ دین و مذہب سے مضبوط اور مستحکم کریں پھر انشاء اللہ تائید اور نصرت خداوندی شامل حال رہیگی اور اغیار کے مکر و فریب کے تار و پود خود ہی بکھر جائیں گے وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِينَ اور اللہ تعالیٰ کفار کی تدبیر کو بے اثر کردے گا ۔

" شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل " غرق کرنے اور ڈبو دینے کے سارے سامان موجود ہیں ، دین و ایمان کے سفینہ کیلئے عافیت سے گذرنا دشوار ہوگیا ہے ، زمانہ بدل رہا ہے

پن اور تہذیب کے نام پر برائی بلکہ بے حیائی بھی ایک ہنر اور خوبی بنتی جارہی ہے، تقلید مغرب اور جدت کے شوق میں سنت و شریعت سے بے گانگی اور اپنے دین و مذہب سے بے اعتنائی عام ہوتی جارہی ہے تاہم اس سیاہ اور تاریک فضا میں بھی کچھ حق کی شعاعیں ہدایت اور اصلاح کی روشنی پھیلانے کی سعی میں مصروف ہیں اور انکا وجود غنیمت کبریٰ اور باعث صد شکر ہے

اسی ماحول میں ہمارا رسالہ" وصیۃ العرفان " بھی اپنا فریضہ بحسن و خوبی انجام دے رہا ہے اسکی افادیت سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ اس دور انحطاط میں بھی اسکی مقبولیت الحمدللہ روز افزوں ہے۔ حضرت اقدس مصلح الامت قدس سرہٗ کے اس چشمۂ صافی کے فیض سے قلوب مصفیٰ ہورہے ہیں اور ایمان میں جلا پیدا ہورہی ہے، احباب یہ رسالہ شوق سے منگاتے ہیں اور توجہ سے پڑھتے ہیں ورنہ عموماً دینی رسائل کے ساتھ یہ ستم ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر تبرک سمجھکر طلب کئے جاتے ہیں اور تعویذ بنا کر رکھ دیئے جاتے ہیں لیکن اس رسالہ کا قاری اپنے اندر ایک تبدیلی محسوس کرتا ہے اصلاح نفس کی فکر پیدا ہوتی ہے باطن کی درستگی کی جانب توجہ ہوجاتی ہے چنانچہ چند خطوط قارئین کے پیش خدمت ہیں جس سے رسالہ کی افادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

السلام علیکم ۔ وصیۃ العرفان برابر موصول ہوتا ہے جسکا بڑا گہرا اثر احقر اپنی ذاتی زندگی پر محسوس کرتا ہے۔ وصیۃ العرفان میں شائع ہونے والے حضرت مصلح الامتؒ کے مکتوبات ظاہری باطنی اصلاح کیلئے نیز بہت ہیں یہاں دیگر حضرات بھی ان خطوط سے استفادہ کرتے ہیں اور اپنی زندگی کو شریعت کے مطابق کرنے کی سعی و جہد کرتے ہیں اس پرچہ کی تعریف چھوٹا منہ بڑی بات کے مترادف ہے۔ پرچہ میں شائع ہونے والے تمام مضامین معلوماتی، دلچسپ اور اصلاح کے لئے نہایت مؤثر ہیں۔

والسلام۔ خورشید عالم خاں دہلی

محترم مولانا ولی ابن احمد فلاحی مدظلہ آمود بھروچ سے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

بعد تحیۃ مسنونہ ۔ خدا پاک رسالہ ہٰذا کے جملہ مضامین سے امت کی اصلاح فرمادے، فکر آخرت کا جذبہ پیدا فرمادے، اصلاح اعمال کی طلب صادق پیدا فرمادے

ایسے مصلحانہ رسائل کی امت کو صحیح قدر دانی نصیب فرماکر اسکی ابدی حیات و بقا کی صحیح فکرمندی نصیب فرمادے۔ آمین یارب العلمین

فقط۔ والسلام محتاج دعا ولی بن احمد فلاحی بچوں کا گھر

جناب مولانا مفتی سلیم احمد صاحب رقمطراز ہیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تقریباً اب سے ایک سال قبل رسالہ "وصیۃ العرفان" مسلسل میرے نام آتا تھا جو برابر مجھے موصول ہوتا تھا میں اور دیگر احباب اس سے مستفیض ہوتے تھے رسالہ یقیناً ایمان افروز، روح پرور، خوف خدا، تقویٰ، پرہیزگاری پیدا کرنے کا بہترین مؤثر ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ تاقیام قیامت اسے قائم دائم رکھے اور امت کو اس سے فیض یاب فرماتا رہے (آمین)

براہ کرم رسالہ کا اجرا فرماکر ممنون ومشکور فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

والسلام۔ سلیم احمد قاسمی بہرائچی خادم التدریس دارالافتار

مدرسہ مفتاح العلوم۔ بھیونڈی

ایک قدرداں یوں دعا گو ہیں۔

دعا ہے کہ رب کریم رسالہ ہٰذا کو حیات ابدی نصیب فرمائے مسلم قوم کو صحیح قدردانی کی نیک توفیق عطا فرمائے۔ رسالہ ہٰذا کے ذریعہ خدا پاک پوری امت کی اصلاح فرمادے۔ خدا پاک آپ حضرات کی مخلصانہ خدمات کو قبول فرماکر دارین میں اجر عظیم عنایت فرمائے۔ ناچیز کو بھی دعائے خیر میں یاد فرمادیں۔

والسلام مع الاحترام۔ یعقوب بھائی کولونا والا۔ آمود بھروچ گجرات

آخر میں اہتمام علی الخیر کے لئے مرکز علم وادب دارالعلوم ندوۃ العلماء سے آئے مکتوب گرامی نقل کرتا ہوں جن میں رسالہ کے متعلق جن تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ ہمارے لئے نہایت وقیع اور اہمیت کے حامل ہیں

مکرمی سلام مسنون۔ مزاج گرامی ۔ ماہنامہ وصیۃ العرفان کی اعزازی کاپی

کچھ ناغہ کے ساتھ ملتی رہتی ہے جس سے بڑا فیض ہوتا ہے اور اس پر عمل کی ترغیب ملتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکے فیض و برکات ہمیشہ دائم و قائم رکھیں۔ آمین۔

والسلام۔ محمد سلیمان فاروقی مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

مکرمی جناب ایڈیٹر صاحب سلام مسنون۔ بخیرم و خیر خواہم

تحریر کا مدعا یہ ہے کہ ارسال کردہ ماہنامہ "وصیۃ العرفان" کے دو نسخے موصول ہوئے، ماہ جنوری ۹۵ء کا شمارہ مطلوب ہے اگر ہو سکے تو اسکی فوٹو کاپی (بدعت ایک سنگین گناہ ہے) کی کراکر روانہ فرمائیں دراصل ندوۃ العلماء کے نائب ناظم مولانا معین اللہ صاحب ندوی مندرجہ بالا مضمون جو مولانا تقی صاحب نے لکھا ہے از سر نو پڑھنے کے خواہشمند ہیں۔ واضح ہو کہ "وصیۃ العرفان" ہمارے ادارہ میں ذوق کے ساتھ پڑھا جاتا ہے ذمہ دار حضرات خصوصاً مطالعہ کرتے ہیں اور ہمارے دفتر میں اسکی فائلیں بھی بنائی جاتی ہیں وقت ضرورت بعد میں بھی استفادہ کیا جاتا ہے

والسلام منیجر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ

خانقاہ - جانشین حضرت مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ قاری محمد مبین صاحب دامت برکاتہم گذشتہ سال تقریباً مسلسل الہ آباد میں قیام فرما رہے آپکے قیام کی بنا پر واردین و سالکین کی آمد و رفت برابر رہی اور اصلاح و تربیت اور ذکر و فکر اور تسبیح و تلاوت کے مشاغل سے خانقاہ آباد رہی۔

مدرسہ - الحمد للہ مدرسہ "وصیۃ العلوم" الہ آباد میں تعلیمی سرگرمیاں اور مشاغل سکون و اطمینان کے ساتھ جاری رہیں، مکتب اور درجات حفظ و تجوید کے ساتھ عربی پنجم تک کے طلباء مدرسہ میں زیر تعلیم رہے۔ ایک جماعت انشاء اللہ امسال بھی تکمیل تعلیم کیلئے مرکزی درسگاہوں کے لئے عازم سفر ہوگی۔

اہم انتباہ - حضرت والا علیہ الرحمۃ کے مدرسہ "وصیۃ العلوم" الہ آباد کیلئے کوئی سفیر مقرر نہیں ہے البتہ مختلف شہروں میں کچھ مخلصین اپنے احباب سے برائے مدرسہ رقوم وصول کرکے الہ آباد روانہ کر دیتے ہیں یا بعض حضرات براہ راست یا بذریعہ منی آرڈر اور ڈرافٹ رقوم حضرت قاری صاحب حفظہ اللہ کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں — اگر رقم بذریعہ بینک ڈرافٹ روانہ کرنا ہو تو ڈرافٹ حسب ذیل نام اور الفاظ سے بنائیں MADARSA WASIA TUL ULLOOM والسلام

قرآن حکیم اور اسکی تلاوت

(ذیل کے مضامین متعلقہ تلاوت قرآن حکیم" سیدی حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ کی پانچ مجالس سے جو "وصیۃ التلاوۃ" کے نام سے شائع ہوچکی ہیں اقتباس کرکے ہدیۂ ناظرین کئے جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان مضامین عالیہ سے کما حقہٗ استفادہ کی توفیق عطا فرمادیں)

فرمایا سنیئے! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ، وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا یعنی جو لوگ میرے راستہ میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ضرور بالضرور ان کو اپنے راستوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدہ کو بندوں کی طرف منسوب فرمایا ہے اور ہدایت کو اپنی طرف سے اس مجاہدہ پر مرتب فرمایا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ مجاہدہ شرط ہے اور ہدایت اسکا ثمرہ اور نتیجہ ہے اسلئے کہ مجاہدہ کو مقدم فرمایا ہے اور ہدایت کو اس پر مرتب فرمایا ہے ان دونوں میں سے مجاہدہ تو بندوں کی طرف سے ہوتا ہے جس کو سلوک کہتے ہیں اور ہدایت اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر مرتب ہوتی ہے اسی کو صوفیائے کرام جذب سے تعبیر فرماتے ہیں اور ان حضرات کی کتب میں اس جذب و سلوک کی کلی مستقل بحث موجود ہے چنانچہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ارشاد الطالبین میں جذب کے اقسام اور اسکے اسباب کو مفصل بیان فرمایا ہے، ہم اسکو نقل کرکے اس پر کچھ کلام کرنا چاہتے ہیں ذرا غور سے سنیئے۔

قاضی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ جاننا چاہیئے کہ قرب الٰہی کا سبب جذب یعنی خدائے تعالیٰ کا اپنے بندوں کو اپنی طرف کھینچنا ہے یہ جذب کبھی بلاواسطہ کے ہوتا ہے اسکو اجتبار کہتے ہیں اور اکثر کسی امر کے توسط سے ہوتا ہے اور وہ متوسط بحکم استقرار دو چیزیں ہوسکتی ہیں ایک عبادت

دوسرے انسان کامل کی صحبت اسلئے جذب الٰہی جو عبادت کے توسط سے ہو اسکو عبادت کا ثمرہ کہتے ہیں اور جو صحبت کے توسط سے ہو اس کو تاثیر شیخ کہتے ہیں۔

پھر اس بحث کے اخیر میں فائدہ کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ جب یہ مذکور ہو چکا کہ قرب کی ترقی تین چیزوں سے ہوتی ہے

(۱) برکات عبادات (۲) تاثیر شیخ (۳) جذب مطلق

پس جاننا چاہیئے کہ عبادات کی برکت سے قوت و وسعت اور اقربیت حاصل ہوتی ہے لیکن ایک ہی مقام میں۔ اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک یعنی ولایت صغریٰ سے ولایت کبریٰ تک پھر ولایت علیا تک اور اس سے کمالات نبوت تک ترقی نہیں ہو سکتی اور تاثیر صحبت سے ایک مقام سے دوسرے مقام میں مقام شیخ تک ترقی ہو سکتی ہے اور جذب مطلق سے مقام بہ مقام برابر ترقیات حاصل ہوتی چلی جاتی ہیں، جہاں تک خدا کو منظور ہو۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

قاضی صاحبؒ کا کلام آپ نے ملاحظہ فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ قرب الٰہی جس کو وصول بھی کہتے ہیں اسکا سبب اصلی جذب ہی ہے یعنی اللہ تعالےٰ کا اپنے بندے کو اپنی طرف بلا واسطہ یا بالواسطہ کھینچ لینا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جذب الٰہی کا واسطہ جو چیز بنتی ہے وہ یا تو عبادت ہے یا تاثیر شیخ ہے یعنی عبادت کے ذریعہ اور اسی طرح تاثیر صحبت شیخ کی برکت سے قرب الٰہی حاصل بھی ہوتا ہے اور اس میں ترقی بھی ہوتی ہے لیکن ان دونوں کا قرب ایک خاص مقام ہی تک مقصور ہوتا ہے اسلئے کہ ہر عبادت کا اللہ تعالےٰ کے نزدیک ایک خاص مقام ہے وہ عبادت بندے کو اس خاص مقام تک پہونچا دیتی ہے اس سے آگے وہ ترقی نہیں کرتا اسی طرح

تاثیر شیخ سے جو قرب ہوتا ہے وہ بھی ایک خاص مقام ہی تک ہوتا ہے اور اسکی بھی ایک حد ہے لیکن جذب مطلق سے جو قرب ہوتا ہے اسکے لئے کوئی انتہا نہیں ہے بلکہ اس سے مقام ور مقام ترقیات حاصل ہوتی چلی جاتی ہیں اور جہاں تک خدا کو منظور ہوتا ہے اسکو قرب عطا فرماتے رہتے ہیں۔ حاصل یہ کہ سب سے بڑا ذریعہ قرب خداوندی کا جذب خداوندی ہوا مگر اس جذب کے مرتب ہونے کے لئے بھی سلوک یعنی اسباب قرب کو اختیار کرنا ضروری و لازم ہے۔

آیت وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا اسکی شاہد ہے جیسا کہ میں ابھی آپ کے سامنے اسکے متعلق بیان کرچکا ہوں جس کا حاصل یہ ہے کہ مجاہدہ ہی پر ہدایت مرتب ہوتی ہے جب آپ مجاہدہ کریں گے اور اعمال قرب اختیار کریں گے تب ہی اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہوگی۔ پس اسباب قرب کو اختیار کرنا ہمارا کام ہے اور قرب و وصول عطا فرما دینا اللہ تعالے کا کام ہے۔ اس لئے اسباب قرب کو معلوم کرنا اور انکو اختیار کرنا ضروری ہوا نیز یہ بھی معلوم کرنا لازم ہے کہ کون سی چیزیں قرب میں زیادہ دخل رکھتی ہیں اور اسکے اختیار کرنے سے عنایت خداوندی جلد متوجہ ہوتی ہے تاکہ بآسانی قرب خداوندی کی دولت حاصل کی جا سکے چنانچہ انکی نشاندھی بھی ہر زمانہ میں اللہ تعالے کے خاص بندے کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالے سے قریب کرنیوالے اعمال کو بتلاتے رہتے ہیں

اس کے متعلق بھی آپکو کچھ سمجھانا چاہتا ہوں سنئے:۔

یوں تو قرب خداوندی کے اسباب اور اللہ تک پہونچنے کے راستے بے شمار ہیں جیسا کہ حضرات اہل اللہ فرماتے ہیں کہ طُرُقُ الْوُصُوْلِ اِلَی اللّٰهِ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ یعنی اللہ تعالے تک پہونچنے کے

راستے اسقدر ہیں جتنی تمام مخلوقات کی سانس۔ مطلب یہ کہ ان طرق کا احصاء نہیں کیا جا سکتا اور وہ شمار میں نہیں آ سکتے تاہم اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وصول الی اللہ کے راستے بے شمار ہیں کوئی کسی راستے سے خدا تک پہونچتا ہے اور کوئی کسی راستے سے البتہ ان میں بعض راستے دشوار ہیں اور بہت سے سہل و آسان بھی ہیں اب جو کاملین وقت ہوتے ہیں وہ قرب خداوندی کے سہل سے سہل تر طریقوں کو بتلاتے اور تعلیم فرماتے ہیں تاکہ ہر خاص و عام قرب و وصول کی دولت سے بآسانی مشرف ہو سکے اور حضرات اہل اللہ کی تو وضع ہی اسی لئے ہوئی ہے کہ وہ کسی طرح مخلوق کو خالق سے ملا دیں اور خدا کے بندوں کو ان تک پہونچا دیں اور ان سے قریب کرنے والے راستوں کی طرف رہنمائی فرمائیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت بھی اسی غرض کے لئے ہوتی ہے اس لئے انکی نیابت کا بھی یہی حق ہے جسکو ان کے سچے نائبین و وارثین ہر زمانہ میں اپنی اپنی استعداد کے بقدر ادا فرماتے رہتے ہیں اور اپنی اپنی فہم و بصیرت کے مطابق اس خدمت کو انجام دیتے ہیں اور ان پر اللہ تعالیٰ اپنے قرب و وصول کے نئے نئے ابواب مفتوح فرماتے ہیں جسکی وجہ سے وہ اس کام کو بآسانی انجام دیتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اولیاء امت اور علماء کرام نے جو خدمات انجام دی ہیں انکو انشاء اللہ آپ کے سامنے پیش کروں گا اور آپکے شہر میں آگیا ہوں تو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور کچھ آپ کی خدمت کر ہی کے جاؤنگا ابھی اس وقت ایک خاص چیز کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے وصول الی اللہ کا سب سے بڑا ذریعہ کلام اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندوں نے اسکی تلاوت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا ہے۔ یہ قرب بہت بڑی چیز ہے، اسکے لئے لوگوں نے

جان تک کی بازی لگا دی ہے اور اس دار دنیا میں اسکا حاصل کرنا مطلوب اور اللہ و رسول کی عین مرضی ہے اسلئے آپ سے کہتا ہوں کہ آپ بھی اسکی فکر کیجئے اور تلاوت کلام اللہ کو قرب کا ذریعہ بنائیے جب تلاوت کا التزام کریں گے اور کلام الٰہی کا تکرار صدق دل سے اور حسن نیت سے کرتے رہیں گے تو انشاء اللہ اسی پر جذب الٰہی مرتب ہوگا جسکا ذکر اسوقت کر رہا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنے تک پہونچانے کے لئے جو کمند لٹکائی ہے وہ یہی قرآن پاک ہے جسکو حبل اللہ (اللہ کی رسی) خود حق تعالیٰ نے فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا یعنی تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔ میں کہتا ہوں کہ اسکے پکڑنے میں یہ بھی داخل ہے اور اعتصام بحبل اللہ کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ اسکی تلاوت حضور و مراقبہ کے ساتھ کیجاوے حضور یہ کہ تلاوت کے وقت قرآن کی عظمت کا استحضار کیا جائے کہ یہ میرے رب کا کلام ہے اور مراقبہ یہ کہ قلب میں حاضر کیا جائے کہ ہم حق تعالیٰ کے سامنے انکا کلام انکو سنا رہے ہیں اور وہ ہماری تلاوت سن رہے ہیں۔ اگر اس طریقہ سے تلاوت کیجائیگی تو انشاء اللہ ضرور قرب کی موجب ہوگی۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے قرآن کو اسی لئے نازل فرمایا ہے کہ اس کو حق تعالیٰ کی معرفت اور قرب و وصول کا ذریعہ بنایا جائے اور اس کمند کے واسطے سے خدا تک پہونچا جائے یہ خدا کی مضبوط رسی ہے اسکا ایک سرا تو خود حق تعالیٰ کے دست مبارک میں ہے اور دوسرا بندوں کے ہاتھ میں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اَبْشِرُوْا فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ طَرَفُهٗ بِيَدِ اللّٰهِ وَطَرَفُهٗ بِاَيْدِيْكُمْ تَمَسَّكُوْا بِهٖ فَاِنَّكُمْ لَنْ تَهْلِكُوْا اَوْ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ (طبرانی و منتخب کنز العمال)

یعنی خوش ہو جاؤ کہ اس قرآن کا ایک سرا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھوں میں ہے پس اسکو مضبوط پکڑ لو تو پھر تم اسکے بعد کبھی ہلاک نہ ہوگے یا یہ فرمایا کہ ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔

سبحان اللہ! حق تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ کس قدر شفقت اور انکے حال پر کیسی عنایت ہے کہ محض اپنے فضل و کرم سے اتنا بڑا شرف بخشا کہ خود اپنا کلام اس لئے ان پر نازل فرمایا کہ اسکے واسطہ سے اپنے دربار عظیم تک بلا دیں اور انکو حضوری کا شرف بخشیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب کو کس قدر آسان فرما دیا اب بھی اگر ہم اسکو اختیار نہ کریں اور اس سے اعراض و لاپرواہی برتیں بلکہ اس میں قرب کا اعتقاد ہی نہ کریں تو بڑے ہی افسوس کی بات ہے، اس سے بڑھکر وبال اور محرومی کی چیز اور کیا ہوسکتی ہے۔

چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آجکل سب سے زیادہ بے اعتنائی اسی کی طرف سے ہو رہی ہے اور اس کے ساتھ شغف اور اسکے بارہ میں قرب کا اعتقاد تو کجا لوگوں کے حال سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا تلاوت قرآن کو قرب کا ذریعہ ہی نہیں جانتے اور اسکا قرب میں کوئی دخل ہی نہیں سمجھتے اس لئے کہ اسکے ساتھ کوئی برتاؤ بھی عقیدت و محبت کا نہیں کرتے، حالانکہ کلام اللہ کی تلاوت ہی کیا اسکا دیکھنا، اسکا چومنا، اس سے برکت حاصل کرنا، اسکے وسیلہ سے دعاء مانگنا ان سب کو قرب الٰہی میں دخل ہے اور ان میں سے ایک ایک چیز عبادت ہے اور حق تعالیٰ کی رحمت و عنایت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ ہے لیکن آج مسلمانوں کا عام طور پر یہ حال ہے کہ ان سب سے بالکل مستغنی ہیں یعنی کلام اللہ کی تلاوت سے بھی استغناء ہے اس کے معنی سمجھنے سے بھی استغناء اور اسکے واسطے سے دعاء کرنے اور

یا حاجات مانگنے سے بھی استغنار، اسی طرح اسے چومنے اور آنکھوں سے لگانے سے بھی استغنار ہے۔ پھر آپ خود فیصلہ کیجئے کہ جب یہ حال ہو جائے کہ جو چیز قرب ہی کیلئے موضوع ہوا ور اللہ تعالیٰ نے اسی لئے اسے نازل فرمایا ہو لوگ اس سے بالکل مستغنی ہو جائیں تو پھر حق تعالیٰ کی عنایت کیسے متوجہ ہوگی ؎

چوں ترک قرآن کردہ آخر مسلمانی کجا
خود شمع ایمان کشتہ پس نور ایمانی کجا

یعنی جب تم نے قرآن کو بالکل چھوڑ ہی دیا تو پھر تم مسلمان کہاں رہ گئے اور جب ایمان کی شمع کو تم نے خود ہی بجھا دیا تو پھر نور ایمانی کہاں سے آئیگا۔

اور اس سے کہیں زیادہ تعجب تو ان لوگوں سے ہے جو حافظ اور قاری بھی ہیں اسی کی وجہ سے امامت بھی کرتے ہیں اسکے باوجود تلاوت کی برکات سے محروم ہیں اور قرآن کے ساتھ انکی عقیدت درست نہیں ہے ان کے اس حال پر مجھے بیساختہ یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے کہ ؎

کعبے بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا　زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

مطلب یہ کہ جس طرح کعبہ شریف جانے کے باوجود بتوں کا عشق باقی رہ جائے اور غیر اللہ سے قلب خالی نہ ہو جائے اسی طرح سے قرآن پاک کلانے کے باوجود بھی اگر کوئی شخص اسکو قرب کا ذریعہ نہ بنائے نیز اسکے واسطے سے عقائد و اخلاق کی پاکی اور خیالات کی پاکی اور نفس کی رذائل ملکات سے پاکی حاصل نہ کرے اور تلاوت قرآن نہ کرے اور اسکی حلاوت نہ چکھے تو اس پر بھی میں یہ شعر پڑھتا ہوں کہ ؎

کعبہ بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا　زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

بزرگان دین نے سب سے زیادہ قرب کا ذریعہ قرآن ہی کو سمجھا ہے اور سب سے زیادہ اعتقاد اسی کے ساتھ رکھا ہے اور سب سے بڑھکر

فلاح دارین کا موجب اسی کو جانا ہے اسی بنا پر سب سے زیادہ شغف اہل اللہ نے تلاوت قرآن ہی کے ساتھ رکھا ہے چنانچہ اسکی وجہ سے انکو آخرت میں جو درجات عالیہ میسر ہونگے وہ تو ہیں ہی اس دار دنیا میں بھی اسکی برکت سے انکو حیات طیبہ نصیب ہوئی اور عنایت خداوندی انکے شاملِ حال رہی۔ اگر آپ بھی اللہ تعالےٰ کی عنایت و رحمت خاصہ اپنی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں تو کلام اللہ کے ساتھ اپنا اعتقاد درست کرکے اور اسکو قرب و وصول کا ذریعہ یقین کرکے اسکی تلاوت کیجئے انشاء اللہ چند ہی روز میں اپنے آپ کو وجداناً اللہ تعالیٰ سے قریب پاویں گے اور اپنے قلب کی کیفیت بدلی ہوئی محسوس کریں گے۔ اگلی تلاوت سے متعلق مفصل کلام کروں گا۔ مجلس کا وقت ختم ہوگیا اسلئے آج اتنے ہی پر بس کرتا ہوں۔

فرمایا سنیئے! اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ط اس آیت کا ربط ماقبل سے یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا ہے خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ہ یعنی" اللہ تعالےٰ نے آسمانوں اور زمین کو اس طرح پر پیدا کیا کہ اس سے مقصد حق ہے" یعنی اس سے باطل کا قصد نہیں فرمایا ہے بلکہ مقصود بالذات ان کے خلق سے خیر کا افاضہ ہے اور اپنی ذات اور صفات پر دلالت کرنا ہے جیساکہ اسکی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ" یقیناً اس میں مومنین کے لئے نشانی ہے" اسلئے کہ مومنین ہی اس سے منتفع ہوتے ہیں اسکے بعد فرماتے ہیں کہ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ یعنی "جو کتاب آپکی طرف وحی کی گئی ہے اسکی تلاوت کیجئے" ان دونوں آیتوں کو ملایئے تو انکا

ربط ظاہر ہو جاتا ہے اور اس طور پر کہ آسمان و زمین کو عبث (اور بیکار) نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ اس سے مقصود ذات وصفات پر دلالت کرنا اور لوگوں کو خیر پہونچانا ہے اور اسکا نفع مومنین کو پہونچتا ہے اور اسی لئے کتاب اللہ بھی نازل ہوئی اور اسکی تلاوت سے بھی یہی مقصود ہے چنانچہ تلاوت کے مامور بہا ہونے کی علت قاضی بیضاوی نے یہ بیان فرمار ہے ہیں تَقَرُّبًا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِقِرَاءَتِهٖ وَتَحَفُّظًا لِاَلْفَاظِهٖ وَاسْتِكْشَافًا لِمَعَانِيْهِ یہ سب اُتْلُ کے مفعول لہ ہیں حاصل یہ کہ تلاوت کا ایک سب سے بڑا فائدہ تقرب الی اللہ ہے یعنی قرآن کی تلاوت اللہ تعالیٰ سے بندے کو قریب کرتی ہے اور دوسرے اس کے ذریعہ الفاظ کا تحفظ ہوتا ہے یہ بھی مقصود ہے جو لوگ تلاوت نہیں کرتے انکو رمضان میں بڑی تکلیف ہوتی ہے اور بہت مصیبت اٹھانی پڑتی ہے۔ یہ لوگ حافظ رمضانی کہلاتے ہیں۔ قرآن کی محافظت کی غیب سے یہ صورت اختیار کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں یہ ڈال دیا کہ اپنے بچوں کو حفظ کرائیں چنانچہ ہمارے لڑکے حفظ کرتے ہیں اور دوسری کتب سماویہ کا یہ حال نہیں ہے کہ اسکا لفظ لفظ سب کو یاد ہو یہ قرآن ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور اسکی حفاظت کا یہ خدائی انتظام ہے کہ بےشمار مکاتب اسی الفاظ کے تحفظ ہی کیلئے کھلے ہوئے ہیں۔

میں نے ایک جگہ انگریزی دانوں سے کہا کہ آپ لوگوں کو اب بھی قرآن کا فیض سمجھ میں نہیں آیا؟ کیا یہ اسکی کرامت نہیں ہے کہ معلوم نہیں کتنوں کو رزق تقسیم کرتا ہے کتنے ایسے لوگ جو کہ عالم نہیں ہیں انکو اسی سے تنخواہ ملتی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کو رِزْقًا لِلْعِبَاد کر دیا ہے (یعنی قرآن شریف کو اپنے بندوں کے لئے رزق کا ایک ذریعہ بھی بنا دیا ہے) مگر یہ اب بھی آپکی سمجھ میں نہیں آتا آخر کس بات میں

بھولے ہوئے ہیں ؟ اور جو لوگ قرآن شریف پڑھتے ہیں انکو کیوں کم سمجھتے ہو ؟ میں کہتا ہوں کہ اگر اسکا ایک درجہ بھی حاصل کرلوگے یعنی الفاظ کا تحفظ تب بھی تم کو روزی مل جائیگی ۔

بہرحال الفاظ کا تحفظ بھی مقاصدِ دین سے ہے اور اسکی طرف آپکی توجہ بھی ہے لیکن اس سے بھی بڑا مقصد تقرب الی اللہ ہے جسکو آپ بھولے ہوئے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جتنا کان قاریٔ قرآن کی طرف لگاتے ہیں کسی چیز کی طرف نہیں لگاتے ۔ یہی تقرب ہے اور قرب کی یہی صورت ہے ۔

ایک بزرگ سمندر کے کنارے بیٹھکر تلاوت کرتے تھے تو پانی ٹھہر جاتا تھا اور تمام طیور (اور پرندے) انکے گرد آکر بیٹھ جاتے تھے اور انکی تلاوت کو سنتے رہتے تھے ۔ یہ بھی تقرب ہے ۔ نیز حضرت مولانا گنگوہیؒ کا واقعہ ہے کہ میرے سامنے ہی حضرت مولاناؒ وہاں تشریف لے گئے تھے تو صاحبزادے مولاناؒ کو اندر لے گئے اور ایک جگہ لیجاکر دکھلایا کہ یہاں حضرت گنگوہیؒ بیٹھکر تلاوت فرمایا کرتے تھے ایک چڑیا ان کے پاس آکر بیٹھ جاتی تھی اور جبتک تلاوت فرماتے رہتے وہ بیٹھی رہتی تھی ۔

یہ تلاوت کوئی معمولی چیز نہیں ہے یہ خدا کا کلام ہے، اس میں جذب ہے، اس میں مقناطیس سے بھی زیادہ کشش ہے ۔ میں نے کسی مفسّر کو اس آیت کے تحت ایسا کلام کرتے ہوئے نہیں دیکھا جیساکہ اس بیچارے علامہ بیضاویؒ نے کیا ہے اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے میرے پاس کتابیں موجود ہیں ان سے آپکو دکھلاؤں گا اور جب یہ بحث چھڑی ہے تو پوری کروں گا ۔ سنیئے !

تین دولتیں آپکے پاس ہیں ۔ ایک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

مدینہ شریف میں۔ اور دوسری خانۂ کعبہ مکہ شریف میں اور تیسری کلام اللہ ہر ایک کے پاس۔ اسمیں اللہ تعالیٰ کی ایسی تجلی ہوتی ہے جس کو عُرفاء و کُملاء محسوس کرتے ہیں یہ تجلی کیسی کچھ ہوگی۔

حضرت مولاناؒ اسکو ایک مثال سے بیان فرماتے تھے حضرتؒ کے وعظوں میں موجود ہے وہ یہ کہ ایک دفعہ شاہ ایران کی زبان سے بیساختہ ایک مصرعہ موزوں ہوگیا ع دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود اس پر بادشاہ نے دوسرا مصرعہ لگانا چاہا مگر نہ بن سکا تو اس نے دوسرے شعراء کو حکم دیا کہ اس پر مصرعہ لگاؤ سب حیرت میں رہ گئے کیونکہ کوئی مضمون ہو تو اسکو پورا کیا جائے یہ کچھ مضمون ہی نہ تھا کہ " چتکبرا موتی کسی نے کم دیکھا ہوگا " غرض شعراء ایران نے کہا کہ یہ مصرعہ بے تکا ہے اس پر بے تکا مصرعہ لگ سکتا ہے۔ شاہِ ایران کو یہ جواب ناگوار ہوا کہ ہمارے مصرعہ کی ان لوگوں نے بے قدری کی تو اس نے ہندوستان کے بادشاہ کو خط لکھا کہ وہاں کے شعراء سے اس پر مصرعہ لگانے کی فرمائش کیجائے ایران کے شعراء اس سے عاجز ہوگئے ہیں، عالمگیر نے شعراء کو اسکی اطلاع کی یہاں بھی سب کے سب حیران رہ گئے کہ اس بے تکے مضمون کو کون پورا کرے عالمگیر کی لڑکی زیب النساء بھی شاعرہ تھی اسکو جو اس مصرعہ کی خبر پہونچی تو وہ بھی سوچ میں پڑگئی کہ اسکو کس طرح پورا کیا جائے اتفاقاً ایک دن صبح کو شہزادی سرمہ لگا رہی تھی وہ کسی قدر تیز لگا اور آنکھ سے ایک قطرہ آنسو ٹپکا جس میں سرمہ کی کچھ سیاہی تھی اور کچھ سفیدی اور آنسو کو موتی سے تشبیہ دیا ہی کرتے ہیں تو فوراً اسکا ذہن شاہ ایران کے مصرعہ کی طرف گیا اور اس پر دوسرا مصرعہ لگا کر اس طرح شعر پورا کر دیا ہے

دُر ابلق کسے کم دیدہ موجود مگر اشکِ بتانِ سُرمہ آلود

یعنی کسی نے چتکبرا موتی کم دیکھا ہوگا بجز محبوبوں کی سرمہ آلود آنکھوں کے آنسو کے شہزادی نے فوراً عالمگیر کو اطلاع کی عالمگیر بہت خوش ہوئے کہ جس مصرعہ کی تکمیل سے شعراء ایران عاجز ہو گئے تھے خوشی کی بات ہے کہ شعرائے ہندوستان نے اسکو پورا کر دیا اور ایسا پورا کیا کہ پہلا مصرع کبھی جو بے معنی تھا با معنی ہوگیا عالمگیر نے شاہ ایران کو خط کے ذریعہ اسکی اطلاع دی وہ خوشی کے مارے اچھل پڑا کیونکہ اسے تو اپنے مصرع کے ناتمام رہ جانے سے رنج تھا خصوصاً جبکہ شعراء نے اسکو بے معنی قرار دیکر ٹھکرا دیا تھا اب اس نے تمام شعراء ایران کو جمع کیا اور کہا کہ تم نے ہمارے مصرع کو بے معنی کہکر واپس کر دیا تھا لو ہندوستان کے ایک شاعر نے اسکو پورا کر دیا پھر اُسنے پورا شعر سنایا کہ

دُر ابلق کسے کم دیدہ موجود مگر اشکِ بتانِ سُرمہ آلود

شعرا سب کے سب محو حیرت ہو گئے کہ واقعی شاعر نے کمال کیا اب سب نے درخواست کی کہ ہم اس شاعر کی زیارت کرنا چاہتے ہیں شاہ ایران نے عالمگیر کے پاس شکریہ کا خط لکھا اور لکھا کہ شاعر کو ایران بھیجدیا جائے یہاں سب اسکی زیارت کے مشتاق ہیں عالمگیر وہ خط اور انعام لیکر زیب النساء کے پاس آئے کہ لو یہ بادشاہ کا خط ہے وہ تمکو بلاتے ہیں، اور شعر کہو، اب بتلاؤ میں بادشاہ کو کیا جواب دوں شہزادی نے کہا آپ پریشان نہوں میری طرف سے انکو جواب میں یہ شعر لکھ بھیجئے

بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا

یعنی چمن میں بلبل اگر مجھکو دیکھ لیتی تو پھولوں کو چھوڑ دیتی اور اگر برہمن مجھکو دیکھ لیتا تو پھر بت پرستی کیوں کرتا

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

میں اپنے کلام میں اس طرح مخفی ہوں جیسے پھول کی خوشبو اسکی پنکھڑیوں میں پنہاں ہوتی ہے جو شخص میرے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہو وہ میرے کلام میں مجھکو دیکھے۔

زیب النساء کا تخلص بھی مخفی تھا اور اس میں اس لفظ سے اپنے پردہ نشین ہونے کی طرف بھی اشارہ کر دیا، عالمگیر نے یہی شعر لکھکر بھیجدیا جس سے شاہ ایران کو معلوم ہوگیا کہ شاعر پردہ نشین عورت ہے اسلئے آنے سے معذور ہے ۔ یہاں میرا مقصود یہی آخری شعر ہے کہ جب ایک انسان یہ دعوی کرتا ہے کہ ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا۔ تو حق تعالیٰ اگر اپنے کلام کے بارے میں یہ فرمائیں تو کیا تعجب کی بات ہے!

بلکہ درحقیقت یہ شعر اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن ہی پر پڑھنا چاہئے کہ ؎

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

پس دنیا میں اگر کوئی حق تعالیٰ کو دیکھنا چاہے تو وہ قرآن میں حق تعالیٰ کی تجلی دیکھ لے کلام اللہ میں حق تعالیٰ متجلی ہیں۔ اور یہ تجلی ایسی ہے کہ تمام عالم کی تجلیات ایک طرف اور تنہا کلام اللہ کی تجلی ایک طرف کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ شعر کہا ہے ؎

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یعنی یوسف علیہ السلام کا حسن، عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک اور موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضا یہ سب آپ رکھتے ہیں جو کچھ خوبیاں وہ سب الگ الگ رکھتے ہیں آپ تنہا ان سب کے حامل ہیں۔

اسی شعر کو میں قرآن شریف پر پڑھتا ہوں اسلئے کہ قرآن میں ہر رنگ کی تجلی ہے اور یہ جملہ تجلیات کا جامع ہے اور اس تجلی کا حاصل کرنا اللہ تعالےٰ کا مقصود ہے۔ اس تجلی کا حال امام احمدؒ ابن حنبل سے تو پوچھو کہ اسی پر فدا ہو گئے (اور جان ہی نثار کر دی) ان پر یہ تجلی منکشف تھی اسی وجہ سے کلام اللہ کو قدیم فرماتے تھے اور اسی کی وجہ سے انکو شہید کیا گیا۔

ایک صاحب مجھ سے بیان کرتے تھے کہ ایک بزرگ یہ فرماتے تھے کہ جس کسی کی نسبت ضعیف ہو وہ خانہ کعبہ کے انوار کی طرف متوجہ ہو اسکی تکمیل ہو جائے گی۔ میں نے کہا کہ جب بزرگان دین فرما رہے ہیں تو وہ کعبہ کے انوار کا مشاہدہ کرتے ہوں گے مگر میں ایک دوسری بات کہتا ہوں کہ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ کی ایسی تجلی ہے کہ جسکی نسبت میں ضعف ہو

وہ اسکی طرف متوجہ ہو اور اپنی تکمیل کر لے۔

یہاں تک تو تقرب پر گفتگو تھی، تلاوت کا تیسرا فائدہ معنی کا انکشاف ہے یعنی غرض فاجب تلاوت کرتے ہیں تو نفس تلاوت ہی کے وقت اُدہر سے معانی کا انقار ہوتا جاتا ہے۔ یہ کہہ رہا ہوں کہ محض تلاوت کرنے سے تین چیزیں متعلق ہیں الفاظ کا تحفظ، اللہ تعالیٰ کا تقرب اور معانی کا انکشاف۔ اسلئے آپ سے کہتا ہوں کہ احکام کو سمجھنے کے لئے دوسرا وقت مقرر کیجئے اور اس کے لئے الگ مجلس منعقد کیجئے یہ بھی ضروری ہے لیکن نفس تقرب معنی سمجھنے پر موقوف نہیں بلکہ بلا فہم معنی بھی تلاوت موجب قرب ہوتی ہے۔

اب ہم تلاوت کلام اللہ بلا فہم معنیٰ کے مفید اور موجب قرب ہونے کی تائید میں طبقات کبریٰ کی عبارت پیش کرتے ہیں، وھو ھذا۔

كان رضي الله عنه يقول في معنى قول الامام احمد ابن حنبل رضي الله عنه حين رأى رب العزة جل جلاله في منامه فقال يارب بما يتقرب اليك المتقربون قال يا احمد بتلاوة كلامي قال يارب بفهم ام بغير فهم قال يا احمد بفهم و بغير فهم

سید علی خواص رضی اللہ عنہ امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کے بیان میں فرماتے تھے جبکہ انھوں نے (امام احمد رضی اللہ عنہ نے) اللہ جل شانہٗ کو خواب میں دیکھا تھا اور عرض کیا تھا کہ آپکا قرب پانے والوں نے سب سے زیادہ قرب کس چیز سے حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے احمد میرے کلام کی تلاوت سے، انھوں نے عرض کیا کہ اے میرے رب تلاوت سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے؟ ارشاد ہوا جیسے بھی ہو سمجھکر ہو یا بلا سمجھے۔

المراد بفهم ما يتعلق بعلماء الشريعة و بغير فهم ما يتعلق بعلماء الحقيقة فان العلماء ما لهم آلة لفهم كلام الله تعالى الا بالفكر والنظر واما العارفون

مراد بفہم سے (یعنی سمجھکر تلاوت کرنا)، تو اسکا تعلق علماء شریعۃ سے ہے اور بغیر فہم (بے معنی سمجھے تلاوت) کا تعلق علماء حقیقت (عرفاء) سے ہے اسلئے کلام اللہ کے سمجھنے کا کوئی آلہ علماء شریعت کے پاس بجز غور و فکر کے نہیں ہے اور رہے

نظر يقهم الى فهمه الكشف و التعريف الالهى و ذلك لا يحتاج الى تفهم فقيل له ما تقول فيمن يقرأ من العوام من غير فهم فقال قدمنا ان له بكل حرف عشر حسنات فتحت قوله و بغير فهم مسئلتان (طبقات کبریٰ للشعرانی ج۲ ۱۳۴)

عارفین تو انکے لئے کلام اللہ کے سمجھنے کا طریقہ کشف اور تفہیم الٰہی ہے اور یہ حضرات سمجھنے اور نظر کرنے کے محتاج نہیں ہیں پھر سید علی خواصؒ سے کسی نے پوچھا کہ اچھا عوام کی تلاوت کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو کہ بلا فہم تلاوت کرتے ہیں تو فرمایا کہ یہ تو حدیث صحیح ہے کہ ہر حرف پر دس نیکی ملتی ہے پس امام کے قول بغیر فہم تحت دو مسئلے ہیں (ایک تو عوام کی قرأت اور دوسرے عارفین کی)

یہی حدیث تمام علمار کی مستدل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ بغیر فہم معنی کے بھی تلاوت پر ثواب ملتا ہے کیونکہ اسی حدیث میں ہے کہ "میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے میم ایک حرف ہے" اس طرح اسکو تیس نیکی ملتی ہے حالانکہ کوئی بھی اسکا مطلب نہیں سمجھتا۔

امام احمد بن حنبل کے خواب کو امام غزالیؒ نے بھی احیاء العلوم میں نقل فرمایا اور علامہ شعرانیؒ نے بھی اس کتاب میں نقل فرمایا نیز اور بزرگان دین سے بھی سنا ہے تو گویا اسکی صحت پر سب کا اتفاق ہے پس اسکو سند میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

سید علی خواص نے اس خواب کا خوب ہی مطلب بیان فرمایا ہے کہ بِفَهْمٍ کا تعلق علمار شریعت سے ہے اسلئے کہ کلام اللہ کو سمجھنے کیلئے ان حضرات کو نظر و فکر کرنا ضروری ہے اس لئے کہ انکے پاس اسکے علاوہ اور کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے جس سے معانی تک رسائی ہو سکے اور بِغَيْرِ فَهْمٍ کو علمار حقیقت کے ساتھ متعلق فرمایا اسلئے کہ ان نفوس قدسیہ کو نظر و فکر کی ضرورت ہی نہیں ہے اللہ تعالیٰ انکو خود سمجھاتے ہیں وہ جیسے جیسے تلاوت کرتے جاتے ہیں معانی منکشف فرماتے جاتے ہیں تو بھلا پھر انکو نظر و فکر کی ضرورت ہی کیا ہے بلکہ یہ حضرات تو نظر و فکر کو

اور معانی کی طرف توجہ کو اپنے اور خدا کے درمیان حجاب سمجھتے ہیں۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ تلاوت قرآن سے تین مقاصد کا ذکر علامہ بیضاوی نے فرمایا ہے ان میں سب سے اعلیٰ مقصد تقرب الی اللہ ہے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والی چیز تلاوت قرآن ہے اسکی دلیل ہمارے پاس بزرگان دین کے ارشادات ہیں ان کو آپکے سامنے پیش کروں گا۔

ذکر کے فضائل سے تو احادیث بھری پڑی ہیں، محدثین مستقل ابواب اسکے لئے قائم فرمارہے ہیں تو سب اذکار میں بڑھکر قرآن شریف ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ خود اسکو جگہ جگہ ذکر فرمارہے ہیں چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ٥ اور فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اور وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ الآیۃ یعنی بیشک ہم نے ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اسکی حفاظت کرنیوالے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ۔ اہل ذکر سے سوال کرو اگر تم جانتے نہیں ہو اور فرماتے ہیں کہ — ہم نے آپ پر ذکر (قرآن) اسلئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کیلئے اس چیز کو صاف صاف بیان فرمادیں جو انکے لئے نازل کی گئی ہے —

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ قرآن خود ذکر ہے اور احادیث میں تصریح ہے کہ یہ افضل الذکر ہے۔ بہرحال سب سے زیادہ قرب کا موجب تلاوت کلام اللہ ہے مگر اسکے لئے تصحیح نیت کی ضرورت ہے جس عمل سے آدمی خدا کا قرب چاہے اس عمل میں تقرب کی نیت ضروری ہے۔ پس آپ سے کہتا ہوں کہ سب اذکار سے زیادہ تلاوت قرآن کا التزام کیجئے۔ جب اسکا التزام ہوگا تو آپ کو قرآن سے محبت بڑھیگی، اُنس پیدا ہوگا اور مناسبت بڑھے گی اور جسقدر آپ کو قرآن سے انس ہوگا اسی قدر اللہ تعالیٰ کی عنایت آپکی طرف ہوگی۔ اس مضمون کو پھر تفصیل سے بیان کرونگا انشاء اللہ تعالیٰ

کل میں نے تلاوتِ قرآن کے متعلق کچھ بیان کیا تھا اور مزید تفصیل کا وعدہ کیا تھا اس سلسلہ میں علماء کرام کی تصریحات آپکے سامنے موجود ہیں آج اس پر مزید کچھ اور کہنا چاہتا ہوں غور سے سنئے۔

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ یعنی جو کتاب آپکی طرف وحی کی گئی ہے اسکی تلاوت کیجئے۔ اولاً ماقبل سے اسکا ربط بیان کرتا ہوں پھر مزید کلام کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ اور اس سے پہلے بعض قوموں پر عذاب کا ذکر فرمایا ہے اور دور سے یہ مضمون چلا آرہا ہے عذاب کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں کہ" اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا" اسکا مطلب قاضی بیضاوی یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں و زمین کے خلق سے حق کا ارادہ فرمایا ہے باطل کا قصد نہیں کیا یعنی انکے پیدا کرنے میں لاعب نہیں ہیں کہ یونہی عبث اور مہمل کام کردیا بلکہ انکے پیدا کرنے میں حکمت ہے اور اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ خدا کی ذات وصفات پر دلالت کریں، چنانچہ مفسر فرماتے ہیں فَاِنَّ الْمَقْصُوْدَ بِالذَّاتِ مِنْ خَلْقِھِمَا اِفَاضَۃُ الْخَیْرِ وَالدَّلَالَۃُ عَلٰی ذَاتِہٖ وَصِفَاتِہٖ کَمَا اَشَارَ اِلَیْہِ بِقَوْلِہٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ لِاَنَّھُمُ الْمُنْتَفِعُوْنَ بِھَا یعنی انکے خلق سے مقصود بالذات خیر کا افاضہ اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر دلالت کرنا ہے جیسا کہ اسکی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ" یقیناً اس میں مومنین کے لئے نشانی ہے" اسلئے کہ وہی لوگ اس سے منتفع ہوتے ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے اور دوسری چیزیں تو مقصود بالغیر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر دلالت اور اسکی معرفت بالذات ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات مخفی ہے ان پر یہ آسمان و زمین سب کے سب دال ہیں جس طرح آثار قدم چلنے والے پر اور راستہ کی مینگنی جانور کے گذرنے پر دلالت کرتی ہے اسی طرح آسمان و زمین اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر دلالت کرتے ہیں چنانچہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ عارف جب آسمان و زمین کو دیکھتا ہے تو اسکو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی ہے بلکہ جملہ مصنوعات سے صانع کی معرفت ہوتی ہے۔ یہ تمام عالم اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مظہر ہے۔ ہر ہر شئے میں اللہ تعالیٰ کی تجلی موجود ہے اور اہل اللہ اسکا مشاہدہ برابر کرتے ہیں جیسا کہ کسی نے خوب کہا ہے ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

یعنی عارف کی نظر میں سبز درختوں کی ایک ایک پتی حق تعالیٰ کی معرفت کا بے پایاں دفتر ہے" مگر وہ دوسرے لوگ تھے جنکو ہر چیز سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی تھی ہمکو اور آپکو ان سب چیزوں سے کہاں معرفت ہوتی ہے۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ آپ عجائب خانہ کو دیکھتے ہیں اور سمندر کو دیکھتے ہیں اور عجیب سے عجیب تر مخلوق کو دیکھتے ہیں مگر کچھ معرفت اللہ تعالیٰ کی آپ کو نہیں ہوتی حالانکہ اللہ کے بندوں نے انھیں چیزوں سے معرفت حاصل کی ہے۔

ایک عالم تفسیر پڑھا رہے تھے [illegible] سِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ کا ترجمہ کیا تو یہ کہا کہ یہاں فی، علیٰ کے معنی میں [illegible] اور آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ" زمین کے اوپر سیر کرو" اسلئے کہ سیر زمین کے اوپر ہوتی ہے زمین کے اندر نہیں اور فی اندر کے معنی میں آتا ہے۔ ایک دوسرے آدمی وہاں بیٹھے ہوئے تھے وہ عارف تھے انھوں نے کہا کہ مولانا آپ قرآن میں کیوں تاویل کرتے ہیں اپنے میں تاویل کیجئے، یہاں فی

اپنے ہی معنی میں ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ زمین کے اندر سیر کرو، یہ کہکر زمین کی طرف اشارہ کیا وہ شق ہو گئی اور وہ بزرگ اسکے اندر اتر گئے اور کچھ دور جاکر پھر اوپر نکل آئے اور ان سے فرمایا کہ یہ ہے سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ (یعنی زمین میں سیر کرو) ان مفسر صاحب کو بڑی ندامت ہوئی۔

اسی کو مولانا روم ان لفظوں میں ادا فرما رہے ہیں کہ ؎

تازہ کن ایماں نہ از قول زباں
اے ہوا را تازہ کردہ در نہاں

یعنی اے وہ شخص جو باطن میں ہوائے نفسانی کو تازہ کئے ہوئے ہے ایمان کو تازہ کرو مگر زبان سے نہیں بلکہ دل سے ایمان کو تازہ کرو اسلئے کہ ؎

تا ہوا تازہ است ایماں تازہ نیست
کیں ہوا جز قفل ایں دروازہ نیست

یعنی جب تک ہوائے نفسانی تازہ رہتی ہے یعنی نفس زندہ رہتا ہے اسوقت تک ایمان تازہ نہیں ہوتا اسلئے کہ ہوائے نفسانی ایمان کے دروازہ کا قفل ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ؎

کردۂ تاویل لفظ بکر را
خویش را تاویل کن نے ذکر را

فکر تو تاویل کردہ ذکر را
ذکر را مان و بجو داب فکر را

بر ہوا تاویل قرآں می کنی
پست و کج شد از تو معنی سنی

یعنی تم قرآن و حدیث کے محفوظ الفاظ میں تاویلیں کرتے ہو؟ تمکو چاہئے کہ اپنی تاویل کرو، الفاظ قرآن کی تاویل مت کرو تمھاری قوت فکریہ نے لفظ قرآنی کی تاویل کر رکھی ہے تم کو چاہئے کہ قرآن کو تو اسکی اصلی حقیقت پر رہنے دو اور اپنی قوت فکریہ کو بدلو۔ تم محض ہوائے نفسانی پر قرآن کی تاویل کرتے ہو جس سے (تمھاری تاویل کیوجہ سے) قرآن کے روشن و صاف معنی کج اور متغیر ہو گئے۔

میں یہ بیان کر رہا تھا کہ مصنوعات سے معرفت اللہ تعالیٰ کی

ہوتی ہے خدا تعالیٰ نے خود فرمایا ہے اور بزرگان دین نے لکھا ہے تو اس میں کس کو کلام ہو سکتا ہے میں نے خود ہی بیان کیا ہے کہ بہت سے لوگوں کو معرفت ہوئی ہے چنانچہ ایک شخص گ گھڑی لیکر رات بھر اسکو دیکھتے ہی رہ گئے اللہ جانے انکے قلب میں کیا چیز آگئی تھی کہ ساری رات اسکو دیکھتے ہی رہ گئے اور اسی میں صبح ہوگئی، اور تعجب معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اس گھڑی کی ایجاد کرنے والے ہیں انکو ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے زیادہ غافل وہی لوگ ہیں اور جو لوگ عارف ہیں انھوں نے اسی گھڑی سے کیسی کیسی معرفت حاصل کی ہے۔ ایک معرفت یہ کھلی ہے کہ آپ کا قلب گھڑی ہے اور اسمیں جو کوک دیجاتی ہے وہ ذکر اللہ ہے اللہ والے اس میں برابر کوک دیتے رہتے ہیں، جب اس میں کمی دیکھتے ہیں تو بھر دیتے ہیں۔ الغرض اہل اللہ نے مصنوعات سے بھی صانع کی معرفت حاصل کی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی مصنوعات سے معرفت حاصل کرنا بہت مشکل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کا سہل ذریعہ تعلیم فرمایا کہ اُتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ اس کتاب کی تلاوت کیجئے جو بذریعہ وحی آپ کے پاس بھیجی گئی ہے۔ اس سے زمین کی بھی معرفت ہوگی اور آسمان کی بھی ہوگی۔ خدا کی ذات کی اور صفات کی ان سب کی معرفت اسی سے ہوگی، قرآن شریف میں صراط مستقیم کا بیان بعث ونشر کا بیان، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بیان سب موجود ہے بلکہ تمام علم اولین و آخرین قرآن میں ہے۔ حضرت رح سے سنا ہے کہ جب تلاوت کرنے والا اس سے گذرتا ہے تو اسکو ان سب کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور مختلف اوقات میں اُسکی تفصیلی نظران چیزوں پر ہو جاتی ہے اور پھر اس سے ذات و صفات کی طرف عروج ہوتا ہے

یہ کہہ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لئے جو چیز موضوع ہے وہ قرآن ہے اور اسکے حاصل کرنے کا ذریعہ تلاوت ہے جسکا

اور اس آیت میں ہے کہ "جو کتاب آپکی طرف وحی کی گئی ہے اسکی تلاوت کیجیے"

قاضی بیضاوی نے تلاوت کے مامور بہا ہونے کی علت اور غرض جو بیان فرمائی ہے کل میں نے اسکو نقل کیا تھا کہ تَقَرُّبًا اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی بِقِرَائَتِہٖ وَتَحَفُّظًا لِاَلْفَاظِہٖ وَاِسْتِکْشَافًا لِمَعَانِیْہِ آج اسی کی توضیح کرنا چاہتا ہوں۔

تلاوت کی ایک غرض تقرب الی اللہ کو فرمارہے ہیں اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ قاری قرآن قرأت کرتا جاتا ہے اسکو قرب اللہ تعالےٰ کا ہوتا جاتا ہے اور اللہ تعالےٰ اور بندے کے درمیان جو حجابات ہیں وہ وہ سب مرتفع ہوتے جاتے ہیں۔

تھانہ بھون میں ایک آدمی کو میں نے دیکھا کہ تلاوت کررہے تھے یکایک حضرت مولاناؒ کی سہ دری میں قرآن شریف لیکر پہونچے اور حضرت کے پاس پہونچکر کہا کہ خُذْ یَا شَیْخ (حضرت اسکو لیجیے) وہ عالم نہیں تھے لیکن عربی بولنے لگے، حضرت مولاناؒ نے ان کے ہاتھ سے قرآن شریف لے لیا اور انکو اپنے پاس بٹھایا اور پانی منگا کر اس پر دم کرکے انکو دیا کہ اسکو پی لو کچھ دیر کے بعد انکی وہ کیفیت ختم ہوئی تو حضرت مولاناؒ نے ان سے پوچھا کہ کیا کیفیت تھی؟ انھوں نے کہا کہ حضرت فلاں آیت نے پکڑ لیا تھا آگے بڑھنے نہیں دیا۔

دیکھا آپ نے آیت جس کو پکڑتی ہے وہی جانتا ہے آپ کی سمجھ میں کبھی کچھ آتا ہے؟ بھائی سمجھنا بہت مشکل ہے۔ آپ کے یہاں آگیا ہوں تو کہتا ہوں کہ یہ وعظ وغیرہ کھیل نہیں ہے، ہر آدمی کو کھیل مت بناؤ اور تماشائی کی طرح میرے گرد جمع مت رہو بلکہ سمجھو کہ کیا کہہ رہا ہوں۔

اب دوسرا واقعہ سنئے:۔

وہاں میں ایک آدمی نماز پڑھا رہے تھے اس میں سورہ قیامہ کی تلاوت کر رہے تھے جب ان آیات پر پہونچے فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰی ۝ وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۝ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰی اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰی ۝ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ۝ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں کافر کا حال بیان فرمایا ہے اور ایسا ڈانٹا ہے کہ اس نے نہ تو تصدیق کی تھی اور نہ نماز پڑھی تھی لیکن خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی تھی اور احکام سے منہ موڑا تھا اور ناز کرتا ہوا اپنے گھر چل دیتا تھا ایسے شخص سے کہا جاوے گا کہ تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے پھر تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے"

اللہ تعالیٰ نے یہ ایسا پڑھا کہ سب عرب مسلمان ہو گئے ——— اور ان پر اسی سلئے پڑھا ہی گیا تھا کہ کفر کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوں اور اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی (تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے پھر تیری کمبختی پر کمبختی آنے والی ہے۔ دو مرتبہ اسلئے فرمایا کہ حشر دو مرتبہ ہوگا اسکے بعد فرماتے ہیں اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی ۝ اَلَمْ یَکُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی ۝ یعنی کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ وہ مفت سفت چھوڑ دیا جائے گا! کیا وہ منی کا نطفہ نہیں تھا جو رحم میں بہایا جاتا ہے"

جب وہ امام صاحب اس جگہ پہونچے تو زور سے ایک جست لگائی اور محراب سے باہر آگئے پھر باہر سے جست کی اور محراب میں آگئے، اسی طرح کئی مرتبہ جست لگائی پھر ٹھہر گئے۔۔ وہ کامل شخص تھے اسلئے سنبھل گئے ورنہ کوئی دوسرا ہوتا تو برداشت نہ کر سکتا اور گر جاتا اسلئے کہ یہ ایسا حال تھا کہ پہاڑ بھی متحمل نہیں ہو سکتا تھا لیکن انھوں نے برداشت کر لیا، اسی موقع پر یہ کہا جاتا ہے ؎ کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

جب کوئی آیت کسی کو لطف دے جاتی ہے اور اسکی حلاوت وہ پا جاتا ہے تو اسکو وہی جانتا ہے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا

جب آپ کے یہاں آگیا ہوں تو آخر کیا بیان کروں، کیا غیبت شکایت کروں؟ یا کوئی کام کی بات کرنی چاہئے۔ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تلاوت سے اللہ تعالے کا تقرب ہوتا ہے، چنانچہ اس وقت جو واقعات میں نے نقل کئے اسمیں ان تلاوت کرنے والوں کو قرأت قرآن ہی سے تقرب ہوا ۔ چنانچہ انھوں نے کہا کہ آیت نے مجھے پکڑ لیا

یہ تو آپ نے سنا کہ تلاوتِ قرآن سے اللہ تعالے کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اسکے بعد قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ تَحَفُّظًا لِاَلْفَاظِہٖ یعنی تلاوت کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے الفاظ قرآن کا تحفظ ہوتا ہے اسکے متعلق میں کل عرض کر چکا ہوں کہ اسی تحفظ کے لئے تمام مدارس کھلے ہوئے ہیں اور یہ اسکی حفاظت کا خدائی انتظام ہے۔ پس قاضی بیضاوی نے جو فرمایا کہ تلاوت سے اللہ تعالے کا تقرب ہوتا ہے اور جب تلاوت کیجائے گی تو الفاظ قرآن کے محفوظ رہیں گے یہ بالکل صحیح و درست ہے لیکن میں یہاں اتنی بات اور کہتا ہوں کہ تَلَذُّذًا بِاَلْفَاظِہٖ وَتَسَلِّیًا بِالْمَعْشُوْقِ الْحَقِیْقِیِّ مِنْ کَلَامِہٖ یعنی تلاوت کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ قرآن کے الفاظ سے تلذذ حاصل کیا جائے اور معشوق حقیقی سے تسلی اسکے کلام کے ذریعہ کی جائے۔

قرآن شریف اللہ تعالے کا کلام ہے عشاق کے لئے اس دار دنیا میں بجز کلام اللہ کے اور کوئی چیز تسلی کی نہیں ہے اللہ تعالیٰ تو مخفی ہیں اسلئے وہ خود تو نظر آتے نہیں لہٰذا اب انکے عشاق کیلئے اگر تسلی کا کوئی ذریعہ ہے تو یہی کلام اللہ ہے وہ اسی سے تلذذ حاصل کرتے ہیں۔ مثنوی میں مولانا رومؒ نے مجنوں کا ایک واقعہ لکھا ہے ؎

دید مجنوں را یکے صحرا نورد | در بیابان غمش بنشستہ فرد
ریگ کاغذ بود و انگشتاں قلم | می نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنونِ صحرا چیست ایں | می نویسی نامہ بہر کیست ایں

یعنی ایک مسافر نے مجنوں کو اپنے غم کے بیابان میں تنہا بیٹھا ہوا دیکھا دراں حالیکہ ریت کاغذ تھی اور انگلیاں قلم یعنی وہ اپنی انگلیوں سے ریت پر کچھ لکھ رہا تھا تو اس نے کہا اے عاشق مجنون یہ کیا ہے اور اور کس کے نام خط لکھ رہے ہو؟ ؎

گفت مشق نام لیلیٰ می کنم | خاطر خود را تسلّی می دہم

اس نے کہا کہ اپنے لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اور اپنے دل کو اسی سے تسلی دے رہا ہوں۔

اور حضرات تو اس واقعہ کو اس بات پر لاتے ہیں کہ جس طرح مجنوں لیلیٰ لیلیٰ لکھکر اپنے دل کو تسلی دیتا تھا اسی طرح اللہ والے ذکر اللہ سے اور اللہ اللہ سے تسلی حاصل کرتے ہیں لیکن میں اس واقعہ کو اس پر لا رہا ہوں کہ معشوق حقیقی سے انکے عشاق کو تسلی کلام اللہ کی تلاوت ہی سے ہوتی ہے اسلئے کہ اسمیں اللہ تعالیٰ کی تجلی ہے۔ پس جتنی تجلی اور نشاط اور جس قدر لذت اور حلاوت انکو تلاوت سے حاصل ہوتی ہے کسی اور چیز سے نہیں۔

جب عارف تلاوت کرتا ہے تو اسکا رواں رواں اس سے لذت حاصل کرتا ہے کان بھی سنتا ہے اور تمام بدن سننے لگتا ہے گویا تمام بدن ہی کان بن جاتا ہے اور تلاوتِ کلام اللہ اسکے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتی ہے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ذکر جب تمام بدن میں سرایت کر جاتا ہے تب سستی بدن کی دور ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر تمام بدن

میں سرایت کرتا ہے

ذکر جس طرح دل میں ہوتا ہے اسی طرح تمام بدن اس سے ذاکر ہوجاتا ہے اور جب قرآن شریف کی لذت قلب میں آجاتی ہے تو دنیا کی کوئی لذت اسکا مقابلہ نہیں کر سکتی اسلئے کہ دنیوی لذتیں جسمانی ہیں اور یہ لذت روحانی ہے جو خداوندی لذت ہے اسکے سامنے کوئی بھی لذت باقی نہیں رہتی جس طرح عمدہ اور میٹھی چیز کھانے سے زبان کو لذت ملتی ہے اسی طرح تلاوت سے زبان کو بھی ایک لذت وحلاوت ملتی ہے اور بعض آدمی ایسا محو ہوجاتا ہے کہ تمام بدن ہی زبان بنجاتا ہے اور نعمائے جنت کی حلاوت سے بھی یہ حلاوت کہیں بڑھکر ہے کیونکہ وہ حلاوت بھی جسمانی ہوگی اور یہ حلاوت روحانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر اہل کتاب کی مذمت کے بعد پھر انمیں سے جو مسلمان ہو گئے تھے انکی مدح میں فرماتے ہیں، لَيْسُوْا سَوَاءً مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ٥ یعنی یہ اہل کتاب سب برابر نہیں بلکہ انہی اہل کتاب میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے جو دین حق پر قائم ہے اور اللہ کی آیتیں (یعنی قرآن) اوقات شب میں پڑھتی ہے اور وہ لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں۔

اس آیت میں عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ جو اہل کتاب میں سے تھے پھر ایمان لائے اور مؤمن مخلص ہوگئے انکی مدح اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اگر انکی مدح نہ فرماتے اور اہل کتاب کی مذمت عام رہ جاتی تو یہ لوگ جو مخلص تھے غمگین ہو جاتے اسلئے اللہ تعالیٰ نے انکی تسلی کے لئے آیت نازل فرمادی۔

اور انکے اوصاف میں خصوصیت کے ساتھ یہی ذکر فرمایا کہ شب کے

اوقات میں آیات اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور رات کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ رات ہی کو عشق ستاتا ہے اور اسی وقت تسلی کا سبب اختیار کیا جاتا ہے تو اس سے تسلی ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اہل اللہ کیلئے رات کا یہی عمل ہے کہ وہ رات کی ساعات میں اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں اور اسی سے تسلی اور تلذذ حاصل کرتے ہیں۔

اور تلاوت کا تیسرا فائدہ قاضی بیضاوی نے یہ فرمایا کہ اِسْتِکْشَافًا لِمَعَانِیْہِ یعنی تلاوت ہی سے معانی کا انکشاف بھی ہوتا ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ آدمی تلاوت کرتا جاتا ہے اور اسی تلاوت ہی کی وجہ سے اسکو قرآن سے مناسبت بڑھتی رہتی ہے اور رفتہ رفتہ ایسی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے کہ خود بخود معانیٔ قرآن کا القاء اسکے قلب پر ہونے لگتا ہے اور آیات کے معانی اس پر منکشف ہونے لگتے ہیں، چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ بعض بزرگ ایسے بھی گذرے ہیں جنکو تین چار آیتیں بھی یاد نہیں تھیں لیکن بڑے بڑے علماء آیات کے مطالب دریافت کرنے کے لئے انکی طرف رجوع کرتے تھے اور وہ قرآن کے معانی بیان فرمایا کرتے تھے اور اللہ تعالےٰ کی مراد بتلاتے تھے کبھی کبھی یہ بھی فرما دیتے تھے کہ اس آیت کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھکر کل بتادونگا پھر حضورؐ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہوتے اور دریافت کرکے دوسرے روز اسکو بیان فرما دیتے تھے

اب اگر آپ یہ کہیں کہ ہم تو جاہل ہیں قرآن کو کیسے سمجھیں؟ تو ہم آپ سے یہ کہیں گے کہ قرآن شریف اسی لئے اتارا گیا ہے کہ آپکا جہل دور ہو علماء لکھ رہے ہیں کہ مؤمن کو علم تلاوت ہی سے حاصل ہوتا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں میں نے طبقات کبریٰ سے امام احمد بن حنبلؒ کا واقعہ نقل کیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ تلاوت سے جو تقرب ہوتا ہے

فہم معنی (یعنی معنی کے سمجھنے) پر موقوف نہیں بلکہ تلاوت خواہ بفہم ہو یا بغیر فہم (سمجھکر یا بلا سمجھے) موجب قرب ہوتی ہے اور علامہ سید علی خواص نے اسکا خوب ہی مطلب بیان فرمایا ہے کہ بفہم کا تعلق علمار شریعت سے ہے اسلئے کہ کلام کو سمجھنے کے لئے انکو نظر و فکر کرنا ضروری ہے کیونکہ انکے پاس اسکے علاوہ دوسرا کوئی ذریعہ نہیں جس سے معانی تک رسائی ہوسکے اور بغیر فہم کو علمار حقیقت کے ساتھ متعلق فرمایا ہے اسلئے کہ انکے نفوس قدسیہ کو نظر و فکر کی ضرورت ہی نہیں اللہ تعالےٰ انکو خود سمجھاتے ہیں اور وہ جیسے جیسے تلاوت کرتے جاتے ہیں ان پر معانی منکشف فرماتے جاتے ہیں پھر انکو نظر و فکر کی ضرورت ہی کیا ہے بلکہ یہ حضرات نظر و فکر کو اور معانی کی طرف توجہ کو اپنے اور خدا کے درمیان حجاب سمجھتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ تلاوت ہی تقرب الی اللہ کا کلی ذریعہ ہے اور اسی سے معانی کبھی منکشف ہوتے ہیں لہٰذا آپ سے کہتا ہوں کہ بزرگوں نے اسکو کیا ہے اور اسی سے انکو قرب حاصل ہوا ہے اور ان پر معانی کبھی منکشف ہوئے تو یہ بزرگوں کا آزمایا ہوا نسخہ ہے اسلئے اس میں شبہہ کی کوئی بات نہیں رہی آپ کبھی آزمائیے اور تلاوت شروع کیجئے جس قدر زیادہ تلاوت ہوگی اسی قدر زیادہ مناسبت قرآن سے ہوگی اور جتنی زیادہ مناسبت ہوگی اتنا ہی معانی کا انکشاف ہوگا اور تلاوت کی لذت و حلاوت روز بروز بڑھتی جائیگی۔

جب سے میں نے تلاوت قرآن پر بحث کی ہے اور اس پر زیادہ زور دینا شروع کیا ہے کہ تلاوت سے قرب، فہم معانی پر موقوف نہیں بلکہ تلاوت ہی سے معانی کبھی منکشف ہونے لگتے ہیں اور اس سلسلہ میں مستقل ایک کتاب[ف] لکھدی تو لوگوں نے اسکی طرف توجہ کی اور اب میرے پاس برابر خطوط آرہے ہیں کہ جب سے یہ مضمون دیکھا ہے تلاوت کی شان بدل گئی ہے اور تلاوت سے فائدہ محسوس ہو رہا ہے۔ پس یہ صالحین

ف۔ یہ کتاب "تلاوت قرآن" کے نام سے شایع ہوچکی ہے۔ بے نظیر تصنیف ہے۔

کا تجربہ ہے اب آپ اسکو کیوں نہیں تسلیم کیجئے گا ؟ آپ بھی عمل کر کے دیکھ لیجئے۔ اور اگر تقرب اللہ تعالےٰ کا چاہتے ہیں تو ذرا اپنی نیت کی تصحیح کیجئے اور توبہ و استغفار کر کے تجدید ایمان اور قرآن شریف کی عظمت کے استحضار کے ساتھ تلاوت کیجئے، دیکھئے آپکو کچھ دنوں کے بعد اسکی لذت و حلاوت ملتی ہے یا نہیں اور قرب حاصل ہوتا ہے یا نہیں میں سچ کہتا ہوں کہ اگر آپ اس طرح تصحیح نیت و تجدید ایمان اور عظمت کے استحضار کے ساتھ دل سے کلام اللہ کی تلاوت کرینگے تو انشاء اللہ بہت جلد اسکا نفع پائیں گے اور اللہ تعالےٰ سے وجداناً قرب محسوس کریں گے۔

میں نے بہت کچھ کہدیا امید کہ آپ لوگوں نے سنا ہوگا اور سماع قبول سے سنا ہوگا اسلئے کہ ع

پند را از دل بباید داعیہ[۵]

اللہ تعالےٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے

اخیر میں ایک بات اور سن لیجئے! بزرگوں نے لکھا ہے کہ جسکو خدا کی طرف سے بولنے کا اذن ہوتا ہے وہ اس زبان سے نہیں بولتا اسکے بولنے کے لئے دوسری زبان ہوتی ہے اور وہ دوسری زبان سے بولتا ہے اور جس طرح وہ نطق اور تکلم میں ماذون من اللہ ہوتا ہے اسی طرح اسکی بات سننے کے لئے دوسرا کان ہوتا ہے جو سامع باِذنِ اللہ ہوتا ہے یعنی جس طرح اسکو زبان ملتی ہے اسی طرح شاگرد بھی سننے والے ملتے ہیں مولانا رومؒ ساری مثنوی میں اپنے شاگرد ضیاء الحق حسام الدینؒ کو مخاطب بناتے ہیں وہ لکھنے کے لئے بیٹھ جاتے تھے اور مولانا اللہ تعالےٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے پھر وہ ایک ایک لفظ لکھتے جاتے تھے اور مولانا رومؒ سمجھتے تھے کہ میں انہی کے لئے کلام کر رہا ہوں۔

---

۵ نصیحت کے موثر ہونے کیلئے سننے اور محفوظ رکھنے والا کان ہونا چاہئے

یہ کہہ رہا ہوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص ناطق باذن اللہ ہو اور اسکو ایسا کان جو سامع باذن اللہ ہو نہ ملے اور چونکہ وہ منجانب اللہ بولتا ہے اسلئے اولاً خود اسکا کان بھی سامع باذن اللہ ہوتا ہے اور وہ خود بھی سنتا ہے پھر دوسرے لوگ بھی سنتے ہیں بجز اس کے جسکو ادہر سے کچھ سمع وارادت ہی نہ ملے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کریجئے:۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْ اَسْمَاعِنَا وَاَبْصَارِنَا وَقُلُوْبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّیَّاتِنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ وَاجْعَلْنَا شَاكِرِیْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِیْنَ بِهَا قَابِلِیْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَیْنَا اٰمِیْنَ ثُمَّ اٰمِیْنَ۔

اے اللہ! برکت عطا فرما ہمارے کانوں میں اور ہماری آنکھوں میں اور ہمارے قلوب میں اور ہماری بیبیوں میں اور ہماری اولاد میں۔ اور ہماری توبہ قبول فرما، بیشک آپ توبہ کو بہت قبول کرنے والے رحم فرمانے والے ہیں اور ہمکو کردیجئے اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا اور ان پر حمد وثنا کرنے والا اور ان نعمتوں کے قابل اور اپنی تمام نعمتیں ہم کو عطا فرما (آمین)۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتَابِ اس آیت میں حضور کو ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ اس کتاب کی تلاوت کیجئے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اُتْلُ یہ امر کا صیغہ ہے اور اس سے خطاب حضور کو کیا جا رہا ہے اور اسکے مخاطب اولی تو آپ ہی ہیں لیکن بالواسطہ تمام امت کو

خطاب ہے اسلیے سب کے لئے تلاوتِ کلام اللہ مامور بہا ہوئی اور اسکا امراس لئے کیا گیا ہے کہ اس سے تقرب الی اللہ ہوتا ہے بلکہ سب سے بڑا ذریعہ قربِ خداوندی کا تلاوت ہی ہے چنانچہ قاضی بیضاوی کی عبارت تَقَرُّبًا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِقِرَاءَتِهٖ وَ تَحَفُّظًا لِاَلْفَاظِهٖ وَ اِسْتِكْشَافًا لِمَعَانِيْهِ کی توضیح و تشریح آپ کے سامنے پیش کر چکا ہوں آج اس پر مزید کلام کرتا ہوں سنئے :۔

ملفوظات حضرت خواجہ شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ میں ہے :۔

"فرمایا کہ جو مرید اور پیر موافق کتاب و سنت نہ ہو وہ پیر بھی رہزن اور مرید بھی ۔ اور کوئی ذکر کلام اللہ سے بڑھکر نہیں، مناسب ہے کہ اسکی تلاوت کیا کرے کہ اسکا نتیجہ سب طاعتوں سے بڑھکر ہے"

یہ اس لئے فرمایا کہ قرآن میں سب چیزوں کا ذکر ہے جنت کا بھی ذکر ہے اور دوزخ کا بھی اور قرب و رضا کا بھی ۔ اور قراءۃ قرآن سے خدا کے ساتھ مناسبت بڑھتی جاتی ہے۔ آپ نے تقرب کا لفظ بہت سنا ہوگا میں کئی روز سے اسی کی تشریح کر رہا ہوں اور اسکا مطلب بیان کر رہا ہوں اور اسکا حاصل اللہ تعالیٰ سے نسبت اور انکی معیت ہے ۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالے فرماتے ہیں کہ اَنَا جَلِيْسُ مَنْ ذَكَرَنِيْ یعنی جو میرا ذکر کرتا ہے میں اسکا جلیس (اور ہمنشین) ہوتا ہوں اور فرماتے ہیں کہ اَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَكَرَنِيْ یعنی میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے ۔ آپ لوگوں میں بہت سے لوگ حافظ بھی ہیں ان سے خصوصیت سے کہتا ہوں کہ حفظ تو تم نے کر لیا لیکن اللہ تعالیٰ سے مناسبت کب پیدا کرو گے ؟ اللہ تعالے نے جسطرح اپنے تعلق کے لئے نماز اتاری ہے اسی طرح قرآن بھی اتارا ہے اس لئے اب اس سے بہتر چیز اپنے تک

پہونچانے کے لئے اور کون سی گورا فرمائیں گے یا آپ کے اعتقاد کے لئے کیسے جائز رکھیں گے کہ آپ کسی دوسری چیز کو اس سے بڑھکر تقرب کا ذریعہ سمجھیں۔ یہیں سے گمراہی آئی ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کے قرب میں سب سے زیادہ دخل رکھتی ہے اسی میں قرب کا اعتقاد نہیں رہا اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ یہی کہنے کے لئے میں الہ آباد سے آپکے پاس آگیا ہوں اور اس مضمون کو وہاں بھی بہت شد و مد سے برابر بیان کرتا رہا ہوں۔

چنانچہ ایک صاحب نے کہا کہ جب سے آپ نے اس چیز کی طرف توجہ دلائی میں نے سب چھوڑ دیا اور اب صرف قرآن ہی کو لے لیا ہے اور لوگوں سے اسی کی بحث کرتا ہوں (اور اسی پر بیان کرتا ہوں) اور یہ بھی کہا کہ اگر آج سب علماء مل کر یہی کرنے لگیں تو ہندوستان میں اجالا ہو جائے۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے ورنہ ہم تو بالکل جان توڑ رہے ہیں کوئی پوچھتا ہی نہیں اور یہ جو ہمارے پاس آتنی اتنی کثیر تعداد میں لوگ آتے ہیں اس آنے کو ہم خاطر میں نہیں لاتے اس لئے کہ صرف آنے جانے سے کیا ہوتا ہے؟ مگر یہ آنا جانا ختم بھی نہیں ہو سکتا چنانچہ اسکے متعلق آپ سے کہہ چکے ہیں کہ دین کی حقیقت اور اصلِ دین تو بہت دن ہوئے مٹ چکی اور یہ لوگوں کا آنا جانا یہ ظاہری صورت ہے دین کی اسکو آپ مٹا نہیں سکتے اگر آپ چاہیں کہ صورت دین کو بھی ختم کر دیں تو یہ نہیں ہو سکتا۔ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ یعنی اگر تم لوگ تولّی اور اعراض کروگے تو اللہ تعالیٰ تمھاری جگہ دوسری قوم کو بدل دیں گے لیکن یہ سلسلہ قیامت تک باقی رہیگا اور جو لوگ اسکے برعکس کہتے ہیں انکا خیال غلط ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف ہے۔ یہ گاڑی ابتک علماء چلاتے آئے ہیں اب تم اسکے خلاف کرنا چاہو گے تو ادھر سے پکڑ ہو جائیگی۔

یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ زبردست سلسلہ ہے، اللہ و رسول کی طرف سے اسکی نصرت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل یعنی جس طرح بنی اسرائیل میں انبیاء کا سلسلہ قائم رہا اسی طرح میری امت کے علماء برابر اس کام کو انجام دیتے رہیں گے۔ اور فرماتے ہیں لَا یَزَالُ طَائِفَۃٌ مِّنْ اُمَّتِیْ مَنْصُوْرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَھُمْ یعنی ہمیشہ ہماری امت کی ایک جماعت حق پر قائم رہے گی اور انکی منجانب اللہ نصرت ہوتی رہیگی لوگوں کا انکی نصرت چھوڑ دینا اور انکی مخالفت کرنا انکو کچھ نقصان نہیں پہونچا سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سلسلہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ اب جو لوگ انکے خلاف ادھر اُدھر کی باتیں کہتے ہیں وہ خود اپنے پیروں میں کلھاڑی مارتے ہیں اور اللہ و رسول کی مرضی کے خلاف یہ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے جب اپنی کتاب اتاری ہے تو اس سے بہتر اور اس سے بڑھکر اور کون سی چیز مُوْصِلْ اِلَی اللہ (یعنی اللہ تک پہونچانے والی اور اسکی رضاء اور خوشنودی کا ذریعہ) ہوسکتی ہے۔ معانی اور مطالب کا سمجھنا علماء کے ذمہ ہے اور ایک جماعت ایسی کبھی ہونی ضروری ہے جو قرآن کے معانی کا علم رکھتی ہو کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے اگر ساری امت اسکو چھوڑ دیگی تو سب گنہگار ہوں گے لیکن تلاوت کا تو ہر شخص مکلف ہے اور اسکی فضیلت احادیث میں بکثرت وارد ہے اور ترک تلاوت پر وعید شدید آئی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن کی کوئی آیت دیا گیا اور اس نے اسکو بھلا دیا تو قیامت میں وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اَجْذَمْ حاضر ہوگا یعنی اسکے چہرے سے گوشت کٹ کٹ کر گر جائیگا دیکھئے اس میں قرآن کو بھلا دینے پر کس قدر وعید آئی۔

یوں تو ذکر کی فضیلت بھی احادیث میں آئی ہے اور بزرگوں سے بھی ذکر کیا ہے مگر میں یہ کہہ رہا ہوں کہ قرآن کی نسبت اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ اسمیں ذکر سے مراد قرآن ہی ہے تو اب آپ کیسے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کم ہے یا موصل الی اللہ نہیں ہے۔ یہ کیسی گمراہی کی بات ہے کہ قرآن تو اسی کے لئے نازل ہوا ہے اور اس کے بارے میں آدمی یہ سمجھے کہ یہ وصول الی اللہ کا ذریعہ نہیں اور کوئی اسکو پڑھیگا یا دے گا نہیں۔ اس سلسلہ میں قاضی بیضاوی کا کلام نقل کر چکا ہوں انھوں نے خوب بات فرمائی اور میں نے اسکی شرح بھی آپ کے سامنے کی ہے اور انھوں نے جو یہ فرمایا کہ تَقَرُّبًا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بِقِرَاءَتِهٖ یعنی تلاوت قرآن سے مقصد اولی اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا ہے۔ آپ کو سمجھانے کے لئے اسی بات کو میں ان لفظوں میں کہتا ہوں کہ قرآن موصل الی اللہ ہے یعنی اسکی قرأت بندے کو اللہ تعالےٰ تک پہونچاتی ہے اب اگر آپ یہ کہیں کہ ہم کو تو نہیں پہونچاتی تو ہم کہیں گے کہ آپ کو نہ سہی لیکن بہت سے لوگوں کو پہونچاتی ہے جس طرح آپ کو ولایت کے درجات عالیہ حاصل نہیں ہیں لیکن ایمان کی وجہ سے ہم کہیں گے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی اللہ مومنین کا ولی ہے اس سے معلوم ہوا کہ کہ ہر مومن اللہ کا ولی ہوتا ہے تو گو نفس ولایت آپکو بھی حاصل ہے لیکن ولایت کے اور بھی بہت سے درجات ہیں جو آپکو منکشف (اور ظاہر) نہیں ہوئے مگر ان منکشف نہ ہونے کی وجہ سے آپ ان درجات کا انکار نہیں کر سکتے اس لئے کہ بہت سے لوگوں کو منکشف ہوئے ہیں اور ان مراتب علیا پر وہ حضرات فائز ہوئے ہیں۔ اسی طرح اس بات کو بھی سمجھئے کہ بہت سے لوگوں پر یہ بھی منکشف ہوا ہے کہ تلاوت کلام اللہ سب سے بڑھکر موصل الی اللہ ہے، انکو اپنے وجدان سے محسوس ہوتا ہے کہ جب وہ

ہوتی ہے یہاں تک کہ ہوتے ہوتے اس سے محبت کامل ہوجاتی ہے کل تو یہ کہہ رہا تھا کہ تلاوت ذریعہ ہوتی ہے اللہ تعالےٰ سے محبت کا اور جب عشق ستاتا ہے تو اہل محبت کو اسی سے تسلی ہوتی ہے لیکن آج یہ کہہ رہا ہوں کہ تلاوت کرنے سے خود اسی سے عشق ہوتا ہے اللہ تعالےٰ کا عشق تو جب وہاں جائے گا تب ہوگا وہ اُس دار (یعنی دار آخرت) کی چیز ہے اور یہاں دار دنیا میں قرآن ہی سے عشق ہوجاتا ہے اور اس درجہ عشق ہوجاتا ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے بھی اس سے جدائی کسی طرح گورا نہیں ہوتی اور بالکل وہ کیفیت ہوجاتی ہے جیسے مچھلی پانی سے باہر خشکی میں آجاسے تو لوٹنے لگتی ہے۔ اسی طرح قرآن شریف کی تلاوت سے اگر کچھ بھی حصہ ملا ہے تو وہ چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ مگر افسوس اس بات پر ہے کہ آپ لوگوں میں بہت سے قاری بھی ہیں اور امام بھی، تلاوت بھی کرتے ہیں مگر ابھی یہ درجہ تلاوت کا حاصل نہیں ہوا۔ قرآن شریف سے عشق و محبت عین خدا سے عشق ہے۔ قرآن شریف سے مناسبت اور وصول ہوتا جاتا ہے تو حلاوت بڑھتی جاتی ہے اور پھر اس حلاوت کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔

قاضی بیضاویؒ نے جو کچھ فرمایا ان کے الفاظ بھی صحیح ہیں مگر میں دوسری بات کہہ رہا ہوں یعنی یہ کہ الفاظ میں مٹھاس ہوتی ہے اور لذت ہوتی ہے اور کلام اللہ کے تکرار سے وہ لذت برابر بڑھتی جاتی ہے، حتّٰی کہ دنیا کی کوئی لذت اور مٹھاس قلب میں باقی نہیں رہ جاتی۔ قرآن کے نزول سے مقصد ذاتی اور غرض اصلی یہی ہے۔ پھر علما رمشائخ کیلئے انکشاف معانی (معانی کا ظہور) بھی ہوتا ہے اسکا ذریعہ بھی تلاوت ہی ہے یعنی وہ تلاوت کرتے جاتے ہیں اور معانی ان پر منکشف ہوتے جاتے ہیں انکی کتاب یہی ہے وہ اسی میں غرق رہتے ہیں اور وہ اپنی کتاب اسکو کیوں نہ بنائیں جبکہ یہ مکتوب رب العلمین (یعنی اللہ تعالےٰ

خط) ہے اور اسکی طرف اعتناء اور توجہ عین حق تعالیٰ کی طرف اعتناء ہے اور اسکے ساتھ شغف عین حق تعالیٰ کے ساتھ مشغولی ہے اسی طرح اس سے اعراض و بے اعتنائی حق تعالیٰ کو کسی طرح بھی گوارا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکی شکایت فرمائی ہے۔

چنانچہ توریت میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، "اے میرے بندو کیا تم مجھ سے شرم نہیں کرتے کہ جب تمھارے کسی بھائی کا کوئی خط تمھیں راستہ چلتے ہوئے ملتا ہے تو تم راستے سے کنارے ہو جاتے ہو اور اس کے لئے بیٹھ جاتے ہو اور اسکے ایک ایک حرف کو غور سے پڑھتے ہو کہ کہیں کوئی چیز تمھارے پڑھنے سے چھوٹ نہ جائے اور یہ میری کتاب ہے جس کو میں نے تم پر نازل کیا ہے، دیکھو! کس قدر میں نے اس میں تفصیل اور توضیح کی ہے اور کتنا تمھارے لئے تکرار کیا ہے تاکہ تم اس کے طول و عرض میں تامل کرو لیکن تمھارا یہ حال ہے کہ تم اس سے اعراض کرتے ہو کیا میں تمھارے ایک بھائی سے بھی کمتر ہوں؟

اور فرماتے ہیں کہ اے میرے بندو! تمھارا کوئی بھائی جب تمھارے پاس بیٹھا رہتا ہے تو تم کامل طور پر اسکی طرف متوجہ رہتے ہو اور اسکی گفتگو کی طرف ہمہ تن گوش بن جاتے ہو اگر کوئی درمیان میں بولنے لگتا ہے یا کوئی شاغل تمکو اس کے کلام سے روکتا ہے تو تم اشارہ سے کہتے ہو کہ ٹھہرو تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ کسقدر افسوس کی بات ہے کہ میں تو تمھاری جانب متوجہ ہوں اور تم سے ہمکلام ہوں اور تمھارا قلب مجھ سے اعراض کر رہا ہے۔ کیا تم نے مجھکو اپنے ادنیٰ بھائی سے بھی کمتر سمجھ لیا ہے؟"

(احیاء العلوم)

دیکھا آپ نے! اللہ رب العلمین اپنے بندوں سے یہ فرما رہے ہیں کہ ہماری کتاب کے ساتھ ایسی بے اعتنائی اور بے وقعتی کا برتاؤ کرتے ہو؟ گویا اسکی تمھارے نزدیک کوئی وقعت اور عظمت ہی نہیں اس سے کہیں زیادہ تم اپنے دوست واحباب کے خطوط کی جانب توجہ کرتے ہو اور اس میں غور وخوض کرتے ہو کہ کوئی حرف بغیر پڑھے اور بلا سمجھے نہ رہ جائے، کیا میں تمھارے دوست سے بھی کمتر ہوں اور میرا کلام تمھارے دوست کے مکتوب سے بھی بے وقعت ہے؟

یہ کلام کس قدر غیرت دلانے والا ہے؟ ظاہر ہے کہ مومن کا دل تو یہ سنکر موم کی طرح پگھل جانا چاہیئے اور قرآن کی طرف کامل توجہ اور اعتناء ہونا چاہیئے اور کسی کلام کو اس پر فوقیت نہ دینا چاہیئے اگر اب بھی جمود ہی رہے تو یہ مومن مخلص کی شان سے نہایت بعید امر ہے۔

الغرض اللہ کے کچھ خاص بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جنکو سب سے زیادہ شغف خدا ہی کے کلام سے ہوتا ہے حتیٰ کہ قرآن ان کے رگ وریشہ میں سرایت کر جاتا ہے پھر انکو کیسی کچھ لذت و حلاوت ملتی ہے اسکو وہی جانتے ہیں دوسرا کوئی اسکا صحیح اندازہ بھی نہیں کرسکتا اور بعضے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں بلکہ ترقی کر کے کہا جاسکتا ہے کہ اب تو زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں کہ اگر پورا قرآن بھی پڑھ جائیں تو نہ خود ان پر اس تلاوت کا کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ سننے والوں ہی پر ہوتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابیؓ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کا اور پھر اسکے بعد کا حال بیان فرماتے ہیں، سنیئے!

"حضرت ابن عمرؓ اور حضرت جندب رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے (کہ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا) کہ ہم نے ایک مدت اس حال

میں گذاری ہے کہ ہم سے ہر ایک کو قرآن سے پہلے ایمان ملتا تھا پھر کوئی سورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی تھی تب وہ ایمان کے تقاضے سے اس سورت کے حلال وحرام کو معلوم کرتا تھا اور اس کے اوامر ونواہی کو معلوم کرتا تھا اور یہ بھی معلوم کرتا تھا کہ کہاں توقف کرنا مناسب ہے، لیکن اب میں ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جنکو ایمان تو ابھی نہیں ملا لیکن قرآن مل گیا، چنانچہ ایک شخص سورۂ فاتحہ سے ختم قرآن تک پڑھ جاتا ہے مگر اسکو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ قرآن اسے کس بات کا حکم کر رہا ہے اور نہ یہ خبر ہوتی ہے کہ کہاں توقف کرنا چاہئے۔ بس قرآن کو ردی کھجوروں کی طرح بکھیرتا چلا جاتا ہے۔"

مطلب یہ کہ جس طرح ردی کھجور کو آدمی دیر تک منہ میں نہیں لئے رہتا اسلئے کہ اسمیں کوئی مزہ ومٹھاس نہیں پاتا اسی طرح قرآن سے ذرا لطف وحظ جس کے قلب کو نہیں ملا ہوتا ہے اور دل میں کچھ بھی تأثر نہیں رہتا وہ صرف زبان سے فرفر فرفر پڑھتا چلا جاتا ہے ذرا بھی غور نہیں کرتا کہ کس کے کلام کی تلاوت کر رہا ہے اسلئے اسکی قرأت نہایت پھیکی اور بے لطف معلوم ہوتی ہے نہ تو خود اسکو کوئی حلاوت ملتی ہے اور نہ سامعین کو۔

ذرا اسپر غور فرمائیے کہ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت جندبؓ اپنا مشاہدہ بیان فرما رہے ہیں کہ ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں کہ شروع سے اخیر تک قرآن پڑھ جاتے ہیں اور اسکے احکام پر اصلا غور نہیں کرتے اور یہ بھی فرما رہے ہیں کہ یہ لوگ ایمان سے پہلے ہی قرآن دے دیئے گئے ہیں قرأت کر رہے ہیں مگر ایمان ندارد یہ کتنی بڑی بات فرمائی حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے بہت ہی قریب کا زمانہ تھا پھر بھی احوال میں اسقدر تفاوت ہوگیا تھا تو اب جبکہ

زمانہ عہد نبوی سے بہت ہی دور ہو چکا ہے اس زمانہ کے لوگوں کا حال تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ میں ابناء زمانہ کے حالات کو دیکھ دیکھکر کہتا تھا کہ اگرچہ یہ لوگ قرأت وغیرہ کر رہے مگر انکا ایمان ضعیف اور تصدیق نہایت کمزور معلوم ہوتی ہے ورنہ تلاوت انکو کہاں سے کہاں پہونچا دیتی ہے۔ جب ان پر کوئی اثر تلاوت کا نہیں ہوتا تو یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ضرور بالضرور ان لوگوں کی تلاوت نفاقی اور سرسری ہوتی ہے اور اب حضرت ابن عمر اور جندب رضی اللہ عنہما کے فرمانے سے اور تقویت ہوئی اور بات خوب سمجھ میں آئی لہٰذا اب توعلی الاعلان اس بات کو کہتا ہوں کہ تلاوت کرنے کے باوجود باطنی حالات جو نہیں بدل رہے ہیں اسکی اصل وجہ یہی ہے کہ تلاوت بالکل سرسری اور صرف لسانی یعنی زبان ہی سے کیجاتی ہے وگرنہ اگر ایمانی تلاوت کیجائے تو ضرور قلب پر اثر ہوگا اور اس تلاوت کا دوسرا ہی رنگ ہوگا یعنی اسمیں ایک لذت وحلاوت ہوگی اور روز بروز بڑھتی ہوئی معلوم ہوگی۔

ابھی تلاوت پر مزید کلام کروں گا اور جب یہ بحث چھیڑی ہے تو پوری کرونگا جو کچھ کہا ہے وہ بھی کچھ کم نہیں ہے اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی تلاوت اور تلاوت کی حلاوت نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ العزیز کا تعلیم فرمودہ طریقہ تلاوت بھی نقل کر دیا جائے، وہ یہ ہے کہ):۔

تلاوت شروع کرنے سے پہلے قرآن پاک کی عظمت وجلالت کا استحضار کرے اور استغفار و تجدید ایمان بھی کرے پھر اس بات کی تصدیق کرے کہ یا اللہ یہ آپکا کلام برحق ہے اسپر ہمارا ایمان ہے اسمیں جو کچھ ہے سب حق ہے نیز یہ دعا بھی کرے یا اللہ! اپنے کلام کی معرفت اور اخلاص کے ساتھ اسکی تلاوت کی توفیق عطا فرما دیجئے اور اسکے مطابق ہماری زندگی بنا دیجئے اور اسکے تمام احکامات کے تعمیل کی توفیق عطا فرما دیجئے اور اسکے ثمرات اور برکات سے نواز دیجئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسپر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

تلاوت کلام اللہ اور اسکی عظمت وجلالت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں نسبت احسان کا بیان کرتے ہوئے تلاوتِ قرآن کا درجہ بھی بیان فرمایا ہے جس کا اقتباس ہم یہاں لکھتے ہیں اوپر بعض اخلاق کا بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ

لاشی فی ذلك کله کالتفکر وهو قوله صلی الله علیه وسلم فکر ساعة خیر من عبادة ستین سنة وهو علی انواع منها التفکر فی ذات الله وقد نهی الانبیاء صلوات الله علیهم عنه ومنها التفکر فی صفات الله تعالیٰ کالعلم والقدرة والرحمة والاحاطة وهو المعبر عنه عند اهل السلوك بالمراقبه

ان تمام (مذکورہ) امور میں سے کوئی چیز تفکر کے مانند نہیں ہے جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ یک ساعت کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بڑھکر ہے اور اس (تفکر) کی چند قسمیں ہیں، ایک تو ان میں سے اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر کرنا ہے لیکن اس سے تمام انبیا علیہم السلام نے منع فرمایا ہے اور اس میں سے (ایک) تفکر کرنا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات میں جیسے (اللہ تعالیٰ کے) علم میں اور قدرت میں اور رحمت میں اور (صفت) احاطہ میں اور اسی کو اہل سلوک (صوفیاء) کے نزدیک مراقبہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(وقال بعد اسطر)

ومنها التفکر فی افعال الله تعالیٰ الباهرة ومنها التفکر فی ایام الله تعالیٰ

اور اسی میں سے (ایک) تفکر کرنا ہے اللہ تعالیٰ کے افعال باہرہ (غالبہ) میں اور اسی میں سے ایک تفکر کرنا ایام اللہ میں یعنی پہلی امتوں کے اندر جو واقعات اور حوادث پیش آئے ہیں

(وقال بعد اسطر)

ومنها التفکر فی الموت وما بعدہ — اور اسی میں سے (ایک) تفکر کرنا ہے موت کے (حالات) میں اور موت کے بعد کے (پیش آنیوالے) حالات و واقعات میں

(ثم قال بعد اسطر)

فالانسان اذا تفرغ من اشغال الدنیا بالفکر ممعن فی ھذہ الاشیاء و احضرھا بین عینیہ انقھرت بھیمیتہ وغلبت ملکیتہ و لما لم یکن سھلاً علی العامۃ ان یتفرغوا للفکر الممعن و احضارھا بین اعینھم الخ — پس جب انسان دنیوی امور و فکر سے فارغ ہو کر ان امور میں گہری نظر و فکر کریگا اور ان تمام چیزوں کو اپنے سامنے رکھے گا تو اسکی قوت بہیمیہ (نفسانیت) مغلوب، قوت ملکیہ (یعنی روحانیت) غالب ہو جائیگی مگر چونکہ عامۃ الناس کیلئے یہ آسان نہیں تھا کہ وہ گہری فکر کیلئے اپنے کو فارغ کر سکیں اور ان اشیاء کو اپنے پیش نظر رکھ سکیں اسلئے ضروری ہے کہ کچھ ایسی تصویریں بنائی جائیں جنمیں طرح طرح کی فکریں جڑی ہوں اور کچھ ڈھانچے بنیں جنمیں جان پھونکی جائے تاکہ عوام اسے پڑھیں اور وہ ان کے سامنے پڑھی جائے اور عوام اپنے تقدیر کے بقدر اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

(ثم قال بعد اسطر)

وقد اوتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم القرآن جامعاً لھذہ الانواع ومثلہ معہ — اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک (جو) ان تمام چیزوں کا جامع ہے عطا کیا گیا اور (بلکہ) آپ قرآن کے مثل اور چیزیں بھی دیئے گئے (مثلاً حدیث)

(وقال بعد اسطر)

فاقتضت الحکمۃ ان یرغب فی تلاوۃ القرآن ویبین فضلھا وفضل سور و آیات منہ فشبہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الفائدۃ المعنویۃ الحاصلۃ من الآیات بفائدۃ محسوسہ لا انفع منھا عند العرب وھی ناقۃ کوماء خلفۃ — اسلئے حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ قرآن پاک کی تلاوت میں رغبت دلائی جائے اور اسکی فضیلتیں بیان کی جائیں اور اسی طرح اسکی سورتوں اور آیتوں کی بھی فضیلتیں بیان کی جائیں لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فوائد معنویہ کو جو آیت (کی تلاوت) سے حاصل ہوتے ہیں ایک ایسے فائدہ حسی کے ساتھ تشبیہ دیا کہ اہل عرب کے نزدیک اس سے بڑھکر نفع کی کوئی چیز نہیں تھی اور وہ بڑے کوہان کی اونٹنی اور (قوی)

سمینة تصویرا للمعنی تمثیلا له (حجۃ اللہ البالغہ ج۲ ص۶۲)
موٹی بار بردار اونٹنی سے اور یہ اس لئے تاکہ ایک معنوی چیز کی تمثیل وتصویر لوگوں کے سامنے محسوس طریقہ پر آجائے۔

نیز حضرت شاہ ولی اللہ صاحب الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں:۔

من حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بر کمترین امتیان بسیار آ اعظم آنہا تبلیغ فرقان کریم است آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن را تلقین فرمود بقرن اول تا ایشان بقرن ثانی رسانیدند وہکذا ہکذا تا آنکہ ایں دور ماندہ را نیز از روایت ودرایت آں حصہ رسید۔ (الفوز الکبیر ص۱)

(یوں تو) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات اپنے اس کمترین امتی پر بیحد وبے شمار ہیں لیکن ان میں سب سے بڑا احسان آپ کا ہم تک قرآن کریم کا پہونچانا ہے (اس طرح پر) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہؓ کو قرآن کریم کی تلقین فرمایا اور ان حضرات نے تابعینؒ کو پھر اسی طرح یہ سلسلہ بسلسلہ منقول ہوتا رہا تا آنکہ اس عاجز دور ماندہ کو بھی اسکی روایت (یعنی تلاوت الفاظ) اور درایت (یعنی فہم معنی) سے حصہ ملا جن میں سے اول کا "یتلوعلیہم آیاتہ" اور ثانی کا "یعلمہم الکتاب" میں بیان ہے۔

دیکھئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تلاوت کے متعلق جو فرمایا اس میں تصریح ہے کہ عوام کیلئے تلاوت کلام اللہ میں نسبت احسان تک رسائی کا ذریعہ ہے۔

اس موقع پر جی چاہتا ہے کہ تلاوت قرآن پر ذرا بسط کے ساتھ کلام کر دیا جائے تاکہ تلاوت کی برکات سے عام مسلمان بھی مستفید ہو سکیں اور اسکی قدر پہچانیں اور اسکے ذریعہ فلاح دارین حاصل کر سکیں۔ اس سلسلہ میں پہلے ایک بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ کلام اللہ سے استغناء (اور بے توجہی برتنے) پر سخت وعید ہے

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَلَمَّا جَاۤءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ

اور جب ان کے پاس ایک (عظیم الشان) پیغمبر آئے اللہ کی طرف سے جو (رسول ہونے کے ساتھ) تصدیق بھی کر رہے ہیں اس کتاب کی جو ان لوگوں کے پاس ہے (یعنی توارت کی کیونکہ اس میں آپکی نبوت کی خبر ہے تو اس حالت میں آپ پر ایمان لانا

فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ — عین تورات پر عمل تھا جس کو وہ بھی کتاب اللہ جانتے ہیں مگر باوجود اسکے بھی) ان اہل کتاب میں کے ایک فریق نے خود اس کتاب اللہ ہی کو اس طرح پس پشت ڈال دیا جیسے ان کو اس کے مضمون کا یا کتاب اللہ ہونے کا گویا اصلاً علم ہی نہیں۔

اس آیت میں سخت سخط وزجر (ناراضی اور سرزنش) ہے ان اہل کتاب پر جنھوں نے کتاب اللہ پر عمل ترک کر دیا اور اسے نسیًا منسیًا (بالکل فراموش) کر دیا گویا اسے جانتے ہی نہ تھے اور اسے پس پشت ڈال دیا اسے نصب العین نہیں بنایا۔ اسکا حق یہ تھا کہ اسی کو نصب العین بناتے۔ نصب العین وہی چیز بنائی جاتی ہے جو دل میں پہلے رچ جاتی ہے جب دل اس سے خالی ہو جاتا ہے پھر کیا خاک اہتمام ہو سکتا ہے یہ امت محمدیہ کو بھی سنانا مقصود ہے ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں — گفتہ آید در حدیث دیگراں

(بہتر یہی ہے کہ معشوق کا راز دوسروں کی گفتگو کے درمیان بیان کیا جائے۔) کہ جس طرح انھوں نے تورات کو نبذ کیا (یعنی چھوڑ رکھا) اور اس وجہ سے گمراہ ہوئے تم لوگ ایسا نہ کرنا کوئی کتاب اللہ ہو تورَیت ہو، انجیل ہو، زبور ہو قرآن شریف ہو ہر کتاب اللہ کا نبذ (یعنی اسکا چھوڑ دینا اور اس سے روگردانی کرنا) بہت سخت جرم ہے۔ جب اصل وجہ یعنی نبذ مشترک ہوگی تو جہاں بھی یہ وجہ پائی جائیگی سزا بھی وہی ملے گی جیسی انکو ملی۔ اس آیت میں کتاب اللہ سے مراد تورات بھی ہو سکتی ہے ایک قول پر اس لئے اسکے نبذ پر بھی نکیر ہے اور دوسرے قول پر کتاب اللہ سے مراد قرآن بھی ہے اس لئے اسکے نبذ پر بھی نکیر ہے۔ غرض جسکا کتاب اللہ ہونا ثابت ہوا اسکا نبذ یقینًا بڑا جرم ہے۔ کیونکہ نبذ کہتے ہیں کسی شئی کو بیکار سمجھکر پھینک دینے کو اور یہ سلوک کسی کتاب اللہ کے ساتھ انتہائی شقاوت ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ "ان کے کتاب اللہ کے چھوڑ دینے اور اس سے اعراض کرنے کو ایسی چیز سے تشبیہ دی ہے جسکو قلت مبالا

عدم التفات (یعنی بے پروائی اور بے توجہی) کی بنا پر پس پشت ڈالدیا جائے۔
(ج ۱۹ ص ۳۰ روح المعانی)

کتاب اللہ سے آج کل مسلمان جیسی بے رخی اور بے نیازی برت رہے ہیں اس سے مجھے تو بہت خوف معلوم ہوتا ہے انکی یہ انتہا درجہ کی محرومی اور بدنصیبی ہے کہ کتاب اللہ کا دیکھنا، اسکی تلاوت کرنا، اسکے معانی سمجھنا، اس سے برکت حاصل کرنا، اسکے وسیلہ سے دعا مانگنا، اسے چومنا ان میں سے ایک ایک چیز عبادت تھی، حق تعالیٰ کی رحمت اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ تھی اس سے یہ لوگ عدم اعتقاد اور عدم محبت کی بنا پر اعراض کر رہے ہیں۔ اصل شئے اعتقاد ہے اعتقاد ہوتا تو بحکم اِذَا ثَبَتَ الشَّیْئُ ثَبَتَ بِلَوَازِمِہٖ (جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے لوازم کے ساتھ ثابت ہوتی ہے) اس کے آثار بھی ضرور ظاہر ہوتے اور کلام اللہ کی عظمت اس سے محبت، اس سے تعلق، ہر رنگ میں ضرور ظاہر ہوتا۔ مگر لوگوں کا یہ کلام اللہ میں نظر کرنے (اور دیکھنے) سے استغنار، اسکی تلاوت سے استغنار، اسکے معانی سمجھنے سے استغنار، اس سے برکت حاصل کرنے سے استغنار، اسکے واسطے سے دعا کرنے سے استغنار اور اس کے وسیلے سے حاجات مانگنے سے استغنار، اسے چومنے اور آنکھوں سے لگانے سے استغنار انکے عدم اعتقاد پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ سب باتیں وبال کی اور حق تعالیٰ کی ناراضی کی ہیں۔ انا اللہ۔

چوں ترکِ قرآں کردۂ آخر مسلمانی کجا خود شمع ایمان کشتہ اِیں نور ایمانی کجا

(جب تم نے قرآن کو بالکل چھوڑ ہی دیا تو مسلمان ہی کہاں رہ گئے اور جب ایمان کی شمع کو تم نے خود ہی بجھا دیا تو ایمانی نور کہاں سے آئیگا۔)

کلام اللہ شریف دراصل حق تعالیٰ کی طرف سے دنیا والوں کے لئے ایک جبل اور کمند ہے جس کے ذریعہ حق تعالیٰ تک پہونچ سکتے ہیں۔

بزرگوں سے ایک حکایت سنی ہے کہ ایک بزرگ ایک دن شاہی محل کے

نیچے سے گذر رہے تھے بادشاہ بالاخانہ پر بیٹھا تھا اس نے انکو اوپر اپنے پاس بلا لیا اور کمند لٹکا دی یہ اوپر پہونچے تو بادشاہ نے سوال کیا کہ بتائیے کہ آپ اللہ تعالیٰ تک کیسے پہونچے؟ انھوں نے فرمایا کہ اسی طرح جیسے آپ تک یعنی اگر میں خود چاہتا کہ آپ تک پہونچوں تو میرے لئے تقریباً ناممکن تھا کیونکہ اگر میں سارے محل کا چکر لگا کر دروازہ پر پہونچتا بھی تو وہاں دربان مجھے روکتے اور اندر نہ جانے دیتے لیکن جب آپ ہی نے مجھے بلانا چاہا تو کمند کے ذریعہ اپنے پاس بلا لیا، یہی حال بندہ کے حق تعالیٰ تک پہونچنے کا ہے کہ جب وہ چاہتے ہیں کمند لگا کر بلا لیتے ہیں۔ اور وہ کمند انکی مشیت اور جذب ہے میں کہتا ہوں کہ حق تعالےٰ نے بندوں کو اپنے پاس بلانے کے لئے محض اپنے فضل وکرم سے جو کمند لٹکائی ہے وہ یہی قرآن ہے جسے حبل اللہ (اللہ کی رسی) خود حق تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے اسکے ذریعہ بندوں کو اللہ تعالےٰ کا قرب اور اللہ تعالیٰ تک وصول بہت سہل ہوگیا ہے اس کمند کا ایک سرا حق تعالیٰ کے دست مبارک میں ہے اور دوسرا بندوں کے ہاتھ میں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے

أَبْشِرُوا فَإِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ طَرَفُهُ بِيَدِ اللهِ وَطَرَفُهُ بِأَيْدِيكُمْ تَمَسَّكُوا فَإِنَّكُمْ لَنْ تَهْلِكُوا أَوْ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ (طبرانی، منتخب کنز العمالؒ)

خوش ہو جاؤ کہ اس قرآن کا ایک سرا حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمھارے ہاتھوں میں ہے پس اسکو مضبوط پکڑو پھر تم اسکے بعد کبھی ہلاک نہ ہوگے یا فرمایا کہ ہرگز گمراہ نہ ہوگے

مثنوی دفتر سوم ص ۳۲ میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت لکھی ہے جس کی سرخی یہ ہے کہ "تشبیہ کردن قرآن مجید را با عصائے موسیٰ علیہ السلام و وفات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم را تشبیہ نمودن بخواب موسیٰ علیہ السلام و قاصدان تغییر قرآن را باآں دو ساحر بچہ کہ قصد بردن عصائے موسیٰ علیہ السلام کردہ بودند چوں موسیٰ علیہ السلام را خفتہ یافتند" (قرآن کو موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے ساتھ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو موسیٰ علیہ السلام

کے خواب سے اور قرآن کو بدلنے کا ارادہ کرنے والوں کو دو جادوگر بچوں سے تشبیہ دینا جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو سوتا دیکھکر انکے عصا کو لے بھاگنے کا ارادہ کیا تھا)

وہ قصہ یہ لکھا ہے کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک ساحر تھا اسکے دو لڑکے تھے ساحر مرگیا تو ایک دن اسکے لڑکوں نے اسکی قبر پر جاکر اپنے مردہ باپ سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں پوچھا کہ وہ سچے ہیں یا نہیں باپ کی طرف سے انکو جواب ملا کہ اسکے بتانے کی تو مجھے اجازت نہیں البتہ ایک بات بتاتا ہوں کہ تم انکا عصا چرانے کی کوشش کرو اگر چرانے پر قادر نہ ہو تو خود ہی اپنے سوال کا جواب سمجھ لینا ایک دن موسیٰ علیہ السلام ایک کھجور کے درخت کے نیچے سو رہے تھے لوگوں نے آپ کا پتہ بتایا وہ دونوں آپ کے پاس آئے اور دیکھا کہ آپ باغ میں آرام فرمارہے ہیں تو چاہا کہ آپ کا عصا چرا کر لے جائیں یہ خیال کرکے جیسے ہی اسکی طرف بڑھے اس میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ (حسب معمول) اژدھا بنکر ان پر حملہ آور ہوا ان دونوں کا چہرہ مارے خوف کے زرد پڑگیا اور وہاں سے بھاگے اور دل ہی دل میں اپنی غلطی کے معترف تھے ور اب انکو اسکا یقین ہوگیا کہ یہ خدائی عذاب ہے سحر اور جادو نہیں ہے کیونکہ وہ ساحر زادے تھے سحر کی حقیقت سے واقف تھے (جب دل سے تائب ہوگئے تب عصا اپنی جگہ لوٹ آیا) لیکن وہ دونوں اسکے بعد بھی سخت بخار میں مبتلا ہوئے یہاں تک کہ انکی جان پر آبنی آخر کار ایک شخص کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں بھیجکر اپنے تقصیر کی معافی طلب کی چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معاف فرمادیا اسی وقت اچھے ہوگئے اسکے بعد مولانا رومؒ لکھتے ہیں کہ نبی اگرچہ سو رہے تھے مگر انکا معجزہ جاگ رہا تھا اسی طرح قرآن شریف بھی ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا

معجزہ ہے۔ آپ گنبد خضرا میں استراحت فرما رہے ہیں مگر آپؐ کا معجزہ جاگ رہا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب زندہ ہیں اور آپ کا یہ معجزہ (قرآن) بھی زندہ ہے تو پھر بھلا اس معجزہ کی عظمت و برکت، تاثیر اور کرامت کا کیا ٹھکانا ہو سکتا ہے پھر اس سے بے نیازی کے کے کیا معنی ؟ ؎

مصطفیؐ اندر جہاں وانگہ کسے گوید زعقل
آفتاب اندر جہاں وانگہ کسے جوید سُہا

(سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں موجود ہیں پھر بھی کوئی شخص اپنی عقل سے باتیں بنائے (اور تعلیمات نبوت پر توجہ نہ کرے) تو یہ ایسا ہی ہے جیسے آفتاب عالمتاب دنیا میں چمک رہا ہو پھر بھی کوئی نادان روشنی حاصل کرنے کے لئے سُہا جیسے چھوٹے ستارے کو تلاش کرتا پھرے)

یہاں یہ سمجھنا چاہئے کہ قرآن پاک کو حق تعالیٰ سے نہایت قوی نسبت ہے اسکے ساتھ تعظیم، اعتقاد اور محبت کا جو برتاؤ بھی کیا جاتا ہے وہ سبھی حق تعالیٰ کو پسند اور محبوب ہوتا ہے مگر لوگوں نے خدا کی کتاب کے ہوتے ہوئے دوسری کتابوں سے اپنا تعلق جوڑ لیا اور کتاب اللہ سے تعلق، ختم کر دیا۔ حالانکہ کتاب اللہ کی شان اور اسکا حق تو یہ تھا کہ دوسرے مضامین تو درکنار اگر خود حدیث و قرآن ہی کے مضامین دوسری کتابوں میں ہوتے تب بھی ان کے ساتھ مشغول ہو کر قرآن پاک سے استغنار برتنا نہ چاہئے تھا۔ اس بارہ میں اسلاف کی غیرتِ عشق اور محبتِ حق کا حال تو یہ تھا کہ

"ابن سعد نے زہریؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ نے ایک مرتبہ چاہا کہ سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کر لیا جائے اسکے لئے ایک مہینہ تک انھوں نے استخارہ کیا آخر ایک روز صبح کے وقت اس کے

خلاف فیصلہ کرلیا، اور فرمایا کہ ہمیں ایک قوم یاد آئی جس نے خود کتاب لکھی اور اسمیں پھنس گئی اور خدا کی کتاب کو چھوڑ دیا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر سنن جمع کر دی جائیں تو ممکن ہے کہ لوگ کتاب اللہ سے غافل ہو جائیں۔ اور (مقدمہ اصح السیر ص۱۷)

منتخب کنز العمال میں ہے کہ

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ	حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے
ان بنی اسرائیل کتبوا کتابا	ایک کتاب لکھی پھر اسی کی پیروی کرنے لگے اور تورات کو
فاتبعوہ وترکوا التوراۃ	چھوڑ بیٹھے

(منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد ج۱ ص۹۷)

میں کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ کو غیرت آتی ہے کہ اسکی کتاب کو تو لوگ چھوڑ بیٹھیں اور دوسری کتابوں میں مشغول ہو جائیں شامی میں ایک حکایت حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہے۔

قال المزنی قرأت کتاب	مزنی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کتاب الرسالہ
الرسالۃ علی الشافعی ثمانین	حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر اسی بار
مرۃ فما من مرۃ الا وکان	پیش کی مگر ہر مرتبہ ایک نہ ایک غلطی ملتی تھی تو
یقف علی خطأ فقال الشافعی	حضرت نے فرمایا اونہہ، اللہ تعالیٰ کو یہ منظور
ھیہ ابی اللہ ان یکون کتابا	ہی نہیں کہ ان کی کتاب کے سوا دوسری کوئی اور
صحیحا غیر کتابہ (شامی ج۱ ص۲۴)	کتاب صحیح ہو۔

میرا تو یقین ہے کہ قرآن ہی وصول الی اللہ کا واحد ذریعہ ہے بلکہ ترقی کرکے کہتا ہوں کہ اسکے اخبار و احکام کا اذعان اور یقین ہی عین وصول ہے جس کو یہی اذعان جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر درجۂ وصول اسکو حاصل ہوگا چنانچہ متقین کی تعریف میں خود حق تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ یُؤمِنُونَ بِالْغَیْبِ (جو بن دیکھے ایمان لاتے ہیں) اور یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ (قیامت کے دن کا یقین رکھتے ہیں) اور جس کو جتنا ہی کم

اذعان اور اعتقاد ہوگا اتنا ہی اسکے فیض سے محروم رہیگا۔ دیکھئے حضرات انبیا علیہم السلام پر وحی نازل ہوتی تھی تو چونکہ انکو اذعان زیادہ تھا اسلئے وہی سب سے زیادہ اس سے متاثر ہوتے تھے اور کفار کو چونکہ اعتقاد مطلق نہ تھا اس لئے انھوں نے سرے سے کوئی اثر ہی نہ لیا۔ اسی کو یوں سمجھئے کہ مثلاً کسی کی موت کی خبر دی جائے تو جو شخص میت سے جتنا زیادہ قریب ہوگا (یعنی جس کو اس سے جتنا زیادہ تعلق ہوگا) اسی قدر اس پر زیادہ اثر ہوگا اور جس کو اس سے جتنا کم تعلق ہوگا اسی قدر وہ کم متاثر ہوگا پس معلوم ہوا کہ اثر تعلق کی کمی اور زیادتی کی بناء پر ہوا ورنہ خبر موت تو سب کے لئے ایک ہی تھی۔ اسی طرح جو خبریں (قرآن میں) حق تعالیٰ کی طرف سے آئی ہیں وہ سب کے لئے یکساں ہیں لیکن طبائع کے اختلاف حال اور تعلق کی کمی کی وجہ سے اسکا اذعان و یقین لوگوں پر مختلف ہوا۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ قرآن شریف سے سے متعلق دو مستقل چیزیں ہیں، ایک تو ہے اسکی تلاوت کہ یہ بھی ایک مستقل مطلوب شرعی ہے اور دوسری چیز ہے عَمَل بِالقرآن کہ اسکا بھی اللہ و رسول کی جانب سے مستقل مطالبہ ہے لہٰذا جن نصوص میں ترکِ عَمَل بِالقرآن (قرآن پر عمل چھوڑ دینے) پر وعید آئی ہے اسکا یہ مطلب صحیح نہیں کہ بدون عمل کے تلاوت محض لغو اور ایک غیر مثمر (اور بے نتیجہ) شئے ہے کیوں کہ یہ دونوں الگ الگ مباحث ہیں ان میں خلط (گڈمڈ) نہیں کرنا چاہیئے قرآن شریف کا نزول ایمان و عمل دونوں ہی کے لئے ہوا ہے اس کی تلاوت سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے جیسا کہ نص میں وارد ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ و اذا ما انزلت سورۃ فمنھم من یقول ایکم	اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین کہتے ہیں کہ

زادته هذه ایمانا فاما الذین	اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی
امنوا فزادتهم ایمانا وهم	سو جو لوگ ایمان دار ہیں اس سورت نے انکے
یستبشرون واما الذین	ایمان میں ترقی دی ہے اور وہ خوش ہو رہے ہیں
فی قلوبهم مرض فزادتهم	اور جنکے دلوں میں آزار ہے، روگ ہے اس سورت نے ان
رجسا الی رجسهم وماتوا وهم	میں انکی گندگی کے ساتھ اور گندگی بڑھادی اور
کافرون (سورۂ توبہ)	وہ حالت کفر ہی میں مرگئے۔

ایک مقام پر ارشاد ہے کہ

انما المومنون الذین اذا ذکر	بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر
اللہ وجلت قلوبهم واذا	آتا ہے تو انکے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آتیں انکو
تلیت علیهم آیاته زادتهم	پڑھکر سنائی جاتی ہیں وہ آتیں انکے ایمان کو اور زیادہ
ایمانا وعلی ربهم یتوکلون	کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔
(سورۂ انفال)	

کلام اللہ کی تلاوت میں خاصہ ہی ہے اِزدیادِ ایمان (یعنی ایمان کی ترقی) کا تو جب انسان اسکی تلاوت کرے گا تو اس سے اس کا ایمان ضرور بڑھے گا رہا اس کے احکام پر عمل کرنا تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اسکے معنی و مطلب کو بھی سمجھے خواہ خود پڑھکر یا کسی محقق عالم سے ترجمہ پوچھ کر یا سنکر غرض جس طرح ہو سکے اسکا علم حاصل کرے، یہ ایک مستقل فریضہ ہے۔ باقی اگر کوئی شخص علم نہیں حاصل کر سکا ہے تو اسکے یہ معنی نہیں کہ وہ تلاوت بھی نہ کرے اور تلاوت اسکے لئے بیکار چیز ہے یہ خیال صحیح نہیں کیوں کہ ایمان بدون عمل کے بھی رہتا ہے یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مومن ہو اور فاسق بھی ہو پس فاسق بھی جب تلاوت کرے گا تو اسکا جو فائدہ ہے اسکو پہونچے گا۔

دیکھئے حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت

کے اعتبار سے انسانوں کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں اور الگ الگ ہر ایک کی مثال بھی ارشاد فرمائی ہے۔ ہم نے صاحب الادب النبوی کی شرح سے عمدہ اس حدیث کی شرح نہیں دیکھی اسلئے پوری حدیث اور اسکی مکمل شرح انہی کی کتاب سے بعینہ درج کرتے ہیں۔ و ہو ہٰذا۔

عن ابی موسیٰ الاشعریؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال مثل الذی یقرء القرآن کالاترجة طعمها طیب وریحها طیب والذی لایقرء القرآن کالتمرة طعمها طیب ولا ریح لها ومثل الفاجر (فی روایة المنافق) الذی یقرء القرآن کمثل الریحانة ریحها طیب وطعمها مرّ ومثل الفاجر (وفی روایة المنافق) الذی لا یقرء القرآن کمثل الحنظلة طعمها مرّ ولا ریح لها وفی روایة المؤمن الذی یقرء القرآن و یعمل بہ۔ والمؤمن الذی لا یقرأ۔ رواہ الشیخان وابوداؤد والترمذی والنسائی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اس شخص کی مثال جو قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہے مانند نارنگی کے ہے کہ اسکا مزہ بھی شیریں ہے اور خوشبو بھی عمدہ ہے اور اس شخص کی مثال جو قرآن شریف نہیں پڑھتا ایسی ہے جیسے تمرہ (چھوہارا) کہ اسکا مزہ تو شیریں ہے مگر خوشبو اس میں مطلقاً نہیں اور مثال اس فاجر کی (اور ایک روایت کی رو سے اس منافق کی) جو قرآن شریف پڑھتا ہے مانند ریحانہ کے ہے کہ خوشبو تو اسکی اچھی ہے مگر مزہ اسکا کڑوا ہے اور مثال اس فاجر کی (اور ایک روایت کی رو سے اس منافق کی) جو قرآن شریف نہیں پڑھتا مانند حنظلہ کے ہے کہ جسکا مزہ کڑوا ہوتا ہے اور خوشبو بھی اس میں کچھ نہیں ہوتی۔ ایک دوسری روایت میں بجائے مثل الذی یقرأ القرآن اور الذی لایقرأ القرآن کے المؤمن الذی یقرأ القرآن ویعمل بہ اور المؤمن الذی لایقرأ آیا ہے۔
اس حدیث کو بخاری ومسلم اور ابوداؤد وترمذی ونسائی نے روایت کی ہے

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ان چار قسم کے لوگوں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں جنکا تعلق قرآن شریف سے ہے اور جو اس کتاب کو مانتے ہیں اور اسکی وجہ سے اسکی جانب منسوب کئے جاتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اگرچہ ظاہری طور پر سہی۔ شارح کہتے ہیں۔

مثل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا الحدیث لاربعۃ اصناف من الناس لھم صلۃ بالقران و باعتبارہ کتابا ینتمون الیہ و یومنون بہ و ایمانا ظاھرا فاولھم شخص او فریق ملأ الایمان قلبہ و فاض علی جوارحہ فھو باللہ موقن و برسولہ مومن و بکتابہ مصدق و بدینہ عامل جعل لنفسہ حظا من القرآن یتلوہ اناء اللیل فی تھجدہ او مضجعہ او جالسا علی فراشہ او مکتبہ و یتلوہ فی ساعات النھار قائما و قاعدا راکعا و ساجدا کلما سنحت لہ فرصۃ لقراءتہ انتھزھا حتی لا یغفل قلبہ عن ذکر اللہ فتتخطفہ الشیاطین تضلہ عن سواء السبیل و لیست قراءتہ من طرف لسانہ و شفتہ و شدقہ و حنجرتہ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ان چار قسم کے لوگوں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں جن کا تعلق قرآن شریف سے ہے جو اسکو کتاب مانتے ہیں اور اسکی وجہ سے اسکی جانب منسوب کئے جاتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اگرچہ ظاہری طور پر ہی سہی ان میں سے پہلا شخص وہ شخص یا جماعت ہے جسکا قلب ایمان سے لبریز ہو یہاں تک کہ وہ اسکے جوارح پر فائض ہوگیا ہو (یعنی اندر سے باہر بھی آگیا ہو) پس وہ اللہ تعالی پر یقین رکھتا ہے اور اسکے رسول پر ایمان رکھتا ہے اس کی کتاب کی تصدیق کرتا ہے اور اسکے دین پر عامل ہے اس نے اپنے لئے قرآن شریف سے بھی ایک حصہ مقرر کرلیا ہے جس کو کہ اپنے تہجد میں رات کی ساعات میں تلاوت کرتا ہے یا خواب گاہ میں پڑھا کرتا ہے اور گھر اور مدرسے میں بیٹھے بیٹھے پڑھا کرتا ہے نیز اسکو دن کے اوقات میں بھی کھڑے بیٹھے، رکوع کی حالت میں سجدے کی حالت میں غرض کہ جب جب اسکو موقع ملتا ہے اسکی تلاوت کو غنیمت شمار کرتا ہے تاکہ اسکا قلب اللہ کے ذکر سے غافل نہونے پائے کہ شیاطین اسکو اچک لیں اور سیدھی راہ سے گمراہ کردیں، پھر یہ کہ اسکی یہ قرأت محض زبان کے کنارہ اور ہونٹوں اور جبڑوں اور صرف حلق ہی سے نہیں ہوتی بلکہ اسکا قلب پڑھتا ہے اور اسکی عقل اسکا تکرار کرتی ہے اور اسی لئے کہ اسکی یہ قرأت قلب سے ہوتی ہے اور وہ ثمرہ لاتی ہے خشیۃ اور

بل قلبه الذي يقرأ وليه الذي
يرده ولذلك اثمرت الخشية
والهداية وانتجت العمل والاستقامة
فهذا مثاله الرسول صلى الله عليه وسلم
بالاترجة ذات الطعم اللذيذ والرائحة
الطيبة فان بلوته واختبرته و
عاشرته وعاملته لم تجده الا امرأ
وفيا براً تقياً يقدس الحق تقديسًا
ويشنأ الباطل مشنأ وان شممته
فرائحة طيبة ذكية عبقة تحي القلوب
وتنعش النفوس وتذكي العقول
وكيف لاتكون كذلك وهي نفحة
القرآن ومسكه الذي انبعث
من لسانه الرطب المعطر
وقلبه الحي المطهر

ہدایت کا اور منتج ہوتی ہے عمل اور استقامت
کی، یہی وہ قرارت ہے جس کی مثال رسول
صلی اللہ علیہ وسلم نے نارنگی سے دی ہے
جو کہ مزے میں لذیذ اور خوشبو میں نہایت
نفیس ہوتی ہے اگر تم اس شخص کو (جو ایسی
تلاوت کرتا ہے) آزماؤ اور اس کے ساتھ
معاشرت رکھو اور کوئی معاملہ کرو تو اسکو ایک
مرد وفا شعار نیک و متقی اور حق کو حق اور باطل کو
باطل سمجھنے والا پاؤگے اور اگر سونگھوگے تو
نہایت عمدہ اور بہترین خوشبو والا پاؤگے
(ایسی خوشبو) جو قلوب کو زندہ کردے
اور نفوس کو حیات بخش دے اور عقول
کو ذکی بنادے، اور کیوں نہو یہ ہے بھی تو
قرآن کریم کی خوشبو اور اسکا وہ مشک جو اس شخص
کی ایسی زبان سے جو تر اور معطر ہے اور اسکے ایسے
قلب سے جو زندہ اور مطہر ہے نکلا ہوا ہے۔
(دیکھئے! یہ سب استقامت اور عمل اور صفات
حسنہ وغیرہ اسی تلاوت لسانی ہی کے ثمرات
اور برکات تو ہیں جس میں دل بھی شریک ہو
مطلب یہ کہ تلاوت لسانی بھی کوئی چیز ہے
اور ان آثار میں اسکو دخل بھی ہے لہذا بجائے
اسکے کہ اسکی نفی اور انکار کیا جائے چاہیئے کہ
تلاوت کرنے والوں کو اسکی بھی ترغیب دی جائے

کہ زبان سے تلاوت کے ساتھ ساتھ وہ قلب کو بھی زبان کا شریک اور ہمنوا بنائیں تاکہ اسکا پورا فائدہ مرتب ہو۔ ناقل عفی عنہ)

وثانیھم شخص او فریق بالقرآن مؤمن، باحکامہ عامل، وبارشادہ مھتد وباخلاقہ متخلق، ولکن لم یؤت القرآن تلاوۃ وحفظا وان اوتیہ تطبیقا وعملا فھذا کالتمرہ حلو الطعم لذیذہ طیب الخلق جمیلہ صادق النیۃ حسن الطویۃ اما الرائحۃ فمفقودۃ اذ لم یتطیب بمسك القرآن وان غسل قلبہ بما السلسبیل ومثلہ فی عملہ الجلیل

دوسرا ان میں سے وہ شخص یا فریق ہے جو قرآن شریف پر ایمان بھی رکھتا ہو اور اسکے احکام پر عامل بھی ہو اور اسکی رہنمائی سے ہدایت یافتہ بھی ہے اسکے اخلاق سے متخلق ہے، لیکن نہ تو قرآن کی تلاوت اسے نصیب ہے اور نہ اسکا حفظ ہی اسکو نصیب ہے (یعنی نہ تو قرآن اسکو حفظ ہے نہ وہ اسکی تلاوت کرتا ہے) اگرچہ اسکی آیات کی تطبیق اور اس پر عمل کرنا اسکو نصیب ہے (یعنی اسکو اس امر کی توفیق حاصل ہے کہ وہ اپنے جمیع احوال کو قرآن کریم سے مطابق کئے ہوئے ہے یعنی اپنے عقائد، عبادات معاملات، معاشرت اور اخلاق سب چیزوں کو قرآن شریف کی تعلیم کے مطابق اور موافق رکھتا ہے اس طرح پر گویا اسکا پورا عامل ہے) پس یہ شخص مزے میں تو مثل تمرہ (چھوہارے) کے ہے کہ شیریں اور لذیذ ہے نہایت پاکیزہ اور عمدہ اخلاق والا ہے، صادق النیۃ اور باطن کا نہایت اچھا ہے مگر خوشبو اس کے اندر مطلقاً نہیں ہے یہ اسلئے کہ قرآن کی خوشبو (یعنی تلاوت) کی خوشبو کے ساتھ وہ خوشبو دار نہیں ہوا اگرچہ اس نے اپنے قلب کو قرآن کے ماء سلسبیل سے دھو لیا اور اسکو اپنے عمل جلیل میں معمول بھی بنا لیا ہے

وثالثهم فاجر او منافق ليس له من الايمان الا اسمه ولا من الدين الا رسمه يقرأ القرآن وقد يجيد حفظه ويتقن طرقه ويعرف قراءاته وتوقيع الفاظه ونغماته ولكن لا تجاوز التلاوة حنجرته ولا تعدو ترقوته فان بلوته تكشف لك عن قلب اسود وفؤاد مظلم وخلق مر وعمل ضر وهذا مثله الرسول صلى الله عليه وسلم بالريحانة ان شممت فرائحة ذكية وان ذقت فمرارة لذعة كذالك هذا يقرء القرآن فتستريح له النفوس كما تستريح للروائح العطرة ولكن قلبه ونفسه منطويان على السوء تذوق مرارته تخرق ذائقته ان عاشرته او عاملته ومثل هذا لا اثر للقرآن في نفسه لان فجوره ونفاقه ختم على قلبه فلا تؤثر فيه نصيحة ولا تنجع معه موعظة

تیسرا ان میں سے وہ فاجر یا منافق ہے جس میں کہ ایمان کا صرف نام ہی نام ہے اور دینی امور میں سے صرف ظاہری رسوم پائے جاتے ہیں قرآن پڑھتا ہے اور اچھا یاد کئے ہوئے ہے اسکے سب طرق کی مشق کئے ہوئے ہے اسکی تمام قراءتوں سے واقف ہے الفاظ کو خوب جما جما کر خوب ترنم کے ساتھ پڑھتا ہے مگر تلاوت اس کے گلے اور حلق کے نیچے نہیں اترتی، اگر تم اسکا امتحان کرو تو سیاہ تاریک دل والا، برے اخلاق والا اور تکلیف دہ عمل والا پاؤگے اسکی مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریحانہ (اور تلسی) کے ساتھ دی ہے کہ اسکو اگر تم سونگھو تو نہایت عمدہ خوشبو اور چکھو تو ایسی کڑواہٹ کہ زبان ہی اینٹھ جائے اسی طرح یہ شخص ہے کہ قرآن پڑھتا ہے جسکی وجہ سے لوگوں کو سکون و چین حاصل ہوتا ہے جس طرح سے عمدہ خوشبو سے راحت ملتی ہے لیکن اسکا قلب اور نفس دونوں برائیوں میں لپٹے ہوئے ہیں جس کی کڑواہٹ اور گندگی تم اس سے معاملہ کرنے یا معاشرت رکھنے پر معلوم کرسکتے ہو اور محسوس کرسکتے ہو اور اس جیسے شخص کے نفس میں قرآن کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسلئے کہ اسکا فسق و نفاق اسکے قلب پر مہر لگا دیتا ہے بس نہ تو کوئی نصیحت کارگر ہوتی ہے اور نہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی وعظ ہی نافع ہوتا ہے۔

ورابعهم منافق او فاجر لا صلة

اور چوتھا شخص وہ منافق یا فاجر ہے جسکا تعلق قرآن

القرآن لا علماً ولا عملاً ولا تلاوةً حفظاً وهذا شبّهه الرسول صلى الله عليه وسلم بالحنظلة لا ريح لها وطعمها مر يشبع لذلك هذا يحمل نفسا خلقت من الفجور ونبتت في النفاق ان تذوقها الناس اذت السنتهم ودنست نفوسهم ولا يشم منه خيراذ حرم من طيب الطيوب وعطر العطور كتاب الله جلاء العيون وشرح الصدور وحياة النفوس وطب القلوب وشنف الاذان وسراج الالباب تلك هي الاصناف الاربعة التي تعرض لها الرسول صلى الله عليه وسلم بالبيان والتمثيل فيا ترى في ايها وضعت نفسك ؟ ظني ان تكون المؤمن المخلص والقارئ المتدبر والعامل الورع ۔ (الادب النبوی ص۲۳۳ تا ۲۳۶)

قرآن شریف نہ ہو نہ علماً نہ عملاً نہ تلاوۃً نہ حفظاً اس شخص کی تشبیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنظلہ سے دی ہے کہ اس میں خوشبو بھی نہیں ہے اور مزہ بھی اسکا نہایت کڑوا اور بکھٹا ہوتا ہے یہی حال اس شخص کا ہے کہ یہ ایک ایسا نفس رکھتا ہے جو فسق وفجور کا مجسمہ ہے اور نفاق میں بڑھا اور پلا ہے اگر لوگ اسکو چکھیں تو انکی زبانیں تکلیف محسوس کریں انکے نفوس خراب ہو جائیں ۔ اس سے کسی قسم کی بھلائی نہیں دیکھی اور سونگھی جاسکتی ہے اس لئے کہ سب خوشبوؤں سے بڑھکر جو خوشبو ہے اور سارے عطروں کا جو عطر ہے یہ شخص اسی سے محروم ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب جو کہ آنکھوں کی روشنی اور سینوں کا انشراح، نفوس کی حیات، قلوب کی تازگی، کانوں کا زیور اور عقول کا چراغ ہے ۔ یہی کل چار قسمیں ہیں جنکے بیان اور تمثیل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعرض فرمایا ہے۔ کاش تم اپنے کو دیکھتے کہ ان میں سے کس میں خود کو رکھنا چاہتے ہو؟ میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر تم اسکو سوچو تو مومن مخلص اور قاری متدبر اور عامل ورع ہو جاؤ۔

اس میں انھوں نے کیا خوب بات فرمائی ہے وَلَيْسَتْ قِرَاءَتُهُ مِنْ طَرَفِ لِسَانِهِ وَشَفَتِهِ وَحَنْجَرَتِهِ بَلْ قَلْبُهُ الَّذِي يَقْرَأُ وَلُبُّهُ الَّذِي يُرَدِّدُ میں یہ سمجھتا ہوں کہ تلاوت لسانی ہی تلاوت قلبی و لُبی تک پہونچا دیتی ہے یہی اسکا واحد ذریعہ ہے اور میرے خیال میں جس تلاوت کی مدح ہے وہ یہی ہے

جو لب اور قلب سے ہوا اور جس پر نکیر ہے وہ وہ ہے جو طرف لسان سے ہو ۔ اگرچہ تلاوت قرآن کی اہمیت ثابت کرنے کے لئے اتنا بھی کافی ہے جو مذکور ہے لیکن اس مضمون کی تکمیل کے لئے ہم ذیل میں چند آیات اور احادیث اور بھی درج کرتے ہیں

قال اللہ تعالیٰ اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ قال القاضی البیضاوی فی تفسیرہ تقربا الی اللہ تعالیٰ بقرأتہ وتحفظا لالفاظہ واستکشافا لمعانیہ فان القاری المتامل قد ینکشف لہ بالتکرار ما لم ینکشف لہ اول ما قرع سمعہ انتھیٰ ۔ (بیضاوی کامل)

فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آپ رسول ہیں (اسلئے) جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اسکو پڑھا کیجئے قاضی بیضاوی اسکی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب اسکے پڑھنے سے حاصل ہو اور اسکے الفاظ بان ذہن میں محفوظ ہو جائیں اور اسکے مضامین کھلتے جائیں کیونکہ غور سے پڑھنے والے قاری پر بعض وقت بار بار پڑھنے ہی سے ایسے مضامین کھلتے ہیں جو پہلی بار کے سننے پر اسکی سمجھ میں نہیں آسکے تھے ۔

اس میں تصریح ہے کہ قرأت سے تقرب الی اللہ (یعنی اللہ کے قرب اور رضا کا حصول) ہوتا ہے نیز کثرت قرأت سے تدبر کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس میں معانی کا انکشاف ہوتا ہے۔ ہمارے مدعا میں یہ آیت (قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کے مطابق) نص ہے کہ نفس تلاوت سے قرب ہوتا ہے تحفظ الفاظ وانکشاف معانی مزید برآں، جس طرح صلوٰۃ عبادت ہے اسی طرح قرأت بھی عبادت ہے ۔ صلوٰۃ میں اگر قرأت بلا فہم معنی (یعنی بغیر معنی سمجھے ہوئے) ہو تو صلوٰۃ صحیح ہو جائیگی اور قرب کا موجب بھی ہوگی اسیطرح قرأت بھی بلا فہم معنی صحیح ہے اور موجب قرب ہے ۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ قرأت ذکر اللہ ہے، قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ ذکر اللہ فرمایا ہے جس طرح نماز کیوجہ یہ اصل قرأت کا حکم ہے قرأت کے ساتھ اگر دیگر امور منضم ہو جائیں گے تو دوسرا حکم ہو جائے گا مثلاً نفاق کے ساتھ قرأت کر رہا ہے تو نفاق کی

وجہ سے اس کا اثر مرتب نہ ہوگا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومثل الفاجر (فی روایۃ المنافق) الذی یقرأ القرآن کمثل الریحانۃ ریحھا طیب وطعمھا مر وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام ورب قاری القرآن والقرآن یلعنہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بدکار (یا بروایتے وہ منافق) جو قرآن پڑھتا ہے اسکی مثال تلسی کی سی ہے کہ خوشبو بہت اچھی مگر مزہ کڑوا۔ نیز فرمایا کہ بعض قاری قرآن ایسے ہوتے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔

تو قرأت ہی کی کیا تخصیص ہے ہر عبادت اگر کوئی امر مفسد منضم ہو جاتا ہے تو اسکا حکم بدل جاتا ہے۔ مزید توضیح کے لئے اور آیات پیش کرتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ لَیۡسُوۡا سَوَآءً مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتۡلُوۡنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيۡلِ وَهُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ	فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ یہ اہل کتاب سب برابر نہیں (بلکہ) ان (ہی) میں سے ایک جماعت وہ بھی ہے جو (دین حق) پر قائم ہے (اور) اللہ تعالیٰ کی آیات (یعنی قرآن) اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور وہ نماز بھی پڑھتے ہیں۔

یہاں ظاہر ہے کہ تلاوت پر مدح ہے خاصکر رات کی ساعات میں کہ خاص شغف اور شوق و محبت کی دلیل ہے اور اٰنَآءَ الَّيۡلِ میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ عشاق کو رات کی ساعات میں جب محبوب کی یاد ستاتی ہے تو یہی تلاوت انکے لئے تسلی کا ذریعہ ہوتی ہے جس طرح کسی دنیوی محبوب کے خط کو محبت سے بار بار پڑھا جاتا ہے اور اسکے الفاظ کی تکرار میں بھی محب کو ایک خاص لطف آتا ہے، چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کو مکتوب رب العالمین فرمایا ہے۔ یا کسی کے پاس کوئی شاہی فرمان آتا ہے تو وہ صرف اس پر قناعت نہیں کرتا کہ یہ معلوم کرلے کہ اسکا کیا مضمون ہے بلکہ اسکو پڑھتا ہے اور بار بار پڑھتا ہے

تاکہ الفاظ سے اسکا صحیح مطلب نکال سکے بعض اوقات جب سمجھ میں اختلاف ہوتا ہے تو الفاظ سے جو مطلب سمجھ میں آتا ہے اسی کو ترجیح دی جاتی ہے اسی طرح اللہ کے کلام میں بھی جو مَلِکُ الکلام (یعنی تمام کلاموں کا بادشہ ہے ایک مومن مخلص کی بھی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اسکو بار بار پڑھے اور اس سے لطف اندوز ہو اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جب مخلوق کے کلام میں ایسی لذت ہوتی ہے تو خالق کے کلام میں اہل اللہ کو جیسی کچھ لذت ملتی ہوگی اسکا تو اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا پس ایک طالب کیلئے اپنے خالق سے تسلی کا بجز اُسکے کلام کی تلاوت کے اور کیا ذریعہ ہو سکتا ہے

چیست قرآں؟ اے کلام حق شناس
رونمائے ربِ ناس آمد بناس

(قرآن کیا ہے؟ اے کلام حق کو پہچاننے والے! وہ لوگوں کے رب کا رونما ہے (یعنی اسکی معرفت کرانے والا ہے) جو لوگوں کے پاس آیا ہے)
اور کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

(میں اپنے کلام کے اندر اسی طرح پوشیدہ ہوں جیسے پھول کی پنکھڑی میں پھول کی خوشبو پوشیدہ ہوتی ہے۔ جو مجھے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے اسے میرے کلام ہی میں مجھے دیکھنا چاہئے)

قَالَ اللّٰہ تَعَالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ
پ ۲۲

فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ جو لوگ کتاب اللہ (یعنی قرآن) کی تلاوت (مع العمل) کرتے رہتے ہیں اور (خصوصیت اور اہتمام کے ساتھ) نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انکو عطا فرمایا ہے اسمیں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ (بوجہ وعدہ الٰہیہ کے ایسی دائم النفع) تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی ماند نہ ہوگی

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ یہاں جنکا بیان فرمانا چاہتے ہیں انکے بیان کا یہ عنوان اختیار فرمایا ہے جس سے انکا امتیازی لقب معلوم ہوتا ہے اور اس سے خاص فضیلت تلاوت کی مفہوم ہوتی ہے

سورۂ بقرہ میں ہے کہ

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ	یعنی کیا تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرو گے اور خود اپنے کو بھول جایا کرو گے حالانکہ تم توراۃ کی تلاوت بھی کرتے رہتے ہو

اسمیں اسی تلاوت پر نکیر ہے جس میں قول و فعل میں تطابق نہو ۔ اسی طرح اسی سورہ میں ارشاد ہے

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ	یعنی جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توراۃ و انجیل) دی بشرطیکہ اسکی تلاوت کرتے رہے جس طرح کہ تلاوت کا حق ہے ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں۔

اس آیت میں بھی تلاوت پر مدح ہے ۔

اب تلاوت کے متعلق احادیث پیش کرتا ہوں (ابن ماجہ میں ایک لمبی حدیث آئی ہے مقام کے مناسب اس کے الفاظ لکھے جاتے ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :۔

انکم تقدمون علی قوم للقرآن فی صدورهم هزیز کهزیز المرجل فاذا رأوکم مدوا الیکم اعناقهم وقالوا اصحاب محمد فاقلوا الروایة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم وانا شریککم ۔	دیکھو تم لوگ ایسے لوگوں کے پاس پہونچو گے کہ ان کے سینوں میں قرآن ہانڈی کے ابال کی طرح جوش مارتا رہتا ہے جب وہ تمھیں دیکھیں گے تو صحابۂ رسول صحابۂ رسول کہکر تمھاری طرف گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے تو تم انکے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایتیں کم بیان کرنا اور میں بھی تمھارا شریک ہوں ۔

اور منتخب کنز العمال میں اسی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ :۔

فلا تصدوهم بالاحادیث فتشغلوهم جردوا القرآن واقلوا	یعنی اس جماعت کے سامنے احادیث رسول نہ بیان کرنا کہ انکو (قرآن سے) روک دو بس صرف قرآن کو تنہا

الروایۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امضوا وانا شریککم

رہنے دینا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم کرنا اچھا اب تم لوگ جاؤ اور میں بھی تمھارا شریک ہوں

(منتخب کنز العمال برحاشیہ مسند احمد)

نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ریاض الصالحین میں ایک حدیث نقل کی ہے۔

عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من اجلال اللہ تعالیٰ اکرام ذی الشیبۃ المسلم وحامل القرآن غیر الغالی فیہ والجافی عنہ واکرام ذی السلطان المقسط

حضرت ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہی کی عظمت سے ہے کسی بوڑھے مسلمان کا اکرام کرنا اور ایسے حامل قرآن کا اکرام کرنا جو نہ اس میں غلو کرنیوالا ہو اور نہ ہی اس پر جفا کرنیوالا ہو (یعنی اسکو ترک کرنیوالا ہو) اور اسی طرح سلطان عادل کا اکرام کرنا

(ریاض الصالحین ص ۱۳۰)

وقال المحشی فی الحدیث اقرأوا القرآن ولا تجفوا عنہ ای تعاھدوا ولا تبعدوا عن تلاوتہ وقال ایضاً فی الحدیث ایاکم والغلو فی الدین ای التشدید ومجاوزۃ الحد وقیل معناہ البحث عن مواطن الاشیاء والکشف عن عللھا وغوامض متعبداتھا ومنہ الحدیث حامل القرآن غیر الغالی فیہ

محشی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے کہ قرآن شریف پڑھو اور اس سے جفا نہ کرو یعنی اس پر محافظت رکھو اور اسکی تلاوت ترک مت کرو نیز کہا ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ دین میں غلو کرنے سے بچنا یعنی تشدید کرنے اور حد سے تجاوز کرنے سے پرہیز کرنا۔ نیز کہا گیا ہے کہ غلو کے معنی ہیں اشیاء کے مواقع سے بحث کرنا اور انکی علل کا کشف کرنا اور عبادت کے غوامض اور باریکیوں کے درپے ہونا اور اسی معنی میں ہے حدیث حامل القرآن غیر الغالی فیہ بھی

(حاشیہ ریاض الصالحین)

اس حدیث سے بھی حامل قرآن کی مدح اور جفا عن القرآن یعنی اسکی تلاوت سے تباعد اور ترک پر نکیر معلوم ہوتی ہے۔ رہا یہ کہ حامل قرآن سے کون شخص مراد ہے اسکے متعلق ایک دوسری حدیث (جو اسی معنی میں ہے) اور اس کی شرح جو علماء نے بیان کی ہے اسکو نقل کرتا ہوں، ارشاد ہے کہ :۔

کرموا حملة القرآن فمن اکرمهم اکرمنی والمراد بحملته حفظته عن ظهر قلبهم تعاملون بما فیه واما من حفظه ولم یعمل بما فیه فلا یکرم بل یهان لانه حجة علیه لا له

حاملین قرآن کا اکرام کیا کرو کیونکہ جس نے انکا اکرام کیا اس نے گویا میرا اکرام کیا مراد حاملین سے حفاظ ہیں جو قلب میں اس کو محفوظ رکھیں اسکے احکام پر عمل کریں اور جو شخص حفظ کرکے اس پر عامل نہ ہو اسکا اکرام نہیں کیا جائیگا بلکہ وہ قابل اہانت ہے کیونکہ قرآن اسکے خلاف حجت ہے اسکے حق میں نہیں۔

نیز ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے کہ

عن علیؓ قال الوتر لیس بحتم کصلاتکم المکتوبة ولکن سن رسول الله صلى الله علیه وسلم قال ان الله وتر و یحب الوتر فاوتروا یا اهل القرآن

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وتر فرض نمازوں کی طرح حتمی نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ وتر ہیں اور وتر کو پسند فرماتے ہیں لہٰذا اے اہل قرآن تم وتر پڑھا کرو۔

قال مولانا انورشاہ الکشمیری فی تقریره مانصہ قال المحشی ان المراد من اهل القرآن المومنون وهذا غلط بل المراد حفاظ القرآن فان الفرق بین الحفاظ وغیرهم لا یظهر الا فی صلوٰة اللیل (وقال بعد اسطر) والمراد منه صلوة اللیل وتدل الفاظ الاحادیث علی ان المراد اهل القرآن وکذلک فسر الکبار من الحفاظ والائمة والمحدثین کما

حضرت مولانا انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ محشی نے کہا ہے کہ اہل قرآن سے مراد یہاں مومنین ہیں لیکن یہ غلط ہے بلکہ مراد اس سے حفاظ قرآن ہیں کیونکہ حافظ وغیر حافظ کا فرق صلوۃ لیل ہی میں ظاہر ہوتا ہے (پھر چند سطروں کے بعد ہے کہ) مراد اس سے صلواۃ لیل ہے (وتر کی نماز نہیں) اور حدیث کے الفاظ بھی دلالت کرتے ہیں کہ مراد اہل قرآن ہی ہیں اور یہی تفسیر فرمائی ہے کبار حفاظ اور ائمہ اور محدثین نے مثلاً اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت میں یہ تفسیر کی ہے کہ

عن اسحاق فی روایة ان رجلا سال ابن مسعود رضی اللہ عنہ عن صلوٰة اللیل فقال لیست لک بل لاهل القرآن ای لایؤدی حق صلوٰة اللیل الا الحفاظ وفی قیام اللیل لمحمد بن نصر حدیث مرفوع ان للہ اهلین وخواص وهم اهل القرآن (العرف الشذی ص۲۱)

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صلواة لیل کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا یہ تمہارے لئے نہیں ہے بلکہ اہل قرآن کے لئے ہے مطلب یہ کہ صلوة لیل کا کامل حق حفاظ ہی ادا کرسکتے ہیں۔ اسیطرح محمد بن نصر کی کتاب قیام لیل میں ایک مرفوع حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے کچھ خواص اور اہل ہیں اور وہ اہل قرآن ہیں۔

حدیث شریف اور اسکی تشریح سے معلوم ہوا کہ صلواة لیل جیسی افضل ترین عبادت کا تعلق خصوصیت کے ساتھ حفاظ سے ہے چنانچہ انکو اہل قرآن کہا جاتا ہے نیز یہی لوگ ہیں جنکو اس حدیث میں اہلین یعنی اہل اللہ فرمایا گیا ہے اس سے حفظ قرآن کا کیسا درجہ معلوم ہوتا ہے نیز یہ کہ صلوة لیل کی خصوصیت جو ان کے ساتھ ہوئی وہ اسی لئے کہ تلاوت قرآن انکے لئے زیادہ آسان ہے جو حقیقة صلوة کی روح ہے۔

ریاض الصالحین میں بخاری شریف کی ایک حدیث بیان کی ہے کہ

عن جابرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجمع بین الرجلین من قتلی احد یعنی فی القبر ثم یقول ایهما اکثر اخذا للقرآن اذا اشیر الی احدهما قدمه فی اللحد

(رواہ البخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد میں سے دو دو کو ایک ایک قبر میں دفن فرما رہے تھے اور دریافت فرما رہے تھے کہ ان دونوں میں سے زیادہ حصہ قرآن کسکو یاد ہے توجسکی جانب اشارہ کیا جاتا اسکو آپ قبر میں آگے رکھتے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس شخص کو زیادہ قرآن شریف یاد ہوتا تھا وہ خیرالقرون میں بھی زیادہ قابل احترام سمجھا جاتا تھا، اس سے حافظ کی فضیلت

نیز حافظ پر نکلی اور حافظ کے لئے تلاوت لازم ہے چنانچہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

وحق لقارئ القرآن الذی خالط لحمه ودمه واخذ بمجامعه ان یقدم علی غیره فی حیاته فی الامامة وفی مماته فی القبر (قسطلانی ص۳۶۶ ج۷)

اور قرآن شریف کی تلاوت کرنے والا جبکہ کہ قرآن گوشت و پوست اور رگ و ریشہ میں سرایت کرگیا ہو اور اسکے تمام بدن میں رچ بس گیا ہو اسکا حق یہ ہے کہ زندگی میں امامت میں اور بعد وفات قبر میں (جانب قبلہ سے قریب کئے جانے میں) اسکو دوسروں پر مقدم کیا جائے۔

نیز آیت وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ کی تفسیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے گھروں کی طرف رات کو تشریف لیجاتے اور انکی تلاوت سے انکے مراتب معلوم فرماتے تھے۔

حدیث شریف میں ہے کہ قاری قرآن سے قیامت میں کہا جائے گا کہ قرأت کرتے جاؤ اور بلند ہوتے جاؤ جہاں تمھاری قرأت منتہی (ختم) ہوگی وہی تمھارا درجہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ :-

ان عدد درج الجنة عدد ای القرآن فمن دخل الجنة ممن قرأ القرآن لم یکن فوقه احد ابن مردویه عن عائشة رض (جامع صغیر ص۲۲۹ ج۱)

جنت کے درجوں کی تعداد آیات قرآن کی تعداد کے مطابق ہے تو قرآن پڑھنے والوں میں سے جو جنت میں داخل ہوگا اس سے اوپر کسی کا درجہ نہ ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الماهر بالقرآن مع السفرة الکرام البررة والذی یقرأ القرآن ویتتعتع فیه وهو علیه

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص قرآن شریف میں ماہر اور حاذق ہوگا وہ تو انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن کو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور پڑھنا اس پر دشوار ہے

شَافٌ لَهٗ اَجْرَانِ (متفق علیہ) تو اسکو دہرا اجر ملے گا۔

کتاب السنۃ الجلیۃ فی الچشتیہ العلیۃ میں حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ نقل فرمایا ہے جو جمع فرمودہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ہے "پھر آپ نے اسی کے متعلق یہ حکایت فرمائی کہ کوئی ذکر کلام اللہ سے بڑھکر نہیں، مناسب ہے کہ اسکی تلاوت کیا کریں کہ اسکا نتیجہ کل طاعتوں سے بڑھکر ہے" (السنۃ الجلیۃ ص ۲۰)

دیکھئے حضرت بابا فرید، حضرت سلطان نظام الدین اور حضرت تھانوی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے تین بزرگوں نے تلاوتِ قرآن پاک کی کتنی اہمیت و فضیلت بیان فرما کر اس کی ترغیب دی ہے۔ اس میں فہم قرآن کی تصریح نہیں ہے اس لئے مراد مطلق ہی تلاوت ہوگی اور جیسے اور اذکار میں ثمرہ کا ترتب فہم معنی (یعنی معنی سمجھنے) پر موقوف نہیں اسی طرح تلاوت قرآن پاک بھی ایک ذکر ہے اسمیں بھی فہم معنی پر ترتب ثمرہ کا موقوف نہیں۔

صحابہ کا معمول رہا ہے کہ تلاوت قرآن کے لئے انھوں نے منزلیں مقرر کی تھیں جیسے " فَمِیْ بِشَوْقٍ" کہتے ہیں اور جبکا مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا۔

اب آخر میں ہم امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا خواب نقل کر کے اس مضمون کو ختم کرتے ہیں اس جلیل القدر امام نے جو قرآن کے عاشق تھے قرآن

ف۔ قولہ فَمِیْ بِشَوْقٍ یہ کل سات حروف ہیں جن سے قرآن کی ساتوں منزلوں کیطرف اشارہ ہے اس طور پر کہ ہر منزل کی ابتدائی سورہ کا پہلا حرف لیا گیا ہے یعنی فؔ سے فاتحہ تیم سے مائدہ یؔا سے یونس بؔا سے بنی اسرائیل شیؔن سے شعراء وؔ سے والصّفّت اور قؔ سورۂ قٓ مراد ہے یہی معمول ہمارے حضرت کا بھی تھا۔ (از ناقل عفی عنہ)

ہی کے متعلق ایک اعتقادی مسئلہ میں سخت ترین اذیت اٹھانے کے باوجود معتزلہ کے مقابلہ میں کلمۂ حق کہا (اور یہ ان کا امت محمدیہ پر تا قیام قیامت ایک نہایت زبردست احسان ہے) کہ قرآن قدیم ہے مخلوق اور حادث نہیں اس لئے کہ یہ ایک صفت الٰہی ہے۔

ایک بار انھوں نے حق تعالے کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ دُلَّنِیْ عَلیٰ اَقْرَبِ الطُّرُقِ اِلَیْکَ یعنی مجھے وہ سب سے قریب تر راستہ بتا دیجیے جس سے میں آپ تک پہنچوں، جواب ملا کہ تلاوت قرآن۔ عرض کیا کہ سمجھکر یا بلا سمجھے؟ فرمایا بِفَھْمٍ اَوْ بِلَا فَھْمٍ چاہے سمجھکر ہو چاہے بلا سمجھے ہو دونوں ہی اقرب طریق ہیں۔ ہم نے اپنے اکابر سے یہ خواب سنا ہے نیز طبقات کبریٰ میں موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب علمار نے اسے معتبر مانا ہے تو یہ مضمون صحیح ہے

ہم کو تلاوت قرآن شریف کے متعلق شاہ اہل اللہ صاحب دہلویؒ برادر معظم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ارشاد ملا ہے ناظرین کے افادہ کے لئے اسکو ہم یہاں بعینہ درج کرتے ہیں اور اس باب میں اسی کو قول فیصل سمجھتے ہیں اور اس پر اپنا ایمان کلی ہے۔ اس مضمون کو اتنا واضح اور اتنا صاف میں نے کہیں اور نہیں دیکھا۔ شاہ صاحب اپنے رسالہ "چہار باب" میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں کہ

"فرمود کہ خواندنِ قرآن شریف بہتر ست از تکبیر و تسبیح و صوم و صدقہ (یعنی قرآن شریف کی تلاوت تکبیر و تسبیح و روزہ و صدقہ سے بہتر ہے)

اور اسکے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ

پس لازم بر ہر مسلمان است کہ ہر روز　　پس ہر مسلمان پر لازم ہے کہ روزانہ کچھ مقدار ترتیل اور تجو

قدرے بہ ترتیل و تجوید بخواند و ورد خود گیرد کہ فضیلت آں در احادیث صحاح بسیار وارد شدہ اگر مطلع باشد و بفہمد معانی آں پس بہتر است والا در وقت تلاوت ایں قدر داند کہ کلام خدا است و آنچہ در آں از امر و نہی و قصص ذکر کردہ است راست و درست است ایمان آوردم بداں۔ (چہار باب ص۳۰)

کے ساتھ تلاوت کیا کرے بلکہ اسکو اپنے معمولات میں داخل کرلے کیونکہ تلاوت کی فضیلت صحاح کی بہت سی احادیث میں وارد ہے اگر اس کے معانی و مطالب کو بھی جانتا اور سمجھتا ہو تب تو خیر بہتر ہی ہے ورنہ بوقت تلاوت بس اتنا خیال رکھے کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے (جسکو میں پڑھ رہا ہوں) اور جو بھی امر و نہی اور قصص وغیرہ اس میں مذکور ہوئے ہیں وہ سب صحیح اور حق ہیں ان سب پر ایمان لاتا ہوں۔

یہاں پر میں اتنی بات اور کہتا ہوں کہ یہ بھی کہہ لیا کرے کہ ان میں سے جن جن باتوں کا علم ہوتا جائے گا اس پر عمل بھی کروں گا۔

(وصیۃ الاخلاق از ۱۷ تا ۳۷)

تلاوتِ قرآن اور حسنِ صوت

فرمایا حدیث شریف میں ہے کہ زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ[۵] علماء نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ قرآن کو ترتیل، تجوید اور خوش الحانی کے ساتھ پڑھا کرو اور ظاہر ہے کہ یہ سب امور الفاظ قرآن سے متعلق ہیں چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ اَلصَّوْتُ الْحَسَنُ یَزِیْدُ الْقُرْاٰنَ حُسْنًا یعنی حسن صوت قرآن کے حسن کو دوبالا کردیتا ہے۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ لِکُلِّ شَیْءٍ حِلْیَۃٌ وَحِلْیَۃُ

۵۔ قرآن شریف کو اپنی آوازوں کے ذریعہ مزین اور خوشنما بناؤ۔

الْقُرْآنِ الصَّوْتُ الْحَسَنُ یعنی ہر شے کا ایک زیور ہوتا ہے اور قرآن کا زیور حسن صوت ہے۔ غرض حسن صوت اور تلاوتِ قرآن میں کچھ ایسا تعلق ہے کہ جس طرح صوت حسن کو قرآن کا زیور کہا گیا ہے اسی طرح سے روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حسن صوت والے کے لئے قرآن پڑھنا ہی زیب دیتا ہے یعنی تلاوت قرآن سے بڑھکر حسن صوت کا کوئی دوسرا مصرف نہیں۔ اس موقع پر صاحب مرقات نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی کتاب غنیۃ الطالبین سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ایک دن کوفہ میں کسی جانب تشریف لیجا رہے تھے کہ ایک شخص کے مکان میں فساق کا مجمع تھا شراب وکباب کی محفل گرم تھی اور ایک گانے والا شخص زاذان نامی لکڑی کے باجہ پر نہایت خوش الحانی سے گا رہا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے جب اسکی آواز سنی تو فرمایا کہ کیا ہی عمدہ یہ آواز ہے کاش کہ یہ تلاوت قرآن میں صرف ہوتی یہ کہکر اپنی چادر کو اپنے سر پر رکھا اور وہاں سے گذر گئے۔ انکی آواز زاذان نے بھی سن لی اپنے مصاحبین سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی پوچھا کیا فرما رہے تھے؟ لوگوں نے کہا کہ تمہارے متعلق کہہ رہے ہیں کہ کس قدر اچھی آواز ہے کاش کہ یہ تلاوتِ قرآن میں صرف ہوتی تو اسکا حسن اور دوبالا ہو جاتا اس بات کے سننے سے زاذان کے قلب میں ایک دھکا سا لگا اور حق کی ہیبت اسکے دل میں بیٹھ گئی فوراً مجلس سے اٹھا اور لکڑی کے باجہ کو تو زمین پہ پٹک کے توڑ دیا اور لپک کر عبداللہ ابن مسعودؓ کے قریب پہونچا اپنا رومال اپنے گلے میں ڈال کر انکے سامنے رونے لگا عبداللہ ابن مسعودؓ نے بھی اسکو

سے گلے سے لگا لیا اور پھر دونوں مل کر خوب روئے عبداللہ ابن مسعودؓ سے نے ... یا کہ بھلا میں ایسے شخص سے کیوں نہ محبت کروں جو اللہ سے محبت کرتا ہے۔ پھر اس نے ان کے ہاتھ پر گانے بجانے سے توبہ کی اور ان ہی کی خدمت میں رہنے لگا ان سے قرآن سیکھا اور علم دین حاصل کیا اور اس میں ماہر ہو کر امام وقت ہو گیا (سبحان اللہ عجیب واقعہ ہے ایمان تازہ کر دینے والا اس زمانہ کے اہل فسق کے ایمان کا یہ حال تھا اللہ تعالیٰ نے اس جیسے ایمان سے ہمیں بھی حصہ عطا فرما دے)

حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰؓ سے فرمایا کہ آج تم تو گویا آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار دیئے گئے ہو یعنی تمہاری آواز نہایت عمدہ اور لہجہ بہت ہی دلکش ہے۔ ایک دفعہ ان سے فرمایا آج میں شب گذشتہ تمہارا قرآن پڑھنا سن رہا تھا تمہیں بھی کچھ خبر ہوئی۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ سن رہے ہیں تو اور اچھی طرح سے پڑھتا۔

دیکھئے قرآن کی زینت جس صوتِ حسن سے ہوتی ہے اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزمار آل داؤد فرمایا ہے اسکا تعلق نہ تو فہم معنی سے ہے اور تدبر فی القرآن سے بلکہ صرف تلاوت اور قراءت سے ہے پھر جب اسکی تحسین مطلوب ہے تو پھر تلاوت ایک ایک امر لغو کیسے ہو سکتی ہے بلکہ حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح خود تلاوت کرنا مطلوب ہے اسی طرح سے دوسروں کی تلاوت کا استماع بھی امر مستحسن ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰؓ کی قراءت کی جانب کان لگایا اور اسلئے لگایا کہ اسکی جانب خود حق تعالیٰ کان لگاتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ لَلّٰهُ اَشَدُّ اَذَنًا اَیْ اِسْتِمَاعًا اِلَی الرَّجُلِ الْحَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقِرَاءَةِ مِنْ صَاحِبِ الْقَيْنَةِ اِلٰى قَيْنَتِهِمْ (ابن ماجہ)

یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کی جانب جو عمدہ آواز کے ساتھ تلاوت کر رہا ہو اس سے زیادہ توجہ فرماتے ہیں جتنی کہ کوئی شخص اپنے گانے والی کسی باندی کی جانب توجہ کرتا ہے۔ سبحان اللہ کس قدر مبارک ہیں وہ لوگ جنکی قرأت اور تلاوت کی جانب اللہ تعالیٰ کان لگادیں، پس جسکی ایک تلاوت بھی مقبول ہوگئی وہ کامیاب ہی ہوگیا۔

(ترک تلاوت پر وعید)

غرض بکثرت نصوص ایسی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت کا شریعت میں ایک خاص مقام ہے اور بہت سے فضائل ایسے ہیں جو تلاوت ہی پر موقوف ہیں چنانچہ ترغیب کے لئے میں نے اسکی چند واقعات ذکر کئے ہیں۔ اب اسکے متعلق شریعت میں جو ترہیب آئی ہیں اسکو بھی سنیئے۔

حضرت سعد بن عبادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن شریف پڑھکر اسکو بھلادے تو قیامت میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کریگا کہ وہ اجذم ہوگا (مشکوٰۃ شریف)

صاحب مرقات نے اجذم کے کئی معنی بیان کئے ہیں ایک یہ کہ ساقط الأسنان ہوگا، یعنی پوپلا۔ اس کے منہ میں دانت ہی نہ ہوں گے اور یہ ظاہر ہے ایسا شخص کیسا بدنما معلوم ہوتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہیئت مجذوم پر ہوگا۔ یعنی جیسے کوئی جذامی یعنی کوڑھ والا ہو، اس صورت میں اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ یا مطلب یہ ہے کہ اس کے ہاتھ ہی نہ ہوں گے۔ یا مراد یہ ہے کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی جس کو وہ نسیان کے عذر میں پیش کر سکے۔ یا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سامنے انکے کلام کریم اور کتاب عظیم کے نسیان پر نادم و خجل ہو کر حق تعالیٰ کے سامنے سرنگوں ہوگا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اجذم کے معنی بے خیرے کے ہیں یعنی ہر قسم کی خیر سے اسکا ہاتھ خالی ہوگا۔

دیکھئے کس قدر وعید شدید بیان فرمائی ہے قرآن کریم کے نسیان پر

اور نسیان کی شرح علماء یہ بیان فرماتے ہیں کہ زبانی پڑھنا بھول جائے اور یہ بھی قول ہے کہ دیکھکر بھی نہ پڑھ سکے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اسکی قراءت چھوڑ دے خواہ بھول گیا ہو یا نہ بھولا ہو۔ پس اس میں تصریح ہے کہ ترک تلاوت کی وجہ سے اتنے بڑے عذاب میں مبتلا کیا گیا کہ محشر میں جہاں سب اولین وآخرین جمع ہوں گے یہ شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اس فعل شنیع پر اس قدر نادم ہوگا اور اسکو ایسی حیا دامن گیر ہوگی کہ چہرے کا گوشت بھی ختم ہو جائے گا۔ اس وعید کی شدت پر نظر کرتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ تلاوت منجملہ مقاصد شرعیہ کے ہے اسلئے کہ جب اسکا نسیان اتنا بڑا گناہ ہے تو اس کی تلاوت کرنا اور اس کو یاد رکھنا اتنی ہی بڑی طاعت بھی ہوگی۔ اسی طرح سے تدبر فی القرآن اور اسکے معنی کا سمجھنا بھی مقاصد شرع میں سے ہے کیونکہ نصوص میں اسکا بھی حکم ہے چنانچہ جگہ جگہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے) ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ (اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے) کہیں فرماتے ہیں ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِهٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ (اس کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو) ایک جگہ فرماتے ہیں ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِهٖ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ (اللہ تعالیٰ نے تمکو اسکا تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو) اور ایک جگہ ارشاد ہے ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِهٖ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (اسکا تمکو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم احتیاط رکھو)

ان سب نصوص سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف سے اتعاظ وتذکر تفہیم معنیٰ اور تدبر یہ سب مطلوب ہیں اسکا کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے۔ میں بھی یہی کہتا ہوں کہ بلاشبہ قرآن شریف کے نزول سے مقصود اسکی آیات میں فکر اور تدبر کرنا بھی ہے لیکن اسکی آیات کو تلاوت کرنا اگرچہ بغیر فہم ہو یہ بھی تعبّد ہے اور بہت سے کمالات کا ذریعہ ہے اور فی نفسہ مثمر برکات وحسنات ہے۔

نفس کو بہلا کر اور دھوکہ دیکر اس سے کام لو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ نفس کو ذرا دھوکہ دے کر اس سے کام لیا کرو۔ اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ روزانہ تہجد پڑھنے کا معمول تھا آخر عمر اور ضعف کے زمانہ میں ایک دن بحمد اللہ تہجد کے وقت جب آنکھ کھلی تو طبیعت میں بہت سستی اور کسل تھا دل میں خیال آیا کہ آج تو طبیعت بھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہے کسل بھی ہے اور عمر بھی تمہاری زیادہ ہے اور تہجد کی نماز کوئی فرض و واجب بھی نہیں ہے پڑے رہو اور آج اگر تہجد چھوڑ بھی دو گے تو کیا ہو جائے گا؟ فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ بات تو ٹھیک ہے کہ تہجد فرض و واجب بھی نہیں ہے اور طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے باقی یہ وقت تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کا وقت ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں اہل زمین کی طرف متوجہ ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی پکارتا رہتا ہے کہ کوئی مغفرت مانگنے والا ہے کہ اسکی مغفرت کی جائے ایسے وقت کو بیکار گزارنا بھی ٹھیک نہیں نفس کو بہلا دیا کہ اچھا ایسا کرو کہ اٹھکر بیٹھ جاؤ اور بیٹھ کر تھوڑی سی دعاء کر لو اور دعاء کر کے سو جانا چنانچہ اٹھکر بیٹھ گیا اور دعاء کرنی شروع کر دی، دعاء کرتے کرتے میں نے نفس سے کہا کہ میاں جب تم اٹھ کر بیٹھ گئے تو نیند تو تمہاری چلی گئی اب غسل خانے تک چلے جاؤ اور استنجاء وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ پھر آرام سے آکر لیٹ جانا، پھر جب غسل خانے پہنچا اور استنجا وغیرہ سے فارغ ہو گیا تو سوچا کہ چلو وضو بھی کر لو اس لئے کہ وضو کر کے دعاء کرنے میں قبولیت کی توقع زیادہ ہے چنانچہ وضو کر لیا اور بستر پر واپس آکر بیٹھ گیا اور دعاء

شروع کردی پھر نفس کو بہلایا کہ بستر پر بیٹھ کر کیا دعا ہو رہی ہے دعا کرنے کی جو تمھاری جگہ ہے وہیں جاکر دعا کرلو اور نفس کو جائے نماز تک کھینچکر لے گیا اور جاکر جلدی سے دو رکعت نماز تہجد کی نیت باندھ لی۔

پھر فرمایا کہ اس نفس کو تھوڑا دھوکہ دے دے کر بھی لانا پڑتا ہے جس طرح یہ نفس تمھارے ساتھ نیک کام کو ٹلانے کا معاملہ کرتا ہے اسی طرح تم بھی اسکے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا کرو اور اسکو کھینچ کھینچ کر لے جایا کرو انشاء اللہ اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ پھر اس عمل کی توفیق عطا فرماوینگے۔

اگر اس وقت سربراہ مملکت کا پیغام آجائے

ایک مرتبہ فرمایا کہ صبح فجر کی نماز کے بعد ۲ گھنٹے تک اپنے معمولات تلاوت ذکر و اذکار اور تسبیح میں گذارتا ہوں ایک دن طبیعت میں کچھ سستی تھی میں نے اپنے دل میں سوچا کہ آج تو یہ کہہ رہے ہو کہ طبیعت میں کسل ہے سستی ہے، اٹھا نہیں جاتا، اچھا یہ بتاؤ کہ اگر کوئی شخص اس وقت سربراہِ مملکت کا پیغام لیکر آئے کہ آپ کو کوئی انعام دینے کے لئے بلایا گیا ہے تو کیا پھر بھی سستی باقی رہے گی، پھر بھی یہ کسل باقی رہے گا نفس نے جواب دیا کہ نہیں اس وقت تو کسل اور سستی باقی نہیں رہے گی بلکہ دوڑے دوڑے جائیں گے اور جاکر انعام وصول کرنے کی کوشش کریں گے اور پھر اپنے نفس کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ وقت بھی اللہ جل جلالہٗ کے دربار میں حضوری کا وقت ہے اور حضوری کی برکت سے اللہ تعالیٰ سے انعام وصول کرنے کا وقت ہے پھر کہاں کی سستی اور کہاں کا کسل چھوڑو اس کسل اور سستی کو، بس یہ سوچ کر اپنے دل کو بہلایا اور اپنے معمولات میں مشغول ہوگیا۔

بہرحال یہ نفس اور شیطان تو انسان کے بہکانے میں لگے ہوئے ہیں۔ لیکن انکو بھی بہلایا کرو اور جلدی سے ان اعمال کے کرنے کی فکر کیا کرو۔

جنت کا سچا طلب گار

تیسری حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کی لڑائی کے دوران جبکہ معرکہ گرم ہے مسلمان اور کافروں کی لڑائی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قیادت فرما رہے ہیں، مسلمان کم ہیں اور کافر زیادہ ہیں مسلمان بے سروسامان ہیں اور کافر مسلح ہیں اور ہر لحاظ سے معرکہ سخت ہے اس وقت میں ایک دیہاتی قسم کا آدمی کھجوریں کھاتا جا رہا تھا اس نے آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ لڑائی جو آپ کروا رہے ہیں اس میں اگر ہم قتل ہو گئے تو ہمارا انجام کیا ہوگا؟ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اسکا انجام جنت ہے سیدھے جنت میں جاؤ گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسکو دیکھا وہ کھجوریں کھاتا جا رہا تھا لیکن جب اس نے یہ سنا کہ اسکا انجام جنت ہے تو کھجوریں پھینک کر سیدھا جہاد میں گھس گیا یہاں تک کہ اسی میں شہید ہو گیا اس لئے کہ جب اس نے یہ سن لیا کہ اس جہاد کا انجام جنت ہے تو پھر اتنی تاخیر بھی گوارا نہیں کی کہ وہ ان کھجوروں کو پورا کر کے پھر جہاد میں شریک ہو، اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسکو جنت کے مقام تک پہونچا دیا۔ یہ اسی کی برکت تھی کہ نیکی کا جو داعیہ پیدا ہوا اس پر عمل کرنے میں تاخیر نہیں کی بلکہ فوراً آگے بڑھکر اس پر عمل کر لیا۔

اذان کی آواز سنکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک صحابی نے پوچھا کہ ام المؤمنین! سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے باہر جو ارشادات فرماتے ہیں اور گھر کے باہر جیسی زندگی گزارتے ہیں وہ تو ہم سب کو پتہ ہے لیکن یہ بتائیے کہ گھر میں کیا عمل کرتے ہیں؟ (انکے ذہن میں یہ ہوگا کہ گھر میں جا کر مصلی بچھاتے ہوں گے اور نماز و ذکر

واذکار اور تسبیح وغیرہ میں مشغول رہتے ہوں گے) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب آپ گھر میں تشریف لاتے ہیں تو ہمارے ساتھ ہمارے گھر کے کاموں میں ہاتھ بھی بٹاتے ہیں اور ہمارا دکھ درد بھی سنتے ہیں، ہمارے ساتھ خوش طبعی کی باتیں بھی کرتے ہیں، ہمارے ساتھ گھلے ملے رہتے ہیں البتہ ایک بات ہے کہ جب اذان کی آواز کان میں پڑتی ہے تو اس طرح اٹھکر چلے جاتے ہیں جیسے ہمیں پہچانتے بھی نہیں۔

چوتھی حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ بیان کرتے ہیں کہ:۔

"جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَيُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا؟ قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَاَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَأْمُلُ الْغِنٰى وَلَا تُمْهِلُ حَتّٰى اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ"

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

اعلیٰ درجے کا صدقہ

فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور پوچھا کہ کہ سب سے زیادہ ثواب والا صدقہ کون سا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ سب سے اعلیٰ درجہ کا صدقہ یہ ہے کہ تم اپنی صحت کی حالت میں صدقہ کرو اور ایسے وقت میں صدقہ کرو جب تمھارے دل میں مال کی محبت ہو اور دل میں یہ خیال ہو کہ یہ مال ایسی چیز نہیں ہے کہ اسے یونہی لٹا دیا جائے اور مال خرچ کرنے میں تکلیف بھی ہو رہی ہو، اس حالت میں یہ بھی اندیشہ ہے کہ اس صدقہ کے نتیجے میں بعد میں فقر کا شکار ہو جاؤں گا اور بعد میں معلوم نہیں کیا حالات ہوں۔ اس وقت جو صدقہ کرو گے

وہ بڑا اجر والا ہوگا۔ اسکے بعد فرمایا کہ صدقہ دینے کا دل میں خیال آیا ہے تو اسکو ٹلاؤ نہیں اس میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بعض لوگ صدقہ کرنے کو ٹلاتے رہتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ جب مرنے کا وقت بالکل قریب آجائے گا اس وقت کچھ وصیت کر جائیں گے کہ مرنے کے بعد میرا اتنا مال فلاں کو دے دینا اور اتنا مال فلاں کو دے دینا اور اتنا مال فلاں کام میں لگا دینا وغیرہ۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ تم تو یہ کہہ رہے ہو کہ اتنا مال فلاں کو دے دینا ارے اب تو وہ تمہارا مال رہا ہی نہیں وہ تو کسی اور کا ہوگیا، کیوں؟ اس لئے کہ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیماری کی حالت میں کوئی صدقہ کرے یا صدقہ کرنے کی وصیت کرے کہ اتنا مال فلاں کو دیدیا جائے یا ہبہ کرے اور اسی بیماری میں اسکا انتقال ہوجائے اس صورت میں صرف ایک تہائی مال کی حد تک صدقہ نافذ ہوگا اور باقی دو تہائی ورثہ کو ملے گا اسلئے کہ وہ وارثوں کا حق ہے کیونکہ مرنے سے پہلے بیماری ہی میں اس مال کے ساتھ ورثاء کا حق متعلق ہوجاتا ہے۔

سوچا یہ تھا کہ آخری عمر میں جاکر کسی صدقہ جاریہ میں لگا دیں گے تو ساری عمر ثواب ملتا رہے گا حالانکہ وہ تو حالت مجبوری کا صدقہ ہے اور اجر و ثواب والا صدقہ تو وہ ہے جو صحت کے وقت میں مال کی ضرورت اور محبت اور اسکے جمع کرنے کے خیال کے وقت میں کیا جائے۔

وصیت ایک تہائی مال کی حد تک نافذ ہوتی ہے

یہاں یہ بات سمجھ لیجئے کہ بعض لوگ وصیت کے خواہش مند تو ہوتے ہیں کہ صدقۂ جاریہ میں کوئی چیز لگ جائے اور مرنے کے بعد بھی اسکا ثواب ملتا رہے لیکن اگر وہ اپنی زندگی میں صحت کی حالت میں یہ وصیت لکھ گئے کہ میرے

مرنے کے بعد اتنا مال فلاں ضرورت مند کو دے دیا جائے تو یہ وصیت صرف ایک تہائی کی حد تک نافذ ہوگی ایک تہائی سے زیادہ میں نافذ نہیں ہوگی اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ صدقہ کرنے کا داعیہ دل میں پیدا ہوا ہے اس پر ابھی عمل کرلو۔

اپنی آمدنی کا ایک حصہ صدقہ کرنے کے لئے الگ علٰحدہ کردو

اور اسکا ایک طریقہ میں آپ کے سامنے پہلے بھی بیان کرچکا ہوں جسکا بزرگوں نے تجربہ بھی کیا ہے اس پر اگر انسان عمل کرلے تو پھر صدقہ کرنے کی توفیق ہو جاتی ہے ورنہ ہم لوگ تو نیک کام کو ٹلانے کے عادی بن چکے ہیں وہ طریقہ یہ ہے کہ آپکی جو آمدنی ہے اسکا ایک حصہ مقرر کرلیں کہ یہ حصہ اللہ کی راہ میں صدقہ کریں گے اللہ تعالیٰ جتنی توفیق دے چاہے وہ دسواں حصہ مقرر کریں یا بیسواں حصہ وغیرہ۔ اور پھر جب آمدنی آئے اس میں سے وہ مقررہ حصہ نکال کر علٰحدہ رکھدیں، اور اسکے لئے کوئی لفافہ بنالو اس میں ڈالتے جاؤ اب وہ لفافہ خود یاد دلاتا رہے گا کہ مجھے خرچ کرو کسی صحیح مصرف پر لگاؤ اسکی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ خرچ کرنے کی توفیق دیدیتے ہیں ورنہ اگر خرچ کرنے کا موقع سامنے آتا ہے تو آدمی سوچتا رہتا ہے کہ خرچ کروں یا نہ کروں لیکن جب وہ لفافہ موجود ہوگا پہلے سے اسکے اندر پیسے موجود ہونگے وہ خود یاد دلائے گا اور موقع سامنے آنے کی صورت میں سوچنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اگر ہر انسان اپنی حیثیت کے مطابق یہ معمول بنالے تو اسکے لئے خرچ کرنا آسان ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں گنتی نہیں دیکھی جاتی

یاد رکھو! اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں

گنتی و تعداد نہیں دیکھی جاتی بلکہ جذبہ اور اخلاص دیکھا جاتا ہے ایک آدمی جس کی آمدنی سو روپئے ہے وہ اگر ایک روپیہ اللہ کی راہ میں دیتا ہے وہ اس آدمی کے برابر ہے جسکی آمدنی ایک لاکھ روپئے ہے اور ایک ہزار روپئے اللہ کی راہ میں دیتا ہے اور کچھ پتہ نہیں کہ وہ ایک روپیہ دینے والا اپنے اخلاص کی وجہ سے اس سے بھی آگے بڑھ جائے، اس واسطے گنتی کو نہ دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کرنے کی فضیلت حاصل کرنی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی رضامندی حاصل کرنی ہے تو پھر اپنی آمدنی کا تھوڑا سا حصہ اللہ تعالےٰ کی راہ میں ضرور خرچ کردو۔

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ کا معمول

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ ہمیشہ محنت سے حاصل ہونے والی آمدنی کا بیسواں حصہ اور بغیر محنت کے حاصل ہونے والی آمدنی کا دسواں حصہ علیٰحدہ لفافے میں رکھدیا کرتے تھے اور آپ کا یہ ساری زندگی کا معمول تھا اگر ایک روپیہ بھی کہیں سے آیا تو اسی وقت اسکا دسواں حصہ نکال کر اسکی ریز گاری کراکر اس لفافے میں ڈال دیتے اور اگر سو روپئے آئے ہیں تو دس روپیہ ڈال دیتے۔ وقتی طور پر اگرچہ اس عمل میں تھوڑی سی دشواری ہوتی تھی کہ فی الحال ٹوٹے ہوئے پیسے موجود نہیں ہیں اب کیا کریں اسکے لئے مستقل انتظام کرنا پڑتا تھا لیکن ساری عمر کبھی اس عمل سے تخلف نہیں دیکھا اور میں نے وہ تھیلا کبھی ساری عمر خالی بھی نہیں دیکھا الحمد للہ۔ اس عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب آدمی اس طرح نکال نکال کر الگ کرتا رہتا ہے تو وہ تھیلا خود یاد دلاتا رہتا ہے کہ مجھے خرچ کرو اور کسی صحیح مصرف پر لگاؤ۔ اللہ تعالیٰ اسکی برکت سے انفاق

کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔

ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق صدقہ کرے

ایک صاحب ایک مرتبہ کہنے لگے کہ صاحب ہمارے پاس تو کچھ ہے نہیں ہم کہاں سے خرچ کریں؟ میں نے عرض کیا کہ ایک روپیہ ہے اور ایک روپیہ میں سے ایک پائی نکال سکتے ہو؟ فقیر سے فقیر آدمی کے پاس بھی ایک روپیہ ضرور ہوتا ہے اور ایک روپیہ میں ایک پیسہ نکالنے میں کوئی بڑی کمی ہو جائے گی؟ بس ایک پیسہ نکال دے تو اس شخص کے ایک پیسہ نکالنے میں اور دوسرے شخص کے ایک لاکھ میں سے ایک ہزار نکالنے میں کوئی فرق نہیں اسلئے مقدار کو نہ دیکھو بلکہ جس وقت جو جذبہ پیدا ہو اس پر عمل کر لو۔

یہ ہے اپنی اصلاح کا نسخہ اکسیر، بس اپنے آپ کو ٹلانے سے بچاؤ اگر انسان اس پر عمل کرلے تو انشاء اللہ تعالے اسکی برکت سے اس کے لئے صحیح راہ پر مال خرچ کرنے کے بڑے راستے پیدا ہو جائینگے اور وہ فضائل حاصل ہو جائینگے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکی توفیق عطا فرمائے۔

عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ سَبْعًا هَلْ تَنْتَظِرُونَ إِلَّا فَقْرًا مُنْسِيًا أَوْ غِنًى مُطْغِيًا، أَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا أَوْ هَرَمًا مُفَنِّدًا أَوْ مَوْتًا مُجْهِزًا أَوِ الدَّجَّالَ، فَشَرُّ غَائِبٍ يُنْتَظَرُ، أَوِ السَّاعَةَ فَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ۔ أوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم

کس کا انتظار کر رہے ہو

یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے اسمیں "مبادرت الی الخیرات"

یعنی نیک کاموں کیطرف بڑھنے کی جلدی سے فکر کرنے کے بارے میں فرمایا گیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ سَبْعًا" سات چیزوں کے آنے سے پہلے جلد از جلد اچھے اعمال کرلو جس کے بعد اچھا عمل کرنے کا موقع نہ ملے گا" اور پھر ان سات چیزوں کو ایک دوسرے انداز سے بیان فرمایا۔

کیا فقر کا انتظار ہے

"هَلْ تَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا فَقْرًا مُّنْسِيًا" کیا تم نیک اعمال کرنے کیلئے ایسے فقر و فاقے کا انتظار کر رہے ہو جو بھلا دینے والا ہو، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس وقت تمھیں خوش حالی میسر ہے، روپیہ پیسہ پاس ہے کھانے پینے کی تنگی نہیں ہے اور عیش و آرام سے زندگی بسر ہو رہی ہے ان حالات میں اگر تم نیک اعمال کو ٹال رہے ہو تو کیا تم اس بات کا انتظار کر رہے ہو کہ جب موجودہ خوش حالی دور ہو جائے گی اور خدا نہ کرے فقر و فاقہ آ جائے گا اور اس فقر و فاقہ کے نتیجے میں تم اور چیزوں کو بھول جاؤ گے کیا اس وقت نیک اعمال کرو گے؟ اگر تمھارا خیال یہ ہے کہ اس خوش حالی کے زمانہ میں تو عیش ہیں اور مزے ہیں اور پھر جب دوسرا وقت آئے گا اس میں نیک عمل کریں گے تو اسکے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ جب مالی تنگی آجائے گی تو اس وقت نیک اعمال سے اور دور ہو جانے کا اندیشہ ہے اس وقت انسان اتنا پریشان ہوتا ہے کہ ضروری کام بھی بھول جاتا ہے۔ قبل اسکے کہ وہ وقت آئے کہ تمھیں مالی پریشانی لاحق ہو معاشی طور پر تنگی کا سامنا ہو اس سے پہلے پہلے جو کچھ تمھیں خوش حالی میسر ہے اسکو غنیمت سمجھ کر اسکو نیک عمل میں صرف کرو۔ آگے فرمایا:۔

کیا مالداری کا انتظار ہے؟

"اَوْ غِنًى مُّطْغِيًا" یا تم ایسے

مالداری کا انتظار کر رہے ہو جو انسان کو سرکش بنا دے، یعنی اگرچہ اس وقت بہت زیادہ مالدار نہیں ہو اور یہ خیال کر رہے ہو کہ ابھی ذرا مالی تنگی ہے یا یہ کہ مالی تنگی تو نہیں ہے لیکن دل یہ چاہ رہا ہے کہ اور پیسے آجائیں اور دولت مل جائے تب نیک اعمال کریں گے، یاد رکھو اگر مالداری زیادہ ہو گئی اور پیسے بہت زیادہ آگئے اور دولت کے انبار جمع ہو گئے تو اس کے نتیجہ میں اندیشہ یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مال و دولت تمھیں اور زیادہ سرکشی میں مبتلا کر دے اس لئے کہ انسان کے پاس جب مال زیادہ ہو جاتا ہے اور عیش و آرام زیادہ میسر آجاتا ہے تو وہ خدا کو بھلا بیٹھتا ہے لہٰذا جو کچھ کرنا ہے ابھی کر لو۔

کیا بیماری کا انتظار ہے

"اَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا" یا ایسی بیماری کا انتظار کر رہے ہو جو تمھاری صحت کو خراب کر دے، یعنی اس وقت تو صحت ہے طبیعت ٹھیک ہے جسم میں طاقت اور قوت موجود ہے اگر اس وقت کوئی عمل کرنا چاہو گے تو آسانی کے ساتھ کر سکو گے تو کیا نیک عمل کو اس لئے ٹلا رہے ہو کہ یہ صحت رخصت ہو جائیگی اور خدا نہ کرے جب بیماری آجائیگی، پھر نیک عمل کرو گے! ارے جب صحت کی حالت میں نیک عمل نہیں کر پائے تو بیماری کی حالت میں کیا کرو گے اور پھر بیماری خدا جانے کیسی آجائے اور کس وقت آجائے تو قبل اسکے کہ وہ بیماری آئے نیک عمل کر لو۔

کیا بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو؟

"اَوْ هَرَمًا مُفْنِدًا" کیا تم سٹھیا دینے والے بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو" ابھی تو ہم جوان ہیں، ابھی تو ہماری عمر ہی کیا ہے ابھی دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے، اس جوانی کے زمانے کو عیش اور لذتوں کے ساتھ گذر جانے دو پھر نیک عمل کر لیں گے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

فرما رہے ہیں کہ کیا تم بڑھاپے کا انتظار کر رہے ہو، حالانکہ بعض اوقات بڑھاپے میں انسان کے حواس خراب ہو جاتے ہیں اور اگر کوئی کام کرنا بھی چاہے تو نہیں کر پاتا تو قبل اسکے کہ بڑھاپے کا دور آئے اُس سے پہلے اس زمانے میں نیک عمل کر لو۔ بڑھاپے میں تو یہ حالت ہوتی ہے کہ نہ منہ میں دانت اور نہ پیٹ میں آنت اور اب گناہ کرنے کی طاقت ہی نہ رہی اس وقت اگر گناہ سے بچ بھی گئے تو کیا کمال کر لیا جب جوانی ہو طاقت موجود ہو، گناہ کرنے کے سامان موجود ہوں، گناہ کرنے کے اسباب موجود ہوں، گناہ کرنے کا جذبہ دل میں موجود ہو اس وقت اگر انسان گناہ سے بچ جائے تو دراصل یہ ہے پیغمبرانہ طریقہ چنانچہ اسی کے بارے میں شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیزگار
در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری است

"ارسے بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے" وہ اس لئے پرہیزگار نہیں بنا کہ اسکو کسی اخلاقی فلسفہ نے پرہیزگار بنا دیا یا اسکے دل میں خدا کا خوف آگیا بلکہ اس لئے پرہیزگار بن گیا کہ اب کچھ کر ہی نہیں سکتا کسی کو چیر پھاڑ کر کھا نہیں سکتا اب وہ طاقت ہی باقی نہیں رہی اسی لئے ایک گوشہ کے اندر پرہیزگار بنا بیٹھا ہے بلکہ" جوانی کے اندر توبہ کرنا یہ ہے پیغمبری کا شیوہ "۔ یہ ہے پیغمبروں کا شعار۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھئے کہ بھرپور جوانی ہے، طاقت ہے، قوت ہے، حالات میسر ہیں اور گناہ کی دعوت دی جارہی ہے لیکن اسوقت یہ کلمہ زبان پر آتا ہے مَعَاذَ اللّٰہِ إِنَّہٗ رَبِّیٓ أَحْسَنَ مَثْوَایَ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، یہ ہے پیغمبری کا شیوہ کہ انسان جوانی کے اندر گناہ سے تائب ہو جائے، جوانی کے اندر انسان نیک عمل کرے۔ بڑھاپے میں تو اور کوئی کام بن نہیں پڑتا

ہاتھ پاؤں چلانے کی سکت ہی نہیں، اب گناہ کیا کرے، گناہ کے مواقع ہی ختم ہوگئے اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جب بوڑھے ہو جائیں گے تب نیک عمل کریں گے، تب نماز شروع کریں گے، اس وقت اللہ کو یاد کریں گے، اگر حج فرض ہوگیا تو یہ سوچتے ہیں کہ جب عمر زیادہ ہو جائیگی تب جائینگے۔ خدا جانے کتنے دن کی زندگی ہے کتنی مہلت ملی ہوئی ہے، وقت آنا ہے یا نہیں آنا اگر بڑھاپا آ بھی گیا تو معلوم نہیں اس وقت حالات سازگار ہوں یا نہ ہوں اسی لئے اسی وقت کر گزرو

کیا موت کا انتظار ہے

"اَوْمَوْتاً مُجْهِزاً" یا تم اس موت کا انتظار کر رہے ہو جو اچانک آجائے ابھی تو تم نیک اعمال کو ٹلا رہے ہو کہ کل کرلیں گے پرسوں کرلیں گے کچھ اور وقت گزر جائے تو شروع کردیں گے کیا تمھیں یہ معلوم نہیں کہ موت اچانک بھی آسکتی ہے بعض اوقات تو موت پیغام دیتی ہے، الٹی میٹم دیتی ہے، لیکن بعض اوقات بغیر الٹی میٹم کے بھی آجاتی ہے اور آج کی دنیا میں تو حادثات کا یہ عالم ہے کہ کچھ معلوم نہیں کس وقت انسان کے ساتھ کیا ہو جائے ویسے تو اللہ تعالےٰ نوٹس بھیجتے ہیں۔

ملک الموت سے ملاقات

ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص کی ایک مرتبہ ملک الموت سے ملاقات ہوگئی (خدا معلوم کیسی حکایت ہے لیکن بہرحال عبرت کی حکایت ہے) تو اس نے عزرائیل علیہ السلام سے کہا کہ جناب آپ کا بھی عجیب معاملہ ہے جب آپکی مرضی ہوتی ہے آدھمکتے ہیں، دنیا کا قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر کسی کو کوئی سزا دینی ہو تو پہلے سے اسکو نوٹس دیا جاتا ہے کہ فلاں وقت میں تمھارے ساتھ یہ معاملہ ہونے والا ہے اسکے لئے تیار ہو جانا آپ تو

نوٹس کے بغیر چلے آتے ہیں ۔ عزائیل علیہ السلام نے جواب میں فرمایا
ارے بھائی! میں تو اتنے نوٹس دیتا ہوں کہ دنیا میں کوئی بھی نہیں
دیتا ہوگا ۔ مگر اسکا کیا علاج کہ کوئی نوٹس سنتا ہی نہیں ۔ تمھیں معلوم نہیں کہ
جب بخار آتا ہے وہ میرا نوٹس ہوتا ہے ، جب سر میں درد ہوتا ہے
وہ میرا نوٹس ہوتا ہے ، جب بڑھاپا آتا ہے وہ میرا نوٹس ہوتا ہے
جب سفید بال آجاتے ہیں وہ میرا نوٹس ہوتا ہے ، جب آدمی کے پوتے پیدا
ہو جاتے ہیں وہ میرا نوٹس ہوتا ہے ، میں تو برابر نوٹس بھیجتا رہتا ہوں یہ اور بات ہے
کہ تم سنتے ہی نہیں ۔ یہ ساری بیماریاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوٹس ہیں کہ وہ
وقت آنے والا ہے ۔ قرآن کریم میں فرماتے ہیں ۔

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيْرُ

یعنی آخرت میں ہم تم سے پوچھیں گے کہ کیا ہم نے تمکو اتنی عمر نہیں دی
تھی جس میں اگر کوئی نصیحت حاصل کرنیوالا نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل
کر لیتا ۔ اور تمھارے پاس ڈرانے والا بھی آگیا تھا ۔ یہ کون ڈرانے والا آیا تھا
اسکی تفسیر میں بعض مفسرین نے تو فرمایا کہ اس سے مراد حضور اقدس
صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسلئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر لوگوں کو
ڈرایا کہ موت کا وقت جب آئے گا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا
ہوگا بعض مفسرین نے فرمایا کہ "نذیر" سے مراد سفید بال ہیں جب
سر میں یا داڑھی میں سفید بال آگئے تو یہ "نذیر" ہے یہ اللہ تبارک
وتعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا آیا ہے کہ اب وقت قریب آرہا ہے
تیار ہو جاؤ ، اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ "نذیر" سے مراد پوتا ہے کہ جب
کسی کے یہاں پوتا پیدا ہو جائے تو یہ پوتا "نذیر" ہے ڈرانے والا ہے
کہ اب وقت آنے والا ہے تیار ہو جاؤ ۔ اسی کو کسی عربی شاعر نے
ایک شعر میں نظم کر دیا ہے کہ ؎

إِذَا الرِّجَالُ وَلَدَتْ أَوْلَادُهَا وَبَلِيَتْ مِنْ كِبَرٍ أَجْسَادُهَا
وَجَعَلَتْ أَسْقَامُهَا تَعْتَادُهَا تِلْكَ زُرُوعٌ قَدْ دَنَا حَصَادُهَا

"یعنی جب انسان کی اولاد کی اولاد پیدا ہو جائے اور بڑھاپے کی وجہ سے اسکا بدن پرانا ہو جائے اور بیماریاں یکے بعد دیگرے آنے لگیں کبھی ایک بیماری کبھی دوسری بیماری ایک بیماری ٹھیک ہوئی تو دوسری آگئی تو سمجھ لو کہ یہ وہ کھیتیاں ہیں جنکی کٹائی کا وقت آگیا ہے بہرحال سب اللہ تعالٰی کیطرف سے نوٹس ہیں اگرچہ عادت اللہ یہی ہے کہ یہ نوٹس آتے رہتے ہیں لیکن بعض اوقات موت اچانک بغیر نوٹس کے بھی آجاتی ہے اسی لیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ کیا تم ایسی موت کا انتظار کر رہے ہو جو نوٹس دیئے بغیر اچانک آجائے کیا معلوم کہ کتنے سانس ابھی باقی ہیں اسکا انتظار کیوں کر رہے ہو اسکے بعد فرمایا۔

کیا دجال کا انتظار ہے "أَوِ الدَّجَّالَ" کیا تم دجال کا انتظار کر رہے ہو اور یہ سوچ رہے ہو کہ ابھی زمانہ نیک عمل کیلئے سازگار نہیں ہے تو کیا دجال کا زمانہ سازگار ہوگا؟ جب دجال ظاہر ہوگا تو کیا اس فتنہ کے عالم میں نیک عمل کر سکو گے۔ خدا جانے اس وقت کیا عالم ہو، گمراہی کے کیسے محرکات اور دواعی پیدا ہو جائیں، تو کیا تم اس وقت کا انتظار کر رہے ہو فَشَرُّ غَائِبٍ يُنْتَظَرُ یعنی دجال ان دیکھی چیزوں میں بدترین چیز ہے جسکا انتظار کیا جائے بلکہ اسکے آنے سے پہلے نیک عمل کر لو۔ اور آخر میں فرمایا

کیا قیامت کا انتظار ہے أَوِ السَّاعَةَ فَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ یا پھر قیامت کا انتظار کر رہے ہو تو سن رکھو کہ قیامت جب آئیگی تو اتنی مصیبت کی چیز ہوگی کہ اس مصیبت کا کوئی علاج انسان کے پاس نہیں ہوگا تو اسکے آنے سے پہلے نیک عمل کر لو ـــــ ساری حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی نیک عمل کو ٹلاؤ نہیں اور آج کے نیک عمل کو کل پر مت چھوڑو بلکہ جب نیک عمل کا جذبہ پیدا ہو اس پر فوراً ابھی عمل کر لو۔ اللہ مجھے اور آپ سب کو اس عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ملفوظ حضرت عارفی قدس سرہ

اصلاح کا آسان طریق

زندگی میں بہتر تغیر پیدا کرنے کے سلسلے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کا معاملہ عجیب ہے آج اپنی خامیوں پر نظر ڈال لو اور ارادہ کر لو اصلاح کا، بنالو فہرست کن کن کوتاہیوں میں مبتلا ہو، عبادت، معاملت، معاشرت و اخلاق سب میں کوتاہیوں کا جائزہ لے لو اب دیکھو کن کن چیزوں کو چھوڑ سکتے ہو اور کن چیزوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ جس کے سامنے جواب دہ ہو بس انہیں کے سامنے تنہائی میں کہہ لو کہ اے اللہ وضع قطع میں تغیر پیدا کرنا محال نظر آتا ہے اگرچہ میں یہ وضع پسند نہیں کرتا مگر خراب ماحول میں پرورش پائی ہے ایک عمر بسر کر چکا، بگڑ گیا، آپ اس بگڑی ہوئی استعداد کو بدل دیں آپ کے لئے یہ آسان ہے میرے لئے یہ محال نظر آتا ہے۔ تنہائی میں تہجد کے وقت اللہ میاں سے باتیں کر لیں اور کسی مخصوص وقت اور تنہائی کی کبھی ضرورت نہیں، کوئی وقت ہو، تخلیہ تو اسی وقت ہو جاتا ہے جب تم ان سے باتیں شروع کر دو۔

اللہ تعالےٰ خود پسند فرماتے ہیں کہ یہ بدحواس پراگندہ بندے کچھ دیر تو ہماری طرف متوجہ ہو جائیں۔ دن میں رات میں جس وقت چاہیں بات کر لیں، ہمارے سامنے اقرار تو کر لیں اپنے عجز کا۔ کس چیز کو ناممکن سمجھتے ہو، وضع قطع میں تغیر تمہارے لئے ناممکن سہی مگر یہ تو ممکن ہے دو باتیں دو منٹ کے لئے اللہ تعالےٰ سے کر لیا کرو۔ کسی وقت ان سے یہ کہہ لیا کرو کہ اے اللہ! میں عاجز ہوں، ناتواں ہوں، نالائق ہوں، کچھ کرتے بن نہیں پڑتا آپ ہی اپنا فضل فرمائیں، یہ تو کہہ لیا کرو

کیا اتنا بھی نہ کر سکو گے ؟ اتنا تو اختیار رکھتے ہو کہ زبان سے کہہ لو دیکھو پھر تغیر ہوتا ہے یا نہیں، یہ نسخۂ اکسیر ہمارے حضرتؒ کا بتلایا ہوا ہے۔

اس دربار میں معروض پیش کرنے والا کبھی نامراد نہیں ہوسکتا، ذرا طلب ظاہر کرکے مانگنے پر اتر تو آؤ، پیش تو کرو کچھ کیا کہنا ہے، کام تو یونہی بنے گا، عاجز و درماندہ ہوکر سامنے آجاؤ۔ اے اللہ! کوئی میری مدد نہیں کرسکتا سوائے آپ کے آپکی قدرت و جلال کے سامنے میں کیا سارا عالم عاجز ہے۔ اے اللہ! میرا یہ حال ہے کہ اہل وعیال میرے، دوست و احباب میرے، دل میرا، نفس میرا اور اپنا ہوتے ہوئے پھر بھی یہ سب مجھ سے بیگانے، کوئی بھی اپنے کہنے میں نہیں، کوئی اپنا ہمنوا نہیں، تمام عالم تعلقات رکھتے ہوئے بھی تنہا ہوں، حیران و پریشان، عاجز و درماندہ، میرا کسی چیز پر قابو نہیں، آپ ہی اس ضعیف کی دستگیری فرمائیں۔ بس طلب ظاہر کرو۔ راستہ تو عرض و معروض ہی سے کھلے گا۔ الحاح وزاری کرو اور اپنا حال کہتے رہو پھر دیکھو زندگی میں انقلاب آتا ہے یا نہیں۔ مگر ہم میں یہ فہم ہی نہیں، یہ طلب ہی نہیں۔ طلب نہ ہونے پر فرماتے ہیں اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ "کیا ہم ہدایت کو تم پر چپکا دیں اور تمہارے سر مڑھ دیں اور تم اسکو ناپسند کرتے رہو" اسلئے خود بھی تو کچھ اپنی طلب ظاہر کرو یوں تو بغیر تمھاری طلب کے اور بغیر کسی استحقاق کے انھوں نے ہزاروں نعمتیں تم کو دے رکھی ہیں، بغیر طلب کے کہیں کچھ ملا ہے کسی کو ؟

جب مانگو گے نہیں تو کوئی دے کیسے دے گا ؟ تم کو اپنے عجز اور اپنے عاجز نواز پر نظر ہونا چاہیئے بس اسی طرح اپنی ایک ایک کوتاہی اور قصور کو بارگاہ الٰہی میں پیش کرتے رہو اور مناجات کرتے رہو اور اپنی کوتاہیوں کے تدارک کی طرف متوجہ رہو اور انکو ترک کرنے کا اہتمام کرتے رہو۔

اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی

ان شاء اللہ تعالیٰ ایک دن کامیاب ہوجاؤ گے

حامل مضامین تصوف و عرفان ۔ افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر: احمد مکین

شمارہ ۳ شوال المکرم ۱۴۱۶ھ مطابق مارچ ۱۹۹۶ء جلد ۱۹

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک: پاکستان سو روپیہ ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
مولوی احمد مکین ۔ ۲۵/۲۳ ۔ بخشی بازار
الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

S.T.D
Code No
0532

پرنٹر ۔ پبلشر ۔ صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسین گنج ۔ الہ آباد

ترتیب

اعلان

سال رواں ۹۶ء کا بدل اشتراک سالانہ ستر روپیہ اور ششماہی چالیس روپیہ ہے — اولین فرصت میں اپنا چندہ ارسال فرما کر ادارہ کا تعاون فرمادیں

ولایت اور اسکے درجات

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله تعالیٰ قال من عادی لی ولیاً فقد اٰذنته بالحرب وما تقرب الیّ عبدی بشئی احب الیّ مما افترضت علیه ومايزال عبدی يتقرب الیّ بالنوافل حتی احبته فاذا احببته فكنت سمعه الذی يسمع به وبصره الذی يبصر به ويده التی يبطش بها ورجله التی يمشی بها وان سألنی لاعطينه ولئن استعاذنی لاعيذنه وما ترددت عن شئی انا فاعله ترددی عن نفس المؤمن يكره الموت وانا اكره مساءته ولابد له منه (رواه البخاری)

حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس شخص نے میرے کسی ولی کو اذیت پہنچائی تو میں اسکو جنگ کا الٹی میٹم دیتا ہوں اور میرے بندے نے میری جانب تقرب فرائض سے زیادہ کسی شئے کے ذریعہ حاصل نہیں کیا اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسکو محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اسکا کان بنجاتا ہوں جس سے سنتا ہے اور اسکی آنکھ بنجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اسکا ہاتھ بنجاتا ہوں جس سے پکڑتا ہے اور اسکا پیر بنجاتا ہوں جس سے چلتا ہے اگر کسی شئے کا مجھ سے سوال کرے تو اسکو ضرور عطا کرونگا اور اگر میری پناہ چاہے تو میں اسکو ضرور پناہ دونگا اور جن امور کو میں کرنا چاہتا ہوں ان میں کسی میں مجھے ایسا تردد نہیں ہوتا جیسا کہ مومن کی جان لینے میں ہوتا ہے اسلئے کہ وہ موت میں تکلیف محسوس کرتا ہے اور میں اسکے تکلیف دینے کو ناپسند کرتا ہوں مگر اس سے چارۂ کار بھی نہیں۔

اس میں مشروعیت ہے اس طریق کی جس پر صوفیہ کرام بہت زمانے سے چل رہے ہیں اور عرف میں اسی کا نام تصوف ہے جس طرح مَنْ اَخْلَصَ

لِلّٰہِ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا الخ جو چالیس دن اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اسکے دل سے نکل کر حکمت کے چشمے زبان پر جاری ہو جاتے ہیں) سے چلہ کی مشروعیت ثابت ہے محققین زمانہ کی تصریحات و تشریحات سے یہی واضح ہوتا ہے لہٰذا ان حضرات کی عبارت نقل کرتا ہوں جس سے میرے مدعا کی تبیین (اور وضاحت) ہو جائیگی۔

چنانچہ قصد السبیل میں ہے کہ:۔

"سلوک جس کو عرف میں تصوف کہتے ہیں اسکی حقیقت یہ ہے تَعْمِیْرُ الظَّاہِرِ وَالْبَاطِنِ اپنے ظاہر اور باطن کو آراستہ و معمور کرنا۔ ظاہر کو اعمال جوارح ضروریہ سے اور باطن کو عقائد حقہ اور اخلاق باطنہ مثل اخلاص و شکر و صبر و زہد و تواضع وغیرہا سے، اسکا ایک مرتبہ تو یہ ہے اور دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ مرتبۂ اولیٰ کے ساتھ ظاہر کو طاعات غیر ضروریہ میں اور باطن کو دوام ذکر میں بھی مشغول کرنا۔ مرتبہ اولیٰ کی تحصیل ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور دوسرا مرتبہ مندوب ہے اور اکثر عرف میں آجکل اسی کو تصوف اور درویشی کہتے ہیں"۔

(ف) ماخذ اسکا یہی حدیث ہے میرا مقصود اتنی ہی عبارت سے حاصل ہو گیا مگر چونکہ حضرت مولانا قدس سرہٗ نے آگے ایک ضروری بات تحریر فرمائی ہے اسلئے تتمیم فائدہ کے لئے اسکو بھی نقل کر رہا ہوں۔ وھو ھذا۔

"لیکن دوسرے مرتبہ میں مشغول ہونے سے کوئی دوسری طاعت مرتبہ اولیٰ کی فوت یا خلل پذیر ہو جائے تو پھر اس میں مشغول ہونا ممنوع اور غیر مشروع ہو جاوے گا جیسے بعض نادان کرتے ہیں کہ بیوی بچوں کو بھوکا ننگا چھوڑ کر درویشی کا دم بھرتے ہیں اسی طرح جو حضرات اس میں شامل ہوتے ہیں اور بہ نسبت نوافل اعمال کے فرائض کا اہتمام یا اس میں خلوص کم کرتے ہیں یہ لوگ بھی اسی مذمت میں داخل ہیں"

آگے عالم فارغ کے خاص دستور العمل میں فرماتے ہیں کہ:۔

"منجملہ اس دستور العمل کے ایک عمل یہ بھی ہے کہ جب تک ایسے شخص کو جس میں کلام ہو رہا ہے کسی قدر رسوخ اور استحکام کے ساتھ نسبت باطنی نصیب نہ ہو جائے جب تک نہ تو افادہ ظاہری میں مشغول ہو نہ افادہ باطنی پر اقدام کرے یعنی نہ طلبہ کو پڑھاوے نہ عوام میں وعظ کرے نہ مطب کرے نہ تعویذ گنڈا لکھے نہ پیری مریدی کرنے لگے بالکل زاویۂ خمول (گوشۂ گمنامی) میں پڑا رہے اِلَّا اَنْ یَّضْطَرَّ اِلٰی شَیْئٍ مِّنْ ذٰلِکَ (ہاں اگر ان باتوں میں سے کسی بات کے کرنے میں بالکل مجبور ہی ہو جاوے تو اور بات ہے)۔ اور علامت حصول نسبت باطنی کے دو امر ہیں ایک یہ کہ ذکر اور یاد داشت کا ایسا ملکہ ہو جائے کہ کسی وقت غفلت اور ذہول نہ ہو اور اس میں زیادہ تکلف نہ کرنا پڑے، دوسرے یہ کہ اطاعت حق یعنی اتباع احکام شرعیہ کی عبادۃً، معاملۃً، خُلقاً، و قولاً و فعلاً اسکو ایسی رغبت اور منہیات و مخالفات سے ایسی نفرت ہو جائے جیسی مرغوبات و مکروہات طبعیہ کی ہوتی ہے اور حرص دنیا کی قلب سے نکل جائے کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ (آپ کی سب عادتیں قرآن شریف کے مطابق تھیں) اسکی شان بن جائے البتہ کسل عارضی یا وسوسہ جس کے مقتضا پر عمل نہ ہو اس رغبت اور نفرت کے منافی نہیں اور یہی درجہ یاد داشت اور فرمانبرداری کا جو علامت ہے نسبت باطنی کی حاصل ہے محبت حق کا۔ انتہی۔"

ف: اس حدیث میں حَتّٰی اَحْبَبْتُهُ (یعنی اس سے محبت کرنے لگتا ہوں) یہی حدیث صوفیہ کے نسبت باطنیہ اور محبت حق کی تحصیل کا ماخذ ہے اس سے معلوم ہوا سبحان اللہ صوفیہ کرام کس قدر متبع سنت تھے

چونکہ نسبت باطنیہ اور محبت حق کا ذکر آیا ہے لہٰذا اسکے بعد رسالہ قشیریہ سے ولایت کی تحقیق جسکا ربط اس کے ساتھ ظاہر معلوم ہوتا ہے بیان کرنا نہایت موزون و برمحل ہے

صاحب رسالہ فرماتے ہیں

قال الاستاذ ابو القاسم۔ الولی له معنیان احدا هما فعیل بمعنی مفعول وهو من یتولی الله سبحانه امره قال الله تعالیٰ وهو یتولی الصالحین فلا یکله الی نفسه لحظة بل یتولی الحق سبحانه رعایته والثانی فعیل مبالغة من الفاعل وهو الذی یتولی عبادة الله تعالیٰ وطاعته فعبادته تجری علی التوالی من غیر ان یتخللها عصیان وکلا الوصفین واجب حتیٰ یکون الولی ولیًا۔	استاذ ابو القاسم نے فرمایا کہ ولی کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ فعیل بمعنی مفعول ہو یعنی حق تعالیٰ جس کے امر کے متولی ہوں یہی معنی ہیں اس آیت کے وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ یعنی وہ صالحین کا متولی اور کارساز ہے لہٰذا انکو ایک آن کیلئے انکے نفس کے حوالے نہیں کرتا بلکہ حق سبحانہ خود اسکی رعایت وحفاظت فرماتے ہیں اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ فاعل کے مبالغہ کا صیغہ ہو معنی یہ کہ ولی وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت کا متولی ہو یعنی اس کی عبادت علی الدوام ہو اور اس میں کسی گناہ کا تخلل نہ ہو۔ اور یہ دونوں چیزیں کسی ولی کے ولی ہونے کیلئے ضروری ہیں۔
یحب قیامه بحقوق الله تعالیٰ علی الاستقصاء والاستیفاء ودوام حفظ الله تعالیٰ ایاه فی السراء والضراء (رسالہ قشیریہ ص۱۲۵)	یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق پورے طور پہ ادا کرنے کو پسند کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت ورعایت خوشحالی و بدحالی ہر صورت میں اس کے شامل حال ہو۔

صاحب رسالہ قشیریہ نے ولی کے دو معنی بیان کئے ہیں ایک تو یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ لہٰذا ولی وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے متولی (اور کارساز) ہوں اس کی ہر وقت رعایت رکھیں اور اسکو ایک آن کے لئے بھی اس کے نفس کے حوالہ نہ کریں۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا یاد آتی ہے لَا تَنْزِعْ مِنِّيْ صَالِحَ مَا اَعْطَيْتَنِيْ وَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ (بار الہا! مجھ کو وہ چیز جو تو نے مجھے دی ہے مت چھین اور مجھ کو پلک جھپکنے کیلئے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کیجئے)

دوسرے یہ کہ ولی وہ ہے جو اللہ تعالےٰ کی طاعت اور عبادت میں اپنے کو مسلسل لگائے رکھے اس طرح سے کہ اسکا کوئی آن غفلت میں گذرے اور نہ کسی معصیت کا تخلل ہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ ولی کے ولی ہونے کے لئے دونوں ہی باتوں کا پایا جانا ضروری ہے یعنی اسکی جانب سے حق تعالےٰ کے حقوق کا قیام علی وجہ الکمال اور حق تعالےٰ کی جانب سے اسکی دائمی حفاظت اور رعایت۔

میں کہتا ہوں کہ صاحب رسالہ قشیریہ نے نہایت ہی عمدہ بات بیان فرمائی ہے میں اسی کو ذرا واضح عنوان سے بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ نسبت طرفین سے ہوا کرتی ہے لہٰذا ان دونوں باتوں کا ہونا ضروری ہے عبد کی جانب سے طاعت وعبادت علی الدوام بلا معصیت۔ اور دوسری جانب سے اسکی وجہ سے رعایت و حفاظت اور رضا و قرب۔ اور صوفیا رکرام اسی کو نسبت کہتے ہیں اس میں صرف یاد داشت ہی نہیں ہوتی بلکہ یاد داشت کے ساتھ دوام طاعت اور پھر ادھر سے کلی قرب رضا کا ترتب۔ حضرتؒ یہی فرماتے تھے۔ قرآن کریم میں اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (اللہ تعالیٰ دوست اور ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے) اور اَللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ (اور اللہ تعالےٰ دوست ہے اہل تقوی کا) میں اپنی طرف ولایت کی نسبت کی ہے، اور اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں وہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز رکھتے ہیں) میں بندوں کی طرف نسبت ہے یہ دلیل ہے کہ ولایت ان دونوں نسبتوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

اور دوسرا اصل نسبت تو وہی کہلاتی ہے جو جانبین سے ہو اور اگر ایک جانب سے ہو اور دوسری پر سے نہ ہو تو وہ کیا نسبت ہوئی ایسی نسبت

جوگ وغیرہ میں تو ہوتی ہے کہ بندہ کو خالق سے ہوتی ہے مگر خالق کو اس سے کوئی نسبت نہیں ہوتی اسلام میں ایسی نسبت کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور اسکی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک طالب علم کو لوگوں نے دیکھا بہت متفکر ہیں تو پوچھا کس فکر میں ہو کہا شاہزادی سے نکاح کرنے کا خیال ہو رہا ہے۔ پوچھا کچھ انتظام وغیرہ بھی ہو گیا؟ کہا ہاں! آدھا کام ہو گیا آدھا باقی ہے۔ کہا وہ کیسے؟ کہا میں راضی ہوں وہ ابھی راضی نہیں ہے تو یہ بھی کوئی نسبت ہوئی کہ آپ راضی ہیں اور وہ راضی نہیں! اسلئے صحیح نسبت وہی کہلائے گی جو کہ طرفین سے ہو یعنی دونوں راضی ہوں

حضرت قدس سرہٗ نے حصول نسبت باطنی کی دو علامت تحریر فرمائی ہے ایک تو ذکر اور یاد داشت کا ملکہ دوسرے اطاعت حق یعنی اتباع احکام شرعیہ، تو یہ اس لئے کہ ملکۂ یاد داشت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے بہت سے ایسے احکام مقرر فرمائے ہیں جنکا تعلق مخلوق سے ہے جب بندہ ان احکام کی اتباع نہ کرے گا وہ اللہ تعالےٰ کا نافرمان قرار دیا جائے گا اور جو ملکۂ یاد داشت مشق سے قائم کر لیا ہے اسکو عنداللہ معتبر نہ سمجھا جاوے گا اور آجکل لوگ اسی میں ڈوبے ہیں کہ محض ملکۂ یاد داشت کو کافی سمجھنے لگے ہیں مخلوق سے متعلق جو احکام ہیں انکی اتباع لازم نہیں سمجھتے حالانکہ یہ بھی اللہ ہی کا فریضہ ہے اہل اللہ نے دونوں ہی حقوق کی ادائیگی کا غایت درجہ اہتمام فرمایا ہے یعنی ملکۂ یاد داشت بھی پیدا کیا اور احکام شرعیہ کی بھی پوری پوری اطاعت کی۔

اب ہم چند ایسے واقعات نقل کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ بزرگوں نے مخلوق کے حقوق کی کیسی رعایت فرمائی ہے اور اس سے انکو کیا کیا دولت ملی ہے۔

حضرت مولانا قدس سرہٗ ایک مرتبہ پیرانی صاحبہ کو لیکر میرٹھ بغرض

علاج تشریف لے گئے تھے وہاں کی ایک عورت نے ایک دوسری عورت سے کہا کہ میں حضرت مولانا سے بیعت ہونے کا ارادہ رکھتی ہوں تو اس عورت نے جواب دیا کہ نہیں ان سے بیعت نہ ہو کیا نہیں دیکھتی ہو کہ یہ اپنی بیوی کو ساتھ لیکر یہاں آئے ہیں یعنی ان سے اسقدر تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے پیر تو ایسے ہیں کہ پچاس سال سے اپنی بیوی کا منہ نہیں دیکھا وہ عورت بڑی عقلمند تھی اس نے کہا تب تو ہم تمھارے پیر سے ہرگز مرید نہ ہوں گے اس لئے کہ انھوں نے پچاس سال سے اللہ تعالےٰ کو ناراض کر رکھا ہے اسلئے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں بیوی بچوں کے بھی حقوق ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر عائد ہوتے ہیں جب بندہ انکو ادا نہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہونگے۔

اس قصہ کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے تھے اور حضرتؒ کی عادت تھی کہ اس قسم کے واقعات بھی بیان فرما دیتے تھے تاکہ سامعین کو بصیرت ہو۔

ایک مرتبہ حضرتؒ ظہر کی نماز پڑھ کر فوراً مکان تشریف لے گئے حالانکہ اس وقت خطوط کے جوابات لکھنے کا معمول تھا جب واپس تشریف لائے تو ہم لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا سنو! مجھے چھ ماہ سے قبض تھا گھر میں طبیعت خراب تھی متلی اور قے ہو رہی تھی میں نے انکو سنبھالا تیمارداری کی تو میرا قبض دور ہوگیا اور انشراح ہوگیا۔

حضرت مولانا قدس سرہ اس قسم کی باتوں کو اسلئے بلا تکلف بیان فرماتے تھے کہ ہم لوگوں کو عبرت ہو اور ان حقوق کی ادائیگی کی اہمیت معلوم ہو کہ اسکا دخل باطنی چیزوں میں بھی ہے۔

ایک واقعہ اور سنئے ایک مرتبہ حضرتؒ خطوط کے جوابات تحریر فرما رہے تھے ایک خط کا جواب جیسا کہ حضرتؒ چاہتے تھے سمجھ میں نہیں آ

تھا تو مثلاً ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے یہ کہدیا کہ مرغیاں جو گھر میں بند ہیں انھیں جاکر کھول آؤ تو اسکا جواب بتادیں، حضرت نوراً اسکے مکان جاکر مرغیاں کھولیں انکو دانہ پانی دیا بس اسی وقت خط کا جواب سمجھ میں آگیا۔

اب خیال فرمائیے کہ اتنے بڑے شیخ کامل حبب اپنے ہی متعلق یہ فرمارہے ہیں کہ فلاں مخلوق کا حق ادا کیا تو قبض دور ہوگیا اور فلاں کا ادا کیا تو خط کا جواب سمجھ میں آگیا پھر اب اس میں کیا شبہہ ہے کہ ان اعمال کو باطن میں دخل ہے یعنی مخلوق کے حقوق اداکرنے کی وجہ سے بھی انسان کو باطنی نفع پہونچتا ہے آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ انھیں حضرات کے لئے مخصوص تھا اب لوگ اگر ان احکام پر عمل کریں تو کیا انکو فائدہ نہ پہونچے گا؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ آجکل لوگ یہیں سے ڈوبے ہیں۔ اور اس زمانہ کی سب سے بڑی بدعت یہ ہوگئی ہے کہ شریعت کے وہ احکام جو بندوں سے متعلق تھے انکی طرف توجہ ہی نہیں رہی اور انکا بزرگی میں کچھ دخل ہی نہیں سمجھتے بس نسبت یاد داشت کی مشق کرلی یا زائد سے زائد نماز روزہ اداکرلیا اور سمجھے کہ ہم بزرگ ہوگئے مَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْئٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ (یعنی کسی نے فرض اعمال سے زیادہ کسی اور چیز کے ذریعہ میرا قرب اور رضا حاصل نہیں کی) یہ قرب فرائض کا بیان ہے اور وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ (میرا بندہ بذریعہ نوافل میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسکو محبوب بنا لیتا ہوں) یہ قرب نوافل کا بیان ہے

قرب نوافل کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مرتبہ دونوں کے مجموعہ پر مرتب ہوتا ہے اور طیبیؒ کہتے کہ نوافل ہی پر مرتب ہوتا ہے اور فرائض پر اس سے کہیں بڑھکر ہے۔

اب سنو! اگر قرب نوافل ایک مرتبہ ہے مزید قرب فرائض سے

ممکن ہے مگر بغیر فرائض کے اسکا حصول ممتنع اور محال ہے اسکے خلاف سمجھنا باطنیت اور زندقہ ہے اس لئے کہ نصوص اسکو رد کر رہے ہیں۔ یہ فرائض عامہ مکلفین پر ہوتے ہیں جن میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں اس میں سہولت مدنظر ہوتی ہے اسلئے کل اوقات انمیں نہیں لئے جاتے اور اس مرتبہ کی (یعنی قرب نوافل کی) ترغیب دی گئی ہے اور ترغیب بھی کیسی کہ جان کی بازی لگا دینا بھی اسکے لئے سہل ہے اور ظاہر ہے کہ سب اسکو نہیں کرسکتے مگر اقرار اسکا سب کو ضروری ہے تاکہ اسی کی برکت انکو ملے ؎

مرا از زلف تو موئے بسند است
ہوس را رہ مدہ بوئے بسند است

(مجھے تمھاری زلف کا ایک بال بھی کافی ہے دیکھو ہوس نہ کرو بس ذراسی خوشبو ہی تمھارے لئے بہت ہے)

اور قرب نوافل کی ترغیب اس لئے دی گئی ہے کہ اعمال نافلہ اختیار کئے بغیر قرب فرائض کی بھی تکمیل نہیں ہوتی کیونکہ نوافل کو مکملات فرائض اور اسکا متمم کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ کچھ نہ کچھ کوتاہی انسان سے فرائض کی ادائیگی میں ہو ہی جاتی ہے اب اگر نوافل بھی ہوئے تو ان سے اسکے نقص کی تلافی ہو جائے گی ورنہ وہ ناقص رہیں گے اور برکات بھی کامل نہ حاصل ہوں گے۔

چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ جو شخص نوافل وغیرہ کا بھی اہتمام رکھتا ہے وہی تو فرض کو بھی ٹھیک ٹھیک طور سے ادا کرتا ہے اور جو صرف فرائض پر قناعت کرتا ہے وہ اس میں بھی تقصیر کر لیتا ہے اس لحاظ سے قرب نوافل کے لئے بھی ایک اہمیت ثابت ہوئی کہ قرب فرائض کی تکمیل اسی سے ہوتی ہے

نیز صاحب روح المعانی اللہ تعالیٰ کے ارشاد اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ کی تفسیر کے ضمن میں حدیث

لَایَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ کو لاتے ہیں اور اسکا مطلب بیان فرمایا ہے اسکو نقل کرتا ہوں۔ وھو ھذا

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ قال من عادیٰ لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب وما تقرب الی عبدی بشیٔ احب الیّ مما افترضت علیہ ولا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا الحدیث۔ وقد قال غیر واحد فی معنی الشرطیۃ فاذا احببتہ کنت حافظا حواسہ وجوارحہ فلا یسمع ولا یبصر ولا یاخذ ولا یمشی الا فیما ارضی واحب وینقلع عن الشھوات ویستغرق فی الطاعات۔ وقریب منہ قول الخطابی المراد من ذالک توفیقہ فی الاعمال التی یباشرھا بھذہ الاعضاء یعنی ییسر علیہ فیھا سبیل ما یحبہ ویعصمہ عن موافقۃ ما یکرھہ من اصغاء الی لھو بسمعہ ونظر الی ما نھی عنہ

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اور اذیت پہنچائی تو میں اسکو جنگ کا الٹیمیٹم دیتا ہوں اور میرے بندے نے میری جناب سے تقرب فرائض سے زیادہ کسی شے کے ذریعہ نہیں حاصل کیا اور میرا بندہ بذریعہ نوافل تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسکو محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اسکا کان بن جاتا ہوں جس سے سنتا ہے اور اسکی آنکھ بنجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اسکا ہاتھ بنجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اسکا پیر بنجاتا ہوں جس سے چلتا ہے۔ اسکے بعد صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ بہت سے حضرات نے یہاں جملہ شرطیہ (فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَکُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ الخ) کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جب میں اس بندے سے محبت کرتا ہوں تو اسکے حواس اور اعضاء وجوارح کا محافظ ہوجاتا ہوں لہٰذا اسکا سننا دیکھنا پکڑنا اور چلنا انھیں چیزوں میں ہوتا ہے جو مجھے پسند ہیں اور میری مرضی کے مطابق ہیں اور وہ شہوات سے بالکل چھوٹ جاتا ہے اور طاعات میں مستغرق ہوجاتا ہے اور اسی کے قریب قریب خطابی کا قول ہے کہ مراد (اس آنکھ کان ہونے سے) حق تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہونا ہے ان اعمال میں جنھیں بندہ ان اعضاء سے کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اسپر اپنے پسندیدہ امور تک پہنچنے کی راہ آسان فرما دیتے ہیں اور اسکو مکروہ چیزوں میں پڑنے سے محفوظ رکھتے ہیں مثلاً یہ کہ کسی لہو کیجانب کان لگائے یا کسی ممنوع چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھے

معہ و بطش بما لا یحل یدہ وسعی فی باطل برجلہ

یا جس چیز کو ہاتھ لگانا جائز نہ ہو اسکو ہاتھ لگائے یا اپنے پاؤں سے غلط راہ چلے۔

وكذا قول بعضهم لمعنى اجعل سلطان حبي غالباً ليمحتى اسلب عنه الاهتمام بشئ غير ما يقربه الي فيصير متخليا عن اللذات متجنبا عن الشهوات متى ما يتقلب واينما يتوجه لقى الله تعالى بمرأى فيه ومسمع منه ويأخذ حب الله تعالى مجامع قلبه فلا يسمع ولا يرى ولا يفعل الا ما يحبه ويكون له في ذلك عونا ومؤيدا ووكيلا يحمى جوارحه وحواسه

روح المعانی پ ۱۱ ص ۱۳۲

اسی طرح بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے محبت کے سلطان کو اس پر غالب کر دیتا ہوں یہاں تک کہ سوائے اپنے مقربات[ے] کے ہر چیز کے اہتمام کو اس سے سلب کر لیتا ہوں چنانچہ وہ لذات سے خالی اور کنارہ کش ہو جاتا ہے، شہوات سے بچنے والا ہو جاتا ہے جب کبھی چلتا پھرتا ہے اور جدہر متوجہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو اپنی نظر کے سامنے اور ایسی جگہ پاتا ہے جہاں سے اسکی بات سن سکے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اسکے سویدائے قلب میں گھر کر لیتی ہے پس وہ نہیں سنتا اور نہیں دیکھتا ہے اور نہیں کرتا ہے مگر اسی چیز کو جو حق تعالیٰ کو محبوب ہو اور حق تعالیٰ بھی اسکے لئے ان امور میں معاون اور مؤید اور اسکے کارساز ہو جاتے ہیں یعنی اس کے جوارح اور حواس کو (نامرضیات سے) بچائے رکھتے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنے رسالہ "إِزَالَةُ الشُّبُهَاتِ عَمَّا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ وَالْآيَاتِ" میں اس مضمون کو نہایت واضح اور عمدہ ادا فرمایا ہے اور اسی کے ضمن میں اس حدیث کو بھی لائے ہیں لہٰذا اب ہم انکی اصل عبارت مع ترجمہ کے نقل کرتے ہیں۔ و ہو ہذا۔

اعلم ان افعال العباد لا بد فيها من توسط الآلات والجوارح مع انها منسوبة اليه وبذلك تعلم ان لصفاته تعالى في تجلياتها مظهرين۔ مظهر ظاهر سفلی

جاننا چاہیئے کہ جملہ افعال عباد میں آلات و جوارح کا توسط ضروری ہے باوجودیکہ افعال عباد اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں اسی سے تمکو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی تجلیات کے دو مظہر ہیں ایک تو ظاہری سفلی جو عباد کی طرف منسوب ہے یعنی صورت اور جوارح جسمانیہ

ے۔ وہ اعمال جو اللہ تعالیٰ کے قرب و وصول کا ذریعہ ہیں۔

منسوب لعباده وهو الصورة والجوارح الجسمانية ومظهر حقيقي علوي منسوب اليه وقد اجرى الله عليه اسماء المظاهر السفلية المنسوبة لعباده على سبيل التقريب لافهامهم والتانيس لقلوبهم

اور ایک مظہر علوی حقیقی جو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور اس پر بھی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی تقریب فہم اور تانیس قلوب کی غرض سے مظاہر سفلیہ جو عباد کی طرف منسوب ہیں ان کے اسماء کا اطلاق کیا ہے

ونبه تعالى في كتابه على القسمين وانه منزه عن الجوارح في الحالين فنبه على الاول بقوله تعالى قاتلوهم يعذبهم الله بايديكم وذالك يفهم ان كل ما يظهر على ايدي العباد فهو منسوب اليه وفعل له وان جوارحنا مظهره وواسطة فيه فهو على الحقيقة الفاعل بجوارحنا مع القطع الضروري لكل عاقل ان جوارح العبد ليس جوارح لربنا تعالى ولا صفات له ۔

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان دونوں قسموں پر تنبیہ فرمائی ہے اور اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کی ذات دونوں ہی حالتوں میں جوارح اور اعضاء سے منزہ ہے چنانچہ قسم اول پر تو اپنے اس ارشاد سے تنبیہ فرمائی ہے قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ (ان سے لڑو اللہ انکو تمہارے ہاتھوں سزا دیگا) اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو کچھ عباد کے ہاتھوں سے ظاہر ہوتا ہے سب اللہ تعالیٰ کیطرف منسوب ہے اور انھیں کا فعل ہے اور ہمارے جوارح کے واسطے اللہ تعالیٰ ہی فاعل ہیں باوجودیکہ ہر عاقل بداہۃً جانتا ہے کہ عبد کے جوارح حق تعالیٰ کے جوارح اور اسکے صفات نہیں ہیں۔

ونبه على الثاني بقول تعالى في ما اخبر عنه نبيه صلى الله عليه وسلم في صحيح مسلم وغيره ولا يزال عبدي يتقرب الي بالنوافل حتى احبه فاذا احببته كنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به

اور دوسری قسم پر اپنے اس ارشاد سے تنبیہ فرمائی جسکی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے یعنی لَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ. الحدیث. جسکا مطلب یہ ہے کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہانتک کہ میں اسکو محبوب بنا لیتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اسکا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اسکی آنکھ بنجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے

يدٰه التي يبطش بها ورجله التي يمشي بها ۔ الحديث۔

اور اس کا ہاتھ بنجاتا ہوں جس سے پکڑتا ہے اور اسکا پیر بنجاتا ہوں جس سے چلتا ہے۔

وقد حقق الله تعالى لنبيه صلى الله عليه وسلم ذالك بقوله تعالى اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقَاتِ بعد قوله تعالى خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ بِهَا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اس بات کو اپنے اس ارشاد سے محقق فرمایا ہے اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقَاتِ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ (کیا انکو یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو لیتا ہے اپنے اس ارشاد کے بعد آپ انکے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جسکے ذریعہ آپ انکو پاک وصاف کریں گے)

وبقوله تعالى اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔ فنزل نبيه صلى الله عليه وسلم منزلة يده في المبايعة واخذ الصدقات والرمى في قوله وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔

اور نیز اپنے اس ارشاد سے محقق فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ کے قائم مقام فرمایا ہے مبایعت میں اور صدقات کے لینے میں اور رمی میں (جسکا ذکر اس آیت میں ہے) وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (اور آپ نے خاک کی مٹھی نہیں پھینکی لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکی)۔

وذالك كله يفهم ان العبد اذا صار محبوبا كانت افعاله ناشية عن انوار علوية روحانية من عند ربه تكون له بمثابة الجوارح وان الله سبحانه وتعالى يكون له

اسکے بعد شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ تمام نصوص بتلا رہی ہیں کہ بندہ جب محبوب ہو جاتا ہے تو اس کے تمام افعال ان انوار عالیہ روحانیہ سے ناشی ہوتے ہیں جو حق تعالیٰ کی طرف سے اسکے لئے بمنزلہ جوارح کے ہو جاتے ہیں اور

بواسطتها سمعا وبصرا ويدا
ورجلا مع القطع الضروري
ان الله سبحانه وتعالى لايكون
جارحة لعبده (فافهمه فانه
بديع جدا) ولكن سر الامر
في تحقيق ذالك ان الله جلت
حكمته ضرب لنفسه في دوائر
ملكه مثلا بالقلب في دائرة بدنه
لكل احد ان المتصرف في
دائرة بدنه هو قلبه ونور
شامل لجميع اجزائه و
روح الحيوة شائعة في
جميع سائر اقطاره وان
الجوارح مظاهر لانوار القلب
وتصرفاته فبنوره تبصر العين
وتسمع الاذن وتشم الانف
وتذوق اللسان وتنطق
وتلمس الجوارح وتبطش
مع العلم الضروري بان الجوارح
صفات للبدن وليست صفات
للقلب ولا تعلق لها بها
ولا ينتسب اليه الا نسبة
الاتباع والعبيد للملك المطاع

اللہ تعالیٰ اسی روحانیت کے واسطہ سے
اس بندے کے لئے سمع، بصر اور ہاتھ
پاؤں ہو جاتے ہیں باوجودیکہ یہ بات یقینی ہے
کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کا عضو نہیں ہو سکتے
لیکن اس امر کی تحقیق میں راز یہ ہے کہ اللہ
تعالیٰ نے اپنے ملک کے دائروں میں
خود اپنی مثال اس قلب سے دی ہے
جو ہر شخص کے دائرۂ بدن میں ہے تو
جس طرح بدن میں متصرف قلب
ہوتا ہے اور وہ نور جو اس کے
تمام اجزار کو شامل ہے اور وہ
روح حیات جو اس کے تمام اطراف
جسم میں شائع ہے اور سارے جوارح قلب
کے انوار اور اسکے تصرفات کے مظاہر
ہیں، چنانچہ اسی کے نور سے آنکھ دیکھتی
ہے، کان سنتا ہے، ناک سونگھتی ہے
زبان چکھتی اور بولتی ہے اور جوارح
چھوتے اور پکڑتے ہیں حالانکہ یہ بداہۃً
معلوم ہے کہ جوارح (بدن) کے صفات (توابع)
ہیں قلب کے صفات نہیں ہیں اور انکا قلب سے
کوئی تعلق نہیں ہے اور انکی نسبت قلب کی
طرف بالکل ویسی ہی ہے جیسی کہ
بادشاہ مطاع کی طرف اسکے متبعین اور غلاموں کی

ثم ان القلب ان غلب عليه التوجه الى عالم الشهادة يصرف بالجوارح فصار يرى بالعين ويسمع بالاذن ويبطش باليد وهو مثل لقوله قاتلوهم يعذبهم الله بايديكم وان غلب على القلب التوجه الى عالم الغيب استتبع الجوارح فصارت هي متصرفة به فتبصر العين ببصر القلب وكذالك باقي الحواس والجوارح وهو مثل لقوله تعالى كنت سمعه الذي الى آخره

فافهمه فانه بديع ـ

پھر اگر قلب پر عالم شہادت کی طرف توجہ غالب ہوتی ہے تو وہ جوارح کے واسطہ سے تصرف کرتا ہے پس آنکھ کے ذریعہ دیکھتا ہے، کان کے ذریعہ سنتا ہے اور ہاتھ کے ذریعہ پکڑتا ہے یہ بالکل اسی کے مثل ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ (لڑو ان سے اللہ تعالیٰ انکو تمھارے ہاتھوں سزا دیگا) اور جب قلب پر عالم غیب کی طرف توجہ غالب ہوتی ہے تو وہ جوارح کو تابع بنالیتا ہے اور اسوقت قلب کے واسطے سے جوارح تصرف کرتے ہیں یعنی آنکھ قلب کے بصر سے دیکھتی ہے اور ایسے ہی باقی حواس جوارح قلب ہی کے ذریعہ تصرف کرتے ہیں یہی مطلب ہے اس حدیث قدسی کا كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ الخ ـ

اسکو خوب سمجھ لو کیونکہ نہایت عجیب و نادر بات ہے۔

(ازالۃ الشبہات عما جاء فی الحدیث والآیات ص۵)

اور شارحین نے حدیث کا جو مطلب بیان فرمایا ہے وہ کلی صحیح ہے ہے مگر شاہ صاحبؒ نے نہایت عمدہ اور واضح عنوان سے اسکی شرح فرمائی ہے اور خوب ہی مطلب بیان فرمایا کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوجاتا ہے تو اسکے تمام افعال ان انوار عالیہ روحانیہ سے ناشی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور یہی انوار روحانیہ اس بندے کے لئے بمنزلہ جوارح کے ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اسی روحانیت کے واسطے سے اس بندے

کے لئے سمع و بصر اور ہاتھ پاؤں ہو جاتے ہیں باوجودیکہ یہ بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کا عضو نہیں ہوتے۔

سبحان اللہ! کیا ہی عجیب و غریب مضمون ہے اور اس میں کسقدر ترغیب ہے اس مرتبہ کے تحصیل کی صوفیائے کرام کے طریق کی اصل یہی ہے جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں حضرات اہل اللہ نے اس مرتبہ کو سمجھا اور اسکی تحصیل کے لئے کمر باندھ لی اور جان کی بازی لگا دی چنانچہ کسی اہل دل نے خوب ہی کہا ہے ؎

میں بھی اس پر مرمٹا ناصح تو کیا بیجا کیا
اک مجھے سودا انعقاد نیا پھر تو سودائی نہ تھی

اب ایک بات اور بیان کرتا ہوں اس میں غور فرمائیے، اللہ تعالیٰ کافر کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (سو کیا

(آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے اور خدا تعالیٰ نے اسکو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے اور اسکے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اسکی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے سو ایسے شخص کو بعد خدا کے کون ہدایت کرے۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کفار سے انکے کفر کی نحوست کی بنا پر ان سے سمع، بصر اور قلب سب کچھ سلب فرما لیتے ہیں تو اس سے یہ بھی نکلا کہ مومن کو بسبب ایمان کے یہ سب چیزیں عطا فرماتے ہیں جیسا کہ اس حدیث قدسی اور اسکی شرح سے اچھی طرح واضح ہوا۔ پس یہ حدیث ایک طرح اسی آیت کی تفسیر ہے۔

فتنوں کی برسات اور اس سے بچاؤ
(احادیث نبوی کی روشنی میں)

(پہلی قسط)

"فتنہ" ایک ایسا لفظ ہے جو ہماری عام بول چال میں دن رات استعمال ہوتا ہے لیکن اسکا متعین مفہوم پوچھا جائے تو بہت کم لوگ ہیں جو بتانے کی پوزیشن میں ہوں۔ وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ لاتعداد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث میں جا بجا فتنوں کا ذکر بھی ہے ان سے بچنے کی تدبیریں بھی بیان ہوئی ہیں اور اس معاملے میں بہت سی پیشگی خبریں دے کر ان سے امت کو خبردار بھی کیا گیا ہے۔ حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں ایک مستقل باب "فتنوں" ہی کے لئے مخصوص ہوتا ہے لیکن آنحضرتؐ کی تعلیمات کا یہ پہلو آج عام مسلمانوں کی نظر سے اوجھل ہے اس لئے وہ فتنوں کی دلدل میں پھنستے ہی چلے جا رہے ہیں اور اس سے نکلنے کا راستہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ اس لئے خیال آیا کہ آنحضرتؐ کے ارشادات کا یہ پہلو اختصار کے ساتھ سامنے لایا جائے کیا بعید ہے کہ کچھ سعید روحیں اس سے رہنمائی حاصل کر کے اپنی نجات کا سامان کرلیں۔

"فتنہ" عربی زبان کا لفظ ہے اور لغت میں اسکے اصل معنی یہ ہیں کہ سونے کو آگ پر تپا کر یہ دیکھا جائے کہ وہ کھرا ہے یا کھوٹا۔

چونکہ اس عمل کا مقصد شونے کی آزمائش ہوتا ہے اس لئے ہر آزمائش کو فتنہ کہہ دیا جاتا ہے ۔ جب کوئی بدعملی زمانے کا فیشن بن جائے تو وہ بھی ایک فتنہ ہے کیونکہ یہ انسان کی آزمائش کا موقع ہے کہ وہ فیشن کے آگے ہتھیار ڈالتا ہے یا اسکی حقیقی برائی کا ادراک کرکے اپنے آپ کو اس سے محفوظ رکھتا ہے جب کوئی فکری گمراہی نظرفریب دلیلوں کا ملمع چڑھاکر معاشرے میں پھیلتی ہے تو وہ بھی ایک فتنہ ہے اس لئے کہ اس میں انسان کی بڑی آزمائش ہے کہ آیا وہ ظاہری ملمع سے مرعوب ہوکر حق کو چھوڑ بیٹھتا ہے یا گمراہی کی تہہ تک پہونچکر اسکا مقابلہ کرتا ہے ۔ جب مسلمانوں میں رنگ ونسل کی بنیاد پر باہم خوں ریزی شروع ہوجائے تو یہ بھی بڑا زبردست فتنہ ہے اس انسان کی آزمائش یہ ہے کہ وہ اپنی نسل ، اپنی زبان بولنے والوں اور اپنے رشتہ داروں کا ساتھ دے یا حق کو مضبوطی سے تھام کر اپنے صحیح موقف پر ڈٹا رہے ۔ جب مسلمانوں کے کسی بھی دوگروہوں میں اختلاف ہو لڑائی جھگڑے کی نوبت آجائے اور معاملہ اتنا پیچیدہ ہوجائے کہ حق وناحق کا پتہ چلانا دشوار ہوجاوے تو تو یہ سب سے بڑا فتنہ ہے جسے بعض احادیث میں "اندھے بہرے فتنے" سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ یہاں انسان کی آزمائش یہ ہے کہ آیا وہ کسی ایک فریق کا ساتھ دیکر خود بھی اس اندھے بہرے فتنے کا حصہ بن جاتا ہے یا اس فتنے میں پارٹی بنے بغیر اسکے انسداد کی کوشش کرتا ہے یا کم ازکم اس سے دامن بچاکر وقت گزار دیتا ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنے کی ان تمام قسموں کے حالات بہت کھول کھول کر بیان فرما دیئے ہیں اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ ان حالات میں ایک مسلمان کو کیا کرنا چاہیئے ۔ ان احادیث سے

معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو اس قسم کے فتنوں کی بڑی فکر تھی آپ نے بار بار مسلمانوں کو ان سے خبردار کیا اور یہاں تک ارشاد فرمایا کہ میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں فتنے تمھارے گھروں میں اس طرح آآکر گریں گے جیسے بارش کے قطرے (صحیح بخاری کتاب الفتن باب)

اور واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف فتنوں کے جو عمومی حالات احادیث میں بیان فرمائے ہیں ان میں سے بہت سے ایسے ہیں کہ انکو پڑھنے سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے آپؐ آج کے ماحول کو واقعی آنکھوں سے دیکھکر اسکی تصویر کھینچ رہے ہوں۔ آج ان میں چند باتیں مختلف احادیث سے انتخاب اور تلخیص کر کے نقل کر رہا ہوں انکو غور سے پڑھئے اور یہ دیکھئے کہ یہ ہمارے گرد و پیش کی تصویر ہے یا نہیں؟

آپؐ نے فتنوں کے بارے میں بتایا ہے کہ :-

زمانہ جلدی جلدی گزرے گا (یعنی بڑے بڑے انقلابات تیزی سے آئیں گے۔

نیک عمل کی کمی ہو جائیگی۔

دین سے ناواقفیت پھیل جائے گی اور دین کا (حقیقی) علم اٹھ جائے گا۔

بخل اور پیسہ کی محبت عام ہوگی۔

قتل و غارتگری کا بازار گرم ہوگا۔ (بخاری فتن باب)

خود قاتل کو معلوم نہیں ہوگا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے۔ نہ مقتول کو پتہ ہوگا کہ اسے کیوں قتل کیا گیا۔ (صحیح مسلم حدیث ۸-۲۹)

شراب کو شربت کہکر حلال کہا جائے گا۔ سود کو تجارت کہکر حلال کہا جائیگا۔ رشوت کو ہدیہ کہکر حلال کہا جائیگا۔ زکوٰۃ کو تجارت بنالیا جائیگا۔ (کنز العمال ۱۴-۲۲۶)

اولاد (کی خواہش کے بجائے (اس) سے کراہت ہوگی اور

بارش سے ٹھنڈک کے بجائے گرمی کی سی تکلیف ہوگی اور بدکار سیلاب کی طرح پھیل جائیں گے

جھوٹے کو سچا کہا جائے گا اور سچے کو جھوٹا۔

خائن کو امانت دار اور امانت دار کو خائن بتایا جائے گا۔

غیروں سے رشتہ جوڑا جائے گا اور اپنوں سے توڑا جائے گا۔

ہر قبیلے اور گروہ کی سربراہی اسکے منافقوں کے ہاتھ میں ہوگی۔

اور بازار کی سربراہی اسکے بدکاروں کے ہاتھ میں ہوگی۔

جو شخص صحیح معنی میں مومن ہوگا وہ معاشرے میں چھوٹی چھوٹی بکریوں سے زیادہ بے وقعت سمجھا جائے گا۔

مسجد کی محرابیں زرکاری سے مزین ہونگی لیکن دل ویران ہونگے

مرد مردوں سے جنسی خواہش پوری کریں گی اور عورتیں عورتوں سے

مسجدوں کے احاطے بڑے بڑے اور ممبر اونچے اونچے ہوں گے

دنیا کے ویران علاقے آباد ہو جائیں گے اور آباد علاقے ویران۔

گانے بجانے کا دور دورہ ہوگا اور شرابیں پی جائیں گی۔

پولیس والوں کی کثرت ہوگی۔

عیب چینی کرنے والوں، چغلی کھانیوالوں اور طعنہ بازوں کی بہتات ہوگی (کنز العمال ۱۴ - ۵۷۴)

لوگ نمازوں کو ضائع کریں گے اور امانتیں برباد ہوں گی۔

سودخوری عام ہوگی اور جھوٹ کو حلال قرار دیدیا جائے گا۔

لوگ انسان کی جان کی کوئی وقعت نہ سمجھیں گے۔ اور اونچی اونچی عمارتیں بنائیں گے۔

دین کو دنیا کے بدلے فروخت کریں گے۔

انصاف کمزور ہو جائے گا اور ظلم کا دور دورہ ہوگا۔

طلاقوں کی کثرت ہوگی اور ناگہانی اموات بڑھ جائیں گی۔
لوگ ایک دوسرے پر جھوٹی تہمتیں لگائیں گے۔
کمینے لوگ سیلاب کی طرح اُمڈ پڑیں گے اور شریف لوگ سمٹ جائیں گے۔
امیراور وزیر جھوٹے ہونگے امانت والے خائن ہوں گے قومی نمائندے ظالم ہونگے اور قرآن کے قاری بدکار ہوں گے۔
لوگ جانوروں کی کھالوں کا لباس پہنیں گے اور ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار ہوں گے
امن کم ہو جائے گا۔
قرآن شریف کے نسخوں کو آراستہ کیا جائیگا۔ مسجدیں خوبصورت بنائی جائیں گی انکے منارے اونچے اونچے ہوں گے مگر دل ویران ہونگے
قرآنی حدود معطل ہوں گی۔
ماں اپنی مالکہ کو جنے گی (یعنی بیٹی ماں کے ساتھ ایسا سلوک کرے گی جیسے مالکہ اپنی کنیز کے ساتھ کرتی ہے)۔
جو لوگ ننگے پاؤں ننگے بدن پھرتے تھے وہ حکومتوں کے سربراہ بن جائیں گے۔
عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ تجارت میں شریک ہونگی
مرد عورتوں کی شباہت اختیار کریں گے اور عورتیں مردوں کی نقالی کریں گی۔
اللہ کے بجائے دوسری چیزوں کی قسمیں کھائی جائیں گی۔
مسلمان بھی بغیر کہے (جھوٹی) گواہی دے گا۔
دین کا علم اللہ کی خوشنودی کے بجائے کسی اور مقصد سے پڑھا جائے گا۔

آخرت کے کاموں سے بھی دنیا مقصود ہوگی
مال غنیمت (قومی خزانے) کو ذاتی سرمایہ تصور کرلیا جاویگا۔
اور امانت کو لوٹ کا مال سمجھا جائے گا اور زکوٰۃ کو جرمانہ قرار دیدیا جائیگا۔
قوم کا لیڈر انکا ذلیل ترین فرد ہوگا۔
انسان اپنے باپ کی نافرمانی کرے گا۔ ماں کے ساتھ سنگدلی کا برتاؤ کرے گا۔ دوست کو نقصان پہونچائیگا اور بیوی کی فرمانبرداری کرے گا۔
مسجدوں میں بدکاروں کی آوازیں بلند ہوں گی۔
گانے والی عورتیں داشتہ بنا کر رکھی جائیں گی۔
گانے بجانے کے آلات سنبھال کر رکھے جائیں گے۔
راستوں میں شراب نوشی ہوگی۔
ظلم پر فخر کیا جائے گا۔
عدالتی فیصلوں کی خرید و فروخت ہوگی۔
قرآن کو موسیقی سمجھ لیا جائے گا۔
آخر زمانے کے لوگ اپنی امت کے پہلے لوگوں پر لعن طعن کریں گے (الدرالمنثور ۶ - ۵۲)
قلم (یعنی قلم سے لکھی ہوئی تحریریں) پھیل جائے گا اور حق بات چھپائی جائے گی۔
لوگ مسجد کے اندر آئیں گے مگر دو رکعت پڑھنے کی توفیق نہ ہوگی
ایک چھوٹا سا بچہ بوڑھے کو صرف اسکے غریب ہونے کی وجہ سے لتاڑے گا۔
ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ملاقات کا آغاز ہی (سلام کے بجائے) گالی اور لعنت سے کریں گے۔
لوگ ٹھاٹھ سے شاندار زین پوشوں پر بیٹھ کر مسجد کے دروازوں

تریں گے اور انکی عورتیں لباس پہننے کے باوجود برہنہ ہوں گی انکے سروں پر دبلے اونٹ کے کوہان کیطرح بال ہوں گے (ایضاً ۲ - ۵۵)

دین کو الٹ دیا جائے گا یعنی حرام چیزوں کے نام بدل بدل کر انھیں حلال قرار دیا جائے گا (مشکوٰۃ ص ۴۶)

یہودیوں اور نصرانیوں کی پوری پوری نقالی کیجائیگی (الفیصرہ ۴۵)

امانتداروں کا فقدان ہوگا یہاں تک کہ یوں کہا جائیگا کہ فلاں مقام پر ایک امانت دار شخص رہتا ہے

ایک شخص کی عقلمندی، زندہ دلی اور بہادری کی تعریف کی جائے گی جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان نہ ہوگا۔ (بخاری ۲-۱۵۰)

معمولی نااہل آدمی جمہور کے اہم معاملات میں رائےزنی کرینگے (کنزالعمال ۱۴-۲۱۶)

یہ چند مثالیں ہیں ان پیشگی خبروں کی جو آنحضرت نے فتنوں کے دور کے بارے میں چودہ سو سال پہلے بیان فرمائی ہیں اور صدیوں سے احادیث کی کتابوں میں لکھی چلی آرہی ہیں۔ میں نے یہ باتیں حدیث کی صرف چند کتابوں سے اس وقت سرسری طور پر جمع کی ہیں ورنہ اس قسم کی احادیث کا بڑا ذخیرہ موجود ہے (برادر مکرم جناب مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے اس موضوع پر ایک بصیرت افروز کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "عصر حاضر حدیث نبوی کے آئینے میں" اس میں انھوں نے تفصیل کے ساتھ اس قسم کی احادیث جمع فرمائی ہیں اور آج کے دور میں یہ کتاب ہر مسلمان کی نظر سے گزرنی چاہیئے) لیکن جو مثالیں میں نے سرسری طور پر ذکر کی ہیں صرف انھیں کے مطالعے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سرکار دو عالم ؐ کیا کچھ بتاکر تشریف کے لئے ہیں؟ اور چودہ سو سال پہلے ارشاد فرمائے ہوئے الفاظ آج کسقدر حیرت انگیز طور موجودہ حالات کی تصویر کھینچ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ ؐ نے یہ باتیں وحی الٰہی کی روشنی

میں بیان فرمائی ہیں اور جب اللہ تعالے نے آپکو بذریعہ وحی آنیوالے
ان فتنوں کا علم عطا فرمایا تو یقیناً یہ بھی بتایا ہوگا کہ ان فتنوں کے
درمیان رہنے والوں کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے؟ چنانچہ جہاں
آپ نے ان فتنوں سے خبردار کیا ہے وہاں ایک مسلمان کے لئے وہ
راہ عمل بھی بتائی ہے جو ایسے مواقع پر اختیار کرنی چاہیئے اس سلسلہ
میں ارشادات نبوی سے جو رہنمائی ملتی ہے وہ میرے اس مضمون کا دوسرا
حصہ ہے جو انشاء اللہ آئندہ ہفتے کے کالم میں عرض کروں گا۔

(دوسری قسط)

میں نے پچھلے ہفتے "فتنوں" پر بات شروع کی تھی اور فتنوں کی
مختلف قسمیں ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا تھا کہ آنحضرتؐ نے ان سے کس کس طرح
خبردار کیا ہے اور کس کس طرح حالات پیش آنے کی پہلے سے خبر دی ہے
ان بہت سی احادیث کی ایک تلخیص بھی پیش کی گئی تھی جنھیں پڑھکر
یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ اپنی دوررس نگاہوں سے ہمارے موجودہ دور
کے ماحول کو باقاعدہ دیکھکر یہ باتیں ارشاد فرمارہے ہیں۔
انہی میں سے ایک حدیث آج یاد آگئی ہے جسے اگر کوئی شخص آج
سے پچیس تیس سال پہلے پڑھتا تو اسکا ٹھیک ٹھیک مطلب پوری طرح سمجھ میں
نہ آتا لیکن آج اس کی سچائی کو کھلی آنکھوں دیکھا جا سکتا ہے حضرت عبداللہ
ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا:۔
جب تم دیکھو کہ مکہ مکرمہ کا پیٹ چیر کر نہروں جیسی چیزیں

بنا دی گئی ہیں اور مکہ کی عمارتیں پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر اونچی ہوگئی ہیں تو سمجھ لو کہ معاملہ تمھارے سر پر آگیا ہے اسلئے سنبھل کر رہو۔

یہ حدیث صدیوں سے حدیث کی کتابوں میں نقل ہوتی آرہی ہے لیکن اسکو پڑھنے والے یہ بات پوری طرح سمجھ نہیں سکتے تھے کہ مکہ مکرمہ کا پیٹ چیرنے کا کیا مطلب ہے اور اسکا پیٹ چیر کر نہروں جیسی چیزیں کیسے بنا دی جائیں گی؟ لیکن آج جس شخص کو بھی مکہ مکرمہ کی زیارت کا موقع ملا ہے وہ دیکھ سکتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں واقعی کتنے پہاڑوں اور چٹانوں کے پیٹ چیر کر زمین دوز راستے اور سرنگیں بنا دی گئی ہیں۔ آج مکہ مکرمہ شہر میں ان سرنگوں کا کیسا جال بچھا نظر آتا ہے اور اس میں نہروں کی طرح شفاف سڑکوں پر کس طرح ٹریفک رواں دواں ہے۔ اس کے علاوہ مکہ مکرمہ کی عمارتیں نہ صرف پہاڑ کی چوٹیوں کے برابر ہوگئی ہیں بلکہ بعض جگہ اُنسے بھی اونچی چلی گئی ہیں۔ آنحضرتؐ نے یہ بات ایک ایسے ماحول میں ارشاد فرمائی تھی جب نہ زمین دوز راستوں کا کوئی تصور تھا نہ یہ سوچا جا سکتا تھا کہ انسان کی بنائی ہوئی عمارتیں پہاڑ کی چوٹیوں کے برابر بلند ہو سکتی ہیں۔ اس ماحول میں اتنے وثوق کے ساتھ یہ ناقابل تصور بات یقیناً وہ سچا پیغمبر ہی کہہ سکتا ہے جس کی قوتِ بینائی زمان و مکان کی قیود سے ماوراء ہوتی ہے صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم

آنحضرتؐ نے جہاں فتنوں کے زمانوں کے حالات کی پیشگی خبر دی ہے وہاں مختلف قسم کے فتنوں کے برے اثرات سے بچنے کے لئے وہ بنیادی نکات بھی بیان فرما دیئے کہ اگر کوئی شخص انکی پابندی کرلے تو کم از کم وہ اپنے آپ کو ان برے اثرات سے بچا سکتا ہے اور اگر ان پر عمل کرنے والوں کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھتی جائے تو یہی نکتے ان فتنوں کا اجتماعی علاج بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔

بعض احادیث سے یہ اشارے ملتے ہیں کہ مسلمانوں میں قتل وغارتگری اور باہمی خونریزی کا فتنہ درحقیقت بدعملی اور گمراہی کے فتنے کا نتیجہ ہوتا ہے یعنی جب مسلمانوں میں وہ بدعملی پھیلتی ہے جسکی کچھ تفصیل پیچھے مضمون میں احادیث کے حوالہ سے بیان ہوئی تھی تو اسکا نتیجہ مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی اور ناانصافی کی صورت میں نکلتا ہے، اس کو ان برے اعمال کا ذاتی اثر کہہ لیجئے یا بداعمالیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تازیانہ، لیکن ہوا یہی ہے کہ جب مسلمان اپنے فکر و عمل میں قرآن وسنت کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹتے ہیں تو وہ آپس کی لڑائیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں مسلمانوں کی پوری تاریخ اس صورت حال کی گواہی دیتی ہے۔

جب مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگی کا فتنہ کھڑا ہو تو آنحضرتؐ نے سب سے پہلی ہدایت یہ عطا فرمائی کہ اگر مسلمانوں کا کوئی مسلم سربراہ موجود ہو اسکا برحق ہونا واضح ہو اور دوسرا فریق اسکے خلاف واضح بغاوت کر رہا ہو تو تم اس سربراہ کا ساتھ دو اور باغی کے فتنے کو فرو کرنے کی کوشش کرو لیکن اگر کوئی مسلم سربراہ موجود نہ ہو یا اسکا برحق ہونا واضح نہ ہو اور جو فریق آپسمیں لڑ رہے ہیں انکے بارے میں یہ طے کرنا مشکل ہو کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر؟ تو ایسی صورت میں تم ہر فریق سے کنارہ کشی اختیار کر کے سب سے الگ تھلگ ہو جاؤ اور کسی فریق کا ساتھ نہ دو بخاری اور مسلم کے ایک صحیح حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

"کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جہنم کے دروازوں کی طرف دعوت دینگے (یعنی انکی دعوت ایسی گمراہی پر مشتمل ہوگی جو جہنم کی طرف لیجانے والی ہے) جو شخص انکی دعوت کو قبول کرے گا وہ اسے جہنم میں پھینک دینگے

(حدیث کے راوی کہتے ہیں) میں نے کہا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو میرے لئے آپکا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا مسلمانوں کی اکثریت اور انکے امام (سربراہ) کے ساتھ وابستہ رہنا میں نے عرض کیا اگر مسلمانوں کی نہ کوئی اکثریتی جماعت ہو نہ امام (یعنی برحق سربراہ) تو پھر میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ پھر ایسے میں ان تمام فرقوں، پارٹیوں گروہوں سے مکمل علحدگی اختیار کر لینا"

اسی قسم کی صورت حال کو بعض احادیث میں "اندھے بہرے" فتنے سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس میں بھی خاص طور پر جہاں باہمی خونریزی کی بنیاد نسلی لسانی عصبیت ہو، اسکی آنحضرت نے انتہائی سخت الفاظ میں مذمت فرمائی ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا جو شخص کسی اندھے جھنڈے کے نیچے اس حالت میں مارا گیا کہ وہ عصبیت کی دعوت دے رہا ہو یا عصبیت کی مدد کر رہا ہو تو اسکی موت جاہلیت کی موت ہے۔

(صحیح مسلم حدیث ۱۸۵۰)

ایک اور موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:۔

جو عصبیت کی دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں، جو عصبیت کی خاطر لڑے وہ ہم میں سے نہیں، جو عصبیت کی حالت میں مرے وہ ہم میں سے نہیں۔

(ابوداود حدیث ۵۱۲۱)

آپ نے اس عصبیت کا صحیح مطلب بھی صاف صاف بیان فرمایا جسکی مذمت فرمائی ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ عصبیت

کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا، عصبیت یہ ہے کہ تم ناحق کام میں اپنی قوم کی مدد کرو۔

(ابوداؤد حدیث ۵۱۱۹)

ایک مرتبہ ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان ہاتھا پائی ہوگئی مہاجر نے مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا اور انصاری نے انصار کی دہائی دی آنحضرت صلعم کو پتہ چلا تو آپ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ زمانہ جاہلیت جیسے نعرے کیوں لگاتے ہو" لوگوں نے جھگڑے کا سبب بتایا کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو لات ماردی آپ نے فرمایا "ان عصبیت کے نعروں کو چھوڑدو یہ بدبودار ہیں"۔

(صحیح بخاری حدیث ۴۹۰۵ تفسیر سورۃ المنافقون)

اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ "ہر شخص کو اپنے بھائی کی مدد کرنی چاہیئے اگر وہ ظالم ہو تو اسے ظلم سے روک کر اور اگر مظلوم ہو تو اس سے ظلم دور کرکے"

(فتح الباری ۸ - ۶۴۹)

مطلب یہ کہ جہاں ظلم ہورہا ہو وہاں ظلم دور کرنے کی کوشش کرو اور اسکے لئے لوگوں کو دعوت دینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اسے ایک نسلی اور گروہی نعرہ بناکر عصبیت کی راہ ہموار کرنا قابل مذمت ہے اور جو ذہنیت اسے عصبیت کا رنگ دیتی ہے وہ بدبودار ذہنیت ہے۔

اسطرح آنحضرت صلعم نے واضح فرمادیا کہ ظلم یا انصاف کسی خاص قوم نسل یا گروہ کی خصوصیت نہیں ہوتی ہر قوم یا نسل میں ظالم بھی ہوتے ہیں

مظلوم بھی، منصف مزاج بھی ہوتے ہیں اور ہٹ دھرم بھی، برحق بھی ہوتے ہیں اور ناحق بھی۔ آواز ظلم کے خلاف اٹھاؤ کسی خاص قوم یا نسل کے خلاف نہیں، مدد مظلوم کی کرو کسی خاص نسل یا قوم کے نام سے نہیں بلکہ اسکی مظلومیت کے عنوان سے۔ ظالم خواہ اپنی نسل کا ہو اسکے ظلم کی مذمت کر کے ظلم کو روکو اور مظلوم خواہ دوسری نسل کا ہو اسکی مدد کرو۔ لیکن جہاں حق و ناحق اور ظلم و انصاف سے قطع نظر محض رنگ و نسل کی بنیاد پر نعرے لگائے جا رہے ہوں عصبیت کا اندھا جھنڈا اٹھا لیا گیا ہو اور کسی بھی طرف حق واضح نہ ہو وہاں آنحضرتؐ نے صاف صاف ہدایت یہ دی ہے کہ " تمام فریقوں سے کنارہ کشی اختیار کرو" یعنی نہ صرف یہ کہ کسی فریق کا ساتھ نہ دو بلکہ گوشہ نشینی اختیار کرلو متعدد احادیث میں آپؐ نے یہ ہدایات بڑی تاکید کے ساتھ دی ہیں اور مندرجہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں

" اپنے گھروں کے ٹاٹ بن جاؤ (یعنی بلا ضرورت گھر سے ہی نہ نکلو) اپنی کمانیں توڑ دو، تانتیں کاٹ دو اور گھر بیٹھ جاؤ، اپنی زبان اور ہاتھ دونوں کو سنبھال کر رکھو ایسے فتنے میں بیٹھا ہوا شخص کھڑے ہونیوالے سے بہتر ہوگا کھڑا شخص چلتے ہوئے سے بہتر ہوگا اور چلتا ہوا شخص بھاگتے ہوئے سے بہتر ہوگا۔ جو شخص ایسے فتنہ کو محض تماشے کے لئے جھانک کر بھی دیکھنا چاہے گا فتنہ اسے اچک کر لے جائیگا" (جامع الاصول ۱۰-۹ تا ۱۳)

" قتل و غارتگری کے اس دور میں (فتنے سے علیحدہ رہ کر عبادت میں مشغول ہوجانے کا ثواب ایسا ہے جیسے کوئی شخص (دارالکفر سے) ہجرت کر کے مجھ سے آملے۔ (صحیح مسلم ۲-۴۰۶)

آج کا فتنہ

اصل رائج الوقت کبائر یہ ہیں جس گھر میں یہ چار چیزیں ہوں وہاں رحمت کے فرشتے موت کے وقت تو کیا کسی وقت کبھی نہیں آتے ، ایک تصاویر وگانے بجانے کا سامان ۔ دوسرے کُتّا ۔ تیسرے ننگے سر والی عورت۔ چوتھے بدکار جنبی یعنی جس کو غسل کی حاجت ہو (بدکاری وحرام کاری سے) ۔

تصاویر آج ایک فتنہ ہیں جہاں جائیے بڑے بڑے بورڈ نیم برہنہ عورتوں کی تصاویر کے آویزاں ہیں ۔ اسلام میں مسلم مؤمن عورت کو تو وہ درجہ حاصل ہے جو حوروں کو بھی نہیں، آج وقار نسوانیت کو اس قدر پامال کیا جارہا ہے کہ ہر جگہ وہ تصاویر میں اپنے معاشرے میں عریاں کردی گئی ہے اور ہمیشہ فرشتوں اور انسانوں کیطرف سے اس پر لعنتیں برس رہی ہیں ۔

شیطان کہتا ہے کہ میں نے اتنا سوچا بھی نہ تھا جتنا خود انسان نے عورت کو اس طرح برہنہ کرکے بیحیائی اور بے غیرتی کے درجۂ کمال تک پہونچادیا خدا معلوم یہ کمال کہاں تک پہونچے گا ۔ عیاذاً باللہ ۔ شیطان کہتا ہے انسان تو اشرف المخلوقات ہے لیکن وہ تو میرے ذہن سے بھی آگے بڑھ گیا ۔

قیامت یہ ہے کہ علم دین نہ ہونے کی وجہ سے ہم ان باتوں کو گناہ ہی نہیں سمجھتے اس لئے نہ ترک کا ارادہ نہ توبہ کی توفیق ۔ اللہ ورسول نے قیامت تک کیلئے اعلان کردیا ہے کہ اگر گناہ نہ چھوڑوگے اور توبہ نہ کروگے تو دنیا میں بھی خمیازہ بھگتو گے اور آخرت میں بھی ۔ دیکھ تو رہے ہو کہ ردعمل اور اور ری ایکشن سے کون بچا ہوا ہے ۔

اور میں نے کہا کہ ان مولوی صاحب کی طرح تو ہم اپنی زبان سے نہ کہیں گے مگر آپ کے انصاف پر چھوڑتے ہیں ذرا دیکھئے آپ کے یہ اعمال ہیں یہ عقائد ہیں آپ سوچئے کہ آپ ایسے شخص کو جس کو اسلام سے اتنا بُعد ہو کیا کہیں گے ہم تو اقراری مجرم بنانا چاہتے ہیں۔ ہم فتویٰ نہیں دیتے ہم آپ سے پوچھتے ہیں؟ سب سرنگوں تھے حالانکہ اس سے زیادہ سخت کہدیا۔ میں نے یہ بھی کہا کہ آپ دین میں شبہات نکالتے ہیں اور علماء سے پیش کرتے ہیں اور بزعم خود اس طرح اپنی اصلاح چاہتے ہیں مگر رفع شبہات اور اصلاح کا یہ طریق نہیں صحیح طریقہ یہ ہے کہ کم از کم چالیس دن فراغت کے تجویز کر لیجئے اور جس بزرگ محقق سے آپکو مناسبت ہو اس مدت میں اسکے پاس رہئے اور جاتے ہی اپنے شبہات کی ایک فہرست اسکو دیدیجئے اور بولئے نہیں جو کہئے زبان سے نہ کہئے چاہیے اس فہرست میں روزمرہ بڑھاتے جائیے اور جو وہ کہے بغور اسے سنا کیجئے اور رات کو غور کیا کیجئے۔ اسی طرح چالیس روز تک عمل رکھئے چالیس روز کے بعد اگر کوئی شبہہ رہے تو کہنا میں زبانی نہیں کہتا ہوں مشاہدہ کراتا ہوں المشیر کے ایڈیٹر صاحب وہاں بیٹھے تھے وہ کہتے تھے کہ میں نے تعلیم جدید والوں سے جو وہاں بیٹھے تھے کہا کہ جو کچھ مولانا نے فرمایا اس میں آپ لوگوں کو کیا شبہہ ہے تو بولے کہ اس کیا شبہہ کریں اس میں تو کچھ کہنے کی گنجائش نہیں پھر میں نے کہا کہ اس میعاد میں جنید بغدادی تو نہ بناؤں گا مگر انشاء اللہ مسلمان بنادوں گا۔ غرض متفرق طور پر قیل وقال ٹھیک نہیں ایک دفعہ تو مصلح کو اپنے امراض کی اطلاع دیدو پھر موقع پر وہ خود حل کر دے گا طبیب کو امراض بتلادو پھر وہ ان امراض میں خود ترتیب دے لے گا کہ سبب کیا ہے فرع کیا ہے؟ یہ طبیب کا کام ہے کہ اصل کا علاج کرے فرع کا علاج خود ہو جائے گا۔ یہ لوگ باتونی ہوتے ہیں آتا کون ہے

البتہ بعض ان میں سے خط وکتابت رکھتے ہیں اصلی مذاق میرا یہ ہے کہ مجھکو ان لوگوں سے محبت ہے یہ لوگ بُرے نہیں کوئی کام لینے والا ہو، البتہ پنجاب کے بعض انگریزی خوانوں کی طرف سے دل دکھانے والے خط آتے ہیں۔ کالج علیگڈھ سے ہمیشہ مہذب خطوط آئے، مودّب لوگ ہیں۔

ف : اس ملفوظ سے حضرت والا کی حکمت وعقل کامل، تجربہ، فراست شائستہ عنوانی، حق گوئی، شان تربیت ثابت ہوئی۔

(۲۳) فرمایا کہ بدعات کی طرف میلان کی وجہ یہ بھی ہے کہ بدعات میں رونق خوب ہے مال خوب کھانے کو ملتے ہیں اور سنت پر عمل کرنے میں سوکھے بیٹھے رہو۔ نفسانی کیفیات بدعات میں ہیں اور سنت میں روحانی کیفیت ہے مگر بدعات کی کیفیت سب کو محسوس ہے اور سنت کی کیفیت کی عام کو اطلاع نہیں بلکہ بعض اوقات خود اسکو بھی اسکا ادراک نہیں ہوتا جب تک ادراک لطیف نہ ہوجائے۔ روحانی کیفیات جیسے حضور مع اللہ اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص شیرہ چاٹنے والے کو قند دے تو اسکو اسکے مزہ کا ادراک نہ ہوگا ہاں اسکو اتنی مدت تک پلائے کہ شیرہ کا اثر رفع ہوجاوے تو ادراک ہوگا۔

ف : اس سے حضرت والا کی فراست وحقیقت پسندی ظاہر ہے۔

(۲۴) حضرت سے ایک بی بی نے سرمہ طلب کیا تھا حضرت نے وعدہ نہیں فرمایا کہ میں لادونگا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ کسی لڑکے کو بھیجدینا میں دیدونگا چنانچہ ایک لڑکے کو بعد ظہر بھیجا اور حضرت نے اسی وقت سرمہ کی پڑیا بکس میں سے نکالکر اسکو دیدی اور حاضرین سے فرمایا کہ ترتیب وضبط سے خوب کام ہوتا ہے اس انتظام کو لوگ تنگی کہتے ہیں اگر میں یہ کہہ دیتا کہ سرمہ لادونگا اور کام میں بھول جاتا اور پھر وہ یاد دلاتیں اور پھر وعدہ لانے کا کرتا اور پھر بھول جاتا یہاں تک آئیں ایک عرصہ گذرجاتا کام بھی دیر سے ہوتا اور

وعدہ خلافی بھی ہوتی مگر دیکھئے اس ترتیب میں کیسی آسانی سے کام ہوگیا مگر آجکل اس ترتیب اختیار کرنے والے کو لوگ بداخلاق کہتے ہیں اور جو وقت کی صورت ہو وہ اختیار کی جائے تو ایسا شخص خوش اخلاق کہلاتا ہے

ف : اس سے حضرت والا کا حسن انتظام اور سلامت روی ثابت ہے۔

(۲۵) ایک صاحب نے حضرت سے دریافت کیا کہ آپ کی طبیعت ناساز ہوگئی تھی اب کیا حال ہے کیا بیماری ہوگئی تھی ؟ فرمایا ہولیا جو ہولیا اب اسکا تذکرہ ہی کیا میں تو اپنی بیماری کا تذکرہ بھی نہیں لکھتا۔ لکھنے میں یہ ہوتا ہے کہ پھر آپس میں جواب سوال ہوتے ہیں کہ اب کیا حال ہے کیا مرض ہوگیا تھا بعضے بیماریوں کی اس طرح فہرست گناتے ہیں کہ اس میں ناشکری کی نوبت آجاتی ہے ہاں بعض اوقات سائل کے خیال سے کہ اس نے تو حال پوچھا اگر طبیعت کا حال نہ کہا جائے تو اسکی دلشکنی ہوگی اس لئے موجودہ مرض کا حال کہدے باقی معنی ما مضی۔ اسی طرح تعزیت میں بوجہ واقعہ گذر جانے کے غلو کو روکا ہے کہ اسکی مدت فقہار نے تین دن فرمائی ہے اس کے بعد نہیں کیونکہ غم نہ رہا۔

ف : اس سے حضرت والا کا لایعنی سے احتراز۔ احتیاط و تقویٰ۔ دوسروں کی دلجوئی ظاہر ہے۔

(۲۶) آموں کے موسم میں حضرت نے تمام اہل مدرسہ اور ذاکرین اور بعض اہل قصبہ کی دعوت آموں کی فرمائی اور یہ فرمایا کہ کل صبح سب صاحب مدرسہ میں جمع ہوجائیں، چنانچہ وقت معین پر سب جمع ہوگئے اور باغ میں آم کھانے کے لئے گئے حضرت بھی تشریف لے گئے مجمع میں بعض صاحب ایسے تھے جو چھلکا گٹھلی چلانے کی نیت سے گئے تھے، چنانچہ انھوں نے اسکا ارادہ کیا حضرت نے تنبیہ فرمائی جس سے وہ رک گئے اور کسی کی جرأت نہ ہوئی اور پھر فرمایا کہ اس مجمع میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو کھیل میں شریک ہونا چاہتے ہیں دوسرے وہ جو نہیں چاہتے — تو جو شریک ہونا

نہیں چاہتے انکو مجبور کرنا ناجائز ہے وہ اگر شریک ہوں گے تو نفس کو مار کر شریک ہوں گے اور جو کھیلنا چاہتے ہیں وہ دل کو مار کر رکھیں گے میں نہ نفس کو مارنا چاہتا ہوں نہ دل کو، یوں کریں کہ جو لوگ کھیلنا چاہتے ہیں وہ ایک فہرست بنائیں انکے لئے علحدہ سامان کر دیا جاوے۔ میں کھیل کو منع نہیں کرتا ناجائز تھوڑا ہی ہے مگر اسکا ایک ضابطہ ہونا چاہیئے اور جو شرکت نہیں چاہتے انکو کیوں مجبور کیا جاوے۔

ف: واقعی اہل اللہ اگر کسی غیر منہی عنہا کھیل کود کے موقع پر بھی شامل ہوتے ہیں تو ان سے وہاں بھی دینی فائدہ ہوتا ہے اور ایک انتظام کی صورت معلوم ہو جاتی ہے مثلاً اسی موقع پر یہ معلوم ہو گیا کہ کونسی صورت جلسہ کے ساتھ آم کھانے کے لئے جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہر کام ضابطہ کے ساتھ ہونا چاہیئے گو کہ معمولی کام ہو اس سے حضرت والا کا حسن انتظام اور حدود شرعیہ کا لحاظ تام ثابت ہوا۔

(۲۷) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ ہندو اگر افطاری میں مٹھائی بھیجے تو اسکا کھانا کیسا ہے فرمایا کہ فتوی کی رو سے جواز تو ہے مگر مجھکو غیرت آتی ہے کہ آئندہ یوں کہنے لگیں کہ اگر ہم مدد نہ کرتے تو کیسے بہار ہوتی مسجد میں ایسے موقع پر انکے شریک کرنے سے دو خرابیاں ہیں ایک تو امتنان (کافر کا احسان) دوسرے مسلمانوں میں کرم غالب ہے سوچتے سمجھتے ہیں نہیں پھر انکے تہواروں میں مدد دینے لگتے ہیں۔ ہندوؤں کا طریقہ یہ ہے کہ اول تو احسان کرتے ہیں پھر اپنا کام بناتے ہیں۔ ایک جگہ ہندوؤں نے کئی لاکھ روپیہ جمع کیا اور کہا کہ عربی مدرسہ بناؤ اور یہ کہا کہ اس قدر روپیہ قربانی میں صرف ہوتا ہے قربانی موقوف کر دو، بعض علماء نے کہا کہ بہت روپیہ ہے لے لو، دیکھئے یہ دین پر اثر ہوا ہمارا مسلک تو یہ ہونا چاہئے کہ اگر تمام دنیا ملے اور ایک مسئلہ میں خلاف کرنا پڑے تو دنیا بھر کے خزائن کی طرف نظر بھی نہ کریں

ف: اس سے حضرت والا کی غیرت فی الدین، حذر از امتنان، فراست، تصلب فی الدین ثابت ہوا۔

(۲۸) فرمایا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے بلا اکتساب مرحمت فرمائی ہے واقعی وہ سب ضروری اور مبنی بر مصالح کثیرہ ہیں ان میں کوئی چیز زائد نہیں جیسے دو ہاتھ، دو پاؤں، دو آنکھیں وغیرہ وغیرہ چنانچہ ان میں جب کوئی چیز کم ہو جاتی ہے تو اس وقت قدر معلوم ہوتی ہے۔ غرض جن امور میں اکتساب کو دخل نہیں وہ تو سب ضروری ہیں ہاں جن میں انسان کے اکتساب کو دخل ہے ان میں بہت سے امور غیر ضروری بلکہ ہیں جن کو ہم نے ان مکتسبات میں فضول بڑھا لیا ہے اور اپنی طرف سے حواشی چڑھا لئے ہیں پھر وہ حاشیہ اتنا بڑا ہے کہ اصل سے بلکہ بڑھ گیا ہے چاہئے تو یہ تھا کہ حقیقت پہچان کر زوائد سے وحشت ہوتی مگر اب فساد مذاق کی وجہ سے الٹی ہم کو لذت حاصل ہوتی ہے اسکی مثال تمباکو جیسی ہے کہ اسکے کھانے میں حالانکہ بہت سے نقصانات ہیں سر اس سے گھومتا ہے، دماغ اس سے خراب ہوتا ہے، منہ میں بدبو اس سے پیدا ہوتی ہے جسم میں کاہلی اس سے آجاتی ہے اور عادت ہو جانے پر یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ جب تک اسکو نہ کھا لیا جائے انسان کوئی کام نہیں کر سکتا مگر باوجود اتنے نقصانات کے اسکو کھاتے ہیں اور بڑے مزے لیکر کھاتے ہیں۔

ف: اس ملفوظ سے حضرت والا کی حقیقت شناسی اور زوائد سے نفرت ثابت ہوتی ہے۔

(۲۹) حافظ عبد المجید صاحب جن کے سپرد سابق میں مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کے بعض کاروبار تھے حضرت کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ اب میں مدرسہ کا اہتمام اپنے ذمہ نہیں رکھنا چاہتا میرے پڑھنے میں خلل پڑتا ہے فوراً منظور فرما کر ارشاد فرمایا کہ میرا طرز عمل ہمیشہ یہی

رہا ہے کہ کسی پر کسی کام کا بوجھ نہ ڈالا جائے اسی لئے فرمائش کر کے کام نہیں دیا جاتا اگر کوئی صاحب اجر سمجھ کر لیں فبہا ورنہ کام ہی حذف (مدرسہ موقوف) ہیں نے کانپور میں ایک موقع پر ایسا ہی کیا تھا ہمیشہ یہی مذاق رہا کہ کوئی ذرہ برابر تکلیف نہ پائے کوئی خود کام کا بیڑا اٹھائے تو خیر۔ یہاں تعمیر کا کام سب کام سے زیادہ بکھیڑے کا ہے سو اس میں بھی یہ سوچ لیا ہے کہ حجرے میں ایک آدمی رہنے سے اگر حجرے کافی نہوں تو ایک ایک میں دو دو آدمی رہیں اگر یہ بھی نہ ہوں تو مساجد میں رہیں اسکی بھی پروا نہیں کہ حجرے ہی ہوں یہ تو تھا نقاہ ہے "خواہمخواہ" تو نہیں۔ (۱) حضرت شاہ سلیمان صاحب پاک پٹن کے ہیں بڑے شخص ہیں حتیٰ کہ حضرت حاجی صاحب نے ان سے بیعت کا ارادہ کیا تھا مگر اللہ تعالےٰ نے حضرت میانجیو صاحب کی خدمت میں پہونچا دیا انکے وقت میں سنا ہے کہ لوگ درختوں کے نیچے بستر کئے ہوئے پڑے رہتے تھے بلکہ بعضے مع بال بچوں کے رہتے تھے جو کی روٹی کھاتے تھے یہ حالت تھی (۲) مولانا گنگوہیؒ کو دیکھئے کیا طرز تھا درس حدیث کے لئے نہ کوئی مکان تھا نہ مدرسہ۔ کچھ مساجد میں رہتے تھے کچھ وہاں ہی حجروں میں جن میں سے بعض حجرہ کی چھت ایسی کہ کہیں گر نہ جاوے، ساری عمر اسی طرح گذار دی۔ (۳) مولانا گنگوہیؒ کے یہاں ایک رئیس نے طلبہ کے لئے روپیہ بھیجا، درس ملتوی ہو چکا تھا حضرت نے واپس فرما دیا اور فرمایا کہ جس کام کے لئے یہاں بھیجا تھا وہ یہاں ہے نہیں اسلئے واپس، ورنہ ممکن تھا کہ اور کسی کام کے لئے مشورہ دیا جاتا تو وہ رئیس ضرور قبول کر لیتے (۴) جب گنگوہ میں جامع مسجد کی تعمیر ہو رہی تھی تو ایک رئیس نے حضرت کو یہ لکھکر بھیجا تھا کہ اس کے کام کا تخمینہ کرا کے اطلاع فرما دیں آپ نے تحریر فرمایا میرے پاس کوئی انجینئر نہیں ہے اگر دل چاہے اپنا آدمی بھیجکر تخمینہ

کرا لیجئے۔ صاف جواب دیدیا۔ یہ زندگی تھی ہمارے حضرات کی۔ گو مدارس کی جو آجکل صورت ہے وہ بھی مصلحت پر مبنی ہے پھر سلف صالحین کا طرز نہیں تھا مگر اب ضرورت ہے اس طرز کی لیکن ہمارے حضرات نے اس ضرورت کے زمانے میں بھی طرز سلف کر دکھایا۔ ہم چونکہ ضعفاء ہیں اسلئے اسباب کے ساتھ تشبث رکھنے کی ضرورت ہے۔

پھر حافظ صاحب سے فرمایا کہ آپ کی سبکدوشی موافق شریعت کے ہے کیونکہ علم مقدم ہے اگرچہ کام تو دونوں فرض کفایہ ہیں (دونوں کام یعنی خدمت مدرسہ اور تحصیل علم دین) مگر ایک فرض کفایہ دوسرے کے مقابلے میں ترجیح رکھتا ہے پڑھنا مقدم ہے اللہ تعالے علم وعمل اخلاص نصیب فرماویں آپ کی علحدگی سے گو مجھکو فکر بڑھے گا مگر پھر بھی یہی کہونگا کہ اچھا کیا۔ رہا فکر سو اگر انتظام نہ ہوگا تو آخر میں یہی کہوں گا جیسے کسی نے کہا تھا کہ " شعر گفتن چہ ضرور " اسی طرح مدرسہ کردن چہ ضرور اور مجذوب کے لنگوٹہ کا قصہ بھی مجھے معلوم ہے۔ (اسکا ذکر ملفوظ ۲۱ میں آچکا ہے)

(۵) شاہ غلام رسول صاحب ایک درویش تھے کانپور میں ایک زمانہ میں انکی مسجد کا کوئی قصہ تھا ہندوؤں سے جھگڑا تھا عدالت تک نوبت پہونچی شاہ صاحب کے نام سمن آیا آپ نے کہا کہ میں عدالت نہ جاؤں گا لوگوں نے کہا کہ مقدمہ خارج ہو جائے گا کہا کہ میں اپنا گھر نہیں بناتا ہوں چنانچہ نہیں گئے۔ حاکم کے دل میں آیا کہ ہم خود چل کر تحقیقات کریں اس نے وہیں آکر اجلاس کیا شاہ صاحب گھر میں چلے گئے حاکم نے بلایا تو جواب ملا کہ میں کافر کے سامنے نہیں آتا جو تمھاری سمجھ میں آئے وہ کردو۔ حاکم نے فیصلہ میں لکھا کہ جو شخص اتنا بڑا محتاط ہے کہ عدالت میں نہیں آتا اور سامنے نہیں آتا وہ کیا جھوٹ بولے گا (۶) پیلی بھیت میں شاہ جی محمد شیر صاحب تھے لوگ اسٹیشن پر مسجد بنانا چاہتے تھے ہندوؤں نے مندر بنانا چاہا جھگڑا

ہوا کلکٹر تھے مسلمان انھوں نے مسجد کو کلی روک دیا شاہ صاحب کو اطلاع ہوئی کہنے لگے کہیں کچھ کوشش نہ کروں گا میرا گھر تھوڑا ہی ہے جسکا گھر ہے اسکو منظور ہوگا وہ بنوا لے گا اور کہا کہ ساری زمین مسجد ہے لوگ زمین میں نماز پڑھ لیں گے، چنانچہ وہ مسجد پڑی رہی ایک دفعہ وہ کلکٹر صاحب شاہ صاحب کے یہاں پہونچے بعض لوگ پہچانتے بھی تھے ان سے منع کر دیا کہ تبلانا مت۔ دہلیز میں ایک تخت ٹوٹا پڑا تھا وہیں بیٹھ گئے شاہ صاحب اس حدیث کا مصداق ہو گئے اَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ کہ ایسے شخص کے پاس دنیا ناک رگڑتی آتی ہے، شاہ صاحب نے پوچھا مزاج اچھا ہے کیسے آئے ؟ کہا کہ مجھکو کچھ عرض کرنا ہے، شاہ صاحب نے کہا کہ کہو۔ کہنے لگے کہ مسجد کا کیا قصہ تھا ؟ شاہ صاحب بولے کہ ہم مسجد بنا رہے تھے ایک صاحب بہادر آگئے ہیں وہ مانع ہیں۔ کہا کہ وہ صاحب بہادر میں ہوں میں معذرت کرنے آیا ہوں آپ تشریف لے چلئے چنانچہ فٹن پر سوار کر کے لے گئے اور ان کے ہاتھ سے بنیاد رکھوا دی شاہ صاحب کی یہ حالت کہ کلکٹر کے منع کرنے پر نہ گلہ نہ شکایت۔ (۷) عبدالمطلب کو دیکھئے کہ جب ابرہہ بادشاہ کے سپاہیوں نے انکے اونٹ بکریاں پکڑ لیں تھیں اور وہ اسکے پاس گئے تو وہ یہ سمجھتا تھا کہ خانۂ کعبہ کی سفارش کو آئے ہوں گے (کیونکہ وہ بادشاہ خانۂ کعبہ کو شہید کرنے کو آیا تھا) انھوں نے اسکا تذکرہ بھی نہ کیا بلکہ اپنے مال کو چھوڑ دینے کو کہا۔ اس نے کہا میں اور کچھ سمجھتا تھا، ایسی خفیف بات کو آپ نے کہا اگر آپ کعبہ کی سفارش کرتے تو میں قبول کرتا۔ عبدالمطلب نے کہا مجھکو اپنی چیز کی فکر ہے، وہ جس کا گھر ہے وہ جانے اسکا گھر جانے۔ اس نے انکی اونٹ بکریاں چھوڑ دیں پھر دیکھئے کیا انجام ہوا سب کو معلوم ہے جس کے بارہ میں سورہ اَلَمْ تَرَ کَيْفَ نازل ہوئی۔

(جاری)

لوگ محض ظاہر کو سنوارتے ہیں باطن کی اصلاح کا اہتمام نہیں کرتے یہی حال ہے

از بروں طعنہ زنی بر بایزیدؒ وز درونت ننگ می دارد یزید

اپنے ظاہری حالات سے تو حضرت بایزیدؒ پر بھی طعنہ زنی کرتے ہو اور ان سے بھی بڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہو اور تمھارے باطن کا یہ حال ہے کہ وہ یزید کیلئے بھی باعث ننگ ہے)

از بروں چوں گور کافر پرحلل وندروں قہر خدائے عزّ و جل

(ظاہر اور اوپر اوپر سے دیکھو تو کافر کی قبر کی طرح آراستہ و پیراستہ حالانکہ اندر اللہ تعالیٰ کا قہر و عذاب نازل ہو رہا ہے)

بس ہماری وہی حالت ہے کہ اوپر سے اپنے آپ کو سنوار رکھا ہے اور کپڑا اٹھا کر دیکھو تو گو در گو ہو رہے ہیں۔ ایک بزرگ نے ایک جوان کو دیکھا کہ اکڑ کر چل رہا ہے آپ نے اسکو ٹوکا کہ ذرا سنبھل کر چلو؛ وہ کہنے لگا کہ تم جانتے نہیں ہم کون ہیں؟ فرمایا ہاں میں خوب جانتا ہوں کہنے لگا بتلاؤ تم کیا جانتے ہو؟ آپ نے فرمایا اَوَّلُكَ نُطْفَةٌ مَذِرَةٌ وَاٰخِرُكَ جِيفَةٌ قَذِرَةٌ وَاَنْتَ بَيْنَ ذٰلِكَ تَحْمِلُ الْعَذِرَةَ "کہ تمھاری ابتدا تو ایک ناپاک نطفہ ہے اور تمھاری انتہا ایک سڑی ہوئی لاش ہے کہ مرنے کے بعد تمھارے اندر ہزاروں کیڑے پڑ جائیں گے اور مردہ لاش میں ایسی بدبو آئیگی کہ کوئی پاس بھی نہ پھٹک سکے گا اسی لئے شریعت نے حکم دیا ہے کہ مر جانے کے بعد دفن میں جلدی کرو شریعت کا یہ مقصود ہے کہ مسلمان مردہ کو ایسی حالت میں اپنے سے جدا کیا جائے کہ کوئی بات موجب نفرت اسکے اندر نہ پیدا ہو۔ دیر کرنے میں اندیشہ ہے کہ لاش پھول جائے اس میں سے بدبو آنے لگے اور اس حالت کو دیکھکر لوگ اسکو حقارت سے دیکھیں اور نفرت ظاہر کرنے لگیں، یہ تو اکرام میت کے منافی ہے۔ غرض یہ ہماری انتہائی حالت ہے جس میں بڑے سے بڑا عاشق بھی ہماری لاش کو جلدی دفن کر دینا ہی

چاہے گا۔" اور درمیانی حالت یہ ہے کہ تم ہر وقت گوہ کا ٹوکرا ساتھ ساتھ لئے پھرتے ہو" کیونکہ تمھارے پیٹ کے اندر نہ معلوم کتنے سیر پاخانہ بھرا ہوا ہے یہ خدا کی رحمت ہے کہ اس نے پیٹ کو ڈھکا ڈھول بنا دیا ہے کہ اس میں پاخانہ بھرا ہوا ہے مگر پاس بیٹھنے والوں کو کچھ خبر نہیں ہوتی، واقعی اگر اَمعاء (آنتوں) میں قوت ماسکہ (روکنے کی طاقت) نہ ہوتی جسکی وجہ سے وہ پاخانہ کو روکے رہتی ہے اور ایک معین وقت میں سارے کو باہر نکال دیتی ہے تو ہماری کیسی بری گت بنتی؟ بس ہر وقت موری سے پاخانہ بہا کرتا۔ چنانچہ جب کسی مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے یہ قوت ماسکہ کمزور ہوجاتی ہے تو اس شخص کے تیماردار بھی گھبراتے ہیں سارا گھر بدبو سے سڑ جاتا ہے، سارے گھر میں ایک موری کی وجہ سے سڑاہند پھیل جاتا ہے۔ تو یہ خدا کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ اس نے امعاء میں قوت ماسکہ رکھدی ہے ورنہ ہر وقت نجاست بہا کرتی۔ پھر دیکھو انسان کے بدن میں ہزاروں مسامات ہیں جن سے پسینہ نکلتا ہے، یہ خدا کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ ان مسامات سے پاخانہ کا عرق کبھی باہر نہیں آتا ہے اگر مسامات سے پاخانہ باہر نکلا کرتا تو زندگی موت ہوجاتی تو محض خدا کی رحمت کی وجہ سے آپ بنے ٹھنے پھرتے ہیں ورنہ میاں کے اندر اتنا پاخانہ بھرا ہوا ہے کہ اگر وہ ہر وقت نکلنے لگے اس وقت زینت و آرائش کی ساری مٹی پلید ہوجائے۔ غرض ان بزرگ نے خوب جواب دیا کہ ہاں میں جانتا ہوں کہ تو کون ہے۔ بس تیری حقیقت تو یہ ہے! آگے خدا کی ستاری ہے کہ اس نے تیرے پیٹ کو ڈھکا ڈھول بنا دیا ہے تو کیا اس نعمت کا یہی شکر یہ ہے کہ تو فرعون کی طرح اکڑ کر چلے۔ صاحبو! جس طرح ہمارا ظاہر ناپاک ہے مگر خدا کی رحمت سے وہ پاک معلوم ہورہا ہے اسی طرح ہمارا باطن بھی ناپاک ہے جس کی اطلاع

خدا ہی کو ہے یا ہم کو ہے دوسروں کو کچھ خبر نہیں کہ ہمارے دل
یں کیا کیا گندگی بھری ہوئی ہے بخدا اگر دلوں کی گندگی کی بدبو محسوس
ہونے لگے تو پاخانہ کی بدبو کی اسکے سامنے کچھ بھی حقیقت نہ رہے اور
جن لوگوں کو محسوس ہوتی ہے وہ ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ مگر یہ بھی رحمت
الٰہی ہے کہ اس گندگی کی بدبو ہر ایک کو محسوس نہیں ہوتی جس سے
لوگ اپنے آپ کو پاک اور صاف ستھرے سمجھنے لگے۔ صاحبو! تمکو زکام
ہورہا ہے اسلئے یہ بدبو محسوس نہیں ہوتی کسی صحیح الدماغ کو اپنا حال
دکھلاؤ وہ بتلائے گا کہ تمھارے دل میں کس قدر گندگی ہے جس کی بدبو
سے اسکا دماغ پریشان ہوگیا۔ کوئی مولانا یا کوئی شیخ اس پر مغرور نہو
کہ لوگ ہمکو اچھا سمجھتے ہیں ہماری تعظیم و تکریم کرتے ہیں تو ہم واقع
میں بھی ایسے ہی ہیں۔ یقیناً دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ مخلوق کو
دھوکہ دے رہے ہیں کہ لوگ انکے ظاہری طرز اور عبادت و مجاہدات
کی وجہ سے انکو بزرگ سمجھنے لگے دل کی کسی کو خبر نہیں کہ یہ سارا
ڈھونگ ہی ڈھونگ ہے یا کچھ اخلاص بھی ہے۔ مگر یاد رکھو خدا کے
سامنے یہ دھوکہ نہ چل سکے گا۔ مولاناؒ فرماتے ہیں ؎

اللہ اللہ می زنی از بہرناں بے طمع پیش آ و اللہ را بخواں
(روٹی کی غرض سے اللہ اللہ کی ضرب لگا رہے ہو لالچ چھوڑ کر آگے بڑھو اور اللہ کو پکارو اور اللہ اللہ کرو)
خلق را گیرم کہ بفریبی تمام در غلط اندازی تا ہر خاص و عام
(مانا کہ ساری مخلوق کو اپنے دام فریب میں لے لوگے اور تمام عوام و خواص کو غلط فہمی میں ڈال دوگے)
کار ہا با خلق آری جملہ راست با خدا تزویر و حیلہ کے رواست
(اور مخلوق کے ساتھ سارے کام ٹھیک کرلوگے مگر خدا کے ساتھ یہ مکر و حیلہ کب ممکن ہے اور کیسے چل سکتا ہے)
کار با او راست باید داشتن رایت اخلاص و صدق افراشتن
(خدا کے ساتھ معاملہ درست رکھنا چاہیئے اور اخلاص و صدق کا جھنڈا

بلند کرنا چاہیئے یعنی سچائی اور خلوص اختیار کرنا چاہیے) ۔
از بہرِ ناں پر مجھے یاد آیا کہ ایک مولوی کانپور میں آئے انکا کرتا پھٹا ہوا تھا سنئے کرتے کی ضرورت تھی آپ نے کیا حکمت کی کہ ایک رئیس کے یہاں مولود پڑھنے گئے وہاں کسی شعر پر آپ نے وجد ظاہر کیا اور کرتا جھر جھر پھاڑ ڈالا۔ اب اس بے چارہ رئیس کو غیرت آئی کہ مولانا صاحب میرے گھر پر کرتا پہنکر آئیں اور یہاں سے ننگے تشریف لے جاویں اس نے فوراً نوکر کو بزاز کے یہاں بھیجا اور ایک تھان منگایا فوراً کرتے قطع ہوئے اور ایک کرتا انکو پہنایا باقی کرتے بھی شاید انھیں کے حوالے کر دیئے گئے اسی کو مولانا فرماتے ہیں "اللہ اللہ می زنی از بہرِ ناں" یہی وجہ ہے کہ وعظ و پند میں اثر نہیں، عوام بھی سمجھ گئے، کہ یہ سارا وجد نیا کرتا لینے کے لئے کیا تھا۔ پھر ایسی حالت میں ان پر کیا خاک اثر ہو؟ غرض مخلوق کو بہت دھوکہ دیا جا رہا ہے ظاہر میں وجد و حال کی صورت بنائی جاتی ہے ہزار دانوں کی تسبیح ہاتھ میں رکھی جاتی ہے اور باطن میں ریا اور حب جاہ بھری ہوئی ہے مگر حق تعالٰی کے یہاں یہ دھوکہ نہ چل سکے گا لیکن اس سے وہ لوگ خوش نہ ہوں جو کچھ بھی نہیں کرتے کہ ہم ریار سے محفوظ ہیں کیونکہ ہم ذکر ہی نہیں کرتے جو ریا پیدا ہو، سو خوب سمجھ لو کہ تم ان سے اچھے نہیں کیونکہ وہ ذکر تو کرتا ہے گو ریا ہی سے سہی اور تم تو اتنا بھی نہیں کرتے۔ ذکر اگر ریار سے بھی ہو تو چونکہ وہ ایک روز مبدل بہ اخلاص ہو جاتا ہے ایک دن اپنا کام کر جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص ریار سے ذکر کرتا ہوا سے حقیر نہ سمجھو کیونکہ ریار ہمیشہ ریار نہیں رہتی وہ اولاً ریا ہوتی ہے پھر کرتے کرتے عادت ہو جاتی ہے اور عادت کے بعد پھر اسکو نہ دکھلانیکا خیال رہتا ہے نہ لوگوں کو وہ عمل نیا معلوم ہوتا ہے، اسلئے عادت سے

عبادت ہوجاتی ہے پھر اس میں خلوص پیدا ہوجاتا ہے۔ سبحان اللہ واقعی یہ حضرات حکماء ہیں۔ کسی نے افلاطون کو خواب میں دیکھا تھا اس سے ارسطو اور جالینوس کے متعلق پوچھا کہ یہ لوگ فلسفی تھے؟ کہا کہ یہ لوگ کچھ بھی نہیں، پھر جنیدؒ اور بایزید بسطامیؒ وغیرہ کے متعلق پوچھا کہا اُولٰئِکَ ھُمُ الْفَلَاسِفَۃُ حَقًّا یعنی سچے فلسفی یہی لوگ تھے واقعی حکمت اسلامی کے مقابلے میں حکمت یونان کی حیثیت ہی کیا ہے کچھ بھی نہیں سچے فلسفی اور حکیم یہی لوگ ہیں یعنی صوفیاء کرام چنانچہ دیکھ لیجئے حضرت حاجی صاحبؒ نے ریا کے متعلق کیسا عجیب مضمون بیان فرمایا جس سے ریاء کا علاج بہت ہی سہل ہوگیا ہے کہ جس کام میں ریا کا خیال آتا ہو اسکو بکثرت کرنا چاہئے اور ریا کی پرواہ نہ کرنا چاہئے البتہ عقلاً عقیدۃً اسکو برا سمجھتے رہنا چاہئے پھر کرتے کرتے وہ خود ہی عادت اور عادت سے عبادت ہوجائے گی یہ ایسی حکمت ہے کہ حکمائے یونان کو اسکی ہوا بھی نہیں لگی اسی کے مناسب یہ مضمون ہے کہ بعض لوگوں کو ذکر میں یہ شکایت پیش آتی ہے کہ ہمکو حضور قلب نصیب نہیں ہوتا وساوس وخطرات ہجوم کرتے ہیں اسکا بھی یہی علاج ہے کہ ذکر کرتے رہنا چاہئے اول اول محض ذکر لسانی ہوتا ہے پھر کرتے کرتے حضور حاصل ہوجاتا ہے۔ اسم سے مسمّٰی کی طرف انتقال خودبخود ہوجاتا ہے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں ؎

مست ولا یعقل نہ از جام ہو اے ز ہو قانع شدہ بر نام ہو

(اے شخص جو خدا کی ذات سے ہٹ کر صرف اسکے نام کی رٹ ہی پر قناعت کئے ہوئے ہے تو جام ہُو یعنی محبت ذات الٰہی سے مست دیوانہ نہیں ہے۔)

یہ تو شکایت ہے پھر اس سے اضراب کے طور پر فرماتے ہیں ؎

از صفت وز نام چہ زاید خیال وان خیالت ہست دلال وصال

(صفت کی یاد اور نام کی تکرار سے کیا ہوتا ہے؟ ایک تصور اور خیال جم جاتا ہے پھر رفتہ رفتہ وہی خیال ذریعۂ وصال حق ہو جاتا ہے)

یعنی خدا کا نام لیتے لیتے اول خیال قائم ہو جاتا ہے پھر وہی خیال وصال کا وسیلہ بن جاتا ہے صاحبو! خدا کے نام سے اثر ضرور ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ مٹھائی اکھٹائی کا نام لینے سے منہ میں پانی بھر آتا ہے تو خدا کا نام کیا اس سے بھی کم ہو گیا؟ ہرگز نہیں اس سے بھی ضرور ایک دن دل پر اثر ہوگا کام میں لگا رہنا چاہیئے، گھبرانا نہ چاہیئے۔

کھٹائی کے نام سے منہ میں پانی بھر آنے پر مجھے ایک حکایت یاد آئی، ایک بادشاہ نے شہزادے کو روزہ رکھوایا تھا اور روزہ کشائی کی رسم کے لئے بڑے پیمانے پر دعوت کا انتظام کیا تھا لڑکے نے ظہر تک تو صبر کیا لیکن عصر کے بعد اس سے نہ رہا گیا مارے پیاس کے بے تاب ہو گیا اور مچلنا شروع کیا بادشاہ نے اطباء کو بلایا کہ کوئی ایسی تدبیر کرو کہ اسکی پیاس کو تسکین ہو جائے اور روزہ بھی نہ جائے ورنہ سارا کیا کرایا سامان برباد ہو جائے گا۔ سب اطباء اسکے علاج سے عاجز ہو گئے ایک غیر مشہور طبیب کی سمجھ میں ایک نسخہ آیا اس نے عرض کیا کہ حضور میں اسکا علاج کروں گا آپ چند لڑکوں کو بلائیے اور تھوڑے سے لیموں منگا دیجئے چنانچہ فوراً انتظام کیا گیا اس نے لڑکوں سے کہا کہ شہزادے کے سامنے لیموں کا ٹکڑا کھانا شروع کرو بس لیموں کو کھاتے ہوئے دیکھکر شہزادے کے منہ سے رطوبت کے دریا پیدا ہو گئے طبیب نے کہا اس رطوبت کو نگلنا شروع کرو۔ لعاب دہن کے نگلنے سے روزہ بھی نہیں ٹوٹتا اس نے لعاب کو نگلنا شروع کیا بس پیاس کو

فوراً تسکین ہوگئی بادشاہ اس تدبیر سے بہت خوش ہوا اور طبیب کو بہت کچھ انعام دیا بس جب لیموں کے نام میں یہ خاصیت ہے تو خدا کے نام میں کیوں یہ خاصیت نہ ہوگی کہ اس سے دل بھر آئے۔

الغرض ریا کا قصد تو نہ کرنا چاہیئے لیکن اگر ایک دن میں ریا زائل نہ ہو تو ذکر کو چھوڑنا بھی نہ چاہیئے کرتے رہنا چاہیئے رفتہ رفتہ ریا خود زائل ہو جائیگی، وہ خدا کا نام تم کو انشاء اللہ خدا ہی تک پہونچا دے گا نہ ہونے سے ذکر کا ہونا بہرحال اچھا ہے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ کوئی شیخ صاحب یا مولانا صاحب مخلوق کی تعظیم و تکریم پر مغرور نہ ہوں وہ یا تو مخلوق کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اگر کسی کا قصد دھوکہ دینے کا نہ بھی ہو تو خدا کی ستاری ہے کہ اس نے ہمارے عیوب مخلوق سے چھپا دیئے ہیں اور محاسن ظاہر کر دیئے۔ ہمارے اندر کبر ہے، ریا ہے، حسد ہے، حب جاہ ہے لیکن مخلوق کو خبر نہیں وہ ہم کو ان عیوب سے پاک سمجھتے ہیں اس لئے تعظیم و تکریم سے پیش آتے ہیں اگر لوگوں کو ہمارے عیوب باطنیہ کی خبر ہو جائے تو سب سے پہلے وہ ہماری گت بنائیں۔ پس اگر خدا کی ستاری سے ہمارے عیوب ظاہر نہ ہوں تو ہم کو اپنا معتقد نہ ہونا چاہیئے۔ غضب تو یہ ہے کہ لوگوں کی تعظیم و تکریم اور عقیدت سے ہم خود بھی اپنے معتقد ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم واقع میں کچھ ضرور ہیں جب ہی تو اتنے آدمی بڑا سمجھتے ہیں سو خوب سمجھ لو بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ (بلکہ انسان اپنی حالت پر خوب مطلع ہے) ہر شخص اپنی حالت کو دوسرے سے زیادہ جانتا ہے اور دوسرے اسکی اندرونی حالت سے محض بے خبر ہوتے ہیں بس تعجب ہے کہ چند ناواقفوں کی تعظیم و تکریم سے تم واقف ہو کر اپنے معتقد بن گئے۔

آجکل بکثرت یہی حالت ہے کہ باوجودیکہ باطن سراپا گندہ ہے لیکن ظاہری تقویٰ کو کافی سمجھا جاتا ہے اسکی طرف التفات بھی نہیں ہوتا کہ ہمارے باطن میں کیا کیا گندگی بھری ہوئی ہے اس پر میں نے یہ شعر پڑھا تھا ؎

از بروں چوں گور کافر پر حلل — و اندروں قہر خدا ئے عزوجل

لایعنی امور سے احتیاط حاصل یہ کہ بعضے منکر رذائل کے ازالہ کی طرف التفات بھی نہیں کرتے منجملہ ان ہی رذائل کے اشتغال مالایعنی بھی ہے جس کی نسبت ارشاد ہے مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَا یَعْنِیْہِ کہ غیرضروری اور لایعنی امور کو ترک کر دیں۔ اس پر نہ مشائخ کو التفات ہے نہ غیر مشائخ کو سب غور کر کے دیکھ لیں کہ دن بھر میں کتنی لا فضول باتیں کرتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ "اسلام کی خوبی یہ ہے کہ آدمی لایعنی امور کو ترک کر دے" اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کا حسن اسکے بغیر حاصل نہیں ہوتا تو کیا اسلام کے حسن کی آپ کو ضرورت نہیں۔؟

حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ کے والد ہمیشہ نظر نیچی رکھتے تھے اگر کوئی ان سے بات بھی کرتا تو نظر اٹھا کر اسکو نہ دیکھتے تھے سر نیچے کئے بات کا جواب دیدیتے لوگوں نے اسکی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ بات کا سننا کان کے متعلق ہے اور جواب دینا زبان کے متعلق ہے نگاہ کا اس میں کچھ کام نہیں تو میں بے فائدہ اپنی نظر کو کیوں صرف کیا کروں ، صاحبو! جن لوگوں کو اپنے اسلام کے کامل کرنے کا خیال ہوتا ہے وہ تو لایعنی امور سے اتنی احتیاط کرتے ہیں کہ نظر کو بھی بے فائدہ نہیں صرف کرتے اور اس میں جو نفع ہے اسکو ابھی آپ نہیں سمجھ سکتے (اس پر عمل کر کے دیکھئے کس قدر نور دل میں پیدا ہوتا ہے۔ پھر آپ کو محسوس ہوگا کہ بے فائدہ نظر کرنے سے کتنا ضرر ہوتا ہے۔ (جاری)

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مُدیر:- احمد مکین

شمارہ ۴ ذیقعدہ سنہ ۱۴۱۶ھ مطابق اپریل سنہ ۱۹۹۶ء جلد ۱۰

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زرتعاون ستر روپیہ ششماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار
الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

S.T.D Code No 0532

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیر حسن : اسرار کریمی پریس عطیٰ کنج۔ الہ آباد

ترتیب

اعلان

سال رواں ۹۶ء کا بدل اشتراک سالانہ ۷۰ روپیہ اور ششماہی چالیس ۴۰ روپیہ ہے ــــ اولین فرصت میں اپنا چندہ ارسال فرما کر ادارہ کا تعاون فرما دیں

ذوق وحال

فرمایا حال پیدا ہوتا ہے صاحب حال سے جب تک صاحب حال سے رجوع نہ کیا جائے گا حال ملے ملائیگا نہیں۔ جو علماء حال سے خالی تھے ان سے اتنا کام نہیں ہوا ہے جتنا کہ ان علماء سے ہوا ہے جو حال سے متصف تھے اور یہ حضرات بڑے درجہ کے سمجھے جاتے ہیں۔ مولانا رومؒ اپنی مثنوی کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

ہر کجا گوشے بُد از وے چشم گشت
ہر کجا سنگے بُد از وے یشم گشت

(جہاں کہیں کان تھا اسکی وجہ سے وہ آنکھ ہوگیا، جہاں کہیں پتھر تھا اسکی وجہ سے ہیرا بن گیا)

یعنی جو لوگ محض کان تھے وہ صاحب معرفت و ہوش ہوگئے انکو بصیرت قلبی حاصل ہوگئی تو یہ دولت ہر ایک سے اور ہر ایک کے کلام سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ انھیں حضرات سے حاصل ہوتی ہے جو صاحب قلب ہیں صاحب معرفت اور اہلِ بصیرت ہیں۔ مولانا رومؒ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں ؎

مولوی ہرگز نہ شُد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزیؒ نہ شد

(مولوی (یعنی رومی) اس وقت تک مولائے روم اور مقتدا اور پیشوا نہ ہوا جب تک حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا غلام نہ بنا)

اپنے شیخ شمس تبریزیؒ کی تعریف میں فرمارہے ہیں۔ مولانا رومؒ بہت بڑے عالم تھے مگر فرمارہے ہیں کہ مجھے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا جب تک حضرت شیخ شمس تبریزیؒ کی غلامی میں داخل نہیں ہوگیا۔ مولاناؒ نے

پوری مثنوی میں توحید پر اور شیخ سے تعلق کی ضرورت پر کلام فرمایا ہے اسکو مثالوں سے اور مختلف عنوانات سے سمجھایا ہے اور جتنے مضامین ہیں سب نہایت ذوق و حال سے بیان کئے ہیں اسلئے ہر زمانہ میں اہل اللہ نے اسکو پسند فرمایا ہے اور اس سے ذوق و حال حاصل کیا ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کو مثنوی سے بڑی مناسبت تھی اسکے وہاں اسکا درس ہوتا تھا اور حضرت مولانا قدس سرہٗ اپنے سرہانے رکھتے تھے آخر کوئی تو بات تھی جبھی تو سرہانے رکھتے تھے۔ اب بھی واعظین مثنوی کے اشعار پڑھتے ہیں لیکن اگر حال سے پڑھیں تو لوگوں پر بڑا اثر ہو سامعین محظوظ اور لطف اندوز ہوں مگر حال سے پڑھیں کیسے خود حال حاصل کیا ہوگا تب حال سے پڑھیں گے یا یونہی؟ حال تو ملتا ہے صاحب حال سے اور یہ لوگ کسی صاحب حال کے آگے جھکتے نہیں اسلئے حال سے کورے ہی رہ جاتے ہیں اور خشک باتیں پہونچاتے ہیں جسکی وجہ سے ذرا اثر نہیں ہوتا کیا دین خشک باتوں ہی کا نام ہے اس میں تری نہیں ہے؟

سنئے! دین سراسر ذوقی و حالی ہے۔ جب تک کچھ حال نہ ملے عمل کرنا آسان نہ ہوگا۔ عمل سے لوگ اس وقت اسی لئے گھبراتے ہیں کہ محبت و حال تو ہے نہیں اس لئے عمل کی سختی اور مشقت برداشت نہیں ہوتی۔ محبت عمل کو آسان کردیتی ہے اسلئے اللہ تعالیٰ کی اتنی محبت فرض ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو سکے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی محبت لازم ہے جس سے آپ کی اتباع ہو سکے۔ حضرت مولاناؒ کے یہاں ایک مسلمان بڑھئی کچھ کام کر رہے تھے وہ شخص مجھ سے کبھی کبھی اپنا خط لکھواتے تھے بے چارے پڑھے لکھے نہیں تھے ایک دفعہ حضرت کی خدمت میں عرض حال کے طور پر کچھ لکھوایا تو اس میں یہ شعر بھی لکھوایا کہ ؎

دل کو آزارِ محبت کے مزے آنے لگے
صدقے اس ساقی کے جس نے درد پیدا کر دیا

یہ سنکر بہت تعجب ہوا کہ دیکھئے اسکا حال کیسا اچھا ہے ایسا تو ہمارا حال بھی نہیں ہے اسکو آزار محبت کے مزے آنے لگے۔ اِدہر تو آزار اور اُدہر مزے کیا خوب اجتماع ضدین ہے مگر بات یہ ہے کہ آزار جو آرہا ہے تو چونکہ محبوب کی جانب سے ہے اسکی طرف نسبت سے اس آزار و تکلیف کی تلخی جاتی رہی بلکہ اسمیں مزہ اور لطف آنے لگا۔ اسی کو کہا گیا ہے "ضرب الحبیب زبیب" محبوب کی مار بھی کشمش (جیسی لذیذ) ہوتی ہے اور۔ ؎

از محبت تلخہا شیریں شود

(محبت کی وجہ سے تلخیاں اور ناگواریاں شیریں اور لذیذ ہو جاتی ہیں)

خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

نہ گھبرا، کوئی دل میں گھر کر رہا ہے
مبارک کسی کی دل آزاریاں ہیں

دیکھئے! ادہر تو دل آزاری پھر اسکو مبارک فرما رہے ہیں پس دل آزاری تو اس اعتبار سے ہے کہ جب کوئی بات دل میں داخل ہوگی تو ضرور تکلیف طبعاً ہوگی مگر مبارک اس اعتبار سے ہے کہ محبوب کی جانب سے ہے اور اہل اللہ کی طرف سے ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (اور جنھوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دیں گے انکو اپنی راہیں)

اسی مجاہدہ اور مشقت سے راستہ کھلتا ہے یہ کامیابی اور وصول کا پیش خیمہ ہے، اس سے مت گھبراؤ۔ طریق میں جس طرح اذکار و اشغال ہیں ویسے ریاضات اور مجاہدات بھی ہیں۔ شیخ جو طریق

بھی اختیار کرے اسکو بخوشی تسلیم کرنا چاہیئے ؎

نہ لو نام الفت جو خودداریاں ہیں
بڑی ذلتیں ہیں بڑی خواریاں ہیں

محبت سے ہزار برس کا کام منٹوں میں ہوجاتا ہے الفت و محبت معمولی چیز نہیں ہے۔ عشق تمام آلائش کو دور کر دیتا ہے۔ پاک و صاف کر دیتا ہے ؎

مرحبا! اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علتہا سئے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

(مرحبا اے عشق! اے ہمارا بہترین سودا و خیال، ہماری تمام بیماریوں کا علاج، ہمارے غرور و نخوت اور ناموس کی دوا، تو ہی ہمارا افلاطون اور ہمارا جالینوس ہے)

اور ؎

مترس از محبت کہ خاکت کند
کہ باقی شوی چوں ہلاکت کند

(محبت سے مت ڈرو کہ تم کو خاک بنا کر رکھدیگی اس لئے کہ جب وہ تمکو ہلاک کردیگی تو دائمی حیات تمکو حاصل ہو جائیگی)

طریق تو یہ ہے مگر اب ہمارے پاس آتے ہیں مگر نہ سمجھتے ہیں اور اور نہ سیکھتے ہیں بس اگر کہدوں کہ بدن پر بلا سمجھے گرد تو اسکے لئے تیار ہو جائیں گے اور اب ایسا ہی ہوگیا ہے جہاں کسی نے کچھ کام شروع کیا اور دھل (اور نکمے) لوگ جمع ہوئے نہ خود کام کرتے ہیں اور نہ کام کرنے ہی دیتے ہیں سب وقت لے لیتے ہیں مگر کام کا ایک نہیں نکلتا تو اس

تو اس متبرک ہو جانے سے کیا فائدہ؟ مجھ کو یہ پسند نہیں اس لئے کہ یہ نہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے

حضرت مولانا قدس سرہٗ یہ شعر بہت پڑھتے تھے ؎

تعلق حجاب است وبے حاصلی

چو پیوند ہا بگسلی واصلی

(تعلق ایک بڑا حجاب ہے اور لاحاصل کلی ہے جب ان تعلقات غیر ضروریہ کو ختم کرو گے تو واصل الی اللہ ہو جاؤ گے)

یعنی جب تعلقات کو ختم کرو گے جب ہی اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوگا

حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

جملہ اوراق و کتب درنار کن

سینہ را از نور حق گلزار کن

(تمام کتابیں اور اوراق آگ میں جھونک دو اور سینہ کو خدا کے نور سے گلزار بنا لو)

مطلب اس کا یہی ہے کہ محض قال کافی نہیں بلکہ حال پیدا کرنا چاہئے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

اَیُّھَا الْقَوْمُ الَّذِیْ فِی الْمَدْرَسَہ

کُلَّمَا حَصَّلْتُمُوْہُ وَسْوَسَہ

(اے وہ لوگو جو مدرسہ میں قیام پذیر ہو سن لو جو کچھ تم نے حاصل کیا ہے وسوسہ ہی وسوسہ ہے)

اور ؎ علم رسمی سر بسر قیل است و قال

نے ازو کیفیتے حاصل نہ حال

(رسمی علم سب کا سب محض قیل و قال (یعنی بس چونکہ چنانچہ ہی) ہے اس سے کوئی حال ملتا ہے نہ کیفیت ہی پیدا ہوتی ہے)

حضرت حافظؒ کے ایک شعر کے مطلب میں اہل مدرسہ میں اختلاف تھا لوگوں نے کہا کہ بھائی جس کا شعر ہے وہ اتفاق سے موجود ہیں انہیں سے دریافت کرلیا جائے تو دریافت کرنے پر فرمایا کہ " بابا شعر بارا بمدرسہ کہ بُرد " (بابا! ہمارا شعر مدرسہ میں کون لے گیا)
مطلب یہ کہ یہ تو حالی چیز ہے اسکو صاحب حال ہی سمجھ سکتے ہیں اور مدرسہ میں تو صرف قیل و قال ہے اور آپ لوگ حالی نہیں بلکہ قالی ہیں تو اسکو کیا سمجھیں گے ؟

ایک صاحب کا قصہ سنیئے ، ایک مولوی صاحب ایک جگہ مقیم تھے صاحب خانہ نے کہا کہ حضرت میری لڑکی کو بسم اللہ کرا دیجئے لڑکی کو جب مولوی صاحب کے سامنے لائے تو اسکو پہلے ہی سے یہ شعر سکھلائے ہوئے تھے اس نے آتے ہی یہ شعر پڑھا کہ ؎

عشق کے مکتب میں اے دل جبکی بسم اللہ ہو
کیوں نہ پھر پہلا سبق اسکا فنا فی اللہ ہو

وہ مولوی صاحب خود فرماتے تھے کہ مجھ پر ایسا وجد اور ایسا حال طاری ہوا کہ زور سے چیخنے لگا اس سے بہت لوگ میرے معتقد ہوئے اور خدمت کیلئے کمربستہ ہو گئے اور خوب خوب خدمت کی ۔ مولوی صاحب جھوٹ نہیں فرما رہے تھے ، سچے تھے ، بلا تکلف یہ بھی فرماتے تھے کہ میری خوب خوب خدمت کی ۔ یہ مولوی صاحب واقعی صاحب حال تھے عشق صفت نہیں ہے یہ دل کی صفت ہے اور وجدانی شے ہے اسلئے جس کو یہ حاصل ہے وہی اسکا مزا پاتا ہے اور اب ان صفات کو لسان و تقریر سے حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ اور آپ لوگ بھی کہتے ہونگے کہ یہ سب کیا بیان کر رہے ہو ۔ اب تک معلوم نہیں تقریر سے ہم لوگ کہاں سے کہاں پہنچے ہوتے ۔ مگر سنو حال محض اس سے حاصل نہ ہوگا

حال صاحب حال سے حاصل ہوگا۔ ایک صاحب فرماتے تھے کہ فلاں جگہ بہت سے علماء نے تقریریں کیں مگر حالت نہ بدلی حضرت مولانا تھانویؒ نے جاکر وعظ فرمایا تو دینی حالت بہت بدل گئی تو بات کیا تھی بات یہی تھی کہ حضرتؒ جو کچھ بیان فرماتے تھے اس میں حال بھی شامل رہتا تھا اسلئے لوگوں پر اثر پڑتا تھا اور یہی حال ہمارے مصلحین کا رہا ہے کہ علمی لیاقت کے ساتھ ساتھ کامل الحال تھے اسلئے دوسرے بھی صاحب حال ہو جاتے تھے

میرے ہی ایک آدمی نے ایک بڑے شخص کے یہاں شب گذاری آخر شب میں اٹھکر ذکر بالجہر کیا لوگوں پر بہت اثر ہوا ایک شخص چیخ اٹھے عورتیں متاثر ہوگئیں، ایک صاحب نے کہا کہ بزرگوں کی یاد تازہ کردی۔ سنا آپ نے یہ اثر ہوتا ہے دل سے ذکر کرنے کا کہ دوسروں پر بھی بغیر اثر کئے نہیں رہتا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ کے ایک مرید تھے وہ ذکر بالجہر کرتے تھے تو اس طرح درد و اثر سے کرتے تھے کہ اس جگہ سے بغیر روئے کوئی گذرتا نہیں تھا۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے یہاں مثنوی کا درس ہوتا تھا اس میں ایک شیخ عربی بھی شریک تھے کسی نے حضرتؒ سے دریافت کیا کہ اگر زبان جانتے ہوتے تو بہت محظوظ ہوتے، حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا خوب سمجھتے تھے اور یہ شعر پڑھا ؎

بوئے آں دلبر چو پراں می شود
ایں زماں ہا جملہ حیراں می شود

(اس دلبر کی بو جب پھیلتی ہے یہ سارا زمانہ حیران ہو جاتا ہے)

فارسی گو گرچہ تازی خوشتر است
عشق را خود صد زبان دیگر است

(فارسی میں کہے جاؤ اگرچہ عربی زبان زیادہ اچھی ہے مگر عشق کے بیان کے لئے سیکڑوں زبانیں ہیں)

یعنی عشق تو ایک ہی ہے مگر اسکی لسان بہت سی ہیں جس زبان میں بھی اسکو بیان کیا جائے گا اہل عشق اسکو سمجھ لیں گے۔ اور صحیح بات تو یہ ہے کہ عشق کو کما حقہٗ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

زباں دل کیلئے ہے نہ دل زباں کے لئے
بیاں نہ ہونا تھا یہ راز دل بیان نہ ہوا

یعنی جہاں عشق ہے وہاں زباں نہیں اور جہاں زبان ہے وہاں عشق نہیں تو پھر بیان کی صورت کیا ہوسکتی ہے۔ ذوق کی باتوں کو زبان بیچاری کیا بیان کرسکتی ہے یہاں آکر زبان لنگڑی لُنجی ہو جاتی ہے چنانچہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

ہرچہ گویم عشق را شرح و بیاں
چوں بہ عشق آیم خجل شد آں زباں

(عشق کی جتنی بھی وضاحت اور بیان کرتا ہوں جب عشق کی حقیقت کو دیکھتا ہوں تو اس سے شرمندہ ہو جاتا ہوں)

اور پر عشق کی مدح کا بیان تھا اب فرماتے ہیں کہ عشق چونکہ ذوقی امر ہے اور ذوقی امور کا ادراک فہم و وجدان پر موقوف ہے تحریر و تقریر اس میں کافی نہیں اسلئے عشق کی جس قدر شرح کرتا ہوں جب عشق کی شان دیکھتا ہوں تو اپنے بیان سے شرمندہ ہو جاتا ہوں کہ ناحق اس قدر تطویل کی اور پھر بھی عشق کی حقیقت منکشف نہ ہوئی بلکہ اسکے آثار کو بہت کچھ بیان کے خلاف پایا اسلئے اور شرمندگی ہوئی ؎

گرچہ تفسیر بیاں روشن گراست   لیک عشق بے زباں روشن تراست

اگرچہ زبان کی توضیح و تفسیر زیادہ واضح کرنے والی ہے لیکن بے زبان عشق زیادہ روشن اور واضح ہوتا ہے)

س ہیں اوپر کے شعر کی تائید ہے اگرچہ بیان زبانی اکثر اشعار کی حقیقت کو زیادہ منکشف اور ظاہر کرتا ہے کیونکہ اقسام دلالت میں سے دلالت لفظیہ وضعیہ افادہ و استفادہ میں اتم اور اکمل ہے اس بنا پر عشق کا حال بھی زیادہ معلوم ہونا چاہیئے تھا لیکن واقع میں بے زبان کا عشق زیادہ روشن ہے کیونکہ وہ ذوقی امر ہے جب خود اسکا حصول ہوتا ہے اور اسکی کیفیات قلب پر طاری ہوتی ہیں کسی سننے کی ضرورت نہیں رہتی خود اسی کے آثار کا مشاہدہ کرلیتا ہے اور اسکی حقیقت خوب معلوم ہوجاتی ہے ؎

چوں قلم اندر نوشتن می شتافت
چوں بہ عشق آمد قلم برخود شگافت

(جب قلم لکھنے لگا تو خوب چلا لیکن جب عشق کے بیان میں آیا ٹوٹ کر بیکار ہوگیا)۔

قلم برخود شگافتن کنا یہ ہے اس سے لہ لکھنے سے عاجز ہوگیا کیونکہ اگر لکھنے میں اگر قلم کا سر شگافتہ ہوجائے تو وہ پھر لکھنے کے قابل نہیں رہتا (پھٹنا) اس بھی وہی مضمون ہے کہ اور مضامین کے لکھنے میں قلم خوب چل رہا تھا مگر جب عشق کا ذکر آیا تو چونکہ وہ امر حالی ہے قالی نہیں اسلئے اسکی حقیقت کے لکھنے سے بند (اور عاجز) ہوگیا۔

چوں قلم در وصف ایں حالت رسید
ہم قلم بشکست و ہم کاغذ درید

(جب قلم نے اس حالت عشق کا بیان شروع کیا تو قلم بھی ٹوٹ گیا اور کاغذ بھی پھٹ گیا یعنی عشق کا بیان اس سے نہ ہوسکا)

اسمیں بھی وہی مضمون ہے اس حالت سے مراد عشق ہے اور قلم شکستن
اور کاغذ دریدن کنایہ ہے اسکے عاجز ہونے سے کیونکہ قلم اگر ٹوٹ جائے
اور کاغذ پھٹ جائے تو ظاہر ہے لکھنا آپ ہی بند ہو جائے گا۔ مطلب ظاہر ہے
کہ جب گفتگوئے عشق کی نوبت آئی تو لکھنا بند ہو گیا اسکی وجہ وہی عشق
کا حالی ہونا ہے جیسا اوپر مذکور ہوا۔

عقل در شرحش چو خر در گِل بخفت
شرح عشق و عاشقی ہم عشق گفت

(عقل اسکی شرح کرنے میں ایسی عاجز ہوتی جیسے گدھا دلدل میں پھنسکر
عاجز و بے بس ہو جاتا ہے۔ عشق اور عاشقی کی شرح خود عشق ہی کرسکتا ہے)
خر در گِل خفتن بھی کنایہ ہے خستہ اور ماندہ ہو جانے سے کیونکہ گدھا
اگر چلتے چلتے کیچڑ میں گر جائے اور لیٹ جائے پھر چلنا مشکل ہو جاتا ہے
اسکا مطلب بھی وہی ہے کہ عقل شرح عشق سے عاجز ہے۔ دوسرے
مصرعہ کا حاصل یہ ہے کہ عشق اپنی خود شرح کرتا ہے اسکی وجہ وہی
عشق کا حالی ہونا ہے جب کسی کو حاصل ہوگا خود اپنی حقیقت کا کاشف
ہو جائے گا عشق اور عاشقی کے ایک ہی معنی ہیں۔ اتنا فرق ہے کہ
عشق اس صفت کی حقیقت کا نام ہے کسی کو حاصل ہونا نہ ہونا اسکے
مفہوم و معنی میں ملحوظ نہیں اور عاشقی اس حقیقت کا نام ہے جبکہ
اس میں اسکا اعتبار بھی کیا جاوے کہ کسی کو حاصل بھی ہے۔ غرض
عشق صفت حقیقیہ ہے اور عاشقی صفت اضافیہ ہے۔ حاصل دونوں
کا قریب ہے تاکید کے لئے مکرر لے آئے ہیں یا عشق سے اسکی
ذوقی صفت کی طرف اشارہ ہے اور عاشقی سے اسکے آثار کی طرف
حاصل یہ ہوگا کہ عشق کی صفت اور آثار سب اس کے حصول
ہی سے دریافت ہوتے ہیں ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلت باید از وے رومتاب

(آفتاب اپنے آفتاب ہونے کی خود دلیل ہے، اگر تجھکو دلیل چاہیئے تو آفتاب سے منہ مت موڑ)

یہ اوپر کے مضمون کی مثال ہے اور ایک گونہ اس مضمون کی علت کی طرف اشارہ ہے یعنی جس طرح آفتاب کو دیکھنے کا ذریعہ خود آفتاب ہے کسی دوسرے واسطے کی نہ ضرورت نہ کفالت یہی کیفیت عشق کی ہے خود اپنی حقیقت کے انکشاف کا ذریعہ ہے تحریر و تقریر اس کے لئے واسطہ نہیں ہو سکتی یہ تو تمثیل کا حاصل ہوا اور تعلیل کی تقریر یہ ہے کہ یہ قاعدۂ عقلی ہے کہ اگر کوئی شئے کسی شئے کی معرفت کا واسطہ ہو تو واسطہ کا بہ نسبت اس ذی واسطہ کے واضح ہونا ضروری ہے اور مفہوم عقلی کبھی مفہوم حسی سے زیادہ واضح نہیں ہوتا اور عشق بوجہ اسکے کہ امر وجدانی ہے اور وجدانی اقسام حس باطنی سے ہے منجملہ محسوسات ہے اور اسکی تعریف اور شرح جو کیجاتی ہے وہ امر عقلی ہے اس لیئے وہ شرح اسکی شناخت کیلئے کافی نہیں بلکہ جب اسکا ادراک ہوگا بلا واسطہ ہوگا جس کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ وہ خود اپنے ادراک کا واسطہ ہوگا۔ جس طرح آفتاب محسوس بہ حس ظاہری ہے اگر اسکی تعریف کیجائے تو وہ بوجہ مفہوم عقلی ہونے کے اس کی معرفت کے لئے ناکافی ہوگا بلکہ وہ جب مدرک ہوگا جبکہ واسطہ نہ ہوگا جس کو مولانا اس طرح تعبیر فرماتے ہیں کہ خود آفتاب اپنی ذات کے لئے دلیل یعنی واسطہ و ذریعہ ہے اگر تمکو اسکی شناخت کا ذریعہ مطلوب ہو تو خود اسی کو مشاہدہ کرو اور اس سے اعراض کر کے دوسرے واسطہ کو تلاش مت کرو (کلید مثنوی ص ۲۸/۱۶)

دیکھئے حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ نے ان اشعار کی کیسی عمدہ شرح فرمائی ہے خصوصاً "آفتاب آمد دلیل آفتاب" کا خوب ہی مطلب بیان فرمایا ہے۔ یہ مصرعہ زبان زد عوام وخواص ہے

مگر اس مطلب کم ہی لوگ سمجھتے ہونگے اب حضرت خواجہ صاحب کے کچھ اشعار سنیئے ؎

بس اب ایک ہی آشنا چاہتا ہوں ہٹو دستور راستہ چاہتا ہوں
میں اب ترک ہر ماسوا چاہتا ہوں دل غیر نا آشنا چاہتا ہوں

خواجہ صاحبؒ نے فارسی میں بہت سے اشعار سالکین کے لئے کہے ہیں ان میں ایک شعر یہ ہے ؎

چہ جائے قیل وقال وگفتگوئے کہ ایں بزم است بزم دید روئے

(یہ محبوبان (الہٰی) کی جگہیں اسلئے نہیں کہ یہاں دنیا کی قیل وقال کیجائے بلکہ یہ ایسی بزم ہے کہ پوری توجہ کے ساتھ انکا دیدار کرتا رہے)

اس سے خواجہ صاحبؒ کا کیسا حال معلوم ہوتا ہے۔ حضرات اہل اللہ کے یہاں پہلے لوگ یہ چیزیں حاصل کرتے تھے تو سلوک آسان ہو جاتا تھا اب یہ باتیں نہیں سیکھتے نہ ذکر ہی کرتے ہیں اور نہ حال ہی پیدا کرتے ہیں اسلئے سلوک طویل ہو جاتا ہے۔ ایک صاحب، ذکر کے متعلق فرماتے تھے کہ جب میں ذکر کرتا ہوں تو میرا منھ ایسا میٹھا ہو جاتا ہے جیسے کوئی میٹھی چیز کھائے ہوں۔ آدمی عادل (معتبر) تھے یقین ہے کہ وہ جھوٹ نہ کہتے رہے ہونگے حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

اللہ اللہ ایں چہ شیریں است نام شیر و شکر می شود جانم تمام

(سبحان اللہ یہ اللہ کا نام پاک کتنا شیریں اور میٹھا ہے کہ میری جان سراپا شیر و شکر ہو جاتی ہے)

(نوٹ) اس مضمون کو حضرت اقدس دامت برکاتہم نے مجلس عام میں نہایت وجد وحال سے بیان فرمایا جس سے سامعین بھی بہت متاثر و محظوظ ہوئے بعض خواص نے یہ فرمائش کی کہ یہ مضمون ضبط کرلیا جائے تعمیلاً للحکم احقر نے اسکو اختصار کے ساتھ ضبط کرنے کی سعی کی مگر اس بدحال سے ایک صاحب وجد وحال کا مضمون کیا ادا ہو سکتا ہے تاہم ارباب علم و اصحاب حال اس تحریر سے اصل مضمون کا کچھ اندازہ لگا ہی لیں گے جس سے انکو نفع ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ والسلام۔ (یکے از خدام)

محبت خدا کا حق ہے

سنئے! محبت جو فرض ہے تو اس وجہ سے بھی کہ اللہ تعالےٰ کا حق ہے اللہ تعالیٰ محبوب حقیقی ہیں وہ کمال، جمال، نوال سب رکھتے ہیں اس لئے انکا حق ہے کہ ان سے محبت کی جائے اس اگر تقصیر کی جائیگی تو قیامت میں باز پرس ہو جائیگی کہ ان سے اُن سے محبت رکھتے تھے اور ہم سے نہیں پس جس طرح کہ خدا کی مخلوق سے جیسے اولاد بیوی اور عزیز و قریب وغیرہ سے محبت ضروری ہے اسی طرح اللہ تعالےٰ سے بھی جو کہ خالق و رازق اور مالک ہے محبت ضروری ہے یہ علمار کی اصطلاح میں بات کر رہا ہوں۔ علمار نے اسکو بیان کیا ہے مگر ہمارے پاس آنے جانے والے جو لوگ ہیں یہ کچھ سیکھتے نہیں بہت بہت آدمی آتے ہیں مگر سیکھنے اور سمجھنے والے ایک دو بھی نہیں کہ اس سے کچھ تسلی ہو۔

اب مشائخ کا کلام سنئے! وہ کیا فرماتے ہیں ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
افتم بپائے خود کہ بکوبیت رسیدہ است

میں اپنی آنکھوں پر ناز کرتا ہوں کہ انھوں نے تیرا جمال دیکھا ہے اور میں اپنے پاؤں پر گر رہا ہوں کہ وہ تیری گلی میں پہونچا ہے۔

ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را
کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

اور ہردم ہزاروں بوسے اپنے ہاتھ کو دیتا ہوں کہ اس نے تیرا دامن

پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے

دیکھئے یہ حضرات ابتدا میں تو اپنے اعضاء ہاتھ پاؤں، کان آنکھ وغیرہ کو خلاف شرع امور سے بچاتے ہیں تاکہ غیر محبوب میں نہ لگیں اور اگر ان سے خلاف شرع کوئی کام ہو جاتا ہے تو ان پر غصہ بھی کرتے ہیں لیکن جب انکو مطیع کر لیتے ہیں اور یہ سب اعضاء مطیع ہو جاتے ہیں تو پھر ان حضرات کو ان سے بھی محبت ہو جاتی ہے اور یہ خیال کر کے کہ انھیں اعضا نے ہمیں دیار محبوب تک پہونچایا ہے اور وصال کا ذریعہ بنے ہیں اسلئے ان پر ناز کرتے ہیں ورنہ تو جب یہ مطیع نہیں ہوتے تو بجائے رہبری کے رہزنی کرتے ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

رخت ما ہم رخت ما را راہزن
جسم ما مر جان ما را جامہ کن

ہمارا ہی سامان (اعضاء) ہمارے لئے راہزن ہیں اور ہمارا ہی جسم ہماری جان کا کپڑا اتارنے والا ہے

بہر حال یہی اعضاء ہیں کہ ایک وقت میں انکا کیا حال ہوتا ہے اور دوسرے وقت میں انکے ساتھ کیا معاملہ کیا جاتا ہے یہی اعضاء ہیں کہ جنکے ذریعہ اہل اللہ خدا تک پہونچتے ہیں اور فاسق و فاجر انھیں کے ذریعہ جہنم میں جاتے ہیں۔

محبت اللہ تعالیٰ کا حق ہے جس طرح کہ مخلوق کے باہم ایک دوسرے پر حقوق ہوتے ہیں جس طرح سے آپ میرے یہاں آتے ہیں آپ مسلمان ہیں، ہم بھی مسلمان ہیں تو ایک دوسرے پر حقوق ہو جاتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کے بھی حقوق ہیں ؎

اِسے دیکھا اُسے دیکھا اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا
نہ دیکھا یار کو اغیار میں دیکھا تو کیا دیکھا

(مکتوب نمبر ۷۷)

تحقیق : مولوی ۔ ۔ ۔ صاحب دام عنایتہ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘

خط آپ کا آیا حالات و اعمال مختلفہ معلوم ہوئے کچھ امراض ہیں جس میں آپ معذور ہیں اور خواب غیر اختیاری ہوتے ہیں ان پر طریق کا مدار نہیں اعمال اختیاریہ کا اعتبار ہے ۔ اور طریق میں بڑی چیز اعتقاد اور اعتماد ہے آپ کو ابھی اس میں یکسوئی نہیں ۔ دوسرے مشائخ کی باتیں مجھ سے دریافت فرماتے ہیں اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آپ اُدھر بھی ہیں اور مجھ سے دریافت کرتے ہیں تو اس طرف بھی التفات ہے ۔ مشائخ نے اس دورنگی کو منع فرمایا ہے لہٰذا آپ مجھ سے رجوع نہ فرمائیے ۔ یک درگیر محکم گیر پر عمل فرمائیے ۔

آپ تو اصلاح و تربیت کو ایک جمہوری سلطنت کی طرح سمجھ رہے ہیں جس میں ایک عملہ ہوتا ہے اور ایک صدر آپ مجھ کو ایسے عملہ کا صدر سمجھ رہے ہیں ۔ والسلام

(مکتوب نمبر ۷۸)

حال : گذارش ہے کہ حضرت والا کا والا نامہ صادر ہوا پڑھ کر مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے حضرت والا کا مستقل قیام فتحپور ہی میں کر دیں ۔

تحقیق : یہ سوال کیوں ہے ؟ کیا نفع اس پر موقوف ہے ، کیا دنیا مستقل ہے اور کیا اس کا ہر فرد مستقل ہے ؟

حال : حاضری کے لئے دل بے چین ہے حضرت والا دعا فرمادیں ۔

تحقیق : دعا کرتا ہوں ۔

حال: کہ جلد یہاں کاموں سے فراغت نصیب ہو اور حاضری کا شرف حاصل ہو۔ تحقیق: آمین۔

حال: چونکہ آمدنی کم اور مصارف زیادہ ہیں اسلئے طبیعت آجکل متفکر رہتی ہے
تحقیق: اسی لئے مستقل قیام فتحپور میں چاہتے ہو؟ اس استقلال سے تمھیں کیا فائدہ ہوگا؟ تم تو بھوپال ہو ہاں بھوپال میں مستقل قیام کی بابت دریافت کرتے تو اس میں تمھارا نفع تھا۔

حال: دعاء فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ پیداوار میں نفع عطا فرمائیں اور وہ جملہ ضروریات کے لئے کافی ہو جائے اور کسی کا مقروض اور زیر بارِ احسان مجھے نہ ہونا پڑے حضرت والا دعاء فرمادیں۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

حال: اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کی مجھے توفیق عطا فرمائیں
تحقیق: آمین۔

حال: اور دنیا کی محبت دل سے نکال کر سکون قلب عطا فرمائیں تحقیق: آمین

حال: توجہ اور نظر کا محتاج ہوں۔ فقط۔

(مکتوب نمبر ۷۷۹)

حال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ قصبہ بہادر گنج میں ایک قدیم مدرسہ جامع مسجد میں قائم ہے اسمیں مدرسین کی فہرست میں سرِعنوان مولانا ابوالبرکات صاحب ارشد تلامذہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کا نام نامی شامل ہے اور اسی مدرسہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ حضرت علامہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی حین حیات میں جب بہادر گنج تشریف لائے تھے تو مدرسہ میں تشریف لائے تھے اور مدرسہ کا نام فیض العلوم حضرت ہی کا رکھا ہوا ہے۔ اب نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جمعہ کو تنگی ہو جاتی اسلئے اراکین مدرسہ نے

مدرسہ کی عمارت کے واسطے ایک آراضی بالکل متصل حاصل کر لی ہے اور اور اس آراضی میں مدرسہ کی تعمیر کرانا چاہتے ہیں۔ ہم تمام اراکین کی دلی خواہش ہے کہ اسکے سنگِ بنیاد رکھنے میں آپ کو تشریف لانے کی زحمت دی جائے اور خشت اول آپ کے دست مبارک سے رکھوایا جائے اسلئے تمام اراکین کی طرف سے چند حضرات آپکی خدمت میں بھیجے جارہے ہیں، کاش ہم لوگوں کی یہ درخواست شرف قبولیت سے نوازی جائے اور کوئی تاریخ مقرر فرماکر ہم لوگوں کو مطلع فرمایا جاوے تاکہ اس تاریخ پر چند آدمی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر اپنی معیت میں آپکو لاسکیں۔

.... وغیرہ - بہادر گنج -

تحقیق: بخدمت تمام برادران دینی سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - آپنے جس مقصد کا اظہار فرمایا وہ نہایت اہم ہے، میں صرف ظاہری شرکت سے معذور ہوں باقی باطنی اور روحانی شرکت ضرور رہے گی اور دعا سے تو شریک رہتا ہی ہوں اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو نیک نیت اور باعمل اور متفق رکھے اور آپ کی مدد فرمائے۔ آمین

(مکتوب نمبر ۸۰)

حال: اپنی حالت کیا عرض کروں نماز و تلاوت پر اللہ تعالیٰ نے دوام کی توفیق بخشی ہے مگر نماز میں یکسوئی کم میسر ہوتی ہے۔ تحقیق: یکسوئی کا مفہوم آپ کے نزدیک کیا ہے؟

حال: اکثر خیالات آتے ہیں مگر میں اس پر توجہ نہیں کرتا۔ تحقیق: یہ کافی اسکو یکسوئی کے منافی سمجھتے ہیں؟

حال: اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی فکر رہتی ہے۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: اسکے لئے جو کچھ اپنا عمل ہے اسے بہت قلیل پاتا ہوں زیادہ محنت

کی برداشت کبھی بوجہ جسمانی کمزوری نہیں ہوسکتی۔ تحقیق: پھر کیا ضلجان ہے
حال: پھر کبھی ترقی کی خواہش قلب میں موجزن ہوتی ہے۔
تحقیق: یہ کیا کم ہے۔
حال: حضرت والا سے درخواست ہے کہ میرے لئے کچھ ارشاد فرمائیں۔
تحقیق: جو کچھ ہو رہا ہے اسے احسان خدا کا سمجھئے لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ (اگر احسان مانوگے تو تم کو اور نعمتیں دوں گا) یہ بتلایئے کیا سمجھے؟
حال: جس سے ترقی کا راستہ کھلے تحقیق: مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (جو عمل کرے گا ان باتوں پر جن کا اسے علم ہے تو اللہ تعالے اسے ان باتوں کا علم عطا فرمائیں گے جنھیں وہ نہیں جانتا) اسکو سمجھکر لکھئے کہ کیا سمجھے؟
حال: اللہ کا شکر ہے رذائل نفس تو بہت کچھ دب گئے۔ تحقیق: یہ کیا کم ہے
حال: خدانخواستہ کسی وقت کسی کا ظہور ہوتا ہے تو اس سے رہائی کی فکر اور اہتمام کبھی بڑھ جاتا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔ یہ ترقی کا راستہ نہیں ہے؟ فکر اور اہتمام ترقی نہیں ہے؟
حال: اور اللہ تعالےٰ کے سامنے شرم آتی ہے۔ تحقیق الحمدللہ
حال: حضرت والا کی خدمت میں حاضری کی برکت سے زندگی کے بہت سے بکھیڑوں سے قلب کی درستگی ہوگئی ہے تحقیق: یہ ترقی نہیں ہے؟
حال: یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میری زندگی سنت کے مطابق ہوگئی ہے مگر یہ بات ہے کہ سنت سے محبت اور دل میں اسکا احترام ہے۔ حضرت اس سے زائد اپنی حالت اور کیا عرض کروں عمل تھوڑا ہے مگر اللہ کے فضل وکرم کا امیدوار زیادہ ہوں۔ تحقیق: یہ ترقی نہیں ہے
حال: حضرت ان دنوں میرا قیام مع متعلقین بی بی پور میں ہے۔ والد صاحب

کا بنوایا ہوا مکان ہے۔ والد صاحب کو اس مکان کے آباد ہو جانے سے خوشی ہوتی ہے اسی خیال کے ماتحت میں آیا ہوں، حضرت اس میں بھی کچھ ثواب ہے؟ تحقیق:۔ الاعمال بالنیات (اعمال (کے ثواب) کا دار و مدار نیتوں پر ہے)۔

مکتوب نمبر ۱۸۷

حال: حضور اقدس مرشدی و مولائی دامت فیوضکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
تحقیق: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حال: الحمد للہ حضور والا کی دلی دعاؤں کی برکت سے بخیر و عافیت وقت پر اپنے وطن پہونچ گیا۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: اور حضور والا کی خیریت و عافیت مستمرہ کا بجان و دل طالب ہوں۔
تحقیق: بخیریت ہوں۔

حال: الحمد للہ ثم الحمد للہ، اللہ واسطے پانچ سالہ ہجرت بعد فتح مکہ کے حضور والا دامت برکاتہم کے وطن کی واپسی میں اپنے بھٹکے ہوئے بھائیوں کے صحیح عقیدت اور عظمت کے ساتھ رجعت کے مشاہدہ سے اور انوارِ الٰہیہ کی موسلا دھار بارش سے اس دفعہ ایک عجیب کیف اور کون کی مسرت رہی۔ حق تعالیٰ کا بہت بڑا فضل اس ناکارہ کے شامل حال ہوا کہ اس نعمت الٰہیہ سے بہرہ اندوز ہوا اور حاضری کی قدرت اور توفیق سے نوازا گیا۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: الحمد للہ ثم الحمد للہ، حق تعالیٰ نے حضور والا کی خصوصی توجہات اور شفقتوں کے صدقہ میں حضور والا کے واسطہ سے اپنی ترقی اور بامراد ہونے کے لئے اس ناکارہ کو حرزِ جان بنانے کے لئے علم و معرفت سے جو حصہ عطا فرمایا ہے انشاء اللہ العزیز ساری حیات اسی ہدایت اور وصیت

کو یاد رکھوں گا، اپنے ارادوں میں بامراد رہنے کی دلی دعاؤں کا یہ ناکارہ محتاج ہے۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ توکل علی اللہ یہ ناکارہ عزم قوی رکھتا ہے اپنے اس بے میل اور اجڑے ہوئے وطن میں بھی منشار گرامی کے بموجب فتنہ و فساد سے جو آجکل کی فضائے عام ہے الگ تھلگ رہنے اور بچتے رہنے کی ہر ممکن جدو جہد کو جاری رکھوں گا۔ اپنے عزم و ارادہ میں بامراد رہنے کی دلی دعاؤں کا یہ ناکارہ اشد درجہ محتاج ہے۔

تحقیق: دعار کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۸۲)

حال: مکرمی جناب حضرت والا دامت برکاتہم۔ السلام علیکم۔ آپکی خدمت میں حاضری کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہوں۔ تحقیق: مبارک ہو یہ پہونچ۔

حال: کہ کسی ولیٔ کامل کے ساتھ مکمل حسن ظن نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ہم مذہب کے معاملہ میں بھی صحیح حسن ظن نہیں رکھتے ہیں اور اسکا اقرار نہ کرنا ہی دین و دنیا کی تباہی کا باعث اور تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ تحقیق: نہایت اہم اور ضروری مضمون تم نے لکھا ہے بہت خوش ہوا دل سے دعار نکلی۔

حال: مجھے اپنی کمزوری تسلیم ہے اور اس مرض کو دور کرنے کی کوشش کر رہا ہوں

تحقیق: الحمد للہ۔

حال: اور آپ سے دعار و توجہ کا طالب ہوں۔ تحقیق: دل سے دعار کرتا ہوں

مکتوب نمبر ۸۳

حال: عرض خدمت ہے کہ ہم چند گم کردہ منزل کو عرصہ دراز سے ایسے

رہنما کی تلاش ہے جو نزدیک یا دور سے ہمیں اس دنیا کے جنجال سے نکال کر اپنے مالک حقیقی کی بتلائی ہوئی صحیح راہ پر چلنے کا طریقہ بتا سکے لباس شریعت میں تو اکثر ملبوس ہیں مگر اسکا ادراک مشکل ہے کہ ظاہر و باطن ایک ہے یا نہیں۔ خدا کا ہزار شکر ہے کہ جناب مولانا ... صاحب سے معلوم ہوا کہ دنیا اس سے خالی نہیں کہ خدا کے محبوب بندے بھی موجود نہوں چنانچہ حضور عالی کے متعلق مولانا موصوف سے معلوم ہوا، اب بصد ادب التجا ہے کہ حضور عالی نظر التفات ان بدنصیبوں پر ڈالیں جنھوں نے آپ سے التجا کی ہے۔ اقتصادی مجبوریاں حائل نہ ہوتیں تو یقینی قدمبوسی حاصل کرنے میں کوئی چیز مانع نہ ہوتی اسلئے خط و کتابت سے ہی سردست حضور رہنمائی فرمائیں اور ایسے نسخے تحریر فرمائیں جس سے اصلاح ہوتی رہے۔

تحقیق: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

آپ کی تلاش ٹھیک ہے اور یہ بھی ٹھیک لکھا ہے کہ "اس دنیا کے جنجال سے نکال کر مالک حقیقی کی بتلائی ہوئی صحیح راہ پر چلنے کا طریقہ بتا سکے لباس شریعت میں اکثر ملبوس ہیں مگر اسکا ادراک مشکل ہے کہ ظاہر و باطن ایک ہے کہ نہیں" — بالکل ٹھیک لکھا ہے — مگر میں صاف کہتا ہوں کہ میں بھی ایسا نہیں ہوں۔ مولانا ... سے جو معلوم ہوا ہے وہ ایک مثل جو مشہور ہے کہ "گھر سے آیا ہے معتبر نائی" وہ اس پر صادق ہے۔

مکتوب نمبر ۷۸۴

حال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عرض ہے کہ ہم ناچیز سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں اور سمجھیں گے کہ ہم میں سے کسی کسی کا سر پکڑتے اور ہلاتے ہیں تو حضرت والا اس پر شفقت

اور محبت فرماتے ہیں ۔ تحقیق : محبت دنیا سے اٹھ چکی ہے اس کی سمجھ باقی ہے ۔

حال : اور وہ خوش نصیب ہے ۔ تحقیق : اہل محبت خوش نصیب ہیں ۔

حال : ہم اپنے کو حضرت والا کے حوالہ کر چکے ہیں ۔ تحقیق : حوالہ کا کیا مطلب ہے

حال : تو جو کارروائی کریں گے دوسروں کے سمجھ کو اس میں دخل نہیں اور یہ دخیل ہمارے ہرگز خیر خواہ نہیں ۔ تحقیق : یہ تو سچ ہے ۔

حال : مزہ تو جب ہے کہ جب ہمارے سروں پر حضرت والا کی جوتیاں پڑیں ۔ تحقیق : سر ملانے پر تو اتنا غوغا ہے اس پر تو معلوم نہیں کیا قیامت برپا ہوگی

حال : تو سمجھ دار لوگ بول اٹھیں کہ ہاں یہ لوگ ان کے ہیں نا ، ہمارے علم کی ہم پر حقیقت منکشف ہے کہ اس پر ایک لمحہ کے لئے بھی اعتماد نہایت خطرناک اور دارین میں تباہی کا باعث ہوگا ، بلکہ جہل باصحبت کامل کو نافع دیکھا اور سنا ہے ۔ اور حضرت والا سے سنا ہے ۔

تحقیق : ہے تو یہی بات ، مگر علم کا عقبہ کچھ سہل العبور ہے ؟

حال : اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا ہے اَللّٰھُمَّ اَنْفَعْنَا بِعُلُوْمِ شَیْخِنَا وَاَطِلْ عُمْرَہٗ وَعَافِہٖ وَمَتِّعْنَا بِفُیُوْضِہٖ وَبَرَکَاتِہٖ (اے اللہ ہمیں ہمارے شیخ کے علوم سے نفع دے ، انکی عمر دراز کر ، انھیں عافیت دے اور ان کے فیوض و برکات سے ہمیں بہرہ مند کر)

زلۃ قلم کی معافی چاہتے ہیں آپ کی رضا و خوشنودی کے طالب ہیں ۔

تحقیق : خوشنودی صرف خوشامد سے حاصل ہوگی ؟

یہ مدرسہ بھی اللہ کا کام ہے کسی ایک پر موقوف نہیں۔ دین کا کام ہے۔ اگر دین کسی ایک پر موقوف ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر موقوف ہوتا مگر باوجودیکہ آپ اٹھا لئے گئے مگر دین باقی ہے اور جب اللہ میاں کو موقوف کرنا ہوگا تو کام سے پہلے ان لوگوں کو قبض کرنا شروع کردیں گے جن سے کام لیا جاتا ہے آجکل مشینیں ایسی نئی نئی چلی ہیں کہ ایک بچہ وہ کام کرسکتا ہے جس کو ایک ہزار آدمی کرسکیں، ایک ضعیف آدمی وہ کرسکتا ہے جو رستم سے بھی نہ ہوسکتا جب انسان کی یہ قدرت ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کو کیا پوچھنا؟ وہ ضعیف سے ضعیف شخص سے وہ کام لے سکتے ہیں کہ قوی سے قوی بھی عاجز ہوجائے۔

(۸) ایک زمانہ میں یہاں غلغلہ ہوا تھا کہ مدرسہ باضابطہ ہونا چاہیے مجھ سے چھپاتے تھے اور مقصود انکا یہ تھا کہ قوت پیدا کرکے ظاہر کریں گے مجھکو اطلاع ہوگئی انکا ایک جگہ عشاء کے بعد جلسہ تھا میں جلسہ میں پہونچا میں نے کہا کہ ۱۵ منٹ کے لئے میں اجازت کچھ کہنے کی چاہتا ہوں اور میں نے کہا کہ میری تقریر سے آپکی تقریرات کی اعانت ہی ہوگی گو ظاہراً ان تقریرات کا انقطاع معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں انقطاع نہیں ہے میں نے کہا کہ مجھ سے جن چیزوں کا تعلق ہے ان میں ایک چیز تو مکان ہے مدرسہ کا سو جس کا جی چاہے مدرسہ پر قبضہ کرلے میں اپنے مجمع کو بیٹھک میں لے آؤں گا البتہ اگر اجازت ہوگی نماز مسجد میں پڑھ لیا کروں گا ورنہ دوسری مسجد میں۔ دوسری چیز کتب خانہ ہے سو اس کے دو حصے ہیں ایک وہ جو میرے آنے سے پہلے موجود تھا وہ تو ابھی سپرد کردونگا دوسرا وہ جو میرے سبب سے آیا اور جس کا واقفین نے مجھکو متولی بنایا ہے سو عاریۃً ابھی سے اسکو بھی سپرد کردوں گا رہا مستقلاً سو بس روز کام کو ہوجاوے اس وقت بالکل آپکی طرف تولیت منتقل کردونگا۔ تیسری چیز روپیہ سو اس میں بھی

دو قسم کی چیزیں ہیں کچھ تو جائداد والد صاحب کی موقوفہ ہے دو ہزار روپیہ جو آتا جاتا رہتا ہے سو جائداد کی تولیت میاں مظہر کے نام ہے ان سے کہیئے باقی آمدنی جو روزمرہ آتی ہے اس کو آنے کے بعد ایک ہفتہ روکے رکھا کرونگا اور جس نے بھیجا ہوگا اسکا پتہ آپ کو بتلا دیا کروں گا جب آپ مرسل سے اجازت حاصل کرلیں گے آپ کے حوالے کروں گا۔ بس کہہ چکا۔ اب اب آپ تقریر کیجئے۔

کیا مجھکو مدرسہ سے جاہ حاصل کرنا ہے ؟ اگر اسکی طلب ہوتی تو خوب بڑا مدرسہ کرتا مگر بکھیڑے سے دل گھبراتا ہے تہیہ یہ ہے کہ اگر کام نہ ہوگا تو حذف کردوں گا کیونکہ خانقاہ میں دو قسم کے لوگ ہیں طلباء، ذاکرین، اگر یہاں کام نہ ہوگا تو طلباء کے لئے اور مدارس بہت ہیں وہاں چلے جائیں گے انکی فکر ہی نہیں رہے ذاکرین تو ان سے کہونگا کہ اگر رہنا ہو تو بے سامان رہو۔ اگر متوکلین ہیں رہیں گے ورنہ چلے جائیں گے اس لئے انکی بھی کچھ فکر نہیں، اسلئے قلب کو راحت ہے میں اپنی ذات کے لئے بھی اس پر آمادہ ہوں کہ جس روز کسی قسم کی مزاحمت پیش آئی ایک گھر ہے اسکو چھوڑ کر کسی گاؤں میں یا شہر میں جا بیٹھوں گا۔ صرف دو بیبیاں ہیں اور وہ سب سے چلے جائیں گے یہ سوچ ہی نہیں کہ کیا ہوگا ؟ میری حالت تو یہ ہے سہ

ما ہیچ نداریم، غم ہیچ نداریم
دستار نداریم، غم پیچ نداریم

جب ہم کچھ رکھتے ہی نہیں تو اسکا غم بھی نہیں رکھتے، پگڑی نہیں رکھتے تو اسکے باندھنے اور پیچ دینے کی فکر سے بھی فراغت ہے۔

یہاں ایک تار بھی نہیں ہے دس تار کیا ہوتے پھر حافظ صاحب سے فرمایا کہ زمانۂ تعلق میں ہر طرح کی باتیں پیش آجاتی ہیں اگر میری جانب سے کوئی خشونت ہوئی ہو یا دل آزاری ہوئی ہو یا کوئی بات خلاف طبع ہوئی

معاف کر دیجئے اور جو حق میرا فوت ہوا ہو وہ میں دل وجان سے معاف کرتا ہوں ۔ پھر فرمایا تحصیل علم کے برابر کوئی چیز نہیں ۔

ف : ان حکایات سے طرز سلف کی تعلیم مقصود ہے جس سے حضرت والا کے حسب ذیل صفات مستفاد ہوئے ۔ پسندیدگی طرز سلف ، عمل بطرز سلف قوت توحید وقوت توکل ، اخلاص ، سادگی ، استقلال ، تواضع ، استغناء وسیر چشمی ، ورع وعلو ہمت ، عفو وحلم ، مراعات اصحاب ، حق پسندی مشورۂ حسن ، شان ارشاد وتربیت ، زہد کا طبیعت ثانیہ ہونا ، شہرت سے تنفر ، کمال خشیت از مواخذۂ آخرت ، ترجیح وترغیب علم ، امانت ودیانت معاشرت معروف ۔

(۳۰) ایک منشی جی صاحب خورجوی نے عرض کیا کہ حضرت چمڑے کی تجارت کی حالت بہت ابتر ہے مجھکو ایک صاحب دہلی میں ملازمت کے لئے بارہ سال سے بلا رہے ہیں اور پینسٹھ روپیہ تنخواہ دیتے ہیں میں اس وجہ سے نہیں گیا کہ انکے یہاں نوٹ میں بٹہ لینے کا دستور ہے اور ہنڈوی آتی جاتی ہے ان میں سود کا حساب لکھنا پڑتا ہے ۔ اب وہ پھر بلا رہے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ ہم نے دونوں باتیں ترک کر دی ہیں مگر میرا جی نہیں چاہتا ترک اسباب بھی مرغوب معلوم ہوتا ہے آئندہ جیسے حضور کی رائے ہو ؟ فرمایا کہ گھر والے بھی آپ کے آپکی رائے ترک اسباب سے موافق اور خوش ہیں یا نہیں ؟ کہا کہ گھر والے تو خوش نہیں ہیں اس پر حضرت نے فرمایا کہ گھر والوں کے خوش کرنے کو کر لیجئے اور اگر گھر والے بھی بالفرض خوش ہوں تو دوستوں کے خوش کرنے کو ملازمت کر لیجئے میں تو دہلی کی نوکری سن کر بہت خوش ہوا اور یہ منجانب اللہ ہے آپکی خواہش تو ہے بھی نہیں ۔

ف : اس سے حضرت والا کی رعایت اپنے اصحاب کے ساتھ کس قدر معلوم ہوئی ۔

(۳۱) فرمایا کہ جب مدرسہ کی ابتدا ہوئی تو بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اس میں انگریزی بھی ہونی چاہیئے میں نے مصالح مدرسہ کے خلاف ہونے کے سبب سے منع کیا تو بعض لوگوں نے کہا کہ جب معاش اسپر موقوف ہے تو کیا کریں ؟ یہاں ایک شیعی تھے قصبہ کے بخشی وہ بولے کیوں صاحبو اگر کوئی ایسا قانون ہو جاوے کہ نوکری جب ملے گی کہ نصرانی ہو جاؤ تو کیا آپ کو یہ بھی گوارا ہوگا ؟ سب لوگ سنکر چپ ہو گئے۔ اور بخشی جی نے کہا کہ اگر کوئی امر شرعًا ممنوع ہے تو بالکل یہی مثال ہے۔

ف: کسی دینی مدرسہ میں انگریزی داخل کرکے دین و دنیا کا ملغوبہ بنانا تجربہ سے سخت مضر ثابت ہوا ہے اس سے حضرت والا کا تجربہ و فراست و انجام بینی اور دور اندیشی اظہر من الشمس ہے۔

(۳۲) ایک شخص نے دریافت کیا کہ مولویوں کو کیا ہوا جو حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف رجوع کرتے ہیں یہ لوگ تو خود پڑھے لکھے ہیں وہاں کیا چیز ہے جس کے لئے وہاں جاتے ہیں، وہ کونسی بات ہے جو کتابوں میں نہیں، فرمایا کہ میں ایک مثال بتاتا ہوں فرض کرو کہ ایک شخص وہ ہے کہ جس کے پاس تمام مٹھائیوں کی فہرست موجود ہے مگر اس نے چکھی ایک بھی نہیں اور ایک شخص وہ ہے کہ نام تو ایک مٹھائی کا بھی یاد نہیں مگر ہاتھ میں لئے ہوئے کھا رہا ہے بتلاؤ تو مٹھائی کے فوائد حاصل کرنے میں وہ نام یاد رکھنے والا اس حقیقت جاننے والے کا محتاج ہے یا وہ حقیقت جاننے والا اس نام یاد رکھنے والے کا۔ ظاہر ہے کہ پہلا دوسرے کا محتاج ہے نہ کہ برعکس ۔ اسی طرح ہم اہل الفاظ ہیں اور حضرتؒ صاحب معنیٰ تو صاحب معنیٰ محتاج نہیں ہوتا اہل لفظ کا اور صاحب لفظ صاحب معنیٰ کا محتاج ہوتا ہے۔ واقعی خوب حقیقت واضح ہوگئی جس سے علماء اور عرفاء میں فرق سمجھ میں آگیا۔

ف : اس سے حضرت والا کی دقتِ نظری ، معنی رسی ثابت ہوئی ۔

(۳۳) ایک سفارش کی درخواست پر ذیل کا خط لکھا گیا جس سے حضرت والا کا مذاق اس باب میں کس قدر دینی و دنیوی اور ظاہری و باطنی اور صاحب حاجت نیز مخاطب کی رعایتوں کے تمام پہلو کو محیط ہے ۔

"یہ جناب پر روشن ہے کہ میری عادت متعارف سفارش کی نہیں خصوص اپنے مخصوص متعلقین کی ، اور حامل رقعۂ ہذا میرے مخصوصین میں سے ہیں چنانچہ خود میرے اور میرے بزرگوں کے تعلقات ان کے بزرگوں سے بھی ہیں اور خود میرے تعلقات ان سے ہیں ، شرکتِ وطن بھی شرکت برادری بھی ، انکا بچپن میں میرے پاس مدت تک مثل اولاد کے تعلیم کی تقریب رہنا گو تغیرات زمانہ سے دوسری تعلیم کی ضرورت نے انکو مجھ سے جسماً جدا کر دیا اور روحانی تعلق الفت و محبت اور ارتباطات کا اب بھی باقی ہے ۔ بہر حال ان خصوصیتوں کے ہوتے ہوئے اپنی عادت کے موافق انکی سفارش کرتے ہوئے مجھکو اور بھی پس و پیش ہونا چاہئے اور ہے اسلئے میں سفارش تو نہیں کرنا چاہتا لیکن اگر کسی مسلمان کی حاجت کی اطلاع کر دی جاوے اور اس کے ساتھ ہی اس مسلمان کی کامیابی کے لئے کوشش کرنے پر زور نہ دیا جاوے تو اصلی مقصود بھی حاصل ہو گیا اور سفارش سے جو آجکل مخاطب کو گرانی اور کلفت ہوتی ہے اس سے بھی حفاظت رہے گی ۔ پس یہ عریضہ اس مد میں حاضر ہوتا ہے ۔ حامل رقیمہ بھی اپنے بزرگوں اور محسنوں کو حتی الامکان جناب بھی داخل ہیں نہ تھوڑی نہ بہت تکلیف دینا نہیں چاہتے اسی طرح امیدواری

وانتظار کی خود بھی زیادہ تکلیف اٹھانا نہیں چاہتے۔ معتدل انتظار سے کوئی کلفت نہیں اسقدر تو برداشت کریں گے اور کرنا چاہئے۔ بہرحال اس وقت صرف عرض یہ ہے کہ خدمات کی صلاحیت کی تفصیل تو انکی زبانی اور انکی اور انکے لوازم کے متعلق اطمینان اپنے تجربہ و شہادتِ قلب سے فرماکر اگر امید قریب کامیابی ملازمت کی ہو تو انکو قیام کی اجازت دی جاوے مصارف قیام کے یہ خود برداشت کریں گے اگر توقع بعید یا موہوم ہو تو اظہار حقیقت واقعہ اور اور مشورہ نیک سے بھی یہ اسی قدر ممنون ہوں گے جس قدر اصطلاحی کامیابی سے۔ غالباً اب اس بارہ میں زیادہ عرض کرنے کی حاجت نہ رہی ہوگی۔ سلام پر ختم کرتا ہوں۔

(۳۴) ایک شخص کو درخواست بیعت پر فرمایا مجھے خدمت سے عذر نہیں ہے مگر یہ ضرور ہے کہ جو شخص کام کرتا ہے وہ اسکے منافع، مضار اور طرق سے واقف ہوتا ہے اس لئے طالب کو بلا چوں وچرا اسکا کہنا تسلیم کرنا چاہئے اگر آپ طالب صادق ہیں تو ابھی بیعت میں جلدی نہ کیجئے اور اضطراب نہ کیجئے اور جو میں پڑھنے کو بتلاؤں اسکو پڑھئے اور جو اصلاح نفس کی تجویز کروں اسکو عمل میں لائیے اسکے بعد جب مجھے مناسبت محسوس ہوگی بلا آپ کے تقاضے کے بیعت کرلوں گا لیکن تقاضے کا حق آپ کو نہ ہوگا ایک سال تک میری تعلیم پر عمل کیجئے پھر بیعت کی درخواست کیجئے اگر اس عرصہ میں مناسبت ہوگئی بیعت کرلوں گا ورنہ مقصود تعلیم ہے وہ تو ہر حالت میں جاری رکھی جاسکتی ہے بیعت ہو یا نہ ہو تعلیم کے لئے بیعت شرط نہیں ہے اگر آپ اس طرز پر راضی ہوں تو مطلع کیجئے کہ کونسی میری تالیفات آپ نے دیکھی ہیں اور مطالعہ کی ہیں اس کے معلوم ہونے کے بعد ذکر وغیرہ بتلاؤں گا میرا کتابوں میں بجز تالیف کرنے کے کچھ علاقہ نہیں ہے

کتب فروشوں سے طلب کیجئے بجواب اس کے تحریر کیا مجھکو سب شرائط منظور ہیں ۔ بجواب اسکے جناب اقدس نے ارقام فرمایا کہ اگر آپ کے اوقات وکیفیت قوت معلوم ہو تو پڑھنے کے لئے کچھ تجویز کیا جاوے اصلاح نفس کے لئے سردست میرے وعظوں کو جمع کرکے دیکھنا کافی ہے ۔ آپ نے یہاں آنے کی اجازت چاہی ہے میرے یہاں کسی کی ممانعت نہیں البتہ دو امر خط سے طے کرنے کے قابل ہیں ایک یہ کہ آنے کا مقصود صرف ملاقات ہے یا کچھ اور ۔ دوسرے جس تاریخ میں آنا ہو اس تاریخ میں میرا مقیم وطن ہونا اول تحقیق کر لیا جاوے تیسری بات یہ ہے کہ آتے ہی میرا وہ خط جس میں آنے کے متعلق مضمون ہو فوراً دکھلا دیا جاوے ۔ اسکے بعد ایک خط میں تحریر کیا کہ میں اسکول میں ملازم ہوں دس بجے سے چار بجے تک عموماً کام مدرسہ کا کرتا ہوں ، عمر میری ۲۶ یا ۲۷ سال کی ہوگی ۔ رخصتیں ختم ہو چکی ہیں اب حاضری سے معذور ہوں ، پڑھنے کے لئے جو تجویز فرمائیں گے اس پر کاربند ہونے کو اپنی سعادت سمجھوں گا ۔ اس خط کے جواب میں حضور عالی نے تحریر فرمایا کہ اس خط کے ساتھ میرا پہلا خط رکھنا چاہئے تھا کیونکہ اسکا مضمون میرے ذہن میں نہیں دونوں کو دیکھکر مناسب تعلیم ممکن ہے ۔ بجواب اسکے تحریر کیا کہ حسب ارشاد عالی نوازش نامے ارسال ہیں ۔ جو میری اصلاح نفس کے لئے پڑھنے کیواسطے تجویز فرمائیں گے اسکی بجاآوری میں اپنے لئے سعادت سمجھوں گا ۔ بجواب اسکے حضرت نے ارقام فرمایا معمولات ذیل تجویز کئے جاتے ہیں (۱) تہجد کی پابندی رکھئے ، زیادہ اچھا وقت اخیر شب ہے اور اگر اس میں دشواری ہو تو بعد عشاء کے پڑھ لیا کریں (۲) بعد تہجد کے اگر آسانی سے طبیعت متحمل ہو چھ سو بار لاالٰہ الا اللہ متوسط ضرب وجہر سے پڑھا کیجئے ۔ اور دو ہفتہ کے

بعد پھر اطلاع دیجئے اطلاع کے ساتھ یہ خط بھی رکھدیجئے صبح کو بعد نماز علاوہ معمولات کے ایک ہزار بار اسم ذات یعنی اللہ اللہ متوسط جہر و ضرب سے پڑھا کیجئے (۳) باقی اوقات میں جب یاد آجاوے استغفار کی کثرت رکھئے اور وقتاً فوقتاً اپنے معمولات وحالات سے اطلاع دیجئے مکرر آنکہ میری تالیفات میں سے آپ نے کیا کیا کتابیں دیکھی ہیں اور آپکے پاس کیا کیا موجود ہیں۔

ف: ان مکاتیب سے حضرت والا کی شان تربیت جو اطلاع حقیقت اور طالبین کی سہولت اور ہر طرح کی مراعات کو شامل ہے اظہر من الشمس ہے۔

(۵۳) ایک مرید کو تحریر فرمایا کہ تمھاری بیوی چند شکایتیں لکھ رہی ہیں (۱) تم اس کو بہت تنگ رکھتے ہو شریعت کے موافق برتاؤ نہیں کرتے (۲) باوجود گنجائش کے لوگوں کا قرض ادا نہیں کرتے (۳) تم نے اسکا مال لیا (۴) خرچ کرنے کے موقع پر تم کہدیتے ہو کہ جائز نہیں اور آمدنی کے سب طریقوں کو جائز رکھتے ہو اور کبھی کہدیتے ہو کہ جہاں اور بہت سے گناہ ہیں ایک یہ بھی سہی۔ یہ ہے خلاصہ شکایتوں کا، آیا یہ شکایتیں صحیح ہیں یا غلط اگر صحیح ہیں تو ایسا کیوں کرتے ہو؟ اگر غلط ہیں تو اسکو نرمی سے کہو کہ میری شکایتیں غلط کیوں لکھیں؟ اس معاملہ میں سختی ہرگز نہ کرنا۔ اور اس کے شبہات کو دور کرو۔

ف: اس سے بھی حضرت کی مراعات اپنے دوستوں کے ساتھ معلوم ہوئی۔ نیز حفظ مسلم از معصیت۔

(جاری)

غرض یہ کہ معلوم ہوگیا کہ اس سے غفلت سب کو ہے اور ایسی غفلت ہے کہ لایعنی امور کا ارتکاب کر کے ندامت بھی کسی کو نہیں ہوتی گناہ بھی لوگ کرتے ہیں مگر اس سے ندامت تو ہوتی ہے چنانچہ غیبت کر کے سب پچھتاتے ہیں مگر ہنسی دل لگی کر کے کوئی نہیں پچھتا تا کہ اے اللہ! میں نے فضول وقت ضائع کیا میری توبہ ہے اگر لایعنی امور سے ایسی احتیاط نہ ہو سکے جیسی مولانا رفیع الدین صاحبؒ کے والد کرتے تھے کہ وہ نظر کو بھی بے فائدہ صرف نہ کرتے تھے تو ایسا بھی تو نہ ہونا چاہیئے کہ بالکل ذرہ در ذرہ ہی ہو جاؤ کہ کسی وقت اس سے بچنے کا خیال بھی نہ ہو اب سمجھو کہ لایعنی کسے کہتے ہیں؟ افعال کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو نافع ہیں خواہ دنیا میں خواہ دین میں، دوسرے وہ جو مضر ہیں دنیا میں یا آخرت میں تو جو امور نافع ہیں خواہ دنیا میں یا دین میں وہ تو ضروری ہیں انکے چھوڑنے کو میں نہیں کہتا البتہ اتنی قید ضروری ہے کہ جو امور دنیا میں نافع ہوں شریعت سے انکی اجازت ہونی چاہیئے اگر اجازت نہ ہوگی تو وہ دوسری قسم میں داخل ہو جائیں گے جو کہ آخرت میں مضر ہیں کیونکہ وہ ناجائز کام ہیں یہ ممکن ہے کہ دنیا کا نفع بظاہر معلوم ہوتا ہو مگر آخرت میں اس سے ضرر ہوگا، عتاب و عذاب ہوگا، لیکن جب ایک کام دنیا میں بھی نافع ہے شریعت سے بھی اسکی اجازت ہے تو اسکو ضرور کر لینا چاہیئے۔ مثلاً ہم ایک شخص سے سودا کر رہے ہیں اور اسکو مال دکھلا رہے ہیں اور وہ ہم سے جھک جھک کرتا ہے اگر اس میں ایک گھنٹہ بھی لگ جائے تو کچھ حرج نہیں یہ سب گفتگو ثواب میں داخل ہے بشرطیکہ جھوٹ اور فریب سے احتراز کیا جائے کیونکہ اگر ہم خریدار سے بات چیت نہ کریں اور اسکو بار بار قسم قسم کا مال نہ دکھلائیں اور ایک چیز دکھلا کر ایک دفعہ قیمت بتلا کر خاموش ہو جائیں تو اس طرح

تجارت نہیں چل سکتی اسلئے خریدار سے بات چیت کرنا ضروری ہے
کیونکہ دنیا کے لئے نافع ہے اور اگر تجارت کے سوا ہماری اور کوئی آمدنی
نہ ہو تو دین کے واسطے بھی نافع ہے کہ کسب حلال کے لئے سعی ہے۔
ضروری کی تفسیر میں لوگ غلطی کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے
کہ بس نماز روزہ ہی ضروری ہے اور کوئی چیز ضروری نہیں، یہ خیال
غلط ہے ضروری وہ ہے جس کے ترک میں ضرر ہو دنیا کا یا آخرت کا
اس تفسیر کے مطابق خریدار سے بات چیت کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر تم
اس سے نہ بولو گے تو تجارت کو ضرر ہوگا، اس وقت شریعت مقدسہ
سکوت کی اجازت نہیں دیتی اگر اس مکالمت میں گھنٹہ دو گھنٹہ
لگ جائیں تو یہ مت سمجھا جائے کہ وقت ضائع ہوا اور دین کا نقصان
ہوا، ہرگز نہیں یہ سارا وقت ضروری کام میں صرف ہوا ہے اگر نیت
اچھی ہے مثلاً یہ نیت ہے کہ ہم اس خریدار سے اسلئے گفتگو کرتے ہیں
تاکہ یہ کوئی خریدے تو ہم کو مال حاصل ہوگا جس سے اہل وعیال کو نفقہ
ملے گا یا صدقہ خیرات کریں گے تو اس تمام وقت میں ثواب بھی ملا یہ
کتنی بڑی رحمت ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا ہوگا کہ شریعت کو ہماری دنیا
کی کس قدر رعایت ہے پھر بھی لوگ شریعت کی قدر نہیں کرتے۔ بس اگر
تم کو تجارت کی ضرورت وحاجت ہو تو جب تک یہ امید رہے کہ خریدار
کچھ نہ کچھ خریدے گا اس وقت تک سودا کرنے میں کچھ بھی حرج نہیں
چاہے کتنا ہی وقت صرف ہو جائے یہ سب ضرورت میں داخل ہے
لایعنی نہیں ہے۔ اسی طرح ایک شخص غریب نے سر پر امرودوں کا
ٹوکرا رکھے ہوئے بیچتا پھرتا ہے وہ اگر تمام دن لیلو امرود کی صدا لگاتا
پھرے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں اس کا سارا وقت ضروری کام میں
صرف ہوا اور اسکے دن بھر لیلو امرود کہنے میں وہی ثواب ہے جو دن بھر

اللہ اللہ کرنے میں ثواب ہے بلکہ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ لےلو امرود کہنے میں خدا کا ذکر نہیں ہوتا لاؤ اسکے بجائے سُبْحَانَ خَالِقِ الْکُمَّثْرٰی (یعنی پاک ہے امرود کا پیدا فرمانے والا) کہا کروں تو فقہاء نے اسکو ناجائز لکھا ہے کیونکہ اس میں خدا کے نام کو دنیا کے واسطے استعمال کرنا ہے جس سے خدا کے نام کی بے ادبی ہوتی ہے۔ اس شخص کو لےلو امرود کہنے ہی میں ثواب ہے اور سُبْحَانَ خَالِقِ الْکُمَّثْرٰی کہنے میں کراہت ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص پہرہ دینے کا ملازم ہے وہ رات بھر جاگو جاگو کہتا رہے تو اس کے جاگو جاگو کہنے میں کوئی ضرر نہیں یہ بھی ضروری کام میں داخل ہے اس سے دل کا نور کچھ بھی کم نہ ہوگا اور اگر وہ بجائے جاگو کے لا الہ الا اللہ زور سے کہتا پھرے اور سمجھے کہ جاگو کہنے میں خدا کا ذکر نہیں ہوتا لاؤ ایسا لفظ پکاریں جس میں خدا کا ذکر بھی ہو جائے اور پہرہ بھی ہو جائے تو فقہاء نے اسکو مکروہ لکھا ہے اور وجہ وہی ہے کہ اس نے خدا کے نام کو دنیا کے واسطے استعمال کیا۔ واقعی فقہا دین کو خوب سمجھتے ہیں بظاہر تو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ لا الہ الا اللہ کہکر پہرہ دیا جائے مگر فقہاء نے اسکی علت کو سمجھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جاگو جاگو کہنے میں اسکو ثواب ملے گا اور ذکر سے پہرہ دینے میں گناہ ہوگا۔ اسی طرح راستوں میں بیٹھکر قرآن پڑھنا اس نیت سے کہ کوئی ہم کو حاجت مند سمجھکر کچھ دے گا بالکل حرام ہے۔ اگر کوئی حاجتمند زیادہ ہو اور اسکو مانگنا جائز ہو صاف صاف سوال کرنا چاہیئے: قرآن کو صورتِ سوال بنانا حرام ہے۔ فقہاء نے ضرورت کی وجہ سے تعلیم پر اجرت لینے کو جائز کہا ہے لیکن ذکر خالص کو دنیا کا ذریعہ بنانا جس سے تعلیم مقصود نہو حرام ہے۔ غرض پہرہ والے کا جاگو جاگو پکارنا فضول نہیں ہے بلکہ وہ اگر پہرہ چھوڑ کر چپکے چپکے نفلیں پڑھنے لگے تو وہ خائن

ہے اس نے اپنی ملازمت میں خیانت کی اس حالت میں تنخواہ لینا اسے بالکل حرام ہے اسی طرح اگر کوئی شخص ذکر و شغل میں مشغول ہو اور اس وقت کوئی اس کے پاس نماز سیکھنے آئے تو اس وقت ذکر و شغل ترک کر دینا اور اس شخص سے بات چیت کرنا واجب ہے یہ بات چیت کبھی ضرورت میں داخل ہے۔ یا ہم تسبیح وغیرہ میں مشغول ہیں اور ایک آدمی نماز خراب پڑھ رہا ہو اس وقت واجب ہے کہ اپنا ذکر چھوڑ کر اسے ٹوک دیں کہ نماز اطمینان سے پڑھو بشرطیکہ فتنہ اور لڑائی کا خوف نہ ہو، اگر ایسا خوف ہو اور نہ ٹوکا تو کچھ گناہ نہیں لیکن اگر محض اپنے ذکر اور تسبیحوں کا خیال ہو کہ کون اس کو بتلائے کیوں اپنا کام چھوڑیں، یہ نماز خراب پڑھے گا تو خود ہی جہنم میں جائیگا تو اس میں ان تسبیح پڑھنے والے صاحب کو بھی گناہ ہوگا، باوجود قدرت کے اس نے نہی عن المنکر میں کوتاہی کی مگر آجکل کے لوگوں کو اپنے وظائف کا ایسا اہتمام ہوتا ہے کہ اس میں بولنا گناہ سمجھتے ہیں بس ایسی چپ سادھ کر بیٹھتے ہیں کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے بولنا جانتے ہی نہیں۔ یاد رکھو یہ سخت غلطی ہے ضرورت کے وقت بات چیت کرنا ذکر وغیرہ سے افضل ہے مگر لوگوں کی یہ حالت ہے کہ قرآن پڑھتے پڑھتے ہوئے بولنے بات کرنے کو برا نہیں سمجھتے اور وظیفہ میں بولنے کو گناہ سمجھتے ہیں چاہے ان کے نہ بولنے سے کسی کی جان ہی جاتی رہے جیسے ایک دیہاتی زاہد رات کو مسجد میں بیٹھا ہوا مراقبہ کر رہا تھا وہاں ایک غریب مسافر بھی پڑا سو رہا تھا جو سوتے ہوئے خراٹے لیا کرتا تھا اس کے خراٹوں سے دیہاتی کے مراقبہ میں خلل پڑنے لگا تو آپ نے اسے جگا کر سمجھا دیا کہ اٹھکر بیٹھو یہ تم کیا کر رہے ہو وہ غریب اٹھکر بیٹھا مگر نیند کہاں جاتی ہے بے چارہ تھکا ماندہ تھا تھوڑی دیر بعد پھر سو رہا اور ویسے

ہی خراٹے لینے لگا اب تو دیہاتی سے نہ رہا گیا اس نے نکال خنجر اُس غریب کا کام تمام کردیا کہ اب تو خراٹے نہ لے گا۔ صبح ہوئے لوگ نماز کو آئے تو مسجد میں خون ہی خون دیکھا پوچھا خان اس مسافر کو کس نے مارا تو آپ بے تکلف فرماتے ہیں ہم نے مارا یہ ہمارے مراقبہ میں خلل ڈالتا تھا۔ سبحان اللہ! آپ کا مراقبہ نہ جائے چاہے کسی کی جان جاتی رہے۔ ؎ کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ گڑ کھا دیں اور گلگلوں سے پرہیز۔ قتل تو کر دیں مگر مراقبہ نہ چھوٹنے پائے استغفر اللہ العظیم۔

یہ باتیں جہالت سے پیدا ہوتی ہیں لوگ بوجہ جہالت کے یہ بھی نہیں سمجھتے کہ شرعاً کون سا کام ضروری ہے اور کون سا غیر ضروری ہے اسی لئے علم کی ضرورت ہے یا کم از کم علماء کی صحبت ہی ہو تو ایسی غلطیاں پھر نہیں پیش آتیں۔ الغرض تین قسم کے افعال ہیں ایک وہ جن میں دنیا کا یا دین کا نفع ہو یہ تو ضروری ہیں، دوسرے وہ جن میں دنیا کا یا دین کا ضرر ہو انکا ترک ضروری ہے، تیسرے وہ جن میں نہ دنیا کا نفع ہے نہ دین کا نہ ترک میں ان دونوں کا ضرر ہے یہ قسم لایعنی ہے حدیث مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ میں اسی قسم کے افعال کو چھوڑنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے افعال سے منع فرماتے ہیں مگر اسکی طرف کسی کو بھی التفات نہیں ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اتقیاء کی شکایت کرتا ہوں کیونکہ ہم جیسوں کے تو بہت سے گناہ ہیں ہم کو جب گناہوں میں مبتلا ہیں تو لایعنی امور میں ہمارا ابتلاء چنداں عجیب نہیں ہم تو کہیں غیبت کرتے رہتے ہیں کہیں بدنگاہی میں مبتلا ہیں، غرض سر سے پیر تک گناہوں میں غرق ہیں پھر ہم لایعنی امور میں بھی اگر مبتلا ہوں تو کچھ تعجب نہیں مگر افسوس اتقیاء پر ہے جو تمام گناہوں سے بچنے

کا اہتمام کرتے ہیں مگر لایعنی امور سے بچنے کا ذرا فکر نہیں کرتے ۔ بس حضرت شیخ ہاتھ میں تسبیح لئے بیٹھے ہیں تاکہ دیکھنے والے یہ سمجھتے رہیں کہ دل مشغول بحق ہے مگر ساتھ ہی ہنسی دلگی بھی ہو رہی ہے ۔ صاحبو! فضول باتوں سے قلب میں وہ ظلمت پیدا ہوتی ہے جس سے ذکر و اذکار کا سارا اثر دھل جاتا ہے مگر اسکا ادراک ہر شخص کو نہیں ہو سکتا جس کا دل نورانی ہوا سے اس ضرر کا ادراک ہوتا ہے ۔ کالے توے پر اگر تھوڑی سی سیاہی اور لگ جائے تو اس پر کیا اثر محسوس ہو سکتا ہے ہاں شفاف آئینہ کو دیکھو کہ اس پر ذرا سی بھاپ سے بھی میلا پن آجاتا ہے اور فوراً فرق محسوس ہوتا ہے چنانچہ جن لوگوں کے قلوب شفاف ہیں انکے ایسے واقعات منقول ہیں کہ ایک ذرا سی بھی فضول بات سے کس قدر متاثر ہوئے ہیں ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ اپنے ایک دوست کے مکان پر گئے اندر سے جواب ملا کہ گھر میں نہیں ہیں، آپ نے پوچھا کہ کہاں گئے ہیں جواب ملا معلوم نہیں کہاں گئے ہیں ۔ بس اسکے بعد انکو فوراً تنبہ ہوا کہ میں نے سوال فضول کیا کہ کہاں گئے ہیں (ممکن ہے کسی مخفی کام کے لئے گئے ہوں جس کا بتلانا مصلحت کے خلاف ہو تو میں نے خوامخواہ اپنے ایک مسلمان بھائی کا راز دریافت کیا بس اتنی سی بات پر وہ تیس برس تک روتے رہے کہ میں نے یہ سوال کیوں کیا کہ وہ کہاں ہیں؟ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ فضول بات کا اہل قلوب پر کتنا بڑا اثر ہوتا ہے ۔ ایک ڈاکٹر صاحب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں رہ کر واپس آئے تھے وہ اپنا واقعہ خود بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ ایک رئیس کی فٹن گاڑی میرے بلانے کے لئے آئی میں نے سوار ہونے عذر کیا کہ قریب جگہ ہے ویسے ہی چلا جاؤں گا انھوں نے اصرار کرکے بٹھلایا بس گاڑی میں پیر رکھنا تھا

وہ نور فوراً سلب ہو گیا تو یہ امور جن کو ہم ہلکا سمجھتے ہیں صاف شفاف قلوب سے پوچھو کہ ان سے کس قدر ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ صاحبو! میں حرمت کا فتویٰ نہیں دیتا میں یہ نہیں کہتا کہ ایسے امور کے ارتکاب سے گناہ ہوتا ہے، نہیں فتویٰ تو وہی ہے کہ گناہوں سے بچنا واجب ہے اور اتنی کاوش کی ضرورت نہیں مگر اسکا یہ مطلب تو نہیں ہو سکتا کہ یہ حدیث ہی پڑھنا فضول ہے۔ آخر یہ بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد ہے کہ لایعنی امور کا ترک کر دینا اسلام کی خوبی ہے اگر ہم سے بالکل ترک لایعنی نہ ہو سکے تو اسکی کثرت تو ترک کرنی ہی چاہیئے۔ رہا یہ کہ اسکا ضرر کیا ہے تو جس طرح ترک لایعنی کے فائدے کا احساس بھی نور قلب پر موقوف ہے اور اگر کسی کے دل میں نور نہ ہو تو اسکو کسی محقق کا قول مان لینا چاہیئے یا محقق کے مقلد کی تقلید کر لینی چاہیئے قاعدہ ہے کہ یا تو آدمی خود بینا ہو جب راستہ دیکھ سکتا ہے اگر خود اندھا ہے تو اس کو کسی سوانکھے کی تقلید کرنی ضروری ہے اگر اندھے آدمی سے ایک سوانکھا یہ کہے کہ اس راستہ میں گڑھا ہے اس سے بچ کر چلو عقلاء یہی کہیں گے کہ اندھے پر اسکی تقلید واجب ہے پھر حیرت ہے کہ دین کے باب میں محققین کا قول نہ مانا جائے۔

فضول باتوں سے پرہیز

سید المحققین سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کَثْرَۃُ الْکَلَامِ قَسْوَۃُ الْقَلْبِ" زیادہ باتیں بنانا دل کو سخت کر دیتا ہے" ایک میں ہے کَثْرَۃُ الضِّحْکِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ" زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے"۔ کیا اب بھی کسی کو اس میں شک ہے کہ فضول (اور لایعنی) باتوں سے دل کی صفائی اور نور زائل ہو جاتا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ہم تو رات دن ہنستے رہتے ہیں ہمارا دل تو مردہ نہیں ہوتا اسکا جواب یہ ہے کہ تجھکو حیات قلب نصیب ہی نہیں

ہوئی جس سے کہ موتِ قلب کا احساس ہو اَلْاَشْیَاءُ تُعْرَفُ بِاَضْدَادِھَا (چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں) غضب یہ ہے کہ جس طرح دنیا والے شطرنج و گنجفہ سے دل بہلاتے ہیں اسی طرح آجکل اتقیاء (اور نیک لوگوں) کے یہاں فضول باتیں دل بہلانے کا مشغلہ ہوگئی ہیں بس تسبیح ہاتھ میں لے لی اور دنیا بھر کی باتیں بنا رہے ہیں جسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ ذکر سے جو نورِ قلب حاصل ہوا تھا وہ زائل ہو جاتا ہے اور نورِ قلب کے زائل ہونے سے طاعت کا شوق کم اور ہمت میں پستی آجاتی ہے اور جہاں شوق و ہمت میں کمی آئی پھر گناہوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کیونکہ گناہ سے بچنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک شوق و محبت دوسرے ہمت اور یہ دونوں باتیں نورِ ذکر سے پیدا ہوتی ہیں جب ان لغویات سے وہ نور ہی زائل ہوگیا تو شوق و ہمت میں کمی آنا لازمی ہے پھر اس شخص کا گناہوں میں مبتلا ہو جانا کچھ بھی عجیب نہیں کیونکہ اب وہ روک ہی نہیں رہی جس کے ذریعہ گناہوں کی نفرت دل میں جم جاتی ہے۔

بس لایعنی امور کا ارتکاب گو خود معصیت نہ ہو مگر معصیت کا ذریعہ ضرور ہے۔ اب تو آپ کو اس کے ترک کا ضروری ہونا معلوم ہوگیا ہوگا۔ شیخ فریدالدین عطارؒ پند نامہ میں فرماتے ہیں ؎

دل ز پُر گفتن بمیرد در بدن
گرچہ گفتارش بود دُرِّ عَدَن

(انسان کے زیادہ بولنے سے دل جسم کے اندر مردہ ہو جاتا ہے اگرچہ اسکی باتیں عدن کے موتیوں کی طرح قیمتی ہی کیوں نہ ہوں)

(جاری)

نفس کی کش مکش

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ و اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا وسندنا و نبینا و مولانا محمدا عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

امابعد۔ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ۔

(سورۃ العنکبوت: ۶۹)

(اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دینگے انکو اپنی راہیں ـــ اور بے شک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے)۔

اٰمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشاھدین۔

"مجاہدے" کا مطلب

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے ایک نیا باب قائم فرمایا ہے "باب فی المجاہدۃ" "مجاہدہ" کے لفظی معنی ہیں "کوشش کرنا محنت کرنا" جہاد بھی اسی سے نکلا ہے اسلئے کہ عربی زبان میں جہاد کے معنی لڑنے کے نہیں ہیں بلکہ محنت

اور کوشش کرنے کے ہیں اور لفظ "مجاہدہ" کے معنی بھی یہی ہیں۔ یعنی "کوشش کرنا" اور قرآن اور سنت اور صوفیاء کی اصطلاح میں مجاہدہ اس کو کہا جاتا ہے کہ انسان اس بات کی کوشش کرے کہ اسکے اعمال درست ہو جائیں، اسکے اخلاق درست ہو جائیں اور گناہوں سے بچ جائے اور اپنے نفس کو غلط سمت میں جانے سے بچائے۔ اسکا نام مجاہدہ ہے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المجاھد من جاھد فی نفسہ

(ترمذی۔ فضائل الجہاد، باب ما جاء فی فضل من مات مرابطاً حدیث نمبر ۱۶۲۱)

فرمایا اصلی مجاہدہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ لڑائی کے میدان میں دشمن سے لڑنا بھی "جہاد" ہے لیکن اصلی مجاہدہ ہے جو اپنے نفس سے اسطرح جہاد کرے کہ نفس کی خواہشات، نفس کی آرزوئیں، نفس کے تقاضے ایک طرف بلا رہے ہیں اور انسان نفس کے ان تقاضوں اور آرزوؤں کو پامال کر کے دوسرا راستہ اختیار کر لیتا ہے تو اسکا نام مجاہدہ ہے۔ لہذا جو شخص بھی اپنی اصلاح کی طرف قدم بڑھانا چاہے اور اللہ جل شانہ کی طرف قدم بڑھانا چاہے تو اسکو مجاہدہ کرنا ہی پڑتا ہے یعنی اپنے نفس کی مخالفت اور نفسانی خواہشات کے خلاف زبردستی کر کے، محنت کر کے کوشش کر کے، کڑوا گھونٹ پی کر عمل کرنا اور کسی طرح اپنے نفس کی خواہشات کو دبا کر اور کچل کر اسکی خلاف ورزی کرنا اسکا نام "مجاہدہ" ہے۔

انسان کا نفس لذتوں کا خوگر ہے

ہمارا اور آپ کا نفس یعنی وہ قوت جو انسان کو کسی کام کے کرنے کی طرف ابھارتی ہے وہ نفس دنیاوی لذتوں کا عادی بنا ہوا ہے لہذا جس کام میں اسکو ظاہری لذت اور مزہ آتا ہے اسکی طرف یہ دوڑتا

سے یہ اسکی جبلت اور خصلت ہے کہ ایسے کاموں کی طرف انسان کو مائل کرے، یہ انسان سے کہتا ہے کہ یہ کام کرلو تو مزہ آجائے گا، یہ کام کرلو تو لذت حاصل ہوجائیگی لہٰذا یہ نفس انسان کے دل میں خواہشات کے تقاضے پیدا کرتا رہتا ہے۔ اب اگر انسان اپنے نفس کو بے لگام اور بے مہار چھوڑ دے اور جو بھی لذت کے حصول کا تقاضا پیدا ہوا اس پر عمل کرتا جائے اور نفس کی ہر بات مانتا جائے تو اسکے نتیجہ میں وہ انسان، انسان نہیں رہتا بلکہ جانور بن جاتا ہے۔

خواہشات نفسانی میں سکون نہیں

نفسانی خواہشات کا اصول یہ ہے کہ اگر انکی پیروی کرتے جاؤگے اور انکے پیچھے چلتے جاؤگے اور اسکی باتیں مانتے جاؤگے تو پھر کسی حد پر جاکر قرار نہیں آئے گا انسان کا نفس کبھی یہ نہیں کہے گا کہ اب ساری خواہشات پوری ہوگئیں اب مجھے کچھ نہیں چاہیئے، یہ کبھی زندگی بھر نہیں ہوگا اس لئے کہ کسی انسان کی ساری خواہشات اس زندگی میں پوری نہیں ہوسکتیں اور اسکے ذریعہ کبھی قرار و سکون نصیب نہیں ہوگا۔ یہ قاعدہ کہ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں نفس کے ہر تقاضے پر عمل کرتا جاؤں اور ہر خواہش پوری کرتا جاؤں تو کبھی اس شخص کو قرار نہیں آئے گا، کیوں؟ اس لئے کہ اس نفس کی خاصیت یہ ہے کہ ایک لطف اٹھانے کے بعد، ایک مرتبہ لذت حاصل کرلینے کے بعد یہ فوراً دوسری لذت کی طرف بڑھتا ہے لہٰذا اگر تم چاہتے ہو کہ نفسانی خواہشات کے پیچھے چل چل کر سکون حاصل کرلیں تو ساری عمر کبھی سکون نہیں ملے گا تجربہ کرکے دیکھ لو۔

لطف اور لذت کی کوئی حد نہیں

آج جن کو ترقی یافتہ اقوام کہا جاتا ہے انھوں نے

یہ ہی کہنا ہے کہ انسان کی پرائیویٹ زندگی میں کوئی دخل اندازی نہ کرو جسکی مرضی میں جو کچھ آرہا ہے وہ اسکو کرنے دو اور جس شخص کو جس کام میں مزہ آرہا ہے وہ اسے کرنے دو نہ اسکا ہاتھ روکو نہ اس پر کوئی پابندی لگاؤ اور اسکے راستہ میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ کرو۔ چنانچہ آپ دیکھ لیں کہ آج انسان کو لطف حاصل کرنے اور مزہ حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں نہ قانون کی رکاوٹ نہ مذہب کی نہ اخلاق کی رکاوٹ، نہ معاشرے کی رکاوٹ ہے، کوئی پابندی نہیں ہے اور ہر شخص وہ کام کر رہا ہے جو اسکی مرضی میں آرہا ہے اور اگر اس شخص سے کوئی پوچھے کہ کیا تمھارا مقصد حاصل ہوگیا؟ تم جتنا لطف اس دنیا سے حاصل کرنا چاہتے تھے کیا لطف کی وہ آخری منزل اور مزے کا وہ آخری درجہ تمھیں حاصل ہوگیا جس کے بعد تمھیں اور کچھ نہیں چاہیئے؟ کوئی شخص بھی اس سوال کا "ہاں" میں جواب نہیں دے گا بلکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ مجھے اور مل جائے، آگے بڑھتا چلا جاؤں اسلئے کہ ایک خواہش دوسری خواہش کو ابھارتی رہتی ہے۔

علانیہ زناکاری

مغربی معاشرے میں ایک مرد اور ایک عورت آپس میں ایک دوسرے سے جنسی لذت حاصل کرنا چاہیں تو ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلے جاؤ کوئی رکاوٹ نہیں کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ حد یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا تھا وہ آنکھوں سے دیکھ لیا، آپ نے فرمایا تھا کہ "ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ زنا اسقدر عام ہو جائے گا کہ دنیا میں سب سے نیک شخص وہ ہوگا کہ دو آدمی ایک سڑک کے چوراہے پر بدکاری کا ارتکاب کر رہے ہوں وہ شخص ان سے آکر کہے گا کہ اس درخت کی آوٹ میں کرلو، وہ انکو اس کام سے منع نہیں کرے گا کہ یہ کام برا ہے

بلکہ وہ یہ کہے گا کہ یہاں سب کے سامنے کرنے کے بجائے اس درخت کی اوٹ میں جا کر کر لو۔ وہ کہنے والا سب سے نیک آدمی ہوگا۔ آج وہ زمانہ تقریباً آچکا ہے۔ آج کھلم کھلا بغیر کسی رکاوٹ اور پردے کے یہ کام ہو رہا ہے۔

امریکہ میں "زنا بالجبر" کی کثرت کیوں

لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے جنسی جذبات کو تسکین دینے کے لئے حرام طریقہ اختیار کرنا چاہے تو اسکے لئے دروازے چوپٹ کھلے ہوئے ہیں لیکن اسکے باوجود "زنا بالجبر" کے واقعات جتنے امریکہ میں ہوتے ہیں دنیا میں اور کہیں نہیں ہوتے حالانکہ رضامندی کے ساتھ یہ کام کرنے کیلئے کوئی روکاوٹ نہیں جو آدمی جس طرح چاہے اپنے جذبات کو تسکین دے سکتا ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ رضامندی کے ساتھ زنا کر کے دیکھ لیا اس میں جو مزہ تھا وہ حاصل کر لیا لیکن اسکے بعد اسمیں بھی قرار نہ آیا تو اب باقاعدہ یہ جذبہ پیدا ہوا کہ یہ کام زبردستی کرو تاکہ زبردستی کرنے کا جو مزہ ہے وہ بھی حاصل ہو جائے۔ لہٰذا یہ انسانی خواہشات کسی مرحلے پر جا کر رکتی نہیں ہیں بلکہ اور آگے بڑھتی چلی جاتی ہیں اور یہ ہوس کبھی ختم ہونے والی نہیں۔

یہ پیاس بجھنے والی نہیں

آپ نے ایک بیماری کا نام سنا ہوگا جس کو "جوع البقر" کہتے ہیں اس بیماری کی خاصیت یہ ہے کہ انسان کو بھوک لگتی رہتی ہے جو دل چاہے کھا لے، جتنا چاہے کھا لے مگر بھوک نہیں مٹتی۔ اسی طرح ایک اور بیماری ہے جس کو "استسقاء" کہا جاتا ہے، اس بیماری میں انسان کو پیاس لگتی رہتی ہے، گھڑے کے گھڑے پانی پی جائے، کنوئیں بھی ختم کر جائے مگر پیاس نہیں بجھتی یہی حال انسان کی خواہشات کا ہے اگر انکو

قابو نہ کیا جائے اور ان پر کنٹرول نہ کیا جائے اور جب تک ان کو شریعت واخلاق کے بندھن میں نہ باندھا جائے اس وقت تک اسکو "استسقاء" کی بیماری کی طرح لطف ولذت کے کسی بھی مرحلے پر قرار نصیب نہیں ہوتا بلکہ لذت کی وہ ہوس بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔

تھوڑی سی مشقت برداشت کرلو

اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نفسانی خواہشات کے پیچھے مت چلو انکا اتباع مت کرو اسلئے کہ یہ تمھیں ہلاکت کے گڑھے میں لیجاکر ڈال دے گی۔ بلکہ اسکو ذرا قابو میں رکھو اور اسکو کنٹرول کر کے شریعت کی معقول حدود میں رکھو اور اگر تم رکھنا چاہو گے تو شروع شروع میں یہ نفس تمھیں ذرا تنگ کرے گا تکلیف ہوگی صدمہ ہوگا، دکھ ہوگا، ایک چیز کو دل چاہ رہا ہے کہ ٹی۔وی دیکھیں اور اس میں جو خراب فلمیں آرہی ہیں وہ دیکھیں یہ نفس کا تقاضا ہو رہا ہے اب جو آدمی اسکا عادی ہے اسے کہو کہ اسکو مت دیکھ اور اس نفسانی تقاضے پر عمل نہ کر اگر وہ نہیں دیکھے گا اور آنکھ کو اس سے روکے گا تو شروع میں اسکو دقت ہوگی اور مشقت ہوگی، برا لگے گا اسلئے کہ وہ دیکھنے کا عادی ہے اسکو بغیر دیکھے چین نہیں آتا، لطف نہیں آتا۔

یہ نفس کمزور پر شیر ہے

لیکن ساتھ میں اللہ تعالےٰ نے اس نفس کی خاصیت یہ رکھی ہے کہ اگر کوئی شخص اس مشقت اور تکلیف کے باوجود ایک مرتبہ ڈٹ جائے کہ چاہے مشقت ہو یا تکلیف ہو، چاہے دل پر آرے چل جائیں تب بھی یہ کام نہیں کروں گا جس دن یہ شخص نفس کے سامنے اس طرح ڈٹ گیا بس اس دن سے یہ نفسانی خواہشیں خود بخود ڈھیلی پڑنی شروع ہو جائیں گی۔ یہ نفس اور شیطان کمزور کے اوپر شیر ہیں اور جو اسکے سامنے بھیگی بلی

بنا رہے اور اسکے تقاضوں پر چلتا رہے اسکے اوپر یہ چھا جاتا ہے اور غالب آجاتا ہے اور جو شخص ایک مرتبہ پختہ ارادہ کر کے اسکے سامنے ڈٹ گیا کہ میں یہ کام نہیں کرونگا چاہے کتنا تقاضا ہو، چاہے دل پر آرے چل جائیں پھر یہ نفس ڈھیلا پڑ جاتا ہے اور اس کام کے نہ کرنے پر پہلے دن جتنی تکلیف ہوئی تھی دوسرے دن اس سے کم ہوگی اور تیسرے دن اس سے کم اور ہوتے ہوتے ایک دن وہ تکلیف بالکل رفع ہو جائیگی اور نفس اسکا عادی بن جائیگا

نفس دودھ پیتے بچے کی طرح ہے

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں جنکا "قصیدہ بردہ" بہت مشہور ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک نعتیہ قصیدہ ہے اس میں انھوں نے ایک عجیب وغریب حکیمانہ شعر کہا ہے

والنفس کالطفل ان تہملہ شبّ علی

حب الرضاع وان تفطمہ ینفطم

"انسان کا نفس ایک چھوٹے بچے کی طرح ہے جو ماں کا دودھ پیتا ہے"۔ اور وہ بچہ ماں کا دودھ پینے کا عادی بن گیا، اب اگر اس سے دودھ چھڑانے کی کوشش کرو تو وہ بچہ کیا کرے گا روئے گا چلائے گا، شور کرے گا اب اگر ماں باپ یہ سوچیں کہ دودھ چھڑانے سے بچے کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے چلو چھوڑ دو اسے دودھ پینے دو، دودھ پیتا رہے، تو علامہ بوصیری فرماتے ہیں کہ " اگر بچے کو اس طرح دودھ پینے کی حالت میں چھوڑ دیا تو نتیجہ یہ نکلیگا کہ وہ جوان ہو جائے گا اور اس سے دودھ نہیں چھوٹ پائے گا" اسلئے کہ تم اسکی تکلیف اسکی فریاد اور اسکی چیخ و پکار سے ڈر گئے جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ اس سے دودھ نہیں چھڑا سکے۔ اب اگر اسکے سامنے روٹی لاتے

ہیں تو وہ کہتا ہے میں تو نہیں کھاؤں گا میں تو دودھ پیوں گا، لیکن دنیا میں کوئی ماں باپ ایسے نہیں ہوں گے جو یہ کہیں کہ چونکہ بچے کو دودھ چھڑانے سے تکلیف ہو رہی ہے اسلئے دودھ نہیں چھڑاتے۔ ماں باپ جانتے ہیں کہ دودھ چھڑانے سے روئے گا، چلائے گا، رات کو نیند نہیں آئے گی خود بھی جاگے گا ہمیں بھی جگائے گا لیکن پھر بھی دودھ چھڑاتے ہیں اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ بچے کی بھلائی اسی میں ہے اگر آج اسکو دودھ نہ چھڑایا گیا تو ساری عمر یہ کبھی روٹی کھانے کے لائق نہیں ہوگا۔

اس کو گناہوں کی چاٹ لگی ہوئی ہے

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ انسان کا نفس بھی بچے کی مانند ہے اس کے منہ کو گناہ لگے ہوئے ہیں، گناہوں کا ذائقہ اور اسکی چاٹ لگی ہوئی اگر تم نے اسکو ایسے ہی چھوڑ دیا کہ چلو کرنے دو گناہ چھڑانے سے تکلیف ہوگی، نظر غلط جگہ پڑتی ہے اور اسکو ہٹانے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے، زبان کو جھوٹ بولنے کی عادت پڑ گئی ہے اگر جھوٹ بولنا چھوڑیں گے تو بڑی تکلیف ہوگی اور اس زبان کو مجلسوں کے اندر بیٹھکر غیبت کرنے کی عادت پڑ گئی ہے اگر اس کو روکیں گے تو بڑی دقت ہوگی، نفس ان باتوں کا عادی بن گیا ہے۔ رشوت لینے کی عادت پڑ گئی ہے، اللہ بچائے۔ سود کھانے کی عادت پڑ گئی اور بہت سے گناہوں کی عادت پڑ گئی ہے، اب ان عادتوں کو چھڑانے سے نفس کو تکلیف ہو رہی ہے اگر نفس کی اس تکلیف سے گھبرا کر اور ڈر کر بیٹھ گئے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری عمر نہ کبھی گناہ چھوٹیں گے اور نہ چھڑا سکے گا۔

حامل مضامین تصوف و عرفان ۰ افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۵ ذی الحجہ سنہ ۱۴۱۶ھ مطابق مئی سنہ ۱۹۹۶ء جلد ۱۹

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

S.T.D Code No 0532

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسین گنج۔ الہ آباد

ترتیب

اعلان

سال رواں ۱۹۹۶ء کا بدل اشتراک سالانہ ستتر روپیہ اور ششماہی چالیس روپیہ ہے ۔ اولین فرصت میں اپنا چندہ ارسال فرماکر ادارہ کا تعاون فرما دیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ : جیسا کہ قارئین رسالہ جانتے ہیں کہ خانقاہ حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ کی طرف سے قربانی کا نظم کیا جاتا ہے ان امور کی انجام دہی کے لئے مدرسہ وصیۃ العلوم کے اساتذہ اور مفتیان کرام متعین کئے جاتے ہیں تاکہ جانوروں کی خرید و فروخت اور قربانی کے فرائض سنت و شریعت کے مطابق کما حقہٗ دوسروں کی جانب سے ادا ہو سکیں۔ خانقاہ مصلح الامت علیہ الرحمۃ سے تعلق خاطر اور حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کی ذات بابرکات پہ اعتماد کی بنا پر شہر و بیرون شہر اور ممالک غیر سے کافی کثیر تعداد میں اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے اہل ادارہ کو ذمہ دار بنایا جاتا ہے۔

الحمد للہ امسال کافی ان سب ہی لوگوں کی جانب سے یہ فریضہ ادا کر دیا گیا جنھوں نے رقوم اور ناموں کی فہرست بذریعہ ٹیلیفون یا خط روانہ کر کے رابطہ قائم کیا۔ رقم موصول ہو جانے پر بذریعہ پوسٹ کارڈ مطلع کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ قربانی کرانے کے بعد انفرادی طور پر ہر شخص کو مطلع کرنا مشکل ہے لہٰذا اس رسالہ کے ذریعہ تمام شرکاء کو اطلاع دی جاتی ہے کہ الحمد للہ سب ہی کی جانب سے قربانی کرا دی گئی۔

ادارہ ان تمام احباب کا ممنون ہے جو اس سلسلہ میں اپنی گرانقدر مصروفیات کے باوجود وقت نکال کر بالواسطہ مدرسہ وصیۃ العلوم کی اعانت کرتے ہیں رب العزت والجلال ان تمام لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور انکی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔

کارزارِ علم و جہل

فرمایا کہ عالم میں ہمیشہ ہی علم و جہل کی لڑائی رہی ہے اور بواسطہ علم و جہل کے یہ کارزار عالم اور جاہل میں بھی برابر جاری رہا ہے حاملان علم حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوئے ہیں اور جہل کے علمبردار منکرین (اور کفار) رہے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام صرف علم پہونچانا چاہتے ہیں اور انکو یہ خدمت منجانب اللہ سپرد ہوئی تھی اسلئے وہ یہ خدمت انجام دیتے تھے کفار اپنے نفس کی وجہ سے اس میں انکے مزاحم اور مخالف ہوئے اور انکی جہالت اس سے مانع ہوئی کہ اپنے آبائی جہل و خود پسندی اور رسوم جہالت کو ترک کریں اسطرح یہ نزاع بعض اوقات خطرناک صورت اختیار کرلیتا تھا آپ اگر غور فرمائیں تو ہمیشہ عالم میں یہی نزاع چلتا رہا ہے۔ انبیاء کے ساتھ نہیں تو انکے نائبین کے ساتھ سہی کیونکہ یہ نیابت کے لئے لازم ہے یعنی جو چیز منیب (اور اصل) کے ساتھ ہوگی وہ نائب (اور جانشین) کے ساتھ بھی لازمی ہوگی۔

چنانچہ اب بھی غور فرماکر دیکھ لیجئے کہ لوگ باوجود اسکے کہ صدیوں سے مسلمان ہیں مگر جب علماء شرعی چیزوں کو پیش کرتے ہیں تو ان کے ساتھ کس درجہ مزاحمت (اور مخالفت) کیجاتی ہے اور ان کے ساتھ پوری داد جہالت دی جاتی ہے اسلئے بہت کم لوگ اس جنگ میں عہدہ برآ ہو پاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم کی تبلیغ آسان نہیں ہے۔ ہر زمانہ میں لوگ یہی کہتے آئے ہیں۔ چنانچہ صاحب مرقات فرماتے ہیں:۔

فی شرح السنۃ عن الثوری	شرح السنۃ میں حضرت سفیان ثوریؒ کا قول
ما اعلم الیوم شیئاً افضل	نقل کیا ہے وہ فرماتے کہ میں اسوقت طلب علم
من طلب العلم۔ قیل لیس	سے افضل کسی چیز کو نہیں جانتا ان سے کہا گیا

لهم نية قال طلبهم له نية اى سببها و لذا قال بعضهم طلبنا العلم لغير الله فابى ان يكون الا لله . . . .

کہ طالبین علم کی نیت صحیح نہیں ہوتی، فرمایا کہ ان لوگوں کا علم طلب کرنا ہی نیت ہے یعنی نیت کی تصحیح کا سبب ہے اسی واسطے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ہم نے غیراللہ کے لئے علم طلب کیا۔ مگر علم نے صرف اللہ ہی کے لئے ہونا چاہا (غیراللہ کے لئے ہونے سے انکار کیا)

وعن الشافعی طلب العلم افضل من الصلوٰة النافلة

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ علم کا طلب کرنا نفل نماز سے افضل ہے اس میں علم کے افضل ہونے کی تصریح ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ تحصیل علم ضروری ہے نیز اسمیں تعب و مشقت بہت زیادہ ہے)

اب لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ علم آسان ہے اور عمل مشکل ہے حالانکہ آپ کو معلوم ہوا کہ علم کی تبلیغ و ترویج اور اسکی تعلیم و تعلم ہر زمانہ میں نہایت مشکل کام رہا ہے اسلئے میں بیانگ دہل کہہ سکتا ہوں کہ علم مشکل ہے اور عمل آسان ہے اسلئے کہ اسمیں علاوہ اسکے کہ استعداد کامل اسکے تعلم کی ہو مشقت اور تعب دماغی زیادہ ہے اور دماغی تعب جلدی زائل نہیں ہوتا اسلئے سب اس تعب کو برداشت نہیں کر سکتے اور عمل میں چونکہ دماغی تعب نہیں ہوتا صرف بدنی ہوتا ہے اور وہ جلدی زائل ہوجاتا ہے اسلئے یہ آسان ہوتا ہے ہاں اگر علم میں تلذذ پیدا ہوجائے تو وہ آسان ہوجاتا ہے جیسا کہ عبادت کہ اگر اس میں تلذذ پیدا ہوجائے تو وہ بھی آسان ہوجاتی ہے عمل علم صحیح کا نتیجہ ہے علم صحیح پر عمل ضرور مرتب ہوتا ہے اور جس علم پر عمل مرتب نہ ہو تو وہ رسمی علم ہے جو غیر معتبر ہے۔ علم صحیح پر عمل کا ترتب لازم ہے علم پہلے ہوتا ہے اور عمل بعد میں لہٰذا جب عمل میں نقص ہو تو سمجھنا چاہئے کہ اسکی جو اصل ہے یعنی علم اسی میں نقص موجود ہے اسلئے کہ عمل علم کی فرع ہے علم کامل ہوگا تو عمل بھی کامل ہوگا اور علم ناقص ہوگا تو عمل بھی ناقص ہوگا۔

غرض جس درجہ کا علم ہوگا اسی درجہ کا عمل ہوگا اسی لئے میں نے کہا ہے کہ عمل آسان ہے علم مشکل ہے۔ علم کے مشکل ہونے کی اور عمل کے آسان ہونے کی ایک مثال سنیئے :۔

اس وقت جتنے حضرات میرے پاس بیٹھے ہیں سب ماشاءاللہ اہل عمل ہیں اشراق پڑھکر آئے ہیں اور تہجد گزار بھی ہوں گے مگر میری اس تقریر کو بہت کم لوگ سمجھتے ہونگے اگر آپ باہر جاکر ان سے دریافت کریں کہ کیا کہتے تھے تو شاید ہی کوئی میرا صحیح مضمون دہرا سکے یہ اس لئے کہ ضبط علم مشکل چیز ہے بدون مزاولت اور ممارست طویلہ کے (یعنی مسلسل مشق و محنت کے بغیر) اسکے ضبط و فہم اور افہام و تفہیم اور ادا پر پوری قدرت نہیں ہوسکتی۔

مدارس میں جو اختلاف اس وقت رونما ہورہا ہے یہ بھی علم اور جہل کی لڑائی ہے جس کا میں اوپر ذکر کرچکا ہوں۔ یہ طلبہ باوجود مدارس میں رہنے کے علم سے ذرا بھی متصف نہیں ہیں۔ علم کا احسان مال کے احسان سے کم نہیں ہے جس کو مال دیا جاتا ہے وہ ممنون ہوتا ہے اور علم کی منت طالب علم نہ مانے یہ بات سمجھ میں آنے کی نہیں۔ استادوں کو لوگوں نے پیروں سے کم نہیں مانا ہے یہ اس وجہ سے کہ انھوں نے علم کا فیض ان سے حاصل کیا تھا اور علم سے بڑھکر کوئی دولت نہیں اس لئے علم نے انکو انکا زرخرید غلام بنا دیا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد مَنْ عَلَّمَنِیْ حَرْفًا صَیَّرَنِیْ عَبْدًا (جس نے مجھے ایک حرف پڑھا دیا اس نے مجھے اپنا غلام بنالیا) میرے قول کی دلیل ہے۔

علم اور اہل علم کے شرف کے متعلق علامہ شاطبیؒ نے یہ تحریر فرمایا ہے :۔

ان اللہ سبحانہ شرف	بیشک اللہ تعالٰے نے اہل علم کو شرف
اھل العلم ورفع اقدارھم	بنایا ہے انکی قدر کو بلند فرمایا ہے

وعظم مقدارهم ودل على ذلك الكتاب والسنة والاجماع بل قد اتفق العقلاء على فضيلة العلم واهله وانهم مستحقون شرف المنازل وهو مما لا ينازع فيه عاقل (الاعتصام ج۲ ص۲۰۱)

اور انکو درجہ عظیم عطا فرمایا ہے اس امر پر کتاب وسنت اور اجماع سبھی نے دلالت کیا ہے بلکہ تمام عقلاء نے بھی علم اور اہل علم کی فضیلت پر اتفاق کیا ہے اور یقیناً یہ حضرات بلند مراتب کے مستحق ہیں اور اس بات میں کوئی عاقل اختلاف نہیں کر سکتا۔

اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فضائل علم کی چند احادیث بھی پیش کر دی جائیں

عن ابی هريرة ان النبی صلى الله عليه وسلم قال افضل الصدقة ان يتعلم المرء المسلم علما ثم يعلمه اخاه المسلم

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے افضل صدقہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان آدمی علم سیکھے پھر اپنے بھائی مسلمان کو سکھلا دے۔

حدثنا ايوب بن موسى عن ابيه عن جده

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ما نحل والد ولدا من نحل افضل من ادب حسن

ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اولاد والے نے اپنی اولاد کو کوئی دینے کی چیز ایسی نہیں دی جو اچھے ادب (یعنی علم) سے بڑھکر ہو

قال الشامی وروى البيهقی عن ابن عمر ما عبد الله بشئ افضل من فقه فی دين

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ بیہقیؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ کسی نے اللہ تعالیٰ کی کوئی عبادت فقہ فی الدین سے افضل (اور بہتر چیز کے ذریعہ) نہیں کی

وفی البزازية طلب العلم والفقه اذا صحت النية

اور بزازیہ میں ہے کہ علم اور فقہ طلب کرنا تمام اعمال خیر سے افضل ہے بشرطیکہ نیت صحیح ہو

افضل من جميع اعمال البر وكذا الاشتغال بزيادة العلم اذا صحت النية لانه اعمّ نفعًا لكن بشرط ان لا يدخل النقصان في فرائضه وصحة النية ان يقصد بها وجه الله تعالىٰ لا طلب المال والجاه۔

اور ایسے ہی زیادتی علم میں مشغول ہونا جبکہ نیت صحیح ہو اسلئے کہ اسکا نفع عام ہے لیکن بشرطیکہ اس کے فرائض میں کوئی خلل اور نقصان نہ آوے۔ اور نیت کی صحت یہ ہے کہ اس میں اللہ کی رضا کا قصد کرے نہ کہ مال وجاہ کی طلب۔

ولو اراد الخروج من الجهل ومنفعة الخلق واحياء العلم فقيل تصح نيته ايضًا من تعلم بعض القرآن ووجد فراغا فالافضل الاشتغال بالفقه لان حفظ القرآن فرض كفاية وتعلم ما لا بد منه من الفقه فرض عين۔

اور اگر جہل سے نکلنے کا اور مخلوق کو نفع پہونچانے کا اور علم دین کے زندہ کرنے کا قصد کرے تو اس صورت میں بھی کہا گیا ہے اسکی نیت صحیح ہوگی جس شخص نے قرآن کا کچھ حصہ سیکھ لیا اور فرصت کا وقت پایا تو اس کو فقہ میں مشغول ہونا افضل اور بہتر ہے اسلئے کہ حفظ قرآن فرض کفایہ ہے اور فقہ کے ضروری مسائل کا سیکھنا فرض عین ہے۔

قال في الخزانة وجميع الفقه لا بد منه قال في المناقب عمل محمد ابن الحسن مائتي الف مسألة في الحلال والحرام لا بد للناس من حفظها۔ (شامی ص۲۶۱ ج ۵)

خزانہ میں کہا ہے کہ تمام فقہ ضروری ہے اور مناقب میں ہے کہ محمد بن حسنؒ نے دو لاکھ مسائل حلال وحرام کے لکھے ہیں کہ لوگوں کو ان مسائل کا یاد کرنا ضروری ہے۔

اب دوسری حدیث نقل کیجاتی ہے، سنیئے :-

عن ابی ذر قال قال	حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں
لی رسول اللہ صلی اللہ	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا
علیہ وسلم یا اباذر لان	کہ اے ابوذر اگر تم کہیں جاکر ایک آیت قرآن کی سیکھ لو
تغدو فتعلم آیۃ من	یہ تمھارے لئے سو رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے
کتاب اللہ خیر لک من ان	اور اگر تم کہیں جاکر ایک باب علم (دین)
تصلی مائۃ رکعۃ ولان تغدو	کا سیکھ لو خواہ اس پر عمل ہو یا نہو
فتعلم بابا من العلم عُمِلَ	یہ تمھارے لئے ہزار رکعت (نفل)
بہ او لم یعمل خیر من ان	پڑھنے سے بہتر ہے۔
تصلی الف رکعۃ	

(ابن ماجہ ص ۲۰)

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلم کے دو مرتبے قائم فرمائے ہیں ایک تو کتاب اللہ کی آیات کا یاد کرنا یہ بھی ضروری ہے اسلئے کہ قرآن کی حفاظت ضروری ہے۔ اسکا اللہ تعالےٰ نے ذمہ لیا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ الآیۃ (ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اسکے محافظ ہیں) میں اسی کی طرف اشارہ ہے - نیز قرأۃ قرآن نماز کا موقوف علیہ ہے پس قرآن کا یاد کرنا بھی علم ہی کا ایک شعبہ ہوا اور بھی مستقل فضیلت رکھتا ہے اسی لئے آپ نے اسکی بھی ترغیب دی اور فرمایا کہ ایک آیت کا یاد کرلینا سو رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے مگر ان آیات سے جو علوم اور احکام مستنبط ہوتے ہیں انکا سیکھنا حفظ قرآن سے بدرجہا بہتر اور افضل ہے اسلئے کہ یہ علوم و احکام تمام دین کا مبنیٰ (اور مدار) ہیں۔ شعائر دین کا علم ان سے وابستہ ہے اسی لئے اس میں اشتغال کی فضیلت زیادہ بیان فرمائی کہ علم

ایک باب سیکھ لینا ہزار رکعت نفل پڑھنے سے بہتر اور افضل ہے تاکہ لوگوں کو ان علوم کے سیکھنے کی طرف رغبت پیدا ہو اور اسکی طرف زیادہ توجہ کریں۔

اس حدیث میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فَتَعَلَّمَ بَابًا مِّنَ الْعِلْمِ فرمایا ہے اسکا مطلب نیز دونوں مرتبوں میں تفاوت (اور فرق) واضح طور پر سمجھ میں نہیں آرہا تھا شروح وحواشی کی طرف رجوع کیا گیا کہ شراح حدیث اسکی کیا تشریح فرماتے ہیں اور ان دونوں مرتبوں میں تفاوت کس طرح واضح فرماتے ہیں مگر کسی کتاب میں اس مقام کی پوری توضیح نہیں مل سکی۔ اتفاقاً آج شامی دیکھی تو غیبت کے متعلق ایک عجیب تحقیق پر نظر پڑی، اس میں غیبت کے متعلق احکام اور مسائل ہیں انکو خوب خوب بیان فرمایا ہے جس سے اس حدیث کا مطلب واضح طور پر ذہن میں آگیا، سنئے :-

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد لیجئے لَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا (تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کیا کرے) قرآن کی اس آیت کے سیکھنے کے دو درجے ہیں ایک تو یہ کہ آپ اس آیت کو یاد کر لیجئے تو یہ بھی ایک علم ہی ہے اس پر حضورؐ نے سو رکعت نفل سے زیادہ ثواب بیان فرمایا ہے رہا یہ کہ اس آیت کے مضمون کو بھی سمجھنا کہ غیبت کا مفہوم کیا ہے اسکے حدود کیا ہیں؟ کہاں غیبت جائز ہے کہاں نہیں اسکی کتنی قسمیں ہیں اسکے تفصیلی احکام سیکھنا یہ مستقل علم کا ایک باب ہے اسکے لئے محض آیت کا یاد کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ اسکا مطلب سمجھنا اور اور فقہاء کے کلام کی طرف رجوع کرنا انکی تصریحات سے اخذ کرنا ضروری و ناگزیر ہے

دیکھئے یہی آیت آپ لوگوں کو بہت دنوں سے یاد ہوگی مگر غیبت کا مفہوم اور اسکے تفصیلی احکام کچھ بھی نہ جانتے ہونگے علامہ شامیؒ کی اس تحقیق

کے بعد علم کا ایک باب مفتوح ہوگیا اور بصیرت حاصل ہوئی کہ فقہ آیت درجہ حفظ آیت سے چونکہ زیادہ ہے اسی وجہ سے اسکا ثواب دس گنا کر فرمایا ہے۔

اسی طرح یہ سمجھئے کہ ایک تو ہے کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ الآیۃ نماز قائم کرو اور زکواۃ دیا کرو) اس آیت کو یاد کر لیجئے یہ بھی ایک علم ہے اور اسکا ثواب سو رکعت کے برابر ہے لیکن ایک دوسرا علم یہ ہے کہ نماز و زکواۃ کے ارکان شرائط و واجبات کو سیکھیں اور یاد کریں۔ ظاہر ہے کہ سکے یاد کرنے میں بڑی محنت و دشواری ہے تو اسی اعتبار سے اسکا ثواب بھی محض حفظ آیت سے زیادہ ہوگا اسی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہزار رکعت سے بہتر ہے ۔ اب حدیث کے تحت جو کچھ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے اسے بعینہ مع ترجمہ کے نقل کیا جاتا ہے

قال المحشی :۔ الحدیث یدل علی ان تعلم العلم خیر من کثرۃ الاعمال لان تعلم آیۃ خیر من مائۃ رکعۃ و لہذا قال صلی اللہ علیہ وسلم العلماء ورثۃ الانبیاء ۔ و قال احمد الجامی للشیخ المودود الچشتی الصوفی الجاہل مسخرۃ للشیاطین فاذہب تعلم العلم اولاً ثم ارشد الناس الی سبیل الرشاد کما کان اباءک یفعلون	فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ علم کا سیکھنا کثرت اعمال سے بہتر ہے کیونکہ ایک آیت کا سیکھنا سو رکعت سے بہتر ہے اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ یعنی علماء انبیاء کرام کے وارث اور انکے جانشین ہیں) اور احمد جامی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ مودود چشتی سے فرمایا کہ جاہل صوفی شیطان کا کھلونا بنا رہتا ہے تم جاؤ پہلے علم سیکھ کر آؤ پھر لوگوں کے ارشاد (یعنی ہدایت و رہنمائی) کا کام کرو جیسے تمھارے آباء و اسلاف کرتے رہے ہیں۔
و دل الحدیث ایضاً علی ان العالم ان لم یعمل بعلمہ بحیث	اور یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ عالم اگر اپنے علم پر عمل نہ کر سکا اسلئے کہ

جاءه الموت بغتة او اشتغل في تعليم الناس بحيث فاته الاعمال جوزي بمثل ما جوزي العامل

اچانک موت آگئی یا لوگوں کی تعلیم و تربیت میں اسطرح مشغول ہوگیا کہ اس سے بہت سے اعمال (نافلہ) فوت ہوگئے تو اسکو وہی جزا او ثواب ملیگا جو ان اعمال کے کرنیوالے کو دیا جائیگا (مراد اس سے نوافل ہیں نہ فرائض)

ولذا قال فقهاءنا ان العالم اذا صار مرجعا للناس وسعه ترك السنن الرواتب ولم يجز له ان يخرج الى الغزوة والجهاد اذا لم يكن في البلد عالم غيره

اسی بنا پر ہمارے فقہا نے فرمایا ہے کہ عالم جب مرجع خلائق بن جائے تو اس کو سنن رواتب (یعنی سنت موکدہ) ترک کر دینے کی اجازت ہے اور اسکے لئے غزوات وجہاد میں جانا جائز نہیں جبکہ اس شہر میں کوئی دوسرا عالم موجود نہ ہو۔

وفي الحديث دليل ايضاً على ان تعلم العلم خير من تعلم القرآن اذا قرأ ما يصح به الصلواة بعشر درجة ولذا قال الفقهاء الحنفية يوم القوم اعلمهم بكتاب الله ثم اقرأهم به

نیز حدیث میں اس بات پر دلیل موجود ہے کہ علم کا سیکھنا قرآن کے سیکھنے سے دس درجہ بڑھا ہوا ہے جبکہ اتنا قرآن پڑھے ہوئے ہو جس سے نماز صحیح ہو سکے یہی وجہ ہے کہ ہمارے فقہائے حنفیہ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کی امامت وہی شخص کرے جو اعلم بکتاب اللہ ہو یعنی قرآن کے علوم و احکام سے زیادہ واقف ہو پھر جو اقرأ ہو یعنی زیادہ قرآن پڑھے ہوئے ہو۔

(انجاح الحاجۃ حاشیہ ابن ماجہ ص ۲۰)

اس میں حضرت مولانا عبد الغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ ذکر فرمایا ہے کہ عالم جب مرجع خلائق بنجائے تو اسے سنن رواتب کا ترک جائز ہے یہ حکم مطلقاً تمام سنن راتبہ کے لئے نہیں ہے بلکہ فجر کی سنت اس سے مستثنیٰ کی گئی ہے، نیز بقیہ سنن رواتب کا ترک بھی اسی وقت جائز ہوگا جبکہ طالبین علم اور مستفتین (یعنی فتویٰ لینے والے) اتنی کثرت سے اسکے پاس جمع ہو جاتے

ہوں کہ فتویٰ وغیرہ کے کاموں سے اسکو فرصت ہی نہ ملتی ہو البتہ فجر کی سنت اور اسی طرح جماعت کا ترک ایسے وقت میں کبھی جائز نہیں اب اسکے بارے میں فقہاء کی تصریحات پیش کیجاتی ہیں۔

فی البحر الرائق وفی النهاية قال مشائخنا العالم اذا صار مرجعا فی الفتوی يجوز له ترك سائر السنن لحاجة الناس الی فتواه الاسنة الفجر (البحر الرائق ص۵۲ ج ۲)۔ وهكذا نقل فی الفتاوی العالمگیریه ج ص۸۹۔ وفی در المختار ولا يجوز تركها لعالم صار مرجعا فی الفتاوی بخلاف باقی السنن (در مختار۔ قال الشامی (قوله فله تركها الخ) الظاهر ان معناه انه يتركها وقت اشتغاله بالافتاء لاجل حاجة الناس المجتمعين عليه وينبغی ان يصليها اذا فرغ فی الوقت وظاهر التفرقة بين سنة الفجر وغيرها انه ليس له ترك صلوة الجماعة لانها من الشعائر فهی آكد من سنة الفجر ولذا يتركها لو خاف فوت الجماعة وانا دما انه ينبغی ان يكون القاضی و طالب العلم كذلك لا سيما المدرس اقول فی المدرس نظر لان الطالب اذا فاته فوائد الدرس او بعضه تامل شامی

اہل و نااہل کا امتیاز

جب آپ نے علم کے شرف و فضل کو سمجھ لیا تو یہ سمجھئے کہ علم کو اسکے اہل ہی سے لینا چاہیئے ہر شخص اس درجہ کا نہیں ہوتا کہ اس سے علم اخذ کیا جائے۔ چنانچہ علامہ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے اسعاف المبطا میں تحریر فرمایا ہے کہ

قال معن ابن عيسى	معن ابن عیسیٰ نے کہا کہ حضرت امام مالکؒ
كان مالك يقول لا يوخذ	صاحبؒ فرماتے تھے کہ چار قسم کے لوگوں
العلم من اربعة و يوخذ	سے علم نہیں لینا چاہیئے بلکہ انکے علاوہ
من سوی ذلك لا يوخذ من	دوسروں سے لینا چاہیئے۔ بیوقوف[1] سے
سفيه۔ ولا يوخذ من	علم نہیں لینا چاہیئے۔ صاحب ہوئی[2] سے

صاحب ھوًی یدعوالناس الیٰ ھواہ ولا من کذاب یکذب فی احادیث الناس وان کان لا یتھم علی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا من شیخ لہ فضلٌ وصلاحٌ وعبادۃٌ اذا کان لا یعرف ما یُحدِّثُ

علم نہیں لینا چاہیئے جو کہ اپنی خواہش نفسانی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہو اور نہ جھوٹے سے جو لوگوں کے کلام میں جھوٹ بولتا ہو اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں متہم بالکذب نہ ہو۔ اور نہ ایسے شخص سے علم اخذ کیا جائے جو صاحب فضل اور صالح عابد تو ہے مگر جو حدیث بیان کرتا ہے اسکو خود نہیں پہچانتا۔

دیکھئے حضرت امام مالکؒ نے قاعدۂ کلیہ ہی بیان فرمایا کہ علم کن لوگوں سے لیا جائیگا اور کن لوگوں سے نہیں چنانچہ فرمایا کہ علم سفیہ (اور احمق) سے نہیں لیا جائے گا اور نہ صاحب ہویٰ سے جو اپنی اہوائے نفسانی کی طرف دعوت دیتا ہے اور نہ اس شخص سے لیا جائے گا جو کہ آپس کی باتوں میں جھوٹ بولتا ہے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں متہم بالکذب نہیں ہے اور نہ اس شیخ سے علم کو لیں گے جس کو فضل و صلاح و عبادت سب کچھ ہے مگر عقل وفہم کا یہ حال ہے کہ جسکی تحدیث کر رہا ہے (یعنی جو حدیث بیان کر رہا ہے) اسکو خود ہی نہیں سمجھتا۔

چنانچہ امام مالک صاحبؒ کے عہد مبارک میں بہت سے ایسے حضرات تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث کی تحدیث فرماتے تھے مگر امام مالک صاحبؒ نے ہر شخص سے علم حدیث اخذ نہیں فرمایا بلکہ بعض ہی لوگوں سے علم کیا جنکو اہل سمجھا چنانچہ اسعاف المبطأ ہی میں ہے کہ

قال اسماعیل ابن ابی اویس سمعت خالی مالکاً یقول ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذوا

اسماعیل ابن ابی اویس نے کہا کہ میں نے اپنے ماموں حضرت امام مالکؒ کو فرماتے سنا کہ یہ علم (کتاب و سنت) دین ہے تو دیکھو کہ اپنے دین کو کن لوگوں سے اخذ کرتے ہو

دینکم لقد ادرکت سبعین ممن یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند ھذہ الاساطین فما اخذت عنھم شیئا وان احدھم لو ائتمن علی بیت مال لکان بہ امینا لانھم لم یکونوا من اھل ھذا الشان فقدم علینا ابن شھاب فکنا نزدحم علی بابہ

میں نے ستر ایسے اشخاص کو پایا جو (مسجد نبوی کے) ان ستونوں کے پاس یہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مگر میں نے ان لوگوں سے کچھ اخذ نہیں کیا (اور حال انکی دیانت کا یہ تھا کہ) ان میں سے کسی کو اگر بیت المال کا امین بنا دیا جاتا تو اس پر امین ہی رہتا (ذرا خیانت نہ کرتا مگر) میں نے جو ان سے علم نہیں لیا تو اس لئے کہ وہ علم کی عظیم شان کے اہل نہ تھے، ہاں جب ابن شہاب آئے تو ہم لوگ انکے دروازے پر ازدھام کئے رہتے تھے۔ (تمہید)

دیکھا آپ نے امام مالک صاحبؒ یہ فرما رہے ہیں کہ ستر ایسے مشائخ کو پایا جو مسجد نبوی کے ستونوں کے پاس درس حدیث دیتے اور یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے یوں فرمایا مگر میں نے ان سے علم نہیں لیا! اسلئے کہ علم کی شان اعلیٰ و ارفع ہے ہر شخص اسکا اہل نہیں ہوتا کہ اس سے لے لیا جائے۔ ہر شخص پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ ٹھیک ٹھیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے دین کو ہم تک پہنچا دیگا اسکے لئے بڑی فہم اور قوت حافظہ کی ضرورت ہوتی ہے اسکے ساتھ ساتھ عدالت و دیانت سے بھی اسکو متصف ہونا چاہیئے۔ بہت کم لوگوں میں یہ صفات مجتمع ہوتی ہیں۔ امام مالک صاحبؒ نے ان حدیث بیان کرنے والوں میں دیانت کا تو ملاحظہ فرمایا کہ اگر بیت المال کے کے امین بنا دیئے جائیں تو واقعی امین ہی ثابت ہونگے ذرا خیانت نہ کریں گے مگر اس بات پر اطمینان نہیں تھا کہ احادیث کو سمجھکر یہ ٹھیک ٹھیک روایت کریں گے۔ میرا خیال ہے کہ امام مالک صاحبؒ نے پہلے ہی سے یہ رائے قائم نہ فرمائی ہوگی بلکہ پہلے ان حضرات کی خدمت میں حاضر ہوئے ہونگے

انکے درس میں شریک ہوئے ہوں گے جب انکے اندر تفقہ نہ دیکھا ہوگا تب یہ رائے قائم کی ہوگی کہ یہ لوگ اس لائق نہیں ہیں کہ ان سے علم دین أخذ کیا جائے اگرچہ صالح، دیانت دار وعبادت گذار ہیں۔ بھائی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ امام مالک صاحب کو مقتدا و پیشوا بنادیں اور آپ کے مسلک کو قیامت تک جاری رکھیں اسلئے آپ کو ایسے اساتذہ کی ضرورت تھی جو علم حدیث اور علم فقہ دونوں کے جامع ہوں مسائل و احکام کو آیات و احادیث سے استنباط و استخراج کرنے کی بھی انکے اندر صلاحیت ہو اسلئے کسی استاذ کے پاس آپکی طبیعت جمی ہی نہیں حتیٰ کہ ابن شہاب تشریف لائے جو جملہ علوم کے جامع تھے حدیث کو بھی جانتے تھے اور فقہ سے بھی بخوبی واقف تھے تو وہاں امام صاحب کی پیاس بجھی اور ان سے علم حاصل کیا۔

دیکھئے ابن شہاب کا فضل و کمال ایسا مسلّم تھا کہ ان کے دروازے پر بھیڑ لگی رہتی تھی

اب غور فرمائیے کہ امام صاحبؒ کے زمانہ میں تحدیث کرنے والے بہت سے حضرات تھے مگر اہل بعض ہی بعض تھے تو اب آپ لوگوں کا کیا خیال ہے کہ اس زمانہ میں سب اہل ہی ہیں کوئی نااہل ہے ہی نہیں ؟ جس سے چاہیں علم دین حاصل کریں کوئی شرط نہیں ؟ مگر علم دنیا میں تو ایسا نہیں ہوتا اس میں بڑی چھان بین ہوتی ہے امتحانات ہوتے ہیں جس کو اہل سمجھا جاتا ہے اسی کو مدرس اور معلم بنایا جاتا ہے سب کو نہیں تو علم دین ہی میں کیوں یہ بے اصولی اور بے قاعدگی ہے ؟ حالانکہ علم دین کو تو لینے میں اور زیادہ احتیاط کرنا چاہئے جیسا کہ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ علم خود بھی دین ہے، لہٰذا تم دیکھو کہ اپنے دین کو کس شخص سے لے رہے ہو۔

(جاری)

(۳۶) ایک طالب کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ کوہ کندن و کاہ برآوردن (پہاڑ کھودنا اور گھاس نکالنا) سنا کرتے تھے مگر دیکھا نہ تھا آج اس سے زیادہ مشاہدہ ہوا کہ کوہ کندن تو ہوا اور کاہ بھی ہاتھ نہ آیا۔ تمام خط کو بڑی محنت سے پڑھا مشکل سے پرچوں کا ارتباط سمجھ میں آیا اور حاصل اسکا بجز چند حکایات کے کچھ نہ معلوم ہوا۔ خط تو وہ ہے جسمیں کوئی بات استفادہ کی ہو یا افادہ کی ہو صرف ایک مضمون البتہ کسی درجہ میں جواب طلب ہوسکتا ہے یعنی خواب کی تعبیر جو پوچھی ہے سو غالباً آپ کو معلوم ہوگا کہ مجھکو خواب سے دلچسپی نہیں نہ تعبیر سے مناسبت نہ اپنے جلیسوں کے خواب کو قابل تعبیر سمجھتا ہوں۔

(ف) اس سے حضرت والا کی نفرت زوائد اور فضولیات سے اور عدم دلچسپی خوابات و تعبیر خوابات سے ثابت ہوئی جو دلیل ہے عدم اعتنار بالرویا رکی۔

(۳۷) کسی مرید نے دریافت کیا کہ میری بہن کی لڑکی کی شادی ہے اور وہ کہتی ہے کہ تم چلو۔ اور وہاں رسم بھی ہوگی تو بوجہ رسم کے جانا تو دل کو گوارا نہیں مگر ایک بات دریافت کرتا ہوں کہ کچھ دینا چاہیئے یا نہیں اگر دینا مناسب ہو تو پہلے جاکر دے آؤں اور جو لوگ بیاہ ختنہ میں دعوت کرتے ہیں وہ کھالیا کروں یا نہ کھاؤں۔ اور ایک میری لڑکی ہے اسکے دینے کا مجھ پر کچھ حق ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ دنیا داروں کا کچھ اعتبار نہیں ہے اسلئے جہاں تک ہو وہاں جانے کو ٹال دو اور تقریبات کی دعوت کو جو پوچھا ہے اگر اس میں کوئی خرابی رسم کی بھی نہ ہو تب بھی یہ تو ضرور ہے کہ جبکا کھاؤ گے اسکو کھلانا بھی پڑے گا اور یہی جڑ ہے تمام رسموں کی اسلئے اسکو بھی ٹال دینا بہتر ہے مگر دل شکنی کسی کی مناسب نہیں لطافت سے کوئی حیلہ کر دینا چاہیئے اور کسی عزیز کے ساتھ احسان کرنا اگر بصورت رسم کے نہو تو مضائقہ نہیں لیکن اسکے لئے خود جانے کی

کیا ضرورت ہے یہاں سے کبھی تو بلا سکتے ہو اور تم جو لڑکی کا حق پوچھتے ہو کس قسم کا حق مراد ہے۔ واجب یا غیر واجب اور تمہاری بی بی نے کچھ تمہاری شکایتیں لکھی تھیں میں نے تم سے اسکی معرفت تحقیق کبھی کی تھی معلوم نہیں اس نے وہ خط تمکو دکھلایا کہ نہیں ان شکایتوں کی کیا اصل ہے کیا وہ بالکل جھوٹی ہیں یا کچھ سچی بھی ہیں؟

(ف) اس ملفوظ کے تمام اجزاء سے شان تربیت اور شفقت علی الصغار اظہر من الشمس ہے۔

(۳۸) ایک صاحب نے لکھا کہ لڑکیوں کی شادی کی بہت فکر ہے کوئی نسبت حسب دلخواہ نہیں آئی جو عقد کیا جاوے۔ اگر کہیں سے داڑھی والے والے لڑکے کی بات آتی ہے تو نہایت مفلوک الحال ظاہر ہوتے ہیں اور جس کو وال روٹی سے خوش دیکھا جاتا ہے تو وہاں داڑھی صفا چٹ کئی جگہ محض اس وجہ سے انکار کردیا گیا۔ دعا کیجئے حق تعالیٰ آبرو رکھیں اور اس معاملہ میں شرمندگی کی نوبت نہ آئے۔ ہر شخص کہتا ہے کہ میاں اس خیال کو چھوڑو آجکل داڑھی بہت مشکل سے ملے گی۔ جواب تحریر فرمایا واقعی بڑی مشکل ہے۔ میں پختہ رائے تو دیتا نہیں لیکن میرا خیال یہ ہے کہ اس زمانہ میں پوری دینداری داڑھی والوں میں بھی نہیں پس ایک داڑھی منڈانے کا گناہ کر رہا ہے دوسرا شہوت پرستی کا گناہ کر رہا ہے تو نری داڑھی لیکر کیا کریں گے۔ اگر ہو تو حقیقی دینداری ہو جو بہت عنقا ہے پس اس صورت میں اگر اس میں تھوڑی سی وسعت کی جاوے یعنی صرف دو چیزوں کو دیکھ لیا جاوے ایک یہ کہ عقائد اسلامیہ میں شک وشبہ یا تمسخر اور استہزاء سے پیش نہ آوے۔ دوسرے طبیعت میں صلاحیت ہو کہ اہل علم اور بزرگوں کا ادب کرتا ہو، نرم خو ہو کہ اپنے متعلقین کے حقوق ادا کرنے کی اس سے توقع ہو اور گنجائش مالی

بقدر ضرورت ہونا تو ضروری ہی ہے تو ایسے شخص کو گوارا کرلیا جاوے پھر جب آمد و رفت اور میل جول اور مناسبت ہوگی تو ایسے شخص سے بعید نہیں کہ اس داڑھی کے معاملہ میں بھی اسکی اصلاح ہو جائے۔

(ف ۱) اس سے حضرت والا کی سہولت پسندی، رفق و نرم خوئی، کمال شفقت جامعیت ذرا تامل سے ثابت ہے

(۳۹) ایک مرید نے حضرت والا سے تین سو روپیہ قرض ملنے کے باب میں مشورہ کیا تھا تو آنحضرت نے جواباً فرمایا کیا آپ نے مجھ سے تعلق انہی اغراض دنیویہ کے لئے پیدا کیا ہے۔ افسوس یہ تو نہ ہوا کہ کوئی دین کی خدمت مجھ سے لیتے مجھ سے تین سو روپیہ قرض ملنے کے بارے میں مشورہ کیا جاتا ہے اور اس سے بڑھکر وہ حکایت ہے (اگر صحیح ہو ورنہ خیر) حکایت یہ ہے کہ آپ نے نواب ڈھاکہ سے اپنا تعلق مجھ سے ظاہر کرکے روپیہ مانگا اگر یہ حکایت غلط ہے تو میں راوی سے آپ کے منہ پر کہلوا سکتا ہوں اگر آپ نے اس پر بھی تکذیب کی تو پھر میں یوں سمجھوں گا کہ ایک سچ کہتے ہیں دوسرے کو سہو ہوا، باقی سچ بولنے والے کی تعیین کرونگا نہ صاحب سہو کی۔

(ف) اس سے حضرت والا کا کمال احتیاط و تقویٰ اور مریدوں پر شفقت و رافت ثابت ہوئی۔

(۴۰) کسی صاحب نے لکھا کہ حضور کی خدمت میں رہکر اصلاح نفس اور مرض باطنی کا علاج چاہتا ہوں اور بال بچوں کو بھی ہمراہ لانا چاہتا ہوں اس لئے ایک مکان کی ضرورت ہوگی۔ اس پر فرمایا کہ خود آنا یا گھر والوں کو لانا دونوں امر کے لئے یہ شرط ہے کہ کسی کا قرض نہ کرنا پڑے کسی ضروری کام میں حرج نہ ہو گھر والوں کے حقوق تلف نہ ہوں اگر ان سب شرائط کی طرف سے اطمینان ہو تو اس صورت میں تفصیل یہ ہے کہ گھر والوں کو

خود بھی آنے کا شوق ہو تب تو انکو ہمراہ لا دیں۔ مکان کا انتظام عین وقت پر انشاء اللہ ہو جاوے گا اور اگر از خود شوق نہو تو لانا مناسب نہیں۔

(ف) اس سے بھی آنحضرت کی کمال شفقت اور حدود شرعیہ کی رعایت ثابت ہوئی۔

(۴۱) ایک صاحب نومسلم جنھوں نے اپنے آپ کو الہ آباد کا ساکن ظاہر کیا حاضر خدمت حضرت والا ہوئے اور یہ مسئلہ پیش کیا کہ انکے والد نے جو کہ ہنوز کفر پر قائم ہیں تمام جائداد اپنے دوسرے بیٹوں کو جو کافر ہیں دیدی اور انکو نہ دی۔ اس پر نومسلم نے بیرسٹروں وغیرہ سے رائے لی تو معلوم ہوا کہ انکو قانوناً مل سکتی ہے۔ پھر انھوں نے علماء سے رجوع کیا چنانچہ حضرت والا کی خدمت میں بھی بغرض استمداد حاضر ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ قانونِ اسلام کی رو سے اجازت نہیں کہ آپ زبردستی اپنے والد کی جائداد میں سے حصہ لیں آپ کے والد کی چیز ہے انھیں اختیار ہے چاہے جس کو دیں جس کو نہ دیں آپ کو ملنے کی کوشش بالکل نہ کرنا چاہئے جس اللہ کو راضی کرنے کے لئے آپ نے دین حق یعنی اسلام قبول کیا اب آپ پرایا مال لیکر اسے ناراض کرنا چاہتے ہیں تو پھر کیا فائدہ ہوا ہم اس میں کسی قسم کی امداد نہیں کر سکتے۔ اس پر ان نومسلم نے عرض کیا کہ مل تو سکتی تھی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ میری بات آپ کے ذہن میں نہیں آئی ورنہ آپ یہ نہ کہتے کہ مل تو سکتی ہے ایک چور چوری کرے اور اسکو پورا یقین ہو کہ میں چوری کے مال پر قابض ہو جاؤں گا تو کیا قانوناً اس کے واسطے چوری جائز ہو سکتی ہے ہرگز نہیں پس اسی طرح اسکو سمجھ لیجئے۔ بیرسٹروں اور وکیلوں نے ان نومسلم سے کہدیا تھا کہ کافروں کا مال جس طرح ہو سکے لینا جائز ہے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اگر ڈکیتی جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ قانون اسلام میں

میں یہ بالکل ڈکیتی ہے کیا کوئی ڈاکہ ڈالنے کی اجازت دے سکتا ہے پھر فرمایا کہ نئی روشنی کے لوگوں کا یہ اسلام ہے انکو احکام اسلامی سے کچھ مطلب ہی نہیں۔ پھر ان نومسلم سے فرمایا کہ آپ خدا پر بھروسہ کرکے اپنی قوت بازو سے کما کر کھائیے ان کے مال پر نظر نہ کیجئے کیا دنیا میں سب جائداد والے ہی ہیں ہزار میں دو تین صاحب جائداد ہونگے ورنہ سب بیچارے غرباء ہی زیادہ ہیں۔ اللہ پاک سب کو کھانے پہننے کو دیتے ہیں۔ پھر ان نومسلم صاحب نے کہا کہیں آج رات کو یہاں قیام کر سکتا ہوں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ میں آپ کے اس بے تکلفی کے سوال سے بہت خوش ہوا آپ قیام تو سرائے میں فرمادیں اور اگر خرچ وغیرہ کی کچھ کمی ہو تو وہ مجھ سے لے لیں۔ انھوں نے کہا کہ نہیں خرچ تو میرے پاس موجود ہے اور یہ کہکر وہ نومسلم حضرت کی خدمت سے چلے گئے ان کے جانے کے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ یہ صاحب بیباک بہت تھے بے تکلف جرأت کے ساتھ بولتے تھے یہ انکی بیباکی کچھ شکوک پیدا کرتی ہے اسلئے میں انکے ساتھ بالکل بے مروتی سے پیش آیا۔

(ف) اس سے حضرت والا کا استغناء، تجربہ، فراست صحیحہ، حقائق شناسی ثابت ہوئی۔

(۴۲) فرمایا کہ مجھے اپنا قصہ بچپن کا خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ نکلا ہوا جارہا تھا دو شخص آپس میں میری بابت کہنے لگے کہ اس نے تو بالکل خاندان کی عزت ڈبو دی نائی کو بھی السلام علیکم، قصائی ملے اسکو بھی السلام علیکم، سقہ ملے اسکو بھی السلام علیکم، غرضیکہ ہر شخص کو السلام علیکم ہی کرتا ہے خواہ کوئی ہو۔ پھر فرمایا کہ لوگ بس اسکو عزت سمجھتے ہیں کہ فرعون سے بڑھکر آپ کو سمجھے۔

(ف) اس سے حضرت والا کی تواضع، اتباع سنت اظہر من الشمس ہے

(۴۳) ایک مرتبہ قبل نماز عصر حضرت والا کی مجلس میں تنہائی تھی صرف بندہ (یہ جامع) بیٹھا ہوا تھا کچھ تذکرہ ایصال ثواب کا آیا کہ ایصال ثواب سے مُوْصِل (ایصال ثواب کرنے والے) کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوتی بلکہ اس ایصال کا ثواب الگ مزید ملتا ہے نیز جن جن کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے سب کو اتنا اتنا ثواب مل جاتا ہے اسکی تائید میں مولانا رومیؒ کا یہ شعر پڑھا ہے

در معانی قسمت وافراد نیست در معانی تجزیہ اعداد نیست

(معانی کے اندر تقسیم اور افراد نہیں ہیں نہ حصے بخرے اور اعداد ہی ہیں۔)

(اسکے متعلق عجیب وغریب مدلل تحقیق باب دوم نمبر ۲۷ میں ہے)

اسکی حسی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک چراغ سے ہزار چراغ روشن ہو سکتے ہیں اور ایک استاد ایک وقت میں سو شاگردوں کو تعلیم دے سکتا ہے نہ اس چراغ کی روشنی میں کچھ کمی آتی ہے نہ استاد کے علم میں اسکے بعد بندہ (جامع) نے کہا کہ حضرت میں تو روزانہ ہر وقت کے اذکار و نوافل کا ثواب سب اعزا و اقربا و مسلمین و مسلمات احیاء و اموات کو بخشدیتا ہوں ہاں جن سے خصوصیت ہے انکا نام بھی خاص طور سے لے لیتا ہوں کہ اس سے تسلی زیادہ ہوتی ہے چنانچہ حضرت والا کا بھی نام لے لیتا ہوں اس پر فرمایا کہ ہاں بھائی حق تعالیٰ نے جس طرح ہمارا رزق حسی دوسروں کے واسطہ سے رکھا ہے اسی طرح رزق باطنی بھی دوسروں کے ہاتھ رکھا ہے۔

(ف) اس آخری جملہ سے حضرت والا کا کمال تواضع اور انکسار و افتقار و توحید و شکر و امتنان ثابت ہے۔

(۴۴) فرمایا کہ بعض لوگ مجھے خطوط میں گالیاں لکھکر بھیجتے ہیں مگر میں کچھ خیال نہیں کرتا ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتا ہوں۔ پھر فرمایا کہ غیر مرید کا تو مجھے کچھ خیال نہیں ہوتا، لبتہ اگر مرید سے کوئی بیجا بات ہو تو اس سے ضرور سختی کرتا ہوں۔ چنانچہ شیخؒ نے بھی لکھا ہے۔ شعر۔ ناز برآں کن کہ خریدار تست۔

(ف) اس سے حضرت والا کا کمال تواضع، عفو و حلم و حسن خلق و تربیت مریدین ثابت ہے۔

(۴۵) فرمایا کہ اگر اطاعت حق کرنے والے کو لوگ طعن و ملامت کریں تو کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیئے یہ ملامت پختگی کا ذریعہ ہے۔ مصرع۔ خوشا رسوائی کوئے ملامت
پھر فرمایا کہ ضد ہی کی بدولت بعد پیدا ہوتی ہے

(ف) اس سے حضرت والا کی حکمت و شان تحقیق ثابت ہوئی

(۴۶) ایک حاجی صاحب کے یہاں ولیمہ تھا انھوں نے کھانا مدرسہ میں بھیجدیا تھا فرداً فرداً دعوت نہ کی تھی۔ حضرت والا نے فرمایا میں نے ہی ان کے پوچھنے پر ان سے کہدیا تھا کہ کسی کی بھی دعوت نہ کرو اس میں ایک تو سب سے کہنے کی دقت سے بچ جاؤ گے دوسرے یہ کہ کسی کو شکایت نہ ہوگی جہاں دل چاہے کھانا بھیج دینا اگر بے وقت پہونچے گا دوسرے وقت کھالیں گے۔

(ف) اس سے حضرت والا کی حکمت، لطافت فہم، سادگی، مراعات اصحاب ثابت ہے۔ (یہ ملفوظ نمبر ۳ میں گذر چکا ہے۔)

(۴۷) ایک مولوی صاحب نے مثنوی شریف کے اس شعر کا مطلب دریافت کیا ؎ چشم بند و گوش بند و لب بہ بند۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اس میں مولانا رحؒ کی مراد اشغال نہیں ہیں بلکہ نامرضیات حق سے پرہیز کرنا ہے یہ اشغال تو صوفیہ نے بہت اخیر زمانہ میں جوگیوں سے لئے ہیں اور اس میں کچھ حرج بھی نہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل فارس کی حکایت سنکر خندق کھدوائی بوجہ مفید ہونے کے۔ اور اشغال تو بہت ادنیٰ درجہ کی چیز ہیں۔ اور آجکل تو بزرگوں نے اکثر انکو چھوڑ دیا ہے کیونکہ لوگوں پر ضعف غالب ہے اور اشغال سے دماغ و معدہ وغیرہ سب خراب ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ اس میں ہلاک ہو گئے اور حضرت مولانا رومؒ کے زمانے میں تو اشغال تھے بھی نہیں یہ تو بہت آخر زمانہ کی ایجاد ہے۔

(ف) اس سے شان تحقیق اظہر من الشمس ہے

(۴۸) فرمایا کہ لباس کا یہ معیار ہے کہ ایسا لباس پہنے کہ خود اسکی طرف مشغولیت نہ ہو یعنی اپنی اس پر نظر نہ پڑے اگر کوئی نواب دو سو دو سو روپے کا جوڑا پہن لے تو وہ اسکی طرف کچھ بھی توجہ نہ کرے گا. بخلاف معمولی غریب آدمی کے کہ اگر وہ پانچ روپیہ کا بھی پہن لے گا تو اسکے پھول بوٹوں کو ہی دیکھا کرے گا اسلئے اسکے لئے دو سو روپیہ کا جائز اور اسکے لئے پانچ کا ناجائز پھر فرمایا کہ اگر اسی طرح کوئی شخص بہت ہی ادنیٰ درجے کے کپڑے پہنے تو اسکا قلب بھی ضرور کہیں مشغول ہو جائے گا اول تو یہ خیال کرے گا کہ میں بہت ذلیل وخوار ہو گیا، دوسرے یہ کہ میں ایسا نفس مردہ ہوں کہ مجھے کچھ پرواہ نہیں اپنی عزت کی بس یہ بھی مشغولی ہے۔

(ف) اس میں بھی حکمت، شان تحقیق، معرفت دقیقہ ثابت ہے۔

(۴۹) فرمایا کہ میں نے اعمال قرآنی کو اسوجہ سے لکھدیا کہ لوگ کافروں، جوگیوں وغیرہ کے پھندے میں نہ پھنسیں اور حدیث و قرآن ہی میں مصروف رہیں ورنہ مجھے تعویذ گنڈوں سے زیادہ دلچسپی نہیں، ورنہ میں اس فن کا آدمی ہوں۔

(ف) اس سے حضرت والا کا تنفر عملیات سے معلوم ہوا۔

(جاری)

پند نامہ عجیب کتاب ہے اسکو دستور العمل بنانا چاہیئے اس سے اصلاح کا زیادہ حصہ طے ہوجاتا ہے بس دریا کو کوزہ میں بھر دیا ہے۔ شیخ عطارؒ نے یہ کتاب تالیف کرکے مولانا رومیؒ کے والد صاحب کو دی تھی کہ اپنے صاجزادے کو یہ کتاب پڑھائیے گا اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ یہ کیسی کتاب ہے۔ مولانا رومیؒ نے بھی شیخ عطارؒ کی کتاب کی بہت مدح فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ہفت شہر عشق را عطار گشت ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

(عشق کے ہفت اقلیم کی سیاحت حضرت عطارؒ کر چکے ہیں اور ابھی ہم اسکے ایک ہی کوچہ کے خم و پیچ مین بھٹک رہے ہیں)

یعنی بہت ہی بڑے عارف ہیں جنھوں نے عشق کے تمام طبقے طے کر لئے ہیں سوا تنا بڑا محقق کہتا ہے ؎

دل ز پر گفتن بمیرد در بدن گرچہ گفتارش بود در عدن

پرگفتن کے معنی بہت بک بک کرنا اور در عدن سے مرا د کھڑک دار کلام یعنی چاہے ظاہر میں کلام کیسا ہی خوش نما اور بھڑک دار ہو مگر زیادہ کلام سے دل ضرور مرجاتا ہے۔

صاحبو! آخر اسکی کچھ تو وجہ ہے کہ ہم نماز بھی پڑھتے ہیں، وضو بھی کرتے ہیں مگر پھر بھی ہمارے دل میں نور نہیں پیدا ہوتا حالانکہ نماز کے انوار اس قدر ہیں کہ شاید ہی کسی عبادت کے انوار اس قدر ہوں اسی طرح وضو کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ وضو کے ہر قطرۂ پانی کے ساتھ گناہ جھڑ جاتے ہیں نیز آپؐ نے صحابہؓ سے دریافت فرمایا کہ اگر کسی شخص کے گھر کے پاس نہر جاری ہو جس میں وہ پانچوں وقت غسل کرتا ہو تو کیا اس کے بدن پر کچھ بھی میل رہ جائے گا؟ صحابہ نے عرض کیا کچھ بھی نہیں حضورؐ نے فرمایا کہ اسی طرح مسلمان جب پانچوں وقت وضو کرکے نماز پڑھتا

ہے تو وہ گناہوں سے ایسا ہی پاک ہو جاتا ہے۔ پھر حیرت ہے کہ ہمارے دل میں نہ نماز سے نور پیدا ہوتا ہے نہ وضو سے آخر اسکی وجہ کیا ہے ؟ تو خوب سمجھ لو کہ نور تو پیدا ہوتا ہے مگر وہ نور ذرا سا ہوتا ہے کیونکہ ہمارے قلوب پہلے ہی سے شفاف نہیں پھر نماز و وضو بھی ایسے ہی معمولی طور پر ادا کرتے ہیں لیکن پھر بھی جسقدر نور پیدا ہوتا ہے وہ ہماری ان فضول اور لغو باتوں سے زائل ہو جاتا ہے حتیٰ کہ دوسری نماز کے وقت کچھ بھی نور باقی نہیں رہتا پھر دوسری نماز سے کچھ نور پیدا ہوا وہ اس کے بعد لغویات کا شکار ہو گیا۔ یہی قصہ روزانہ چلتا رہتا ہے جیسا کہ مولانا رومؒ نے مثنوی میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک چور چوری کرنے گیا تھا جب کچھ آہٹ ہوئی تو مالک کی آنکھ کھل گئی پہلے زمانہ میں دیا سلائی تو تھی نہیں جس سے فوراً چراغ روشن ہو جائے چقماق سے کام لیا کرتے تھے اس نے ایک سوکھی لکڑی پر چقماق سے چنگاری جھاڑی وہ چور بھی قریب آبیٹھا جب وہ چنگاری ستارہ کی طرح چمکی اور لکڑی پر پڑی اس نے فوراً اپنا انگوٹھا اس جگہ رکھدیا وہ گل ہو گئی۔ غرض جب وہ ستارہ جھڑتا چور اس جگہ انگوٹھا رکھدیتا جس سے آگ بڑھنے نہ پاتی مولانا فرماتے ہیں ؎

بس ستارہ آتش از آہن چکید (اس جگہ کے شعر یاد نہیں آئے)
(کتنی چنگاریاں چقماق کی رگڑ سے ظاہر ہوئیں)

بغل کا چور

مولانا فرماتے ہیں کہ نماز وضو وغیرہ سے نور تو ضرور پیدا ہوتا ہے کیونکہ خدا و رسول کا فرمان سچا ہے مگر ہماری بغل میں چور بیٹھا ہوا ہے جہاں ذرا نور پیدا ہوا وہ فوراً انگوٹھا رکھدیتا ہے جس سے نور بڑھنے نہیں پاتا بلکہ جس قدر پیدا ہوتا ہے ساتھ کے ساتھ گل ہو جاتا ہے۔ صاحبو! وہ چور کا انگوٹھا یہی ہماری فضول ولغو باتیں

بس سے طاعات کا نور سلب ہو جاتا ہے اول تو ہماری طاعات میں نور ہی کہاں اسکی مثال تو پہلے ہی سے ایسی ہو رہی ہے جیسے کوئی منہیار جوڑیاں لئے جا رہا تھا ایک گاؤدی نے اس میں لاٹھی کا کھودا مار کر پوچھا کہ میاں اس میں کیا چیز ہے؟ ان گنواروں کی عادت ہوتی ہے کہ لاٹھی کا کھودا مار کر پوچھا کرتے ہیں، منہیار نے کہا کہ ایک کھودا اور مار دو تو کچھ بھی نہیں یعنی آہیں ایسی نازک چیز ہے کہ دوسری مار میں ختم ہو جائے گی یہی حال ہمارے نور کا ہے کہ بس شیطان کی ایک ضرب لگ جائے تو کچھ بھی نہیں نہ کہ اس پر اتنی ضربیں پڑتی ہوں کہ ہم رات دن فضول باتیں کر کے پھونکیں مار مار کے خود ہی اسکو گل کرتے ہوں، صاحبو! نور بڑھتا ہے دھونکنے سے، شیطان ہماری دھونکنی چرا کر لے گیا ہے اسلئے وہ بڑھنے نہیں پاتا پھر جس قدر پیدا ہوتا ہے وہ ساتھ ساتھ بجھتا جاتا ہے۔ جمع نہیں ہونے پاتا اسلئے ہم کورے کے کورے رہ جاتے ہیں۔ بعض ذاکرین شکایت کیا کرتے ہیں کہ ہم کو ذکر سے نفع نہیں ہوتا دل میں نور نہیں آتا اسکا جواب یہی ہے کہ نور کہاں سے پیدا ہو جب تم ایک گھنٹہ ذکر کر کے چار گھنٹے فضول بک بک میں لگاتے ہو وہ جس قدر بھی پیدا ہوتا ہے تم اس سے زیادہ ظلمت پیدا کر دیتے ہو۔ دیکھو حوض میں اس وقت پانی ہو سکتا ہے جبکہ نیچے کی ڈاٹ بند ہو اور اگر ڈاٹ کھلی ہوئی ہوگی تو تم اوپر سے پانی بھروگے اور نیچے سے وہ نکلتا رہے، حوض خالی کا خالی رہیگا اور اگر پانی کے ساتھ خس و خاشاک بھی بھرتے رہوگے تو وہ آٹ جائے گا . . . . اور کیچڑ جمع ہو کر سڑاہند پیدا کر دے گا پھر چند دنوں میں پانی خشک ہو جائیگا اور کوڑا ہی کوڑا رہ جائے گا۔ بعض ذاکرین ایسے بھی ہوتے ہیں کہ وہ زیادہ بک بک نہیں کرتے مگر ان کو ذکر سے اسلئے نفع نہیں ہوتا کہ ان میں کبر، حب جاہ بھری ہوتی ہے حضرت شبلیؒ

کے ایک مرید نے ان سے شکایت کی کہ ذکر سے نفع نہیں ہوتا شیخ نے اسکو کچھ اور بتلا دیا، اس نے پھر شکایت کی، آپ نے کچھ اور بتلا دیا، جب بار بار شکایت کی تو شیخ نے توجہ سے مرض دریافت کیا معلوم ہوا کہ اس میں کبر ہے آپ نے اسکے علاج کی تدبیر کی فرمایا کہ یہ اخروٹوں کا ٹوکرا فلاں محلہ میں اپنے سر پر رکھکر لے جاؤ (اس محلہ میں اسکے معتقدین زیادہ تھے) اور لوگوں سے کہنا کہ تمھارے سر پہ دھولیں ماریں اور فی دھول ایک اخروٹ لے لیں۔ اس نے کہا اللہ اکبر میں ایسا کروں۔ شیخ نے فرمایا اے شخص یہ وہ کلمہ ہے کہ اگر کافر صد سالہ اسے کہتا تو مومن ہو جاتا مگر اس وقت تو اس کے کہنے سے کافر ہوگیا۔ کیونکہ اس نے اللہ اکبر اس لئے نہیں کہا تھا کہ خدا کی بڑائی بیان کرے بلکہ اپنی بڑائی بیان کرنے کے لئے اللہ اکبر کہا تھا۔

عارفین نے لکھا ہے کہ سالک کے سر پر سے تکبر تمام امراض کے بعد نکلتا ہے ہے اور جہاں یہ خبیث مادہ نکلا پھر وہ بہت جلد واصل ہو جاتا ہے تو گویا خدا اور بندے کے درمیان صرف خودی حائل ہے یہ خودی جاتی رہے تو پھر کوئی حجاب نہیں۔ عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

میان عاشق ومعشوق ہیچ حائل نیست

تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

(عاشق اور معشوق کے درمیان کوئی آڑ نہیں ہے حافظ تم خود اپنے حجاب ہو درمیان سے ہٹ جاؤ)

قرب الی اللہ حضرت بایزیدؒ نے ایک مرتبہ حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا موقع اچھا تھا انھوں نے موقع کا سوال بھی کیا عرض کیا یَا رَبِّ دُلَّنِیْ عَلٰی اَقْرَبِ الطُّرُقِ اِلَیْکَ" یعنی مجھکو ایسا راستہ بتلادیجیے جو آپ کی طرف پہونچنے کے لئے سب سے زیادہ نزدیک ہو" وہاں سے ارشاد ہوا یَا اَبَا یَزِیْدَ دَعْ نَفْسَکَ وَتَعَالَ" اے بایزید بس اپنے نفس کو چھوڑ دو

اور چلے آؤ" مطلب وہی ہے کہ خودی اور کبر کو زائل کردو پھر کوئی حجاب نہیں۔ واقعی بہت ہی مختصر اور قریب راستہ بیان فرمایا اور حق تعالےٰ سے زیادہ اس بات کو کون بتلا سکتا ہے تو یہ کبر وہ بلا ہے جسکی وجہ سے سارا ذکر و شغل بیکار ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ کے مرید کو ذکر و شغل سے نفع نہ ہوتا تھا شیخ نے بہت سی تدابیر کیں مگر سب بیکار ثابت ہوئیں آخر ایک دن انھوں نے اسکو بلا کر پوچھا کہ بھائی تم جو ذکر و شغل کرتے ہو اس میں تمھاری نیت کیا ہے کہنے لگا کہ میری نیت یہ ہے کہ حق تعالےٰ میری اصلاح کر دیں تو میں دوسروں کی اصلاح کروں مخلوق کو نفع پہونچاؤں۔ فرمایا کہ "اب چور معلوم ہوا" تم پہلے ہی بڑے بننے کی فکر میں ہو اس لئے نفع نہیں ہوتا اس خیال کو دل سے نکالو اور مخلوق کے نفع کو چولہے میں ڈالو محض رضائے حق کی نیت رکھو اور تمام خیالات دل سے دور کرو، چنانچہ وہ شخص طالب تھا نیت درست کرلی اگلے ہی دن سے نفع شروع ہو گیا۔ خوب سمجھ لو یہ حُبِ ریاست کھلی بڑا سدِ راہ ہے لوگ ذکر شروع کرکے اگلے ہی دن سے پیر بننے کے خواب دیکھنے لگتے ہیں ایسی مثال ہے جیسے لڑکا بلوغ سے پہلے ہی باپ بننا چاہے تو بجز اسکے کہ اپنی صحت کو خراب کرلے گا اور کچھ نفع نہ ہوگا ؎

اے بیخبر بکوش کہ صاحب خبر شوی تا راہ بیں نباشی کے راہبر شوی

(اے بے خبر! جدوجہد کرتا کہ صاحب بصیرت ہو جاؤ جب تک خود ہی راستہ نہ دیکھے ہوگے تو راستہ بتانے والے کیسے ہو جاؤگے)

در مکتب حقائق پیش ادیبِ عشق ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

(حقیقت کے مدرسہ میں معلم عشق کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرو) یاد رکھو اے لڑکے کوشش کرتے رہو ایک روز باپ (اور صاحب کمال ہو جاؤ گے)

اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ یہ کبر کیسی مضر چیز ہے سالکین اپنے ان امراض کی اطلاع تو شیخ کو کرتے نہیں انکو تو بلی کے گوہ کی طرح چھپاتے ہیں کیونکہ ڈرتے ہیں کہ انکا علاج کیا جائے گا اور وہ علاج انکو ناگوار ہوگا جیسے جیسے حضرت شبلیؒ نے اس مرید کا علاج کیا تھا کہ فی دھول ایک اخروٹ بانٹتے جاؤ اور دھولیں کھاتے جاؤ۔ پھر شیخ کی شکایت بیجا کرتے ہیں کہ ہم کو اتنے دن سر رگڑتے ہوگئے ہیں نفع ہی نہیں ہوتا، کچھ توجہ ہی نہیں فرماتے وہ توجہ کیا خاک کریں جب تک یہ متعفن مادّہ مسہل کے ذریعہ سے نہ نکالا جائے اسوقت تک توجہ کبھی نفع نہیں دے سکتی۔ اطبار لکھتے ہیں کہ جب مزاج پر کسی خلط کا غلبہ ہوتا ہے تو دودھ مضر ہوتا ہے کیونکہ یہ لطیف غذا ہے جلد خلط غالب کی طرف مستحیل ہوجاتا ہے۔ دودھ کا نفع جب ہی ہوتا ہے جب مزاج کا تنقیہ کرکے اعتدال پیدا کرلیا جائے اسی طرح توجہ کا نفع رذائل کے تنقیہ کے بعد ہوتا ہے اور جن بزرگوں کے واقعات آپ نے سن رکھے ہیں کہ وہ اپنے پیر کی ایک توجہ سے کامیاب ہوگئے وہ ان رذائل سے پہلے ہی پاک ہوچکے ہیں اور استعداد کامل موجود تھی صرف دیا سلائی لگانے کی دیر تھی، توجہ دیا سلائی ہے اسکا لگانا تھا کہ آگ بھڑک اٹھی، کام بن گیا گیلی لکڑی میں ہزار دیا سلائیاں لگاؤ کبھی آگ جل کر نہ دے گی ہاں دھواں بہت اٹھے گا جس سے سارا گھر سیاہ اور پاس والے پریشان ہوجائیں گے دھویں سے مراد جھوٹے دعوے ہیں یعنی جسکا رذائل سے تنقیہ نہ ہوا ہو اسکو اگر توجہ دیجائے اور اس سے کچھ کیفیات طاری ہونے لگیں تو وہ رات دن ڈینگیں ہانکتا پھرے گا کہ میں ایسا ہوں میں ویسا ہوں بس اسکے سوا اور کچھ نفع نہ ہوگا۔ اور اگر کسی میں یہ معاصی کبر و حب جاہ وغیرہ نہ بھی ہو تو یہ لغو اور فضول باتیں بنانے کا مرض سب ہی میں ہے اس سے بارا کیا کرایا کام برباد ہوجاتا ہے۔ تو یہ باتیں اگر معاصی میں داخل نہ ہوں مباحات ہی میں داخل ہوں مگر

انکی تاثیر یہ ہے کہ نور قلب کو بجھا دیتی ہیں گو گناہ نہ ہوتا ہو جیسے پانی گو فی نفسہ طاہر و مطہر ہے کپڑے کو صاف کر کے سفید بنا دیتا ہے لیکن آگ کو بجھا ہی دیتا ہے اسکی وجہ کیا ہے وجہ صرف یہ ہے کہ آگ اور پانی کے مزاج میں اختلاف ہے۔ اسی طرح یہاں سمجھو کہ مباحات گو فی نفسہ پاک ہوں ان سے گناہ نہ ہوتا ہو مگر یہ نور جو قلب میں طاعات و ذکر سے پیدا ہوتا ہے یہ طاعات سے تو بڑھتا ہے لیکن فضول مباحات سے بجھ جاتا ہے اور اسکی وجہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ نورِ قلب کے مزاج کے لیئے مباحات موافق نہیں آتے اسلئے سالک کو جس طرح معاصی سے اجتناب لازم ہے اسی طرح بعضے مباحات سے بچنا بھی ضروری ہے (لایعنی امور سے) باقی اسکی دلیل مشاہدہ اور تجربہ کے سوا کچھ نہیں، آزما کر دیکھ لیجئے کہ ایک دن آپ دس گھنٹے ذکر کریں اور دو گھنٹے فضول بک بک کریں اس روز دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے اور ایک دن صرف دو گھنٹے ذکر کریں اور لایعنی امور سے پرہیز کریں اس دن قلب کی کیا حالت ہوتی ہے دونوں دنوں میں زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

چشم بند و لب بہ بند و گوش بند
گر نہ بینی نورِ حق بر ما بخند

(آنکھ بند رکھو اور لب بند رکھو اور کان بند رکھو، اب بھی اگر نور حق نہ دیکھو تو ہم پر ہنسنا)

لایعنی امور

اور لایعنی امور صرف باتوں ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جس طرح بعضے اقوال لایعنی ہوتے ہیں اسی طرح بعضے افعال لایعنی ہوتے ہیں بعضے احوال لایعنی ہوتے ہیں سب کو ترک کرنا چاہیئے پس لایعنی کی تین قسمیں ہوئیں، اقوال، افعال، احوال فضول باتیں تو یہ ہیں کہ مجلس جما کر بیٹھ گئے اور اِدھر اُدھر کے قصے کہنے شروع کر دیئے ایک کہتا ہے کہ متھرا میں پیڑے اچھے ہوتے ہیں، دوسرا کہتا ہے کہ نہیں

اناؤ میں اچھے پیڑے ہوتے ہیں بھلا ان فضول باتوں میں کوئی نفع بھی ہے؟ سوائے وقت ضایع کرنے کے۔ اناؤ کے پیڑوں پر مجھے ایک قصہ منشی کا یاد آیا کہ دو شخص لکھنؤ سے کانپور جانے کو ریل میں سوار ہوئے راستہ میں اناؤ کا اسٹیشن آیا وہ کہنے لگے کہ یہاں کے پیڑے بہت مشہور ہیں ایک تیسرا شخص بھی وہاں بیٹھا تھا وہ بولا جی ہاں مشہور تو بہت ہیں مگر اب پہلے جیسے نہیں رہے میں نے پیڑے خریدے ہیں انکو چکھ لیجئے پھر خریدنے کا قصد کیجئے گا۔ پھر دو پیڑے جو خریدے تھے پیش کر دیئے اس پر ان دونو میں سے ایک صاحب نے چکھنے کے لئے ایک پیڑا اٹھا لیا اس شخص کو بہت ناگوار ہوا اس نے دوسرا پیڑا دوسرے رفیق کے سامنے پیش کر دیا کہ اسکو آپ چکھ لیجئے۔ وہ کہتے تھے کہ اس بات سے مجھے ندامت ہوئی کہ سرا وپر کو نہ اٹھتا تھا، پھر وہ پیڑے والا کانپور اترا ہم نے اس کو سواری کرایہ نہ کرنے دی اور اسکو بھی اپنے ساتھ سوار کر لیا کہ اسی طرح اس ندامت کا معاوضہ ہو جائے مگر پھر بھی اس سے طبیعت ایسی شرماتی رہی کہ اپنی یہ خاطر تواضع خاک میں مل جاتی تھی۔ بعض مجلسوں میں چاولوں کی قسمیں بیان ہوتی ہیں ایک کہتا ہے کہ دہرہ کے چاول اچھے ہوتے ہیں، ایک کہتا ہے کہ پیلی بھیت کے عمدہ ہوتے ہیں۔ غرض انہی فضولیات میں مجلسیں گرم رہتی ہیں۔ (جاری)

سکون اللہ کے ذکر میں ہے

یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں قرار اور سکون نہیں ہے ساری دنیا کے اسباب و وسائل جمع کرلئے لیکن اس کے باوجود سکون نصیب نہیں چین نہیں ملتا میں نے ابھی آپ کو مغربی معاشرے کی مثال دی تھی کہ وہاں پیسے کی ریل پیل، تعلیم کا معیار بلند، لذت حاصل کرنے کے سارے دروازے چوپٹ کھلے ہوئے کہ جس طرح چاہو لذت حاصل کرلو لیکن اسکے باوجود یہ حال ہے کہ خواب آور گولیاں کھا کھا کر اسکی مدد سے سو رہے ہیں کیوں؟ دل میں سکون و قرار نہیں۔ سکون کیوں نہیں ملا؟ اسلئے کہ گناہوں میں کہاں سکون تلاش کرتے پھر رہے ہو، یاد رکھو ان گناہوں اور نافرمانیوں اور مصیبتوں میں سکون نہیں ہے سکون تو صرف ایک چیز میں ہے اور وہ ہے

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (سورۃ الرعد: ۲۸)

اللہ کی یاد میں اطمینان اور سکون ہے اسواسطے یہ سمجھنا دھوکہ ہے کہ نافرمانیاں کرتے جائیں گے اور سکون ملتا جائے گا یاد رکھو زندگی بھر نہیں ملے گا اس دنیا سے تڑپ تڑپ کر جاؤ گے اگر نافرمانیوں کو نہ چھوڑا تو سکون کی منزل حاصل نہ ہوگی سکون اللہ تعالیٰ انھیں لوگوں کو دیتے ہیں جنکے دل میں اسکی محبت ہو جنکے دل میں اسکی یاد ہو، جنکا دل اسکے ذکر سے آباد ہو انکے سکون اور اطمینان کو دیکھو کہ ظاہری طور پر پریشان حال بھی ہیں، فقر ہے فاقے بھی گذر رہے ہیں لیکن دل کو سکون اور قرار کی نعمت میسر ہے لہٰذا اگر دنیا کا بھی سکون حاصل کرنا چاہتے ہو تو ان نافرمانیوں اور گناہوں کو تو چھوڑنا ہی پڑے گا اور گناہوں کو چھوڑنے کے لئے ذرا سا مجاہدہ کرنا پڑیگا۔ نفس کے مقابلے میں ذرا سا ڈٹنا پڑے گا۔

اللہ کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا

اور ساتھ ہی اللہ تعالےٰ نے یہ وعدہ بھی فرمالیا کہ:۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

جو لوگ ہمارے راستے میں یہ مجاہدہ اور محنت کرتے ہیں کہ ماحول کا، معاشرے کا، نفس کا، شیطان کا اور خواہشات کا تقاضہ چھوڑ کر وہ ہمارے حکم پر چلنا چاہتے ہیں تو ہم کیا کرتے ہیں

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اسکا ترجمہ فرماتے ہیں کہ "ہم انکے ہاتھ پکڑ کر لے چلیں گے" یہ نہیں کہ دور سے دکھا دیا کہ "یہ راستہ ہے" بلکہ فرمایا کہ ہم اسکا ہاتھ پکڑ کر لے جائیں گے، لیکن ذرا کوئی قدم تو بڑھائے، ذرا کوئی ارادہ تو کرے ذرا کوئی اپنے اس نفس کے مقابلے میں ایک مرتبہ ڈٹے تو سہی، پھر اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے۔ یہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے جو کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا مجاہدہ اسی کا نام ہے کہ ایک مرتبہ آدمی ڈٹ کر ارادہ کرلے کہ یہ کام نہیں کروں گا، دل پر آرے چل جائیں گے خواہشات پامال ہو جائیں گی دل و دماغ پر قیامت گذر جائے گی لیکن یہ گناہ کا کام نہیں کروں گا، جس دن نفس کے سامنے ڈٹ گیا اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ اس دن سے ہمارا محبوب ہو گیا اب ہم خود اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستہ پر لیجائیں گے

اب تجھے اس دل کو ترے قابل بنانا ہے مجھے

اس لئے اصلاح کے راستہ میں سب سے پہلا قدم مجاہدہ ہے اسکا عزم کرنا ہوگا۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس سرہٗ یہ شعر پڑھا کرتے تھے

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں — اب تو اس دل کو بنانا ہے ترے قابل مجھے

آرزوئیں دل میں پیدا ہو رہی ہیں وہ چاہے برباد ہو جائیں چاہے انکا خون ہو جائے اب میں نے تو ارادہ کرلیا ہے کہ اب تو اسکو بنانا ہے ترے قابل مجھے۔ اب اس

دل پر اللہ جل جلالہٗ کے انوار کا نزول ہوگا، اب اس دل میں اللہ کی محبت جاگزیں ہوگی، اب یہ گناہ نہیں ہونگے، پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے کیسی رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور آدمی اس راہ پر چل پڑتا ہے۔

یاد رکھو! کہ شروع شروع میں تو یہ کام کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے کہ دل تو کچھ چاہ رہا ہے اور اللہ کی خاطر اس کام کو چھوڑتے ہیں اس میں بڑی تکلیف ہوتی ہے لیکن بعد میں اس تکلیف ہی میں مزہ آنے لگتا ہے اور لطف آنے لگتا ہے جب یہ خیال آتا ہے کہ میں نفس کو جو کچل رہا ہوں اور آرزوؤں کو جو خون کر رہا ہوں یہ اپنے مالک اور خالق کی خاطر کر رہا ہوں اس میں جو مزہ اور کیف ہے آپ ابھی اسکا تصور نہیں کر سکتے۔

ماں یہ تکلیف کیوں برداشت کرتی ہے ماں کو دیکھئے کہ اسکی کیا حالت ہوتی ہے کہ سخت سردی کا عالم ہے اور کڑکڑاتے جاڑے کی رات ہے، لحاف میں لپٹی ہوئی ہے اور بچہ پاس پڑا ہے اس حالت میں اس بچہ نے پیشاب کر دیا اب نفس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ کہ یہ گرم گرم بستر چھوڑ کر کہاں جاؤں یہ تو جاڑے کا موسم ہے گرم گرم بستر چھوڑ کر جانا تو بڑا مشکل کام ہے لیکن ماں یہ سوچتی ہے کہ اگر میں نہ گئی تو بچہ گیلا پڑا رہے گا اسکے کپڑے گیلے ہیں، اس طرح گیلا پڑا رہے گا تو کہیں اسکو بخار نہ ہو جائے اسکی طبیعت خراب نہ ہو جائے وہ بے چاری اپنے نفس کا تقاضا چھوڑ کر سخت کڑاکے کے جاڑے میں باہر جا کر ٹھنڈے پانی سے اسکے کپڑے دھو رہی ہے اور اسکے کپڑے بدل رہی ہے۔ یہ کوئی معمولی مشقت ہے؟ معمولی تکلیف ہے لیکن ماں یہ تکلیف برداشت کر رہی ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ اپنے بچے کی فلاح اور اسکی صحت ماں کے پیش نظر ہے اس لئے وہ اس سخت جاڑے میں اپنے نفس کے تقاضے کو پامال کر کے یہ سارے کام کر رہی ہے۔

محبت تکلیف کو ختم کر دیتی ہے ایک عورت کا کوئی بچہ نہیں ہے کوئی اولاد

نہیں وہ کہتی ہے بھائی کسی طرح میرا علاج کراؤ تاکہ بچہ ہو جائے اولاد ہو جائے اور اسکے لئے دعائیں کراتی پھرتی ہے کہ دعا کرو اللہ میاں سے مجھے اولاد دیدے اور اسکے لئے تعویذ گنڈے خدا جانے کیا کیا کراتی پھر رہی ہے۔ ایک دوسری عورت اس سے کہتی ہے کہ ارے تو کس چکر میں پڑی ہے؟ بچہ پیدا ہوگا تو تجھے بہت سی مشقتیں اٹھانی پڑیں گی جاڑے کی راتوں میں اٹھکر ٹھنڈے پانی سے کپڑے دھونے ہونگے۔ تو وہ عورت جواب دیتی ہے کہ میرے ایک بچہ پر ہزاروں جاڑوں کی راتیں قربان ہیں اسلئے کہ اس بچہ کی قدر وقیمت اور اسکے دولت ہونے کا احساس اسکے دل میں ہے اس واسطے اس ماں کے لئے ساری تکلیفیں راحت بن گئیں وہ ماں جو اللہ سے مانگ رہی تھی کہ یا اللہ مجھے اولاد دے دے اس کے معنی یہ ہیں کہ اولاد کی جتنی ذمہ داریاں اور جتنی تکلیفیں ہیں وہ دے دے، لیکن وہ تکلیفیں اسکی نظر میں تکلیفیں ہی نہیں بلکہ وہ راحت ہیں اب جو ماں جاڑے کی رات میں اٹھکر کپڑے دھو رہی ہے اسکو طبعی طور پر تکلیف تو ضرور ہو رہی ہے لیکن عقلی طور پر اسے اطمینان ہے کہ میں یہ کام اپنے بچے کی بھلائی کی خاطر کر رہی ہوں۔ جب یہ اطمینان ہوتا ہے تو اس وقت اسے اپنی آرزوؤں کو کچلنے میں بھی لطف آنے لگتا ہے اسی بات کو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح فرماتے ہیں۔ ع۔ از محبت تلخہا شیریں شود۔ کہ جب محبت پیدا ہو جاتی ہے کڑوی سے کڑوی چیزیں بھی میٹھی معلوم ہونے لگتی ہیں، جن کاموں میں تکلیف ہو رہی تھی محبت کی خاطر ان میں بھی مزہ آنے لگتا ہے لطف آنے لگتا ہے کہ میں یہ کام محبت کی وجہ سے کر رہا ہوں، محبت کی خاطر کر رہا ہوں۔

مولیٰ کی محبت لیلیٰ سے کم نہ ہو

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی میں محبت کی بڑی عجیب حکایتیں لکھی ہیں لیلیٰ مجنوں کا قصہ لکھا ہے کہ مجنوں کس طرح لیلیٰ کی خاطر دیوانہ بنا اور کیا کیا مشقتیں اٹھائیں دودھ

کی نہر نکالنے کے ارادہ سے چل کھڑا ہوا اور کام شروع بھی کر دیا، یہ ساری مشقتیں اٹھا رہا ہے کوئی اس سے کہے کہ تو جو یہ کام کر رہا ہے یہ بڑی مشقت کا کام ہے اسے چھوڑ دے تو وہ کہتا ہے ہزار مشقتیں قربان جس کی خاطر یہ کام کر رہا ہوں، اسکی محبت میں کر رہا ہوں مجھے تو اسی نہر کھودنے میں مزہ آرہا ہے اسلئے کہ یہ میں اپنی محبوب کی خاطر کر رہا ہوں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

مولیٰ کا عشق حقیقی کب لیلیٰ کے عشق سے کم ہو سکتا ہے مولیٰ کے لئے گیند بن جانا زیادہ اولیٰ ہے لہٰذا جب آدمی محبوب کیلئے یہ تکلیفیں اٹھاتا ہے تو پھر بڑا لطف آنے لگتا ہے۔

تنخواہ سے محبت ہے ایک آدمی ملازمت کرتا ہے جس کے لئے صبح کو سویرے اٹھنا پڑتا ہے اچھی خاصی سردی میں بستر پر لیٹا ہوا ہے اور جانے کا وقت آگیا تو بستر چھوڑ کر جا رہا ہے نفس کا تقاضا تو یہ تھا کہ گرم گرم بستر میں پڑا رہتا لیکن گھر چھوڑ کر، بیوی بچوں کو چھوڑ کر جا رہا ہے اور سارا دن محنت کی چکی پیسنے کے بعد رات کو کسی وقت گھر واپس آتا ہے اور بیشمار لوگ ایسے بھی ہیں جو صبح اپنے بچوں کو سوتا ہوا چھوڑ کر جاتے ہیں اور رات کو واپس آکر سوتا ہوا پاتے ہیں، غرض وہ شخص سب تکلیفیں برداشت کر رہا ہے اب اگر کوئی شخص اس سے کہے کہ ارے بھائی! تم ملازمت میں بہت تکلیف اٹھا رہے ہو چلو میں تمھاری ملازمت چھڑا دیتا ہوں وہ جواب دیگا نہیں بھائی نہیں بڑی مشکل سے تو یہ ملازمت لگی ہے اسکو مت چھڑوانا۔ اسکو صبح سویرے اٹھکر جانے میں ہی مزہ آرہا ہے اور اولاد کو بیوی کو چھوڑ کر جانے میں بھی مزہ آرہا ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ اسکو اس تنخواہ سے محبت ہوگئی ہے جو مہینے کے آخر میں ملنے والی ہے اس محبت کے نتیجہ میں یہ ساری تکلیفیں شیریں بن گئیں اگر کسی وقت ملازمت چھوٹ گئی تو روتا پھر رہا ہے کہ ہائے وہ دن کہاں گئے جب صبح کو سویرے اٹھکر

جایا کرتا تھا اور لوگوں سے سفارشیں کراتا پھر رہا ہے کہ مجھے ملازمت پر دوبارہ بحال کر دیا جائے اگر محبت کسی چیز سے ہو جائے تو اس راستہ کی ساری تکلیفیں آسان اور مزے دار ہو جاتی ہیں اسی میں لطف آنے لگتا ہے۔

اسی طرح گناہوں کو چھوڑنے میں تکلیف ضرور ہے شروع میں مشقت ہوگی لیکن جب ایک مرتبہ ڈٹ گئے اور اسکے مطابق عمل شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد بھی ہوگی اور پھر انشاء اللہ اس تکلیف میں مزہ آنے لگے گا۔ اللہ تعالےٰ کی اطاعت میں مزہ آنے لگے گا۔

عبادت کی لذت سے آشنا کر دو ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہٗ نے ایک مرتبہ بڑی عجیب وغریب بات ارشاد فرمائی فرمایا کہ اس نفس کو لذت اور مزہ چاہیئے اسکی خوراک لذت اور مزہ ہے لیکن لذت اور مزے کی کوئی خاص شکل اسکو مطلوب نہیں کہ کہ فلاں قسم کا مزہ چاہیئے اور فلاں قسم کا نہیں چاہئے بس اسکو تو مزہ چاہیئے اب تم نے اسکو خراب قسم کے مزے کا عادی بنا دیا ہے، خراب قسم کی لذتوں کا عادی بنا دیا ہے ایک مرتبہ اسکو اللہ تعالےٰ کی اطاعت اور عبادت کی لذت سے آشنا کر دو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق زندگی گذارنے کی لذت سے آشنا کر دو پھر یہ نفس اسی میں لذت اور مزہ لینے لگے گا۔

مجھے تو دن رات بیخودی چاہیئے غالبؒ کا ایک مشہور شعر ہے خدا جانے لوگ اسکا کیا مطلب لیتے ہونگے لیکن ہمارے حضرتؒ نے اسکا بڑا اچھا مطلب نکالا ہے، وہ شعر ہے ؎

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیئے

شراب سے مجھکو کوئی تعلق نہیں مجھے تو دن رات لذت کی بیخودی چاہیئے تم نے مجھے شراب کا عادی بنا دیا تو مجھے شراب میں بیخودی حاصل ہوگئی شراب میں لذت آنے لگی اگر تم مجھے اللہ تعالےٰ کی یاد اور اسکے ذکر اور اسکی اطاعت کا عادی بنا دیتے تو یہ بیخودی مجھے اللہ تعالےٰ کے ذکر میں حاصل ہو جاتی میں تو اسی میں خوش ہو جاتا لیکن یہ تمھاری غلطی ہے کہ تم نے مجھے ان چیزوں کے بجائے شراب کا عادی بنا دیا۔

نفس کو کچلنے میں مزہ آئے گا

اسی طرح یہ مجاہدہ شروع میں تو بڑا مشکل لگتا ہے کہ بڑا کٹھن سبق دیا جارہا ہے کہ اپنے نفس کی مخالفت کرو اپنے نفس کے خواہشات کی خلاف ورزی کرو نفس تو چاہ رہا ہے کہ غیبت کروں مجلس میں غیبت کرنے کا موضوع چھڑ گیا اب جی چاہ رہا ہے کہ اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لوں اب اس وقت اسکو لگام دینا کہ نہیں یہ کام مت کرو یہ بڑا مشکل کام لگتا ہے لیکن یاد رکھئے کہ دور دور سے یہ مشکل نظر آتا ہے جب آدمی نے یہ پختہ ارادہ کرلیا کہ یہ کام نہیں کروں گا تو اسکے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اور فضل وکرم سے مدد بھی ہوگی اور پھر تم نے اس لذت وآرزو اور خواہش کو جو کچلا ہے اس کچلنے میں جو مزہ آئے گا انشاء اللہ ثم انشاء اللہ اسکی حلاوت اس غیبت کی لذت سے کہیں زیادہ ہوگی

ایمان کی حلاوت حاصل کرلو

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص کے دل میں تقاضہ پیدا ہوا کہ نگاہ غلط جگہ پر ڈالوں، اور کون شخص ہے جس کے دل میں یہ تقاضہ نہیں ہوتا اب دل بڑا کسمسا رہا ہے کہ اسکو دیکھ ہی لوں لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خشیت کے خیال سے نظر کو بچالیا اور نگاہ نہیں ڈالی بڑی تکلیف ہوئی دل پر آرے چل گئے لیکن اسی تکلیف کے بدلے میں اللہ ایمان کی ایسی حلاوت عطا فرمائیں گے کہ اسکے آگے دیکھنے کی لذت ہیچ ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے اور حدیث میں موجود ہے۔ (مسند احمد جلد ۵ ص ۲۶۴)

یہ وعدہ صرف نگاہ کے گناہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر گناہ چھوڑنے پر یہ وعدہ ہے مثلاً غیبت میں بڑا مزہ آرہا ہے لیکن ایک مرتبہ آپ نے اللہ جل جلالہ کے خیال سے غیبت چھوڑ دی اور غیبت کرتے کرتے رک گئے اللہ کے ڈر کے خیال سے غیبت کا کلمہ زبان پر آتے آتے رک گیا پھر دیکھو کیسی لذت حاصل ہوتی ہے اور جب انسان گناہوں کی لذتوں کے مقابلہ میں اس لذت کا عادی ہوتا چلا جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی

محبت اور اس کے ساتھ تعلق پیدا ہوتا جاتا ہے۔

حاصلِ تصوف

حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے کیا اچھی بات ارشاد فرمائی یاد رکھنے کے لائق ہے، فرمایا "وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا یہ ہے کہ جب دل میں کسی اطاعت کے کرنے میں سستی پیدا ہو مثلاً نماز کا وقت ہوگیا لیکن نماز کو جانے میں سستی ہو رہی ہے اس سستی کا مقابلہ کر کے اس اطاعت کو کرے اور جب گناہ سے بچنے میں دل سستی کرے تو اس سستی کا مقابلہ کرے اس گناہ سے بچے" پھر فرمایا کہ "بس اسی سے تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے اسی سے تعلق مع اللہ میں ترقی ہوتی ہے اور جس شخص کو یہ بات حاصل ہوجائے اسکو پھر کسی چیز کی ضرورت نہیں" لہٰذا نفسانی خواہشات پر آرے چلا چلا کر اور ہتھوڑے مار مار کر جب اسکو کچل دیا تو اب وہ نفس کچلنے کے نتیجہ میں اللہ جل جلالہٗ کی تجلی گاہ بن گیا۔

دل تو ہے ٹوٹنے کے لئے

ہمارے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ ایک مثال دیا کرتے تھے، اب تو وہ زمانہ چلا گیا پہلے زمانہ میں یونانی حکیم ہوا کرتے تھے وہ کشتہ بنایا کرتے تھے، سونے کا کشتہ، چاندی کا کشتہ، سنکھیا کا کشتہ اور نجانے کیا کیا کشتے تیار کرتے تھے اور کشتہ بنانے کے لئے وہ سونے کو جلاتے تھے اور اتنا جلاتے تھے کہ وہ سونا راکھ بنجاتا تھا اور کہتے تھے کہ سونے کو جتنا زیادہ جلایا جائیگا اتنا ہی اسکی طاقت میں اضافہ ہوگا، اب جلا جلا کر جب کشتہ تیار کیا تو وہ کشتۂ طلا تیار ہوگیا کوئی اسکو ذرا سا کھالے تو پتہ نہیں کہاں کی قوت آجائے گی، تو جب سونے کو جلا جلا کر مٹا مٹا کر پامال کر کر کے راکھ بنا دیا تو اب یہ کشتہ تیار ہوگیا، ہمارے حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ان خواہشات نفس کو جب کچلو گے اور کچل کچل کر پیس پیس کر راکھ بنا کر فنا کردو گے تب یہ کشتہ بنجائیگا اس میں اللہ جل جلالہٗ کے ساتھ تعلق کی قوت آجائیگی، اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت آجائیگی اب دل اللہ تعالیٰ کی تجلی گا بن جائیگا۔ اس دل کو جتنا توڑو گے

اتنا ہی یہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں محبوب بنے گا ؎

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ

کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

تم اس پر جتنی چوٹیں لگاؤ گے اتنا ہی یہ بنانے والے کی نگاہ میں محبوب ہوگا بنانے والے نے اسکو اسی لئے بنایا ہے کہ اسے توڑا جائے اُسکی خاطر اسکی خواہشات کو کچلا جائے اور جب وہ کچل جاتا ہے تو کیا سے کیا بن جاتا ہے۔ ہمارے ڈاکٹر صاحب قدس اللہ سرہٗ کیا اچھا شعر پڑھا کرتے تھے

یہ کہہ کے کاسہ ساز نے پیالہ پٹک دیا۔ اب اور کچھ بنائیں گے اسکو بگاڑ کے اور کچھ بنائیں گے یعنی جو وہ چاہیں گے وہ بنائیں گے لہٰذا یہ نہ سمجھو کہ خواہشات نفس کو کو کچلنے سے جو چوٹیں لگ رہی ہیں اور جو تکلیف ہو رہی ہے وہ بیکار جا رہی ہیں بلکہ اسکے بعد جب یہ دل اللہ تعالیٰ کی محبت کا محل بنے گا اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اسکی یاد کا محل بنے گا اس وقت اسکو جو حلاوت نصیب ہوگی خدا کی قسم اسکے مقابلے میں گناہوں کی یہ ساری لذتیں خاک در خاک ہیں انکی کوئی حقیقت نہیں اللہ تعالیٰ یہ دولت ہم سب کو نصیب فرمائیں۔ بس شروع میں تھوڑی سی محنت اور مشقت اٹھانی پڑے گی اور اسی کا نام مجاہدہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کو حدیث شریف میں اس طرح بیان فرمایا کہ اَلْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَہٗ مجاہد درحقیقت وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے ———— اپنے نفس کی خواہشات کو اللہ کی خاطر کچلے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اپنے نفس کی خواہشات کے ہاتھوں میں کھلونا بننے سے بچائے اور ان خواہشات نفس کو قابو کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

(مکتوب نمبر ۲۸۵)

حال: مخدومی و مرشدی۔ مد اللہ ظلکم العالی
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ امید کہ مزاج گرامی مع الخیر ہوگا۔
گرامت نامہ صادر ہوکر کاشف احوال ہوا۔ حضرت نے جو نسخہ تجویز فرمایا ہے کہ ایسی صورت میں علاحدگی جانبین کے لئے موجب راحت ہوگی بظاہر تو یہ اس بندے کے لئے موت عظیم ہے اور نفس کی آزادی کے لئے ایک بڑا باب کھل جانے کا خطرۂ شدید ہے لیکن جب آپ کو مصلح و مرشد تسلیم کرچکا ہے اور آپ کی اطاعت و فرماں برداری کو موجب سعادت دارین یقین کرتا ہے تو بس اس تلخ نسخہ کو یہ خیال کرکے پی جاتا کہ اسمیں کلی اصلاح ہی کا پہلو کارفرما ہے اپنے لئے باعث نجات سمجھتا کہ اوروں کی ظاہری دوستی سے حضرت کا یہ طرز اصلاح اور ظاہری سختی کہیں ارفع و اعلیٰ ہے بلکہ اس سے کچھ ربط اور جوڑ ہی نہیں ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است
چو فاصدکہ جراح و مرہم نہ است

(سختی اور نرمی ملی جلی بہتر ہے جیسے جراح کہ زخم کبھی لگاتا ہے اور مرہم پٹی کبھی کرتا ہے) عالم میں اب اسکا فقدان ہوگیا ہے جو چیز آپ کے یہاں ہے خدا کرے کہ اس عاجز کو اسکے سمجھنے اور اسکے اتباع کی خلوص سے توفیق ہو۔

ایک بات گذارش کر دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ حضرت کو میری طرف سے کوئی خفا نہ رہے انشاء اللہ سچ کہوں گا اور آپ سے طالب علمانہ روش یا کوئی خلاف رویہ نہ اختیار کروں گا اور اسکے اندر جو کچھ کبھی غلطی، بےفہمی یا بے ادبی ہوگئی ہو صاف صاف اقرار کروں گا ـــ فتحپور سے مئو جانے کے بعد ایک دو روز پہ میرے ملنے والوں اور محلہ کے چند اصحاب نے مجھ سے بطور

استفسار کے ذکر کیا کہ یہاں کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ حضرت مولانا نے مولوی ۔۔۔ صاحب کو بہت بہت مارا ہے یہاں تک کہ مارتے مارتے تھک گئے کیا یہ واقعہ صحیح ہے اور آپکو اسکا کچھ علم ہے بندہ نے کہا کہ خالص غلط اور جھوٹ ہے ہرگز ایسا واقعہ نہیں ہوا ہے یہ محض افترا اور بہتان ہے ان لوگوں میں سے اکثر ایسے لوگ تھے جو فتحپور آکر شریک مجلس ہو چکے تھے تو میں نے کہا کہ آپ لوگ تو فتحپور آکر حضرت کی مجلس میں شریک ہو چکے ہیں وہاں کے طریقہ سے واقف ہیں میرے خیال میں یہ آتا ہے کہ حضرت اپنے مخصوص انداز میں اپنے مانوس لوگوں میں سے کسی کے سر کو پکڑ کر فرماتے ہیں کچھ ان سے پوچھتے ہیں جو کہ غایت درجہ کی محبت اور شفقت کی بنا پر ہوتی ہے یہ عاقل صاحب اسکا مطلب کچھ اور سمجھ گئے اور ایسی غلط بات پھیلادی اسکے بعد ہم دونوں نے مولوی ۔۔۔۔ صاحب سے دریافت کیا تو انھوں نے بھی کہا کہ قصبہ میں افواہ پھیلی ہوئی ہے قاری ۔۔۔۔ صاحب سے بھی ہم لوگوں نے ذکر کیا سب نے اس پر تعجب اور افسوس ظاہر کیا آخر میں حکیم ۔۔۔۔ صاحب سے اسکی تصدیق اور اصلاح کی غرض سے ملے انھوں نے بھی کہا کہ لوگوں نے یہ غلط خبر پھیلا دی ہے اور لوگوں میں اسکا ذکر ہے ہم لوگوں نے کہا کہ اب اس افواہ کی تردید کی اور اس فتنہ کے دبانے کی اور اسکے اصلاح کی سخت ضرورت ہے اور یہ کام مقامی حضرات ٹھیک سے انجام دے سکتے ہیں انھوں نے کہا کہ میں حتی المقدور اسکے فرو کرنے کی کوشش کروں گا ۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ قصبہ کے بہت سے لوگوں نے اس افواہ کی تردید شروع کردی بلکہ بعضوں نے تو یہ کہا کہ مولانا جس کا سر پکڑلیں یہ اسکی بڑی خوش قسمتی اور عزت ہے سب کو یہ دولت ملے کہاں ؟ عین چلتے وقت اپنے بھائی سے تاکید کرکے آیا تھا کہ اس غلط امر کی خوب ٹھیک سے تردید کردینا اور لوگوں کو بتلا دینا کہ یہ سراسر جھوٹ ہے اور اچھے الفاظ میں لوگوں کو سمجھا دینا ۔

اب حضرت سے کہنے کے لئے ہم دونوں یہ خیال کرنے لگے کہ سیدھے سیدھے بعینہ افواہ کو نقل کردینا سخت تکدر اور اذیت کا باعث ہوگا اور کچھ نہ کبھی کہنا خلاف محبت بلکہ خلاف انسانیت ہے اس لئے بین بین طرز اختیار کیا گیا کیونکہ یہ معلوم تھا کہ یہ واقعہ مئو والوں سے حضرت کو معلوم ہو ہی جائے گا تو اس وقت ہم لوگوں کے قول کا بند کبھی کھل جائے گا مگر بعد میں معلوم ہوا کہ جس کو ہم لوگوں نے مصلحت اور عقلمندی سمجھا تھا اعلیٰ درجہ کی حماقت اور ہلاکت تھی صاف صاف ادب کے ساتھ کہدینا چاہئے تھا اس پر صمیم قلب سے طالب عفو اور اصلاح ہیں۔ نیز اسکے علاوہ اس تحریر میں جو غلطی ہوگئی ہو اسکے لئے معافی اور درستگی کے خواستگار ہیں۔

حضرت للہ آپ ہم سے ناراض اور منقبض نہ ہوں ورنہ کہیں ٹھکانا نہ ملیگا جو ارشاد فرمایا ہے یا فرمائیں گے اسکو انشاء اللہ سمجھنے اور اپنے امکان بھر اس پر چلنے کی کوشش کریں گے۔ اور ہر حالت میں دعا کی درخواست ہے

تحقیق: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

بدنی صحت ہے مگر آپ لوگوں کے سوء فہمی اور غلط افواہوں سے رنج ہے یہ بتائیے کہ مئو والوں نے مجھکو نشانۂ طعن بنانے سے کب گریز کیا ہے اس مرتبہ آپ کی شرکت سے اور وہ کبھی درپردہ بہت تکلیف کا موجب ہوا آپ کو بتلاتا ہوں کہ اس قسم کے لوگ بدنام کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے افسوس اسکا ہے کہ میں سمجھتا تھا کہ آپ سمجھ رہے ہیں مگر ہنوز روز اول ہے سنئے میں دلائل کا اتباع کروں گا یا عوام کے اہواء کا آپ اپنی خیریت چاہتے ہوں تو جلد اسکو صاف کیجئے ورنہ آپ جانیئے۔

یہی جواب دوسرے پرچہ کا ہے جو مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب کا ہے انھوں نے اپنا پرچہ آپ کے خط میں کیوں رکھا، ہر چیز میں آپ کے ساتھ شریک رہتے ہیں یہ کیا بات ہے؟

(مکتوب نمبر ۴۸۶)

سال: از مدینہ منورہ باب عبدالمجید
۱۸ ذیقعدہ چہارشنبہ سنہ ۱۴۸۰ھ
معظمی ومحترمی مرشدی ومولائی دام ظلکم العالی ۔ السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ

تحقیق: السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ

سال: بفضلہ تعالیٰ سفر بخیر وخوبی ختم ہوا اور کل صبح یہاں آگیا تحقیق: الحمد للہ۔

سال: الحمد للہ ثم الحمد للہ بعد غسل مسجد اور مواجہہ شریف میں حاضر ہوا۔ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھکر جاکر سلام پڑھا، حضرت والا نے مجھکو بھیجکر اتنا بڑا احسان فرمایا ہے

تحقیق: میں نے کیا احسان کیا ہے آپ تو خود اسکی اہلیت رکھتے ہیں۔

سال: کہ جسقدر بھی اپنی قسمت پر ناز کروں وہ حضرت والا ہی کی توجہ اور طفیل میں ہے کہاں میں اور کہاں یہ مدینہ منورہ کی حاضری اور دوبارہ اس قدر جلد ۔ حضرت والا کی طرف سے بھی سلام پڑھا تھا ۔ وہاں سے نکلکر مولوی شیر محمد صاحب قبلہ کے پاس گیا، ان سے بھی حضرت والا کا سلام کہدیا بڑی حسرت سے کہنے لگے کہ میری زندگی میں انکو (یعنی حضرت والا کو) ایک مرتبہ لے آتے تو ملاقات ہوجاتی ۔

تحقیق: دیکھئے کب ملاقات ہوتی ہے، بڑی خوشی ہوئی ان سے دعا کے لئے کہئے اور سلام بھی کہیئے ۔

سال: حضرت والا کے فیض اور توجہ کی طرف طبیعت لگی رہتی ہے اور دعاؤں کا محتاج ہوں ۔ حضرت والا اور متعلقین کی خیریت کا طالب ہوں۔ اب یہاں سے انشاء اللہ حج کے قریب مکہ مکرمہ جاؤں گا ۔

تحقیق: دعا کرتا ہوں ۔

مکتوب نمبر ۴۸۷

حال: گذارش یہ ہے کہ یہ خاکسار فی الحال گورنمنٹ اسکول میں معلم ہے آج سے تقریباً ۲۸ سال پیشتر حضرت مولانا محمد رسول صاحبؒ سے بیعت کا شرف حاصل کر چکا ہوں لیکن بیعت کے بعد حضرت ممدوح سے اصلاح اور تربیت کا موقع حاصل نہ ہو سکا اسکے بعد تبدیلِ ماحول کی وجہ سے ابتک حیوانوں کی جیسی زندگی گزرتی رہی نماز روزہ کی ادائیگی میں بھی کوتاہیاں ہوتی رہیں اکثر اپنی حالت پر دل میں جذبۂ ندامت پیدا ہوتا رہا لیکن وہ جذبہ عارضی ہوتا، اعمال شرعیہ کی بجاآوری میں کبھی استقامت نصیب نہیں ہوئی۔

حضرت تھانویؒ کی تصنیفات بہت ہی مرغوب خاطر ہیں۔ حضرت کے ترجمۂ قرآن کے علاوہ کسی دوسرے کے ترجمۂ قرآن دیکھنے کو کبھی جی ہی نہیں چاہتا، خصوصاً حضرت کے مواعظ کا بہت ہی گرویدہ ہوں اور اکثر مطالعہ کرتا رہتا ہوں ہر وعظ کے مطالعہ کے بعد ایمان میں تازگی محسوس ہوتی ہے اور دل میں ایک جذبۂ عمل پیدا ہو جاتا ہے کچھ دنوں کے بعد پھر عمل میں تکاسل پیدا ہو جاتا ہے۔ غرض عملی حالت میں ہمیشہ مدوجزر کی کیفیت رہتی ہے کبھی ندامت ہے تو کبھی غفلت لیکن زیادہ تر غفلت کا تسلط رہتا ہے اسکے ساتھ ساتھ مالی پریشانیاں بھی لاحق رہتی ہیں خصوصاً اس وقت سودی وغیر سودی دونوں قسم کے قرضوں میں گھرا ہوا ہوں آمدنی میں جس قدر اضافہ ہوتا جاتا ہے اسی قدر اخراجات بھی بڑھتے جاتے ہیں اور کسی وقت بھی قرضوں سے سبکدوشی حاصل نہیں ہوتی۔

حضرت اقدس کی نسبت ایک عرصہ سے واقفیت حاصل ہے اور ہمیشہ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہونے کو جی چاہتا ہے لیکن

مالی پریشانیوں کی وجہ سے آج تک اسکی توفیق نہ ہو سکی جب جب دل میں خیال آیا کہ کم از کم حضرت سے سلسلۂ مکاتبت تو شروع کر دوں تو فوراً یہ خیال مانع ہوتا رہا کہ صرف خط و کتابت سے کیا فائدہ ہوگا؟

تحقیق: مگر محض بیکار بھی نہیں

حال: فائدہ تو دراصل خدمت میں بار بار حاضر ہونے اور صحبت میں رہنے سے ہوتا ہے

تحقیق: ہے تو یہی بات۔

حال: اپنی اس بدنصیبی پر افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اکثر حضرت اقدس کے حالات دوسروں کو سنا کر انھیں حضرت کی طرف رجوع کرنے کو کہا لیکن خود آج تک اس شرف سے محروم رہا اب دل میں خیال آیا کہ حضرت اقدس کی طرف رجوع کرنے میں ہی فلاح دارین ہے اس لئے آج یہ عریضہ ارسال خدمت کر رہا ہوں اور اپنے آپ کو حضرت اقدس کی تربیت و اصلاح کے سپرد کرتا ہوں۔

تحقیق: اللہ تعالیٰ یہ سپردگی قبول فرمائے

حال: نیز تجدید بیعت کے لئے بھی خواستگار ہوں

تحقیق: تجدید کئے لیتا ہوں۔

حال: فی الحال بذریعہ تحریر حضرت سے تربیت و اصلاح کا شرف حاصل کرتا رہوں گا جب مالی حالت سدھر جائیگی تو پھر حضرت سے اجازت لیکر حاضر خدمت ہو کر شرف صحبت بھی حاصل کروں گا۔

تحقیق: بہت مناسب ہے۔

حال: حضرت اقدس سے میری التجاء ہے کہ حضرت دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری مالی دشواریوں کو دور فرمائے۔

تحقیق: دل سے دعاء کرتا ہوں۔

حال: اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ حضرت اقدس کی تربیت کی بدولت

اس خاکسار میں تھوڑی بہت دینداری پیدا ہو جائے۔ تحقیق: آمین

حال: میری اہلیہ بھی حضرت سے بیعت کی ملتجی ہیں۔ اور حضرت کی خدمت میں ہدیہ سلام مسنون پیش کر رہی ہیں۔

تحقیق: انکو بھی داخل سلسلہ کرتا ہوں، میرا سلام کہیئے۔

حال: امید ہے کہ حضرت والا میری اور میری اہلیہ کی التجا قبول فرما کر ہم دونوں کو اپنے خدام میں داخل فرمائیں گے۔

تحقیق: داخل کر لیا اللہ تعالے قبول فرمائے اور آپ کی سب پریشانیا دور فرمائے۔

مکتوب نمبر ۸۸

حال: محترمی و مشفقی زاد اللہ درجاتہم العالی
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تحقیق: میرے محب ڈاکٹر صاحب دام مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ و

حال: اللہ تعالے سے امید ہے کہ جناب والا کا مزاج گرامی بخیر و عافیہ

تحقیق: الحمد للہ بخیریت ہوں۔

حال: آپ کی تندرستی و توانائی قائم رہنے کے لئے دعا کرتا ہوں۔

تحقیق: آپ کا دل سے شکر گذار ہوں

حال: اپنے لئے اور اپنے متعلقین کے لئے دعا ہائے خیر کا متدعی

تحقیق: دل سے آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔

حامل مضامین تصوف وعرفان • افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ نمبر ٦ محرم الحرام ١٤١٧ھ مطابق جون ١٩٩٦ء جلد نمبر ١٩

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک : پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ١٠ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین۔ ٢٥/٢٣۔ بخشی بازار

الہ آباد ٢١١٠٠٣ فون ٦٠٤٧٥٥٨

S.T.D
code No
0532

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسن منزل گنج۔ الہ آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترتیب

اعلان سال رواں ۹۶ء کا بدل اشتراک سالانہ ستر روپیہ اور ششماہی چالیس روپیہ ہے ــــ اولین فرصت میں اپنا چندہ ارسال فرماکر ادارہ کا تعاون فرمادیں

بات یہ ہے جیسا استاد ہوتا ہے ویسا ہی اسکے شاگردوں پر اثر ہوتا ہے اگر استاد محقق ہوتا ہے تو اسکا حصہ کچھ نہ کچھ ضرور اہل شاگردوں کو ملتا ہے، وہ بھی محقق ہوکر نکلتے ہیں۔ نیز اساتذہ کے دین و دیانت، تقویٰ و طہارت کا اثر بھی طلبہ پر ضرور پڑتا ہے اسلئے علم کو محقق اور متقی سے ہی لینا چاہیئے اور استفاضہ اور استفادہ اہل ہی سے کرنا چاہیئے ہر کس و ناکس اسکا اہل نہیں ہوتا۔

اس مضمون کے مناسب الاعتصام سے جو علامہ شاطبیؒ غرناطی کی نہایت جامع تصنیف اور موضوع میں مکمل کتاب ہے اس سے کچھ روایات نقل کرتا ہوں۔

قال مالکؒ بن انس بکی ابن ربیعۃ یوماً بکاءً شدیداً فقیل لہ مصیبۃٌ نزلت بک فقال لا۔ ولکن استفتی من لا علم عندہٗ الاعتصام ج۲ ص۱۷۳

حضرت مالک بن انسؒ نے فرمایا کہ ایک دن حضرت ربیعہؒ بہت زیادہ روئے تو دریافت کیا گیا کیا آپ پر کوئی بڑی مصیبت نازل ہوئی ہے تو فرمایا نہیں لیکن ایک ایسے شخص سے استفتار کیا گیا ہے (حکم شرعی اور فتویٰ پوچھا گیا ہے) جسکے پاس علم نہیں ہے

دیکھئے! امام ربیعہ نااہل سے سوال کئے جانے پر اسقدر روئے کہ لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ حضرت پر کوئی بہت بڑی مصیبت نازل ہوگئی ہے اور اس میں شک نہیں کہ ایک دیندار عالم جس کے دل میں دین کا درد ہوگا اسکے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت ہو ہی نہیں سکتی۔ انھوں نے سمجھا کہ اب اہل باقی نہیں رہے اگر باقی رہتے تو یہ نوبت آتی کہ نااہل سے لوگ استفتار کرتے اسلئے کہ وہ اپنے قیاس اور رائے سے وہ فتویٰ دے گا کتب معتبرہ کی طرف مراجعت نہ کریگا کتاب و سنت کو پس پشت ڈال دیگا جسکا نتیجہ لازمی یہ ہوگا کہ ضلالت و بدعات کی اشاعت ہوگی۔ اور سچ ہے علمار کے مناصب کو جہلار لے لیں یہی مستقل بدعت ہے بلکہ سب بدعات کی اصل ہے خوب سمجھ لیجئے۔

وفی البخاری عن ابی ھریرۃؓ	بخاری میں ہے کہ حضرت ابوہریرۃؓ نے کہا
قال قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے
قبل الساعۃ سنون خداعًا یصدق	کچھ سال مکاری و چالبازی والے ہونگے کہ ان میں
فیھن الکاذب ویکذب فیھن	کاذب کی تصدیق کیجائیگی اور صادق کی تکذیب کیجائیگی
الصادق و یخون فیھن الامین و	امانت دار کو خائن سمجھا جائیگا اور خائن کو امین۔ وہ
یؤتمن الخائن و ینطق فیھن	سال ایسے ہوں گے کہ ان میں رویبضہ کلام
الرویبضۃ قالوا ھوالرجل	کرے گا۔ لوگوں نے رویبضہ کے متعلق کہا ہے
التافہ الحقیر ینطق فی امور	کہ وہ خسیس کمینہ آدمی ہے جو امور عامہ میں
العامۃ کانہ لیس باھل	کلام کرے گویا کہ امور عامہ میں کلام کرنے کے
ان یتکلم فی امور العامۃ	لائق اور کوئی شخص نہ ہوگا، تو ایسا آدمی
فیتکلم	کلام کرے گا۔

(حوالہ بالا)

دیکھئے اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اخیر زمانہ میں اہل باقی نہ رہیں گے کہ امور عامہ میں کلام کریں تو کمینے بیوقوف ان کے منصب پر فائز ہو جائیں گے اور انکی کرسی پر بیٹھ جائیں گے پھر یہ لوگ بے سمجھے ہی اہم امور میں گفتگو کرنے لگیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پھر کیا ہوگا اسکا انجام ظاہر ہے۔

وعن عمر ابن الخطاب قال	حضرت عمرؓ ابن خطاب نے فرمایا کہ مجھے
قد علمت من یھلک الناس	معلوم ہوگیا ہے کہ کون لوگ لوگوں کو ہلاک
اذا جاء الفقہ من قبل الصغیر	کریں گے، پھر فرمایا کہ جب علم دین صغیر (اور چھوٹے)
استعصی علیہ الکبیر و اذا جاء	کی طرف سے آئیگا تو بڑوں پر شاق ہوگا اور جب بڑوں کی طرف
الفقہ من قبل الکبیر تابعہ الصغیر	سے آئیگا تو چھوٹے اسکی متابعت کرینگے اور دونوں
فاھتدیا (اعتصام ج ۲ ص ۱۰۲)	ہدایت یاب ہوں گے

اس سے معلوم ہوا کہ جب تفقہ (علم دین) چھوٹے لوگوں میں چلا جائیگا تو اسکا ضرر یہ ہوگا کہ بڑے لوگوں کو شاق ہوگا اور انکو ان سے سیکھنے میں عار آئیگی اس طرح لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور جب بڑے لوگ فقیہ ہوں گے تو چھوٹے لوگ انکا اتباع کریں گے جس سے دونوں کو ہدایت ہوگی۔

قال ابن مسعودؓ لایزال الناس بخیر ما اخذوا العلم من اکابرھم فاذا اخذوہ عن اصاغرھم و شرارھم ھلکوا　(حوالہ بالا)	حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ لوگ اس وقت تک خیریت سے رہیں گے جب تک کہ علم اپنے اکابر سے لیں گے لیکن جب اسکو اپنے اصاغر اور شریر لوگوں سے لینے لگیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

حضرت علامہ شاطبیؒ آگے فرماتے ہیں کہ علماء نے اختلاف کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صغار (چھوٹوں) سے کیا مراد لیا ہے تو ابن مبارکؒ نے فرمایا صغار سے مراد اہل بدعت ہیں اور یہ ٹھیک ہے اسلئے کہ اہل بدعت علم میں ناقص اور صغیر ہوتے ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ علم کے نقصان ہی کی وجہ سے مبتدع ہوتے ہیں (یعنی اگر علم میں کامل ہو جائیں تو پھر بدعت کی طرف میلان ہی نہ ہو)۔

اور باجیؒ نے یہ کہا کہ اصاغر وہ لوگ ہیں جنکے پاس علم بالکل نہ ہو۔ اور باجیؒ ہی نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ اصاغر سے بھی مشورہ فرماتے تھے، آپ کے مشاورین قراء (اور علماء) تھے جن میں بوڑھے اور جوان دونوں ہی قسم کے حضرات شامل تھے۔ اور احتمال یہ بھی ہے کہ صغار سے مراد وہ لوگ ہوں جنکی کوئی قدر اور حال نہ ہو اور آدمی دین و مروت ہی کے ترک کر دینے سے بے حال اور ناقدر ہوتا ہے اور جو دین و مروت کو اختیار کرتا ہے تو تو اسکی شان اور قدر بڑھ جاتی ہے۔

وروی عن مکحولؒ انه قال تفقه الرعاع فساد الدین والدنیا وتفقه السفلة فساد الدین - (اعتصام ص ۱۷۵ ج ۲)

حضرت مکحول سے روایت ہے کہ رذیل اور خسیس لوگوں کا تفقہ (اور تحصیل علم) دین و دنیا کا فساد ہے اور کمینوں کا تفقہ دین کا فساد ہے۔

وقال الفریابیؒ کان سفیان الثوریؒ اذا رای ھؤلاء النبط[۱] یکتبون العلم تغیر وجهه فقلت یا ابا عبد اللہ أراك اذا رأیت ھؤلاء یکتبون العلم یشتد علیك قال کان العلم فی العرب و فی سادات الناس واذا خرج عنهم وصار الی ھؤلاء النبط والسفلة غُیِّرَ الدین -
(ص ۱۷ ج ۲)

فریابی نے کہا کہ سفیان ثوریؒ جب نبطی لوگوں کو علم لکھتے دیکھتے تو انکا چہرۂ مبارک غصہ سے متغیر ہو جاتا تھا میں نے کہا اے ابو عبد اللہ میں دیکھتا ہوں کہ جب آپ ان لوگوں کو علم لکھتے دیکھتے ہیں تو آپ پر شاق ہوتا ہے؟ تو فرمایا پہلے علم عرب میں اور سرداروں میں تھا جب ان سے نکل گیا اور ان ذلیل و کمینے لوگوں کے پاس چلا گیا تو اس وقت سے دین بدل گیا۔

دیکھئے! حضرت سفیان ثوریؒ جو بہت بڑے شخص تھے جب چھوٹے لوگوں کو علم لکھتے دیکھتے تو انکو گراں معلوم ہوتا اور اسکی وجہ خود بیان فرماتے تھے کہ جب تک علم عرب اور اشراف میں تھا دین صحیح سالم برقرار تھا یعنی اس میں بدعات داخل نہیں ہوئی تھیں اور جب سے صغار اور کمینے لوگوں میں چلا گیا اصلی دین باقی نہیں رہا اسکے اندر تغیر و تبدل پیدا ہو گیا تو جس طرح علم کے اخذ میں احتیاط برتنی چاہیئے کہ ہر شخص سے نہ لے بلکہ اہل سے لینا چاہیئے جیسا مشہور ہے "خاک ہم از تودہ کلاں بردار"

---

[۱] النبط - ایک عجمی قوم جو عراقیین کے درمیان آباد ہوئی تھی پھر اسکا استعمال عوام الناس پر ہونے لگا (مصباح اللغات)

(مٹی بھی اٹھاؤ تو بڑے ڈھیر سے اٹھاؤ)

تو اسی طرح یہ بھی سمجھئے کہ عالم کو بھی چاہیئے کہ علم ہر شخص کو نہ دے بلکہ جو اہل ہے شریف ہے عالی حوصلہ ہے اسی کو دینا چاہیئے۔ جب سے یہ تمیز رخصت ہوگئی اور بلا امتیاز اسکے سبھی کو قرآن وحدیث کے علم کو دیا جانے لگا ہے اسی وقت سے کام خراب ہوگیا ہے اور ان رذیل لوگوں نے ناتمام علم کو حاصل کرکے دین کو چوپٹ کردیا نہ خود کام کے لائق ہیں نہ اہل ہی کو کرنے دیتے ہیں۔ یہ مثل صخرہ (چٹان) کے ہیں نہ خود پانی پیتے ہیں نہ دوسروں کو پینے دیتے ہیں۔ علم کا بس انکو اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ لباس علماء کا پہن لیتے ہیں اور اپنے کو زمرۂ علماء سے شمار کرلیتے ہیں اور بس انکی انتہائی پرواز یہ ہے کہ مولوی کہلانے لگیں جب یہ حاصل ہوجاتا ہے تو اسی پر اکتفا کرلیتے ہیں ایسے کم ظرف پست حوصلہ لوگوں سے بھلا دین کی خدمت ہوگی؟ اور علم جیسی اشرف شئے کی کیسے حفاظت ہوگی؟ ایسے لوگوں کو علم دینا ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ احیاء العلوم میں ہے کہ

قال عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا تعلقوا الجواهر فی اعناق الخنازیر فان الحکمۃ خیر من الجوهر ومن کرهها فهو شر من الخنازیر۔	حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جواہر کو خنازیر (یعنی سور) کی گردنوں میں مت لٹکاؤ اسلئے کہ علم و حکمت جوہر سے بہتر ہے جو شخص اسکو ناپسند کرے وہ خنزیر اور سور سے بدتر ہے۔
ولذالک قیل کل لکل عبد بمعیار عقله وزن له بمیزان فهمه حتی تسلم منه وینتفع بک والا وقع الانکار لتفاوت المعیار	اسی لئے کہا گیا ہے کہ ہر شخص کو اسکی عقل کے معیار کے مطابق ناپ کر دو اور اسکی فہم کی میزان کے موافق وزن کرکے دو تاکہ تم اس سے سالم اور محفوظ رہو اور وہ تم سے منتفع ہو ورنہ معیار میں تفاوت کی وجہ سے انکار واقع ہوگا۔

کیسی حکمت کی بات فرمائی گئی ہے کہ جب فہم اور عقل کے مطابق مخاطب کو بات پہونچائی جائیگی تو اس سے نفع ہوگا اور جب استعداد اور فہم سے اونچی باتیں کہی جائینگی اور وہ سمجھنے سے قاصر ہوجائیگا اسکا انجام یہ ہوگا کہ انکار پیدا ہوگا اور کبھی بھی سیکھ نہ سکے گا اَلنَّاسُ اَعْدَاءُ لِمَا جَهِلُوْا (لوگ جس چیز سے جاہل ہوتے ہیں اسکے دشمن ہوتے ہیں۔

احیاء العلوم میں ہے کہ:-

وسئل بعض العلماء عن شئ فلم يجب فقال سائل اما سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كتم علما نافعا جاء ملجما يوم القيامة بلجام من نار فقال اترك اللجام واذهب فان جاء من يفقه وكتمته فيلجمني فقد قال الله تعالیٰ ولا تؤتوا السفهاء اموالكم تنبيها على ان حفظ العلم ممن يفسده ويضره اولى وليس الظلم فى اعطاء غير المستحق باقل من الظلم فى منع المستحق۔

کسی عالم سے کوئی مسئلہ پوچھا تو انھوں نے اسکا کچھ جواب نہ دیا تو سائل نے کہا کہ کیا آپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو نہیں سنا کہ جو شخص علم نافع کو چھپائے وہ قیامت کے دن اس حال میں آئیگا کہ اسکو آگ کی لگام لگی ہوگی انھوں نے فرمایا کہ اچھا تم اس لگام کو تو یہیں چھوڑ دو اور چلے جاؤ جب کوئی فہیم شخص آئیگا پھر بھی میں اس سے علم کو چھپاؤں گا تو وہ مجھکو یہ لگام دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کم عقلوں کو اپنے مال مت دو اس میں تنبیہ ہے کہ علم کی بھی حفاظت ایسے شخص سے جو اسکو فاسد کردے اور اسکو نقصان پہنچائے بدرجہ اولیٰ ضروری ہے اور غیر مستحق و نااہل کو علم دینے اور اسکے سکھانے کا ظلم مستحق سے علم کو روکنے اور محروم رکھنے کے ظلم سے کسی درجہ میں کم نہیں ہے۔

دیکھئے! ان عالم صاحب نے خوب ہی جواب دیا کہ اگر میں کسی فہیم آدمی سے علم کو چھپاؤں تب البتہ مستحق ہوں گا کہ اس حدیث کی رو سے نار کی

لجام (یعنی آگ کی لگام) پہنا دیا جاؤں۔ اور تم تو ہماری بات کو سمجھو گے بھی نہیں تو پھر تمھارے سامنے بیان کرنے سے کیا فائدہ بلکہ تمھارے سامنے بیان کرنا علم کا ضائع کرنا ہے اور اس پر ظلم کرنا ہے اور سبحان اللہ اس آیت سے خوب ہی استدلال فرمایا کہ جب یتیموں کے اموال کو جب تک وہ سمجھ بوجھ نہ رکھتے ہوں دینے سے منع فرمایا تو علم تو مال سے کہیں اعلیٰ اور قابل حفاظت ہے پس اسکو بھی نا اہل اور بدفہم کو دینے سے ممانعت بدرجۂ اولیٰ ہوگی۔

غرض علم کی حفاظت ضروری ہے اور جب علم باقی رہے گا تو اہل علم کی بھی عزت و آبرو باقی رہے گی ورنہ اہل علم ذلیل و خوار ہو جائیں گے اور اسکی حفاظت کی صورت محض یہ ہے کہ اسکو نا اہل سے بچایا جائے۔ چنانچہ ابن ماجہ میں ہے کہ

عن ابن مسعودؓ قال لو ان اهل العلم صانوا العلم و وضعوه عند اهله لسادوا به اهل زمانهم لكنهم بذلوه لاهل الدنيا لينالوا به من دنياهم فهانوا عليهم

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کہ اگر اہل علم علم کی حفاظت کرتے اور اسکو اسکے اہل کے پاس رکھتے تو اسکی وجہ سے اہل زمانہ کے سردار ہو جاتے مگر ان لوگوں نے اہل دنیا پر علم کو صرف کیا تاکہ انکی دنیا سے کچھ حاصل کریں تو دنیا داروں کے نزدیک ذلیل و خوار ہو گئے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے اسمیں نہایت عمدہ باتیں بیان فرمائی ہیں علماء کو علم کی حفاظت کی طرف ابھارا ہے اور اسکی حفاظت کا طریقہ بھی بتلایا ہے کہ اسکو اہل کے پاس رکھا جائے اور یہ بھی فرمایا کہ علماء جب تک اپنے علم کی حفاظت کرتے رہیں گے انکی سیادت باقی رہے گی ورنہ ختم ہو جائیگی اور ذلیل و مُہان (خوار) ہو جائیں گے اور یہ ظاہر ہے کہ جب شاگرد نا اہل، دنیا دار ہوں گے تو ان سے کسی عالم کے علم و فن کی کیا شہرت ہوگی بلکہ بدنامی ہی

ہوگی۔ عالم تو ایک مقام پر رہتا ہے اسکے علم وفضل کی عالم میں جو شہرت ہوتی ہے تو اسی طرح کے اسکے لائق شاگرد اطراف واکناف میں منتشر ہوجاتے ہیں اور کام کرنے لگتے ہیں تو اساتذہ کی مدح وستائش ہونے لگتی ہے اور عوام و خواص میں اسکا چرچا ہوجاتا ہے اور دور دور اسکی شہرت ہوجاتی ہے اور لوگوں کی نگاہ میں محبوب ومقبول ہوجاتا ہے اسی طرح لوگ اسکی اقتدا کرتے لگتے ہیں اور وہ مقتدا و پیشوا ہوجاتا ہے۔

ابن ماجہ کے حضرت محشیؒ نے علم کی حفاظت کی صورت یہ بیان فرمائی ہے کہ علماء اپنے نفوس کو ظالموں کی ملازمت اور دنیا داروں کی مصاحبت سے بچائیں تو ٹھیک ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ تو علماء کے نفوس کی حفاظت ہوئی اور یہ بھی ضروری ہے، مگر حضرت ابن مسعودؓ تو علم کی حفاظت کو فرمارہے ہیں تو وہ اسی طرح ہوگی کہ اسکو نااہلوں سے بچایا جاوے چنانچہ خود حضرت نے صَانُوا الْعِلْمَ کے بعد وَوَضَعُوهُ عِنْدَ أَهْلِهِ فرمایا تو صیانت اور حفاظت کا طریقہ دوسرے جملہ میں بتایا ہے اسلئے کہ نااہل سے کسی شئے کی حفاظت نہیں ہوسکتی

مشہور ہے کہ ایک بادشاہ کے پاس ایک باز تھا بادشاہ اس سے بہت محبت کرتا تھا ایک دن وہ باز اڑکر ایک بڑھیا کے یہاں چلا گیا بڑھیا نے اسکو پکڑ لیا جب اسکی چونچ کو ٹیڑھی دیکھا تو یہ خیال کیا کہ اسکو دانہ اٹھانے میں بڑی دقت ہوتی ہوگی اسلئے اسکو کاٹ دیا پھر چنگل پر نظر پڑی تو اسکی نظر میں وہ بھی بڑھے ہوئے معلوم ہوئے تو اسکو بھی کاٹ دیا۔ غرض اسکو کتر بیونت کرکے بالکل ختم اور ضائع کرکے چھوڑا ادھر باز کی تلاش جاری تھی تلاش کرنے والے تلاش کرتے کرتے آخر بڑھیا کے گھر بھی پہونچ گئے اور باز کو پکڑ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کردیا بادشاہ کو اسکی حالت دیکھکر رنج ہوا اور حکم ہوا کہ اسکو باہر لیجاؤ اور اعلان کرو کہ جو اپنے کو نااہل کے سپرد کرے گا اسکا یہی حشر ہوگا۔

دیکھا آپ نے بڑھیا چونکہ اس باز کی قدر سے ناآشنا تھی اسکی قدر نہ کرسکی اور ضائع کردیا۔ تو علم جو نہایت دقیق اور غامض شئے ہے اس کی حفاظت کیا معمولی لوگوں سے ہو جائیگی؟ کیا اسکے لئے صلاحیت اور استعداد کی ضرورت نہ ہوگی؟ کیا ہر کس و ناکس اسکی حفاظت کر لے گا؟

میں تو دیکھتا ہوں کہ آجکل ایسے لوگ علم پڑھتے ہیں جو محسوسات اور مشاہدات تک میں غلطی کرتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ فہم کی گلی میں تو انکا گذر ہوا ہی نہیں اسلئے مشاہدات سے بھی وہ صحیح نتیجہ اخذ نہیں کر پاتے چہ جائیکہ وہ مسائل جو از قبیل نظریات ہوں۔

اس لئے میں یہاں برابر کہتا ہوں کہ عقل کے دشمن تو نہیں ہو، اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک تو یہ ہے کہ آدمی کے اندر عقل نہو مگر اس کمی کا اسکو احساس ہو اور سیکھنا چاہتا ہو اور ایک یہ ہے کہ عقل بھی نہ ہو اور سیکھنا بھی نہ چاہے بلکہ اسکے رویہ سے معلوم ہو کہ جیسے اسکو عقل سے بیر و عداوت ہے کہ اپنے پاس اسے آنے نہیں دینا چاہتا جیسے دشمن کو قریب نہیں ہونے دیا جاتا۔

میں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ انھیں کچھ کچھ علم تو آجاتا ہے مگر فہم ندارد ہوتی ہے اس لئے یہ لوگ اپنے حاصل شدہ علم سے کچھ کام نہیں لے پاتے مشہور ہے کہ "یک من علم را دہ من عقل باید" ایک من علم کے لئے دس من عقل درکار ہے۔

سنئے صوفیا رکرام نے ہمیشہ اپنے علوم و اسرار کو نااہلوں سے چھپانے کا اہتمام فرمایا ہے مگر پھر بھی لوگوں کی بے احتیاطی کی وجہ سے اسکے بعض علوم شائع ہو ہی گئے جسکی وجہ سے انکا پیدا ہوا۔

علامہ شعرانیؒ الیواقیت والجواہر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔
بعض عارفین فرماتے تھے کہ ہم وہ قوم ہیں کہ جو ہمارے طریقے پر نہ ہو اس کیلئے

لئے ہماری کتابوں میں نظر کرنا حرام ہے اسی طرح کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ کسی کے سامنے ہمارے کلام کو نقل کرے ہاں اس شخص کے سامنے جس پر اطمینان ہو نقل کر سکتا ہے۔ پس جو شخص کلام صوفیہ کو غیر معتقد سے نقل کرے گا تو یہ ناقل اور منقول الیہ دونوں انکار کے جہنم میں داخل ہو جائیں گے اس بات کی تصریح اہل اللہ نے بیانگ دہل فرمائی ہے اور یہ کہا ہے کہ جو ہمارے راز کو ظاہر کرے وہ قتل کا مستحق ہے، لیکن اسکے باوجود اہل غفلت اور اہل حجاب نے اسکو نہیں سنا اور حدود قوم سے تجاوز کیا یعنی انکے کلام کو غیر اہل پر ظاہر کر رہے ہے" (الیواقیت والجواہر)

دیکھا آپ نے اتنی احتیاط کے بعد بھی اہل غفلت باز نہ آئے اور نااہلوں کو باتیں پہونچا کر چھوڑا اور حضرات صوفیہ نے جو اپنے کلام کو نقل کرنے اور کتابوں کو دیکھنے سے منع فرمایا تو اس لئے کہ بات جب نہ سمجھیں گے تو انکار ہی کریں گے اور انکار سے انکو ضرر ہوگا دوسری وجہ یہ بھی ہے اور بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ جو نااہل ہیں اور انکو صوفیاء کے مقامات حاصل نہیں ہیں وہ ان باتوں کو یاد کرکے اپنے کو اہل کمال سمجھ لیں گے اور اہل کمال کی برابری کا دعویٰ کرنے لگیں گے اور ان باتوں کو بیان کرکے عوام کے سامنے بڑ بڑ کریں گے اور اپنا معتقد بنا دیں گے۔

حرف درویشاں بدزدد مرد دوں
تا بہ پیش جاہلاں خواند فسوں

(کمینہ آدمی درویشوں کے علوم و معارف چراتا ہے تاکہ جاہلوں کے سامنے منتر کی طرح پڑھے)

اسی وجہ سے تو اب محقق اور مدعی میں امتیاز باقی نہیں رہا صادق اور کاذب مخلوط ہو گئے جسکی وجہ سے گمراہی پھیل رہی ہے ایسے مدعی خود تو گمراہ ہیں ہی دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں یعنی ان سے لوگ

محض باتوں کو یاد کرتے ہیں جس میں معنی نہیں ظاہر کو اخذ کرتے ہیں باطن کا نام ونشان نہیں اس طرح دین محض ظاہر تک محصور ہوگیا ہے۔ طریق مٹتا جارہا ہے۔ فواویلاہ۔ (ہائے افسوس)

میں کہتا ہوں کہ جیسے صوفیاء نے اپنے کلام کو نا اہلوں سے محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا ہے مگر لوگوں نے پہونچا ہی دیا جس سے ضرر ہوا اسی طرح ظاہری علم دین کو بھی نا اہل سے بچانا چاہئے اور اسکا شدت سے اہتمام کرنا چاہئے مگر لوگوں نے اس قاعدہ پر عمل نہیں کیا اغراض دنیویہ کی بناء پر نا اہلوں کو پہنچایا آخر علم کو بھی ضائع کردیا اور اپنے کو بھی ذلیل وخوار کرلیا۔ جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا۔

سنیئے! وجہ سیادت (سرداری) کی علم وعمل میں نیت کی تصحیح ہے یعنی مال وجاہ کا قصد نہ کرنا انبیاء علیہم السلام کو یہ سیادت مخلوق پر اسی وجہ سے حاصل ہوئی اور بزرگان دین کو بھی اسی وجہ سے حاصل ہوئی۔ اور جب اہل دنیا سے قصد مال کا کیا جائے گا تو انکی نظر میں مُہان وذلیل ہو جائے گا یا کردیا جائیگا جیسا کہ اس زمانہ میں مشاہدہ ہورہا ہے۔ تصحیح نیت اور اخلاص کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ علم جس درجہ کی چیز ہے اسی پر اسکو رکھا جاوے اور نہ مال سے کسی طرح اسکو کم نہ سمجھا جائے۔ اسی طرح صاحب علم انبیاء کا وارث اور نائب ہے یہ درجہ کم نہیں پس اسکو اہل اموال کے درجہ سے کسی طرح کم نہ کیا جائے اور نہ سمجھا جائے ورنہ کبھی یہ سیادت محفوظ نہیں رہ سکتی۔

پس اہل علم حضرات کو چاہئے کہ علماء جیسے اخلاق واوصاف اپنے اندر پیدا کریں چونکہ علماء وارث انبیاء ہوتے ہیں اسلئے انکو ہر امر میں انبیاء علیہم السلام کی اقتدا کرنی چاہیئے جب لوگ اس چیز کو دیکھیں گے جبھی انکی سیادت کو قبول کریں گے بغیر اسکے اگر کوئی چاہے کہ لوگ اسکا اتباع کریں تو یہ نہیں ہوسکتا اسلئے کہ عوام الناس بھی سمجھتے ہیں کہ کون اخلاق حسنہ اور

اداب نبویہ سے متصف ہے اور کون نہیں، جب تک انکو انکے اخلاق باطنہ پر اطمینان نہیں ہوتا اسوقت تک عموماً دیکھا جاتا ہے کہ محض علم کو دیکھکر اقتدا نہیں کرتے اور انکا یہ طریقہ بجا اور صواب ہے۔

سنیئے! سیادت کوئی معمولی چیز نہیں ہے بڑی مشکل سے ملتی ہے اسکے لئے بڑا صبر اور بڑا تحمل کرنا ہوتا ہے کسی نے خوب کہا ہے ؎

خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو
یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

در مختار میں ہے کہ

لَا یَسُوْدُ سَیِّدٌ بِدُوْنِ وَدُوْدٍ یَمْدَحُ وَحَسُوْدٍ یَقْدَحُ

یعنی کسی شخص کو سیادت نہیں مل سکتی جب تک اسکے کچھ محبین نہوں جو اسکی مدح اور تعریف کریں اور اسی طرح اسکے کچھ حاسدین نہوں جو اسکی قدح اور مذمت کریں

اسکی وجہ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں کہ مدح پر سیادت اور ریاست کا ترتب تو ظاہر ہے مگر قدح پر اس طور سے ہے کہ قدح ہی پر آدمی حلم و عفو کرتا ہے اور لوگ حلم وعفو میں اسکی تقلید کرتے ہیں اسلئے اس کی سیادت مرتب ہو جاتی ہے۔

سبحان اللہ کیا ہی عمدہ بات بیان فرمائی ہے کہ حلم و صبر و عفو وغیرہ ایسے اخلاق ہیں جن سے سیادت ملتی ہے یہی اخلاق انبیاء علیہم السلام کے تھے جن سے انکو سیادت ملی، علماء ان حضرات کے نائب ہیں مستقل نہیں اسلئے ان کو بھی مخلوق کی طرف سے قدح و مذمت ضرور ملے گی اور اس موقع پر انکو یہ اخلاق یعنی صبر و حلم اختیار کرنا ہوگا۔ منجملہ اخلاق انبیاء کے قطع[۱] طمع و استغناء[۲] عن الناس و توکل[۳] علی اللہ بھی ہے۔ حضرات انبیاء نے تبلیغ احکام اور دعوت الی اللہ پر کبھی کسی اجر کا مخلوق سے مطالبہ نہیں فرمایا۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں اِتَّبِعُوْا مَنْ

[۱] لالچ نکرنا۔ [۲] مخلوق سے بے نیازی برتنا۔ [۳] اللہ پر بھروسہ

لَا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (ایسے لوگوں کی راہ پر چلو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ خود بھی راہ راست پر ہیں)۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (آپ ان سے یوں کہئے میں تم سے کچھ مطلب نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کی محبت کے) اور ہر نبی یہ فرماتا ہے اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ یعنی اللہ کے سوا کسی پر میرا اجر نہیں ہے۔

اس لئے کہ جب کام خدا کا ہے تو ظاہر ہے کہ اجر بھی اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمائیں گے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ کام کسی کا کیا جائے اور اجرت کسی اور سے لی جائے جس کا کام ہوتا ہے وہی اجرت دیتا ہے تو دین کے جو خادم ہیں انکو بھی اللہ تعالیٰ ہی سے اجرت کی تمنا رکھنی چاہیئے مخلوق سے نہیں۔

پس علماء کو بھی چاہیئے کہ یہ صفت اپنے اندر پیدا کریں یعنی مخلوق سے طمع (لالچ، امید) کو ختم کریں اور اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اس لئے کہ جب دعوت الی اللہ اور علم پہنچانے کی غرض تحصیل دنیا ہوگی تو پھر ایسا شخص تبلیغ علم میں اہل ونا اہل میں تمیز نہ کرے گا۔ جہاں سے اسکو دنیا ملنے کی توقع ہوگی بیدریغ اپنے علم کو صرف کرے گا تو ظاہر ہے کہ نا اہل دنیا دار علم کی کیا قدر کریں گے اور اسکی کیا حفاظت کریں گے پس اس طرح علم کا ضیاع ہو جائے گا، اور جب اہل دنیا سمجھ لیں گے کہ یہ طالب اور ہم مطلوب ہیں یہ تابع اور ہم متبوع ہیں، ہم سے مال حاصل کرنے کے لئے یہ علم پہنچایا جا رہا ہے تو پھر ان اہل علم کو اپنی نظروں سے ساقط کر دیں گے اور جب اہل علم ہی ان کی نظروں سے ساقط ہو جائیں گے تو ان سے خواہ کتنی ہی اشرف چیز پہنچے گی ہرگز اسکی قدر نہ کریں گے۔ اسی کو حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا وَ لٰكِنَّهُمْ بَذَلُوْهُ لِاَهْلِ الدُّنْيَا "یعنی حرص وطمع کیوجہ سے انھوں نے علم کو دنیا داروں پر صرف کیا"

تاکہ ان سے دنیا حاصل کریں تو چونکہ ان لوگوں نے خود دین کے علم کی ناقدری کی اسلئے خود ناقدر ہوگئے اور یہ طمع کا لازمی نتیجہ ہے۔ طامع ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ " مومن کا شرف قیام لیل ہے اور اسکی فضیلت استغنار عن الناس ہے " جب استغنار عن الناس نہیں بلکہ طمع الی الناس ہے تو فضیلت کہاں رہی؟

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم　　نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

دنیا کے لئے اللہ تعالیٰ کو چھوڑا انکے دین کا غلط مصرف نکالا انکے دین کو دنیائے مردار کے لینے کا ذریعہ بنایا تو خدا تو ناخوش و ناراض ہوا ہی مخلوق کو بھی ناراض کر دیا، انکی نظروں میں بھی ذلیل و خوار کر دیا۔

عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من التمس رضی الناس بسخط اللہ سخط اللہ علیہ واسخط علیہ الناس واخرج الطبرانی بسند جید عن ابن عباسؓ

حضرت عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضا طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں اور لوگوں کو بھی اس سے ناخوش کر دیتے ہیں طبرانی نے سند جید سے ابن عباسؓ سے تخریج کی ہے کہ

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اسخط اللہ فی رضی الناس سخط اللہ علیہ و اسخط علیہ من ارضاہ فی سخطہ ومن ارضی اللہ فی سخط الناس رضی اللہ عنہ وارضی عنہ من اسخطہ فی رضاہ حتی یزین قولہ وعملہ فی عینہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مخلوق کے راضی کرنے میں اللہ تعالیٰ کو ناخوش کریگا تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہونگے ہی جن لوگوں کو راضی کرنے کیلئے اس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا ہے اللہ ان لوگوں کو بھی اس سے ناراض کر دینگے اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا ہے لوگوں کو ناراض کر کے تو اللہ تعالیٰ تو اس سے راضی ہونگے ہی جنکو ناراض کیا ہے انکو بھی راضی کر دیں گے یہانتک کہ اسکے قول و عمل کو اسکی نظر میں مزین و محبوب بنا دیں گے۔

(طحطاوی علی المراقی ص۳)

(جاری)

مکتوب نمبر ۸۹

حال: عرض خدمت اقدس ہے کہ حضرت والا کی بابرکت صحبت سے رخصت ہوکر بخیریت مکان آگیا موجودہ حاضری کے اثرات اور پند جو سنا ہے اپنے فہم ناقص کے مطابق قلمبند کر رہا ہوں۔

اتوار کی مجلس میں جلالین سے حضرت والا نے منافقین کے بارہ میں بیان فرمایا کہ وہ زبان سے رسالت کا اقرار کرتے تھے پھر بھی اللہ تعالیٰ انکو کاذب فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب زبانی جمع خرچ تھا دل میں اسکا اثر نہیں تھا، حضرت والا کا منشاء اس سے یہ ہے کہ جب نبی کے زمانے میں ایسے لوگ موجود تھے آپؐ کی صحبت نے انکو کچھ نفع نہیں بخشا تو کیا یہ ممکن نہیں کہ اس دور میں بھی ایسے لوگ ہوں جو زبان سے ولایت اور بزرگی کا اقرار کرتے ہوں اور دل میں اسکا اثر نہ ہو تو کیا یہ ممکن نہیں کہ اس دور میں بھی ایسے لوگ ہوں جو زبان سے ولایت اور بزرگی کا اقرار کرتے ہوں اور دل میں اسکا اثر نہ ہو، پھر ایسی صورت میں نفع کی امید رکھنا حمق نہیں تو اور کیا ہے اگر نفع کی خواہش ہے تو دل میں اتارنا پڑیگا میں تو قسم کھاکر نہایت وثوق کے ساتھ تحریر کر رہا ہوں جس کے دل میں حضرت والا کی ولایت اتر گئی ہے اسکو نفع بھرپور ہو رہا ہے، اسکو دل میں جس روز اتار لے اسی روز سے نفع یقینی ہے۔

تحقیق: سنو! تمھارے اندر ایک مرض ہے وہ دعویٰ کا ہے ذرا سی بات میں پھولتے ہو یوں کہتے تھے کہ "میرے دل میں یہ آیا" کیا الہام کا اس میں دعویٰ نہیں ہے؟

بتاؤ تعلق ختم کردوں یا اصلاح کروگے۔

مکتوب نمبر ۷۹

حال : پس از سلام مسنون، نیاز مشحون عرض ہے کہ الحمد للہ یہ ناکارہ خادم حضرت والا کی دعا کی برکت سے بخیریت ہے امید ہے کہ حضرت والا بھی بخیر و عافیت ہوں گے۔ تحقیق : الحمد للہ بخیریت ہوں۔

حال : محبی مولانا ۔ ۔ ۔ صاحب کے خط سے یہ مژدہ ملا تھا کہ حضرت والا نہایت فاتحانہ انداز سے فتحپور چند دنوں کے لئے تشریف لے گئے ہیں وغیرہ اس خبر سے بہت ہی مسرت ہوئی تھی ۔ تحقیق : کیا اب نہیں ہے؟

حال : اور ہر وقت حضرت والا کا خیال دل میں رہتا ہے۔ تحقیق : الحمد للہ

حال : بعض ناگوار قسم کے وسوسے بیقرار کر دیتے ہیں ۔ تحقیق : وہ کیا ہیں میرے متعلق تو نہیں آتے ؟

حال : بے اختیار زبان پر یہ دعا رہتی ہے ؎

ساعد شہ مسکن ایں باز باد
تا ابد بر خلق ایں در باز باد

(بادشاہ کی کلائی اس باز کا مسکن رہے اور مخلوق پر یہ در ہمیشہ کھلا رہے)

گو حال یہ رہتا ہے کہ ؎

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

(میرے دل کے اندر ایک ایسا درد ہے کہ اگر اسے بیان کروں تو زبان جل جائے اگر خاموش رہوں ظاہر نہ کروں تو اندیشہ ہے کہ ہڈی کے اندر تک کا گودا جل جائے)

تاہم اظہار کی ضرورت بھی نہیں ۔ ع مشکل از تو حل شود بے قیل و قال والا معاملہ ہے ۔ حضرت والا اس خادم روسیاہ تباہ حال کے لئے بہت ہی دعا فرمائیں ۔ تحقیق : دعا کرتا ہوں ۔

حال: اس نارہ کو اس وقت تک موت نہ آئے جب تک حضرت اقدس کی خدمت بابرکت میں پہونچکر کامل ومکمل طور پر حالت سدھر نہ جائے اور ایمانِ کامل اور حق تعالیٰ کی رضا مندی حاصل نہ ہو جائے، پھر کامل ایمان کے ساتھ دنیا سے اُٹھوں - ع - یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے تحقیق: آمین

حال: یہاں کے ایک انگریزی طالب علم ۔۔۔۔ نامی ڈیڑھ دو سال قبل حضرت والا سے خط وکتابت کے ذریعہ اصلاحی تعلق قائم رکھے تھے میرے پاس بھی روزانہ شام میں آجاتے تھے یہاں کے اسکول سے میٹرک پاس کرکے مدراس شہر کے کالج میں داخل ہوگئے تھے اور برابر اصلاحی تعلق حضرت والا سے رکھے ہوئے تھے پھر یک بیک یہاں آنا بھی توقف کردے اور حضرت والا سے اصلاحی خط وکتابت بھی بند کر دیئے تھے کبھی کبھی دو تین ماہ کے بعد بستی آتے مسجد میں دور سے نظر آجاتے، میں بھی کچھ تیور بدلے ہوئے دیکھکر انجان ہی رہ جاتا تھا، ایک روز وہ خود مدرسہ کو آئے اور کچھ حالتیں لکھکر پیش کیئے کہ ڈیڑھ دو سال سے غفلتوں میں پڑ گیا تھا یہاں آیا نہ حضرت والا ہی سے خط وکتابت کا سلسلہ جاری رکھ سکا اب حق تعالیٰ نے حضرت والا کی برکت سے توفیق عطا فرمائی اب پھر سے سلسلہ جاری رکھ لوں گا وغیرہ وغیرہ - تو میں نے بھی اظہارِ خوشی کیا اور کہا کہ آپ - ع

شکر ایزد کہ نہ مُردیم و رسیدیم بدوست

(اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم مرے نہیں اور دوست تک رسائی نصیب ہوگئی) کے مصداق ہوگئے - پھر میں نے رسالہ "جنت" دکھایا اس میں سے چند باتیں جیسے حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ "اس راستہ میں کشتوں کے پُشتے لگے ہوئے ہیں" وغیرہ سنایا اور کہا کہ گو پوری طرح پابندی نہ بھی ہو، کتنی ہی کوتاہیاں ہو جائیں مگر کسی حال میں اہل اللہ سے تعلق میں کمزوری

پیدا نہ ہونا چاہیئے یہ خود ایک عبادت ہے اور ہزاروں فتنوں سے محفوظ رہنے کا ایک مضبوط قلعہ ہے۔ میں نے انکو حضرت حافظ ضامن شہیدؒ کا ایک نوجوان کے ساتھ واقعہ بھی سنایا "جنت" ہی ہیں سے تو بہت سے معلوم ہوا بات دل کو لگی ہے۔ اب وہ آرہے ہیں حضرت والا سے بھی پھر سے اصلاحی تعلق قائم کرلینا چاہتے ہیں، میں نے ان سے کہا کہ ڈرو نہیں میں بھی سفارش کروں گا۔

تحقیق: نہیں آپ ہی اصلاح کیجئے۔

حال: یہ آجکل بی۔اے میں پڑھ رہے ہیں طبیعت میں سلامتی ہے امید کہ حضرت والا انکو پھر سے خط وکتابت کی اجازت مرحمت فرمادیں گے والسلام — تحقیق: اجازت نہیں ہے۔

(مکتوب نمبر ۷۹۱)

حال: حضرت والا کا گرامی نامہ موصول ہوا کئی مرتبہ پڑھا اللہ تعالیٰ حضرت والا کے سایہ کو باقی رکھے ایسے اللہ والوں کی شدید ضرورت ہے۔ حضرت جب سے آپ تشریف لے گئے حالانکہ سب چیزیں موجود ہیں مدرسہ بھی ہے خانقاہ بھی ہے حضرت والا کا مکان بھی ہے لیکن جو رونق حضرت والا کے رہنے سے رہتی ہے وہ اس وقت نہیں ہے معلوم ہوتا ہے کہ روح نکل گئی ہے کاش کہ حضرت والا جلد تشریف لے آتے تاکہ ہم لوگوں کی سیاہ بختی نیک بختی میں تبدیل ہوجاتی۔

حضرت والا کو خادم نے دو مرتبہ خواب میں دیکھا ہے ایک مرتبہ دیکھا کہ حضرت والا تشریف لے آئے ہیں اور بالاخانہ پر مقیم ہیں میں نے مصافحہ کیا چائے اور شربت کا اہتمام ہورہا ہے، برف رکھا ہوا ہے یعنی جو لوگ چائے پیتے ہیں چائے پئیں اور جو شربت پیتے ہیں وہ شربت

پیش اور اسکے بعد یہ دیکھا کہ حضرت مولانا مخصوص لوگوں کی نشست فرمارہے ہیں اسمیں مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب حضرت والا سے کسی مضمون کے بارے میں دریافت فرمارہے ہیں کہ اس مضمون کو طبع کرانا ہے حضرت والا اسکو سُن لیں ۔ اور قاری مبین صاحب جمعہ کا خطبہ دے رہے ہیں، ہم لوگ انکی امامت میں نماز ادا کررہے ہیں۔ حضرت والا ان سب خواب کی تعبیر سے آگاہ فرمادیں، بڑا احسان ہوگا۔
تحقیق : اپنے خط کا جواب مولوی قمرالزماں صاحب اور قاری صاحب اور مولوی عبدالمجید صاحب سے حاصل کیجئے ۔ اگر ہوسکے تو مطلع فرمایئے

مکتوب نمبر ۹۲

حال : حضرت کے جواب کے بعد گذشتہ خط کو باربار پڑھا اور اپنی غلط فہمی بھی کچھ سمجھ میں آئی ۔ تحقیق : کیا سمجھ میں آئی ۔
حال : میں سمجھ رہا تھا کہ احوال بھی اعمال کے ثمرات ہیں اور اپنے اندر اعمال کی کمی محسوس کرکے لکھ گیا اور اب یہ سمجھا ہوں کہ احوال و کیفیات کوئی مقصود نہیں بلکہ اصل مقصود اعمال ہے۔ تحقیق : شاید اب بھی نہ سمجھے ہو، اپنا پہلا خط کیوں نہیں رکھا ۔
حال : یکسوئی سے میرا مطلب یہ تھا کہ کلام نفسی نہ ہو بلکہ پوری توجہ قرأت قرآن ہی پر ہونی چاہئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو جو کچھ توفیق میسر ہے اسے خدا کا انعام سمجھے اور ہمیشہ استقامت کی دعا مانگا کرے یہی شکر ہے اور اسی سے اللہ تعالےٰ خوش ہوکر اور بھی زائد عطا فرماویں گے لئن شکرتم لازیدنکم کا مطلب یہی سمجھ میں آیا۔
تحقیق : شاید آیا ہو۔
"من عمل کا علم" اس سے آگے پوری عبارت باربار پڑھا

لیکن اسکا مفہوم اچھی طرح سمجھ میں نہیں آیا ۔ تحقیق : میں نے قصدًا لکھا تھا کہ چاہتے تو بہت کچھ ہوا ور ضروری چیزیں کلی معلوم نہیں
بے علم نتواں خدارا شناخت ۔

حال : کوشش تو بہت کی مگر کسی دوسرے سے پوچھنے سے بہتر حضرت والا ہی سے پوچھنا ہے اسو یہ سے کسی سے پوچھا نہیں غلط یا صحیح جو کچھ سمجھ میں آیا اسے لکھ رہا ہوں ۔ وہ یہ کہ جس نے اپنے علم کے مقتضا پر عمل کیا اسے اللہ تعالیٰ جان رہے ہیں اگرچہ عمل کرنے والے کو اسکی خبر نہیں ۔ تحقیق : غلط ہے ۔

حال : حضرت میں عربی زبان سے بہت کم واقف ہوں جو نہ پڑھنے ہی کے برابر ہے ۔ حضرت والا سے التجا ہے کہ ہماری غلطیوں کو معاف فرمائیں گے
تحقیق : کیا معاف کروں علم یا جہل ؟

مکتوب نمبر ۹۳

حال : جب میں شروع میں حضور کے پاس گیا تھا تو اور لوگوں کو دیکھا کہ اونچا پاجامہ اور گول ٹوپی ۔ پسند نہیں ہوا ۔ مگر جب حضور سے نسبت پیدا ہوئی تو ساری چیزوں سے عشق پیدا ہوا اور اسکو اپنا لیا مگر جب کچھ دن تک ایسی ہی حالت رہی تو دل میں گھبراہٹ پیدا ہوئی اس لئے کہ انسان دنیا میں ترقی کرنے کے لیئے آیا ہے جب ترقی بند ہوئی تو گھبرانا ضروری ہے ۔

بہت غور و فکر کے بعد سمجھ میں یہ آیا کہ ترقی نہیں ہوتی اسکی وجہ یہ ہے کہ حضور سے نسبت کمزور ہے تھوڑی سی نسبت ہونے سے تو یہ حالت ہوئی کہ بہت سی چیزیں چھوٹ گئیں اور بہت سی چیزوں کی پابندی ہوگئی اب مجھے جس چیز کی تلاش ہے اس کیلئے حضور سے

گہری محبت اور گہری نسبت کی ضرورت ہے۔
میں راستہ چلتا ہوں تھک کر بیٹھ جاتا ہوں پھر کوشش
کرتا ہوں پھر بیٹھ جاتا ہوں۔
اب میری سمجھ میں یہ بات آئی ہے کہ اپنے شیخ سے جبتک
عشق نہیں ہوگا اللہ تعالے کا راستہ طے نہیں ہوگا اور یہ میرے اختیار
کی بات نہیں ہے

تحقیق: نسبت تمھیں پیدا کرنا چاہیئے یا مجھکو؟

حال: جہاں تک میرے اختیار کی بات تھی اسکو کیا اور اسکا فائدہ
بھی ہوا، اب گہری محبت کی ضرورت ہے میں اسکو کہاں سے لاؤں

تحقیق: پھر میں کیا کروں تمھاری طرف سے میں کرلوں۔

مکتوب نمبر ۹۴

حال: گذارش بخدمت آنکہ ہملوگوں کی زندگی سرتاپا بے اصولی پر مبنی ہے اسی کے ساتھ
ہر اصول کی بات کو سختی کا نام دیتے ہیں اسلیئے کہ آئینہ میں اپنی ہی تصویر
نظر آتی ہے۔ صد شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خاکسار کو جناب والا کی خدمت میں
حاضری کا موقع عنایت فرمایا اور ایک بہت بڑی غلطی کا انکشاف ہوا
آپ کی تھوڑی ہی دیر کی صحبت نے ایک حقیقت واضح کردیا
اس گنہگار کے دل میں یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین ہوگئی
کہ نظم کی پابندی نہایت درجہ اہم ضروری چیز ہے۔ آپ کی نظر عنایت نے
یہ احساس پیدا کردیا کہ ہم لوگوں کے ادبار کا سبب نظم کی عدم پابندی ہے
میں اپنی غلطیوں کا معترف ہوں اور معافی کا خواستگار ہوں امید ہے
آنجناب ہماری غلطیوں کو معاف فرماتے ہوئے ہماری صلاح وفلاح کیلئے
دعا فرمائینگے۔ والسلام

مکتوب نمبر ۹۶

بخدمت مولانا علی میاں صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپکا خط ملا ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پرملال
خبر معلوم ہوئی ہم پسماندگان کیلئے بڑا سانحہ ہے میں آپکو کیا تسلی دوں مجھکو خود رنج ہے۔
بیماری میں حاضر نہ ہوسکا کہ زیارت ہو جاتی اور نہ اس وقت حاضر ہوسکا معلوم ہو
نہ ہوسکا شاید ہمت کرجاتا۔ بہرکیف میں آپ لوگوں کے ساتھ رنج میں شریک ہوں ہر فرد
میری طرف سے صبر کی تلقین فرمائیے۔
مرحوم صفات برگزیدہ کے حامل تھے اب ایسے لوگ کہاں ملیں گے اللہ تعالیٰ
اپنے خاص جوار رحمت میں جگہ دے میں برابر ان کے لئے خلوص کے ساتھ دعا کرتا رہوں
اور ایصال ثواب بھی انکا حق اپنے اوپر سمجھتا ہوں، میرے بزرگ تھے، اب آپ سے کیا کہوں
حضرت ابن عباسؓ کو حضرت عباسؓ کی وفات کے بعد ایک بدوی نے ایک
عجیب وغریب تعزیت پیش کی تھی وہی پیش کرتا ہوں

اصبر نکن بك صابرین فانما صبر الرعیته بعد صبر الرأس

(آپ صبر کیجئے ہم بھی آپکے ساتھ صبر کرینگے اس لئے کہ رعایا کا صبر اپنے سردار کے صبر کے بعد ہوا کرتا ہے

خیر من العباس اجرك بعده واللہ خیر منك للعباس

(حضرت عباسؓ کی جدائی کے بعد صبر اختیار کرنے پر آپکو جو اجر ملیگا وہ حضرت عباسؓ سے بہتر ہے اور حضرت عباسؓ کیلئے اللہ تعالیٰ تم کہیں بہتر)
ایک آدھ روز کی تاخیر سے جواب جارہا ہے اسکی معافی چاہتا ہوں دل برابر آپکی طرف متوجہ
بے اعتنائی نہیں برتی گئی۔
مولانا منظور احمد صاحب کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ مولانا عبدالباری صاحب
کا بھی خط آیا ہے بڑے رنج وغم کا اظہار فرمایا ہے بعینہ یہ خط انکی خدمت میں بھی پیش کر
دو میری طرف آپ حضرات توجہ فرمائیں۔

والسلام۔ وصی اللہ عفی عنہٗ

(۵۰) حضرت نے ایک خط ایک مولوی صاحب کو دکھلا کر فرمایا کہ دیکھئے سفارش کا طریقہ میرا یہ ہے جس کو اہل حاجت ناپسند کرتے ہیں مگر اس سے تجاوز کرنا شریعت سے تجاوز کرنا سمجھتا ہوں۔ لوگ درخواست کرتے ہیں کہ زوردار الفاظ لکھ دیجئے۔ بھلا دوسرے کو مجبور کرنا کہاں جائز ہے کہ یہ کام ضرور ہی کردو۔ اسپر لوگ کہتے ہیں کہ اسکو بخل ہے ذرا زبان اور قلم ہلانے سے کام چل سکتا ہے میں کہتا ہوں کہ ایک کو تو نفع پہنچاؤں جو کہ مستحب ہے اور دوسرے کو تکلیف دوں جو حرام ہے؟ ایک صاحب نے مجھ سے سفارش چاہی اور کچھ اپنی قرابت بھی مجھ سے ظاہر کی جس کا علم مجھ کو نہ تھا، میں نے سفارش کا یہ مضمون لکھدیا کہ فلاں صاحب آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ ہماری تم سے (یعنی حضرت سے) قرابت بھی ہے جس کی صحت اور عدم صحت کی مجھکو تحقیق نہیں اور انکی یہ مجھ سے پہلی ہی ملاقات ہے میں انکے حالات سے واقف نہیں ہوں آپ دیکھ بھال لیجئے اگر قابل اطمینان ہوں انکی کاربراری فرمایئے میں ممنون ہوں گا اور آپ کو ثواب ہوگا۔

اس مضمون کو اس سفارش خواہ کے لوگوں نے دیکھکر ان سے کہا کہ یہ تو کچھ بھی نہیں اس سے تمہارا کام ہرگز نہ ہوگا وہ اسکو لیکر میرے پاس آئے اور کہا کہ صاحب یہ تو کچھ بھی نہیں ذرا زوردار الفاظ لکھ دیجئے میں نے کہا کہ لاؤ! بس میں نے اس پرچہ کو لیکر چاک کر ڈالا، پھر انھوں نے بہت کہا کہ اچھا وہی مضمون لکھ دیجئے جو پہلے لکھا تھا، میں نے کہا کہ اب نہیں لکھوں گا، یہ بھی کوئی دل لگی ہے ایک تو میں نے آپکو لکھ دیا تھا آپکی خاطر سے میرے پاس آپ رہے نہیں، آپ کی بابت مجھے تجربہ نہیں میں دوسرے کو آپکی بابت کس طرح اطمینان دلاؤں۔

پھر فرمایا کہ ایسی سفارش میں جس میں کہ آزادی دی جاوے کہ چاہے کام کریں یا نہ کریں کبھی شرمندگی نہیں ہوتی پھر فرمایا کہ بعض مجھے مجبور کرتے ہیں کہ

یہ مضمون سفارش کا لکھ دو، میں ان سے کہہ دیتا ہوں کہ اچھا تم اسکا مسودہ کرلاؤ میں اسکی نقل کردوں گا چنانچہ وہ اپنی حسب منشار لکھ لاتے ہیں اسکی نقل کرکے روانہ کردیتا ہوں مگر پیچھے سے فوراً ایک کارڈ ڈاک میں بھیجدیتا ہوں کہ فلاں فلاں مضمون کا خط تمھارے پاس پہنچے گا وہ میرا مضمون نہیں ہے تم اسکے موافق عمل کو ضروری نہ سمجھنا۔ پھر فرمایا کہ دوسرے کو مجبور کرنا خواہ موقع ہو یا نہ ہو کیا مناسب ؟ اور دوسرے کی حالات کی کیا خبر؟

ف : اس سے حضرت والا کی حسن معاشرت ، بیدار مغزی ، حکمت ، احتیاط ثابت ہوئی۔

(۵۱) ایک نووارد صاحب نے عشار کے وقت حضرت والا کے اندر تشریف لیجاتے وقت در کا پردہ اٹھایا فرمایا کہ کیا مجھے فرعون بنانا چاہتے ہو؟ میرے ہاتھ نہیں ہیں، کیا میں خود اٹھا نہیں سکتا ہوں۔ ہمارے یہاں یہ قاعدہ نہیں ہے، ہم اسکو بالکل ناجائز سمجھتے ہیں۔ پھر ان صاحب نے بعد فراغ نماز عشار حضرت والا سے معافی چاہی، حضرت نے ان صاحب کو اس فعل کا قبیح ہونا خوب اچھی طرح سمجھا دیا اور آئندہ کے واسطے ہدایت فرمائی۔

ف : اس سے حضرت والا کی تواضع اور حسن تربیت معلوم ہوئی۔

(۵۲) ایک حافظ صاحب جو کہ بہت سیدھے ہیں وہ حضرت کے ہمراہ گڈھی گئے تھے واپسی میں سواری میں جگہ نہ تھی لہٰذا حضرت والا نے ایک اور ہمراہی سے پیسے دلوائے کہ حافظ جی بیچارے بیماری کی وجہ سے کمزور ہیں پیدل آنے میں انھیں تکلیف ہوگی یہ ریل سے چلے آویں گے مگر حافظ صاحب نے پیسے تو بچائے اور پیدل ہی آئے جب وہ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے دریافت فرمایا، معلوم ہوا کہ حافظ صاحب پیدل آئے فرمایا تم نے بُرا کیا بیمار اور کمزور آدمی خوامخواہ تکلیف اٹھائی پیسوں کے لالچ میں۔ مزاحاً حافظ جی سے فرمایا کہ اچھا آپ نے جب خرچ نہیں کیے تو وہ پیسے فلاں طالب علم کو واپس کیجیے

ابھی ہیئے، وہ بیچارے جاکر لائے، پھر فرمایا کہ کچھ زیادہ دیجئے کیونکہ اس نے آپ کے ساتھ احسان کیا انھوں نے کہا کہ زیادہ تو سود ہو جاوے گا فرمایا کہ سود تو شرطاً سے ہوتا ہے آپ احسان کے بدلے میں احسان کیجئے، انھوں سے سات کے عوض آٹھ پیسے دیئے پھر فرمایا حافظ جی سچ بتلانا دل بھی دکھا آپ کا پیسہ دیتے ہوئے یا نہیں؟ انھوں نے کہا نہیں، فرمایا کہ یہ آپ نے سچ بولا؟ حافظ جی نے کہا ہاں کچھ کچھ دکھتا ہے پھر ان طالب علم سے کہا کہ جب انکا دل دکھتا ہے تو تم ہرگز نہ لینا پیسہ ورنہ ہضم نہ ہوں گے۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ ان حافظ صاحب کو یہ پیسے پھر واپس کر دے چاہئیں فرمایا کہ نہیں میں نے تو ہنسی میں منگا سئے تھے پیسے تو انکی ملک ہیں یہ جو چاہیں سو کریں۔

ف: اس سے حضرت والا کی شفقت، حسن تربیت، تطییب قلب مساکین مزاح، رفق و نرم خوئی، یہ صفات مستفاد ہوئے۔

(۵۳) ایک صاحب جو گوشت نہیں کھاتے ہیں حاضر خدمت ہوئے اور بیمار بھی تھے، فرمایا کہو جی گوشت خوار کیا حال ہے؟ پھر فرمایا کہ گوشت خوار کے یہ معنی ہیں کہ جبکی نظروں میں گوشت خوار ہو (یعنی گوشت اچھا نہ معلوم ہو)۔

ف: اس سے بھی حضرت کا مزاح و شفقت و تطییب قلب مسلم معلوم ہوا۔

(۵۴) ایک صاحب جو کہ سرکاری ملازم ہیں چھ ماہ کی رخصت لیکر بغرض قیام تھانہ بھون حاضر ہوئے چند دنوں کے بعد انکے والد صاحب کا خط آیا کہ فلاں مولوی صاحب انکو اپنے ساتھ لے گئے ہیں اور ان ہی مولوی صاحب کی ایماء سے آئندہ ملازمت بھی شاید ترک کر دیں اور اس خط میں ان مولوی صاحب کی اور بھی بیجا شکایتیں درج تھیں، حضرت والا نے ان صاحب سے دریافت فرمایا کہ تمھارا ترک ملازمت کا ارادہ تو نہیں ہے صرف رخصت ہی لی ہے؟ انھوں نے عرض کیا جی ہاں صرف رخصت لی ہے ترک ملازمت کا تو ارادہ نہیں ہے میں اپنے والدین کو اطلاع بھی کر آیا تھا مگر انھیں اطمینان نہیں ہوا اور حضور تک

نوبت پہنچائی ۔ فرمایا کہ بجائے اس کے کہیں آپ کا حال لکھوں زیادہ مناسب ہوگا کہ آپ خود اس پر یہ مضمون لکھدیں اور وہ خط انکے والد صاحب کا انکو دیدیا اور یہ فرمادیا کہ اس خط میں جو مضامین دوسروں کے متعلق ہیں انکا کسی سے ذکر نہ کیا جائے ۔ اور آپ یہ خط لکھکر مجھے بھی دکھلا دیں میں بھی کچھ لکھدونگا ان صاحب نے وہ خط مضمون مذکور لکھکر حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو دریافت فرمایا کہ تم نے اسکا ذکر مولوی صاحب سے تو نہیں کیا ؟ وہ خاموش ہو گئے فرمایا کہ آپ نے مولوی صاحب کو خط دکھلا دیا حالانکہ میں نے منع کر دیا تھا ان صاحب نے عرض کیا کہ ان مولوی صاحب کے پاس اور بھی خط شکایت کے آچکے ہیں ۔ فرمایا کہ آپ کے خط دکھلانے سے اور رنج مولوی صاحب کو زیادہ ہی تو ہوا ۔ افسوس ہے ، جب میں نے منع کردیا تھا تو پھر آپ نے کیوں دکھلایا نہ معلوم آپ نے کیا تاویل کر لی یہ خط میرے پاس امانت تھا میں نے آپ کے سپرد امانۃً کیا آپ نے خیانت کی کہ دوسروں کو دکھلایا آپ کو بلا اجازت میری یا اپنے والد صاحب کے نہ دکھلانا چاہئے تھا ، اگر دکھلانا ہی تھا تو مجھ سے اجازت تو لے لیتے اور پھر مجھ سے ذکر بھی نہیں کیا کہ میں نے دکھلایا ہے اگر میں نہ پوچھتا تو آپ ذکر بھی نہ کرتے یہ آپ نے مجھے دھوکا دیا میں یہ سمجھتا کہ آپ نے نہ دکھایا ہوگا ۔ علاوہ اسکے یہ ان حقوق کے بھی خلاف ہے جو کہ میرے آپ پر ہیں ۔ آئندہ آپ پر کسی بات کا کیا بھروسہ کیا جا سکتا ہے ۔ آپ کا اعتبار جاتا رہا ہم تو آپکی بزرگی کے قائل تھے مگر اب آپکی یہ خوبیاں ظاہر ہوتی جاتی ہیں ، معلوم ہوتا ہے ابھی آپ کے اخلاق کی درستی نہیں ہوئی کیا صرف تہجد پڑھنا اور تسبیح ہلانا ہی ضروری اور کافی ہے کیا یہ امور شریعت کے خلاف نہیں ہیں اور ان پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے ۔ پھر فرمایا کہ کچھ سمجھ میں آیا یا نہیں ؟ انھوں نے عرض کیا خوب سمجھ میں آگیا ۔ پھر فرمایا خبردار جو آئندہ کبھی کہنے کے خلاف کوئی کام کیا ۔ جاؤ اپنی اور میری دونوں تحریریں بھی مولوی

صاحب کو دکھلا دو جبکہ کل خط تم نے دکھلا ہی دیا ہے۔ ہمارے پیٹ میں نہ معلوم کس کس کی اور کیسی کیسی کھلی بری باتیں پڑی ہیں مگر کیا مجال جو کبھی انکا اظہار ہو، آپ سے ذراسی بات کا ضبط نہ ہو سکا جھٹ جاکر خط دکھلا دیا۔ حضرت والا نے انکے والد کو خط میں تحریر فرمایا تھا کہ آپ کے تمام خیالات کا مدار شبہات پر ہے مسلمان سے حسن ظن رکھنا چاہیئے۔ جو مضمون آپ کے لڑکے نے آپکی تسلی کے لئے لکھا ہے فلاں مولوی صاحب بھی اسکے خلاف نہیں ہیں۔

پھر ان صاحب نے اسی دن بعد ظہر ایک پرچہ معذرت کا لکھکر دیا اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ مجھے اس کا سخت صدمہ ہے کہ میں نے آپ کے حکم کے خلاف کیا اس پر حضرت والا نے جواب تحریر فرمایا کہ آپ کس وہم میں پڑ گئے۔ واللہ میرا دل آپکی طرف سے بالکل صاف ہے۔

ف: حضرت کی شفقت ومحبت جو مریدوں کے حال پر ہے اسکا کچھ اندازہ اس ملفوظ کے آخری جملہ سے ہو سکتا ہے مگر اسکے ساتھ اصلاح اخلاق کیجانب جو حضرت کی خاص توجہ رہتی ہے اسکا اندازہ بھی اسی ملفوظ سے ہو سکتا ہے

(۵۵) ایک مولوی صاحب کے پاس ایک خط آیا جس میں کچھ سخت الفاظ لکھے تھے انھوں نے حضرت والا سے ذکر کیا کہ میں انکو جن کے نام سے خط آیا ہے لکھوں کہ انھوں نے ایسے الفاظ کیوں لکھے؟ فرمایا کہ اول یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ انکی تحریر ہے یا نہیں، اگر آپ خط پہچانتے ہوں تو معلوم ہو سکتا ہے، انھوں نے جواب دیا کہ یہ خط تو کسی دوسرے سے لکھوایا گیا ہے۔ فرمایا کہ خوامخواہ کسی پر کیوں شبہہ کیا جاوے۔ اگر انکا خط پہچانا جاتا تو اول ان سے دریافت کیا جاتا کہ آیا انھوں نے یہ خط بھیجا ہے یا نہیں اگر وہ انکار کریں تو بھی ان سے مخاطبت بے جا ہے۔ مخاطبت تو ان سے جب ہی کیجا سکتی ہے کہ جب انکی تحریر پہچانی جاوے اور وہ اس خط کے بھیجنے کا اقرار کریں پھر بعد کو ذکر آیا تو معلوم ہوا

ہ خط جو مولوی صاحب کے پاس آیا تھا جعلی تھا اور جس طرف انکا شبہہ تھا
ہ غلط نکلا۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ دیکھئے اگر خط بھیجدیا جاتا تو ان سے
س قدر ندامت ہوتی کہ خوامخواہ ان پر شبہہ کیا گیا۔ جب شریعت کو ذرہ برابر
چھوڑا جائے گا ضرور کلفت ہوگی، آجکل علماء نے بھی معاملات میں شریعت
و چھوڑ دیا ہے۔ بس نماز و روزہ میں شریعت پر عمل ضروری سمجھتے ہیں۔
ف: اس سے حضرت والا میں شریعت کا طبیعت ثانیہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(۵۶) ایک طالب علم جو کہ سر میں تیل ملنے کا خاص طریقہ جانتے ہیں جس سے تیل بالکل سر میں کھپ جاتا ہے ان سے حضرت والا نے کہلوا کر بھیجا کہ اگر فرصت ہو اور تعلیم کا حرج نہ ہو تو آکر سر میں تیل مل جاویں انھوں نے جواب میں کہلا کر بھیجا کہ اس وقت فرصت نہیں ہے (یہ بیچارے بے تکلف ہیں اگر فرصت ہوتی ہے تو بے کہے خود آکر سر میں تیل ڈالد یتے ہیں) اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ ان سے میں نے کہا تھا کہ ایک روپیہ ماہوار مجھ سے تیل ڈالنے کا لے لیا کرو انھوں نے جواب دیا کہ اسکا ذکر کروگے تو پھر ویسے بھی سر میں تیل ڈالنا چھوڑ دوں گا۔
ف: اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت والا بلا اجرت کسی سے کام لینا نہیں چاہتے نیز اپنے متعلقین کو آزادی دے رکھی ہے کہ بلا تکلف اپنے مصالح کی رعایت کریں۔ مباحات میں کسی کا دباؤ نہ قبول کریں۔

(۵۷) فرمایا کہ آجکل ہم لوگوں کی معاشرت نئے طرز کی ہوگئی ہے اگر مہمان سے قیام کی مقدار پوچھلی جائے تو اسکو خلاف تہذیب سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض مہمان بطور خود کھانے کا انتظام کرتے ہیں مگر میزبان کو اطلاع نہیں کرتے میزبان بیچارہ سامان کرکے کھانا تیار کرتا ہے وقت پر کہدیتے ہیں کہ صاحب ہمارے ساتھ کھانا موجود ہے اس سے میزبان کو کس قدر تکلیف اور اسکا کتنا نقصان ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک صاحب جو کہ میرے یہاں مہمان تھے اپنے ساتھ کھانا لائے تھے مگر انھوں نے اپنے پاس کھانا موجود ہونے کی مجھے اطلاع نہیں کی جب کھانا کھانے

کا وقت آیا تو اپنا کھانا کھول کر بیٹھے میں نے کہا کہ آپ نے مجھے اطلاع کر دی ہوتی کہ میرے پاس کھانا موجود ہے تو مضائقہ نہ تھا اب چونکہ آپ نے اطلاع نہیں دی اور مجھے تکلیف دی لہٰذا اس کھانے کو کہیں اور جا کر کھائیے یہاں نہ کھائیے۔ پھر فرمایا کہ جب میں سفر کو جاتا ہوں اور سہارنپور میں کچھ قیام کرنا ہوتا ہے اور اسی عرصہ میں کھانے کا وقت ہو تو پہنچتے ہی میں اطلاع کر دیتا ہوں کہ کھانا ہمارے ساتھ موجود ہے یا یہ کہ فلاں جگہ کھائیں گے اور اگر ہمراہ ہو تو جاتے ہی میزبان کے گھر بھجوا دیتا ہوں کہ اسکو رکھ لیا جاوے اور اپنے یہاں کا کھانا بھیجدیا جاوے یا دونوں کو ملا جلا کر استعمال کیا جاوے اس سے انھیں بھی تکلیف نہیں ہوتی ورنہ جلدی میں اگر کھانا تیار کرایا جاوے تو سخت پریشانی ہو۔ اور اس طرح سے کھانا ہمراہ لیجانے سے میزبان کی اہانت بھی نہیں ہوتی کیونکہ میزبان کا کھانا بھی تو استعمال میں آتا ہے۔ پھر فرمایا کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ خود تو میزبان کے یہاں کھاتے ہیں اور ساتھ کا کھانا کتوں وغیرہ کو ڈال دیتے ہیں افسوس کہ رزق کی ایسی بے قدری کہ آدمی کو نہ کھلایا جائے خواہ کتے کھاویں اگر وہ کھانا میزبان کے یہاں بھیجدیا جاوے تو کیا حرج ہے اسی سلسلہ میں فرمایا کہ میں نے تو محلہ میں کہدیا ہے کہ جب کسی کے یہاں ساگ پکا کرے تو میرے لئے بھیجدیا کریں غریب بے چارے اس بات سے بہت ہی خوش ہیں کہ ہماری بہت ہی خاطر کرتے ہیں کہ جو بے تکلف سالن قبول کر لیتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ کڑھائے کی دال بڑے مزے کی ہوتی ہے۔ غریبوں میں شادی وغیرہ میں کڑھائے میں پکتی ہے مجھے جب اطلاع ہوتی ہے تو میں خود منگوا لیتا ہوں۔

ف: اس سے حضرت والا کی حسن معاشرت، حسن تربیت، تطییب قلب مساکین، بے تکلفی ثابت ہوئی۔

(۵۸) ایک زمیندار صاحب نے گاؤں سے بارش کے دن حضرت والا کی خدمت میں کھیر مٹی کے گھڑے میں ایک مزدور پر رکھوا کر بھیجی وہ آدمی بیچارہ قریب

تھانہ بھون کے آکر کیچڑ کی وجہ سے گر گیا۔ کھیر بھی سب گر گئی وہ بیچارہ کیچڑ ملی ہوئی کھیر لیکر آیا اور پرچہ جو زمیندار صاحب نے دیا تھا پیش کیا حضرت والا نے بہت افسوس فرمایا کہ بے چارے کے چوٹ بھی لگی اور کھیر بھی رخصت ہوئی ایسے میں تنہا چلنا مشکل ہے نہ کہ بوجھ لیکر چلنا تو سخت ہی دشوار ہے ایسی بارش میں بھیجنا سخت بے رحمی ہے۔ پھر فرمایا کہ زمینداری میں کچھ قساوت ہو ہی جاتی ہے۔ پرچہ میں انھوں نے رسید مانگی تھی۔ حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ بجائے رسید کے نصیحت بھیجتا ہوں کیونکہ کھیر تو گر کر ختم ہوگئی۔ پھر دوسرے دن دوبارہ اسی شخص کو کھیر لیکر بھیجا، حضرت والا نے اس مزدور سے دریافت فرمایا کہ کھانے کے کچھ پیسے دیئے ہیں یا نہیں جواب دیا نہیں دیئے۔ حضرت والا نے اپنے پاس سے پیسے دیئے اور ان زمیندار صاحب کو تحریر فرمایا کہ اس بے چارے کے کھانے کا بھی خیال نہیں کیا۔

ف: یہ آخر کا جملہ حضرت نے اس لئے تحریر فرمایا کہ عام طور سے رسماً مزدوری اور کھانے کا انتظام مہدی الیہ کے ذمہ سمجھتے ہیں۔ اس ملفوظ سے حضرت والا کا کمال ترحم اور قطع رسوم اور حق بات پہنچانے میں عدم خوف لومۃ لائم ظاہر ہے۔

(۵۹) کسی کام کی پیشگی اجرت لینے کے تذکرہ میں فرمایا کہ پیشگی لینے کے بعد کام پورا کرنا مشکل پڑ جاتا ہے اور بیگار کی طرح پورا کیا جاتا ہے اس لئے پیشگی لینا ٹھیک نہیں چڑھا کر لینے میں خوشی زیادہ ہوتی ہے۔

ف: اس سے حضرت والا کا تجربہ و حکمت ثابت ہے۔

(۶۰) فرمایا کہ جس امر میں شرعاً گنجائش ہو اسکے صدور سے دوسرے شخص کو سختی کے ساتھ اجتناب کا حکم کرنا یہ آداب احتساب کے خلاف ہے۔ لطف سے بھی تو یہ کام ہو سکتا ہے مگر اس بات کا خیال کرنا اور اس پر عمل کرنا بڑے متبحر عالم کا کام ہے۔

ف: اس سے حضرت والا کی نرم جوئی اور رعایت حدود شرعیہ صاف ظاہر ہے

ترک مالایعنی
(قسط ۷)

بعض لوگوں کو فضول سوالات کرنے کا مرض ہوتا ہے کہ ایسے سوالات کرتے ہیں جنکی عمر بھر کبھی ضرورت پیش نہ آئے چنانچہ ایک مولوی صاحب ریل میں سوار ہوئے اسٹیشن پر وہ کسی کام کو اتر کر چلے گئے پیچھے کچھ جنٹلمین اسی گاڑی میں آگھسے، یہ لوگ آزاد بے باک ہوتے ہی ہیں انھوں مولوی صاحب کا اسباب تختہ سے پھینک دیا اور اپنا سامان رکھدیا جب وہ لوٹ کر آئے تو اسباب منتشر پایا پوچھا کہ میرا اسباب کس نے پھینکا ہے کوئی بڑا ہی نالائق ہے لڑکوں نے اقرار کیا کہ حضرت یہ نالائق حرکت ہم سے ہوئی ہے انھوں نے انکو خوب کوری کوری سنائی کہ تم لوگ بڑا تہذیب کا دعویٰ کرتے ہو مگر تم میں خاک تہذیب نہیں ہے، تم بڑے بے تہذیب ہو۔ لڑکے سب کچھ سنتے رہے اور بہت شرمندہ ہوئے جب گاڑی چل پڑی اور مولوی صاحب بھی اطمینان سے بیٹھ گئے

شریعت کی توہین تو اب لڑکوں کو شرارت کی سوجھی انھوں نے مولوی صاحب سے بدلہ لینا چاہا کہ ان سے کوئی ایسا سوال کرنا چاہیئے جس کا جواب ان سے نہ بن پڑے تاکہ یہ شرمندہ ہوں چنانچہ ایک آگے بڑھا اور مولوی صاحب سے پوچھنے لگا کہ مولانا نماز کے وقت فرض ہے؟ انھوں نے کہا کیا آپ کو اب تک اتنی خبر بھی نہیں کہنے لگا جی ہاں ہم تو ایسے ہی جاہل ہیں آپ بتلا دیجئے انھوں نے بتلا دیا کہ پانچ وقت فرض ہے۔ کہنے لگا ہر زمانہ میں اور ہر شہر میں۔ انھوں نے کہا ہاں ہر حال میں دن رات کی پانچ ہی نمازیں ہیں۔ کہنے لگا پھر جن مقامات میں چھ مہینہ کا دن اور چھ مہینہ کی رات ہوتی ہے کیا وہاں بھی پانچ ہی نمازیں فرض ہونگی تو وہاں سال بھر میں پانچ نمازیں ہوئیں! مولوی صاحب نے اس سوال کا بہت معقول جواب دیا فرمایا کیا تم کو وہاں جانا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا کیا تم وہاں سے آئے ہو؟ کہا نہیں۔ فرمایا جب نہ تمکو وہاں جانا ہے اور نہ وہاں سے آئے ہو پھر تم کو ایسی جگہ کے بارے میں سوال کرنا فضول ہے۔ کام کی باتیں پوچھو فضول وقت

ضائع نہ کرو جواب نہایت معقول تھا مگر انکے مذاق کے موافق نہ تھا اسلئے انکو قدر نہ ہوئی اور یہ سمجھکر سب لڑکے ہنسنے لگے کہ ہم نے مولوی صاحب کو چپ کرا دیا وہ لڑکے تو ہنسے ہی تھے وہاں ایک صاحب پختہ عمر کے بھی بیٹھے تھے جو باوجود جنٹلمین ہونے کے پابند صوم وصلوٰۃ بھی تھے وہ بھی ہنسنے لگے مولانا احمد حسن صاحب امروہیؒ بھی اسی گاڑی میں سوار تھے وہ فرماتے تھے کہ مجھے اس شخص پر بہت غصہ آیا کہ اس بیوقوف کو کیا ہوگیا کہ نماز کا پابند ہوکر ایک شرعی بات پر ہنستا ہے میں نے اپنے جی میں کہا کہ تجھے تو میں ٹھیک بناؤں گا۔ میں اسکے پاس گیا اور سلام کرکے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا کہ آپ کا نام کیا ہے مکان کہاں ہے؟ شغل معاش کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ سرکاری ملازم ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کے ذمہ سرکاری کام کتنے گھنٹے روزانہ ہے؟ بولے چھ گھنٹے، میں نے کہا ہر موسم میں خواہ دن چھوٹا ہو یا بڑا؟ کہنے لگے ہاں ہر موسم میں۔ . . . . میں نے کہا بھلا اگر گورنمنٹ کی حکومت اس علاقہ میں ہو جائے جہاں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہوتی ہے اور گورنمنٹ وہاں آپ کو متعین کردے کسی کام پر، کیا وہاں بھی آپ دن بھر میں چھ گھنٹے کام کریں گے؟ اگر وہاں بھی یہی رہا تو یوں کہو کہ سال بھر میں صرف چھ گھنٹے ہی کام ہوگا۔ کہنے لگے کہ وہاں گھڑی گھنٹہ سے حساب لگالیں گے مولانا نے کہا افسوس ہے تمھارے ایمان واسلام پر کہ یہی سوال ایک دین کے کام کے لئے کیا گیا تو یہ جواب وہاں آپکو نہ سوجھا اور گورنمنٹ کے کام کے لئے فوراً عقل آگئی کہ گھڑی گھنٹہ سے حساب لگالیں گے۔ صاحب تم اپنے ایمان کی خیر مناؤ کہ تم ایک عالم کے شرعی جواب پر ان بے باک لڑکوں کے ساتھ ہوکر ہنسے تم نے شریعت کی توہین کی تمھارا ایمان نہ کہیں سلب ہوگیا ہو۔ بیچارہ پر نماز روزہ کا اتنا اثر تھا کہ اسکو ایمان سے محبت تھی، سلب ایمان کا لفظ سنکر اسکے ہوش اڑ گئے اور روتا ہوا مولانا کے قدموں میں گر پڑا کہ مولانا میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں واقعی مجھ سے خطا ہوئی مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے بھی اسکا سر قدموں سے نہ اٹھایا کہ اچھا ہے اس متکبر کا دماغ تو

درست ہو دیر کے بعد اس نے سر اٹھایا تو میں نے اسکو نصیحت کی کہ دین کی بات پر اس طرح نہ ہنسنا چاہیئے جس سے مسئلہ دین کی توہین لازم آجائے۔

مولانا کا جواب تو بتقدیر تسلیم تھا کہ اگر بالفرض وہاں کوئی پہونچ جائے تو کیا کرے، ظاہر ہے کہ حساب لگا کر سال بھر کی نمازیں پڑھی جائیں گی، لیکن تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ ایسے مقامات پر سردی اس قدر ہے کہ سمندر تک برف سے جمے ہوئے ہیں وہاں انسان کا زندہ رہنا ممکن نہیں اس لئے یہ سوال ہی سرے سے لغو ہے۔

لوگوں کی عادت

اسی طرح ایک شخص نے ایک بزرگ سے سوال کیا کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ میں آپ کے نزدیک کون حق پر تھا فرمایا تم کو اس سے کیا مطلب میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ قیامت میں تم سے اسکے متعلق کوئی سوال نہ ہوگا نہ انکا مقدمہ فیصلہ کے لئے تمھارے پاس آئے گا اور اگر تم سے سوال ہوا تو تم اللہ میاں کے سامنے میرا نام لے دینا کہ میں نے اس سے سوال کیا تھا اس نے مجھکو جواب نہیں دیا۔ واقعی خوب جواب دیا۔

اسی طرح آجکل یہ عادت ہے کہ جہاں کوئی مولوی باہر کا کسی شہر میں پہونچا اور لوگوں نے اس سے سوالات کرنا شروع کئے، یہ بھی بہت برا مرض ہے کیونکہ پردیسی آدمی کو شہر کے واقعات پوری طرح معلوم نہیں ہوتے اور پوچھنے والے بوجہ جہل کے پوری بات بیان نہیں کرتے وہ جتنی بات سنتا ہے اسکے موافق جواب دیتا ہے اسکو یہ لوگ فتویٰ قرار دیکر وہاں کے علماء سے الجھتے ہیں کہ تم نے تو یہ کہا تھا اور فلاں عالم یہ فرما گئے ہیں۔ حالانکہ ممکن ہے کہ وہاں کے علماء کو واقعہ کی پوری تحقیق ہو جس کی بنا پر انھوں نے دوسرا جواب دیا ہو۔ اسی لئے میری عادت ہے کہ سفر میں ایسے سوالات کے جواب نہیں دیا کرتا کہہ دیتا ہوں کہ سوال کی پوری صورت حال لکھکر ڈاک میں میرے پاس بھیجدینا اطمینان سے جواب دوں گا۔ اسکے بعد اگر وہ کسی سے الجھے گا تو جواب کے ساتھ لوگ اسکے

سوال کو دیکھ لیں گے کہ اس نے سوال کس طرح کیا تھا اور زبانی سوال کے جواب میں لوگ صرف جواب کو نقل کر دیتے ہیں اپنے سوال کو پورا نقل نہیں کرتے کہ ہم نے سوال کس طرح کیا تھا۔

ایک مرتبہ میں رامپور گیا تو وہاں ایک صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ گیارھویں کرنا کیسا ہے؟ میں سمجھ گیا کہ اسکا مقصود میرے مسلک پر عمل کرنا نہیں ہے بلکہ محض مجھے بدنام کرنا ہے کہ یہ وہابی ہے اس لئے میں نے اس سے یہ سوال کیا کہ تم عمل کے واسطے پوچھتے ہو یا امتحان کے واسطے اگر عمل کے واسطے پوچھتے ہو تو تم کو شہر کے علماء سے پوچھنا چاہیئے جنکی دینداری اور تقوے کا تم کو تجربہ ہے مجھ سے تم واقف نہیں ہو صرف آج ہی آپ کی مجھ سے ملاقات ہوئی ہے ایک دن میں تمکو میری دیانت اور تقوے کا تجربہ نہیں ہو سکتا، میرے ساتھ کچھ دنوں رہو گے جب میری حالت سے واقف ہو گے۔ اور اگر امتحان کے واسطے پوچھتے ہو تو تم کو میرا امتحان لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

مناظرہ کا شوق

جن لوگوں نے مجھکو پڑھایا ہے وہ سہ ماہی اور ششماہی اور سالانہ امتحانات میرے لے چکے ہیں آپ سے میں نے کچھ پڑھا نہیں نہ پڑھنا چاہتا ہوں اس لئے آپکو میرے امتحان کا کیا حق ہے۔ بس اس جواب پر وہ اپنا سا منہ لیکر رہ گیا۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ میں انکے سامنے اپنا مسلک بیان کر دوں پھر مجھ میں اور وہاں کے علماء میں مناظرہ ہو سو میں ایسا روگ نہیں پالتا

بعض علماء کو مناظرہ کا شوق ہوتا ہے وہ جہاں جاتے ہیں مناظرہ کے لئے تیار ہو جاتے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے مناظرہ کے بعد بھی لوگ تو اسی حال پر رہتے جس پر پہلے تھے ہاں انکا وقت اچھی طرح برباد ہوتا ہے۔ آجکل مناظروں میں اظہار حق کا مطلوب ہوتا نہیں محض ہار اور جیت مد نظر ہوتی ہے چنانچہ ہر فریق اسی کوشش میں ہوتا ہے کہ جس طرح ہو سکے دوسرے کی ہر بات کو توڑا جائے چاہے اس کے منہ سے ایک دو بات سچی نکل جائے تو یہ اسکو

کبھی رد کرنا چاہتے ہیں۔ ایک مرتبہ رامپور میں نواب صاحب نے قادیانیوں سے اہل حق کا مناظرہ کرایا تھا جب میں وہاں سے لوٹا تو لوگوں نے مجھ سے مناظرہ کا حال پوچھا میں نے کہا کہ امیروں کو بازیوں کا شوق ہوتا ہے آج مرغ بازی ہو رہی ہے کل تیتر بازی، پرسوں بٹیر بازی، نواب صاحب کو مولوی بازی کا شوق ہوا انھوں نے مناظرہ کرا دیا کہ دو مولوی آپس میں لڑ رہے ہیں بیٹھے نواب صاحب کو لطف آ رہا تھا بس یہ حاصل تھا مناظرہ کا۔ سو واقعی آجکل کے مناظروں کا تو یہی حال ہے۔ بچپن میں مجھے اس کا شوق تھا مگر جتنا پہلے شوق تھا اب اتنی ہی نفرت ہے آجکل مناظرہ میں تو تو میں میں اور پھبتیاں بہت ہوتی ہیں جس سے سوائے اپنے مقابل کو رنج دینے کے اور کچھ مقصود نہیں ہوتا بات بات میں رسالے بازی ہوتی ہے جس میں طرز تحریر ایسا اختیار کیا جاتا ہے جس سے مدمقابل کی خوب تحقیر و توہین ہو۔ اسی لئے آجکل مناظرہ سے ضد اور عداوت بہت بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ ایک شخص نے ایک رسالہ کسی کے جواب میں لکھا ہے مصنف رسالہ کے پیر کا نام مسکین شاہ ہے تو مجیب نے اسکے پیر کے اوپر پھبتی کے طور پر یہ شعر لکھا ہے۔

گربۂ مسکین اگر پر داشتے تخم کنجشک از جہاں بر داشتے

(مسکین بلی اگر پر رکھتی تو چڑیوں کی نسل ہی دنیا سے ختم ہو جاتی —)

بھلا اظہار حق میں اس پھبتی کو کیا دخل تھا کچھ بھی نہیں محض فضول وقت کو ضایع کرتے ہیں جس سے نفع کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے اسی لئے آجکل کے مناظرے بھی میرے نزدیک لایعنی میں داخل ہیں (البتہ اگر کہیں مسلمانوں کا دین برباد ہونے کا اندیشہ ہو اور انکی ایمان کی حفاظت کے لئے مناظرہ کی ضرورت ہو وہ موقع اس سے مستثنیٰ ہے مگر ایسے مناظرے سو میں ایک دو ہوتے ہیں اکثر تو محض شوقیہ ہی ہوتے ہیں ۱۲ جامع) امام ابوحنیفہؒ نے اپنے صاحبزادے حمادؒ کو وصیت فرمائی تھی کہ علم کلام میں (مناظرہ) مشغول مت ہونا انھوں نے کہا کہ آپ مجھکو

اس سے منع فرماتے ہیں مگر میں نے آپکو خود مناظرہ کرتے دیکھا ہے۔ فرمایا کہ اب زمانہ بدل گیا ہے جب ہم مناظرہ کرتے تھے تو ہم یہ چاہتے تھے کہ دوسروں کی زبان سے حق بات نکلے اور ہم اسکو تسلیم کرلیں تاکہ میرے بھائی کی بات اونچی رہے اور وہ حق راستہ پر چلے اور اب ہر فریق یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کی زبان سے غلط بات ہی نکلے تاکہ میں اسکو رد کرسکوں، تو اس زمانہ میں ہر شخص اپنے بھائی مسلمان کے لئے گمراہی کی تمنا کرتا ہے اسلئے اب مناظرہ میں پڑنا مضر ہے سبحان اللہ کیسی عجیب بات فرمائی۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ سلف صالحین کے مناظرہ میں اور آجکل کے مناظرہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے انکو درحقیقت اظہار حق ہی مطلوب تھا وہ فضول وقت ضایع نہ کرتے تھے نہ انکو اس سے عار تھی کہ کوئی ہم کو ناواقف کہدیگا۔ مولانا عبد القیوم صاحبؒ بھوپالی سے جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو آپ مسئلہ بتلا دیتے اگر کوئی یہ پوچھتا کہ یہ مسئلہ کس حدیث سے ثابت ہے تو آپ فرماتے بھائی میں نو مسلم نہیں ہوں میرے آباء و اجداد سب مسلمان تھے جس طرح میں نے اپنے باپ کو عمل کرتے دیکھا ہے اسی طرح میں نے کیا اور وہ اپنے باپ کو دیکھکر عمل کرتے تھے اور وہ اپنے باپ کو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ایک دوسرے کو دیکھکر عمل کرتے آرہے ہیں اسلئے ہمکو حدیث معلوم کرنے کی ضرورت نہیں، ہاں جو نومسلم ہوا سے حدیثیں معلوم کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اسکے آباء و اجداد نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ عمل کرکے نہیں دکھلایا تو مولانا کے اس جواب کا منشاء صرف یہ تھا کہ تو تو میں میں کے اندر وقت ضایع نہ ہو کیونکہ جاہلوں کو اگر حدیث بتلا بھی دی جائے تو وہ یہ کیونکر سمجھ سکتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ کسطرح مستنبط ہوا اسلئے ایک عامی شخص کا یہ سوال کرنا فضول ہے اور فضول سوال کا جواب دینا بھی فضول ہے یہ ضرور ہے کہ جواب نہ دینے سے بعض لوگ اسکو ناواقف کہیں گے مگر سلف کو اسکی پرواہ ہی نہ تھی کہ کوئی ہم کو کیا کہے گا وہ فضول باتوں میں پڑنے کو گوارا نہ کرتے تھے۔

علماء کی عادت

آجکل علماء کی عادت ہے کہ وہ سائل کے مذاق کا اتباع کرتے ہیں اور جہاں سے وہ دلیل طلب کرے اسی جگہ سے دلیل بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اس سے بجائے نفع کے نقصان ہوتا ہے کیونکہ بعض مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کے دلائل عوام کے فہم سے باہر ہوتے ہیں اب اگر انکو دلیل کا عادی کر دیا جائے گا وہ ان مسائل کو کبھی بلا دلیل نہ مانیں گے اور دلیل سمجھ نہ سکیں گے اسکا انجام یہ ہوگا کہ وہ عمل کبھی نہ کریں گے تو یہ کتنا بڑا نقصان ہے بس اسلم طریقہ یہ ہے کہ لایعنی سوالات کا جواب نہ دیا جائے ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا کہ ایک عورت کا شوہر اور بھائی چوروں کے ہاتھوں سے مارے گئے وہاں سے ایک فقیر کا گذر ہوا عورت کو روتا دیکھکر رحم آیا اور عورت سے کہا تم ان کے سر کو دھڑ سے جوڑ دو اور دعاء میں کرتا ہوں عورت نے سروں کو دھڑ سے جوڑ دیا مگر جلدی میں یہ غلطی کی شوہر کا سر بھائی کے دھڑ سے لگا دیا اور بھائی کا سر شوہر کے دھڑ سے فقیر نے دعاء کی وہ دونوں زندہ ہوگئے اب وہ عورت کس کے پاس رہے۔ میں نے کہا ہم نہیں جانتے بھلا یہ بھی کوئی سوال ہے جس کے منہ پاؤں اسکا طرز بتلا رہا ہے کہ کسی نے فرصت میں بیٹھکر گڑھا ہے علماء کو چاہئے کہ ایسی فرضی صورتوں کا جواب نہ دیا کریں۔ حضرت عمرؓ سے جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو آپ اول یہ سوال کرتے تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا ہے یا ویسے ہی سوال کرتے ہو اگر وہ کہتا کہ واقعہ پیش آیا ہے تب جواب دیتے ورنہ دھمکا دیا کرتے تھے۔ آجکل بہت لوگوں کو یہ مرض ہے کہ فضول سوالات کیا کرتے ہیں حتیٰ کہ خطوط میں بھی دنیوی امور کے متعلق ایسے سوالات ہوتے ہیں۔ تھانہ بھون میں ایک شخص ہیں انکے ایک دوست کی عادت تھی کہ وہ ہر خط میں بہت سے بیہودہ سوالات کیا کرتے تھے مثلاً یہ کہ غلہ کا بھاؤ کیا ہے، دال کا نرخ کیا ہے؟ بارش کیسی ہوئی؟ کھیتیاں کیسی ہیں؟ اور اس قسم کے بہت سے سوالات ہر خط میں ہوتے تھے۔ وہ بیچارے بعضی باتوں کا جواب دے دیتے اور بعضی باتوں کا جواب نہ دیتے تھے۔ اگلے خط میں

وہ اس پر مواخذہ کرتے کہ تم نے میری بہت سی باتوں کا جواب نہیں دیا اسکی کیا وجہ ہے؟ جب وہ بیچارہ تنگ آگیا تو اس نے بھی ایک خط میں سوا سو سوالات اسی قسم کے لکھے اس پر انکا خط آیا کہ تم بڑے بیہودہ آدمی ہو فضول سوالات کرتے ہو۔ اس نے لکھا حضور! ایسے ہی سوالات آپکے ہوتے ہیں جن سے میں تنگ ہوا کرتا تھا میں نے آپکو دکھلایا ہے کہ فضول باتوں سے کیسی تکلیف ہوتی ہے، جب انکی وہ عادت بدلی۔ سو واقعی ایسے لوگوں کا ایسا ہی علاج ہونا چاہئے۔ جب کوئی تم سے ایک فضول سوال کرے تم اس سے دو سوال ویسے ہی کرو

مربی کا احترام

مجھے تو اس سے بھی تکلیف ہوتی ہے کہ لوگ خط میں لکھ دیتے ہیں کہ فلاں فلاں کو سلام پہنچا دیجئے، بھلا خوامخواہ اپنے ایک دو پیسہ کی کفایت کے لئے دوسرے آدمی کو سلام پہنچانے کے لئے مزدور بنانا یہ کون سی آدمیت ہے اور خیر جہاں بے تکلفی ہو وہاں تو زیادہ مضائقہ نہیں مگر جس کو اپنا مربی بنایا جائے اس سے اپنا کام اس قسم کا لینا نری جہالت ہے۔ صوفیہ نے تصریح کی ہے کہ شیخ کے خط میں کسی کو سلام نہ لکھنا چاہئے اسی طرح ایک مرتبہ جب بخار کا زور ہوا تو لوگ خطوط میں مجھ سے تھانہ بھون کی حالت دریافت کرتے تھے کہ وہاں بیماروں کا کیا حال ہے؟ میں اسکے جواب میں یہ شعر لکھدیا کرتا تھا ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

(ہم نے سکندر و دارا کا قصہ پڑھا ہی نہیں ہے ہم سے تو عشق و محبت کی باتوں کے سوا کچھ مت پوچھو)

اور واقعی مجھے بسا اوقات شہر کی حالت معلوم بھی نہیں ہوتی تھی نہ میں اسکی تحقیق کرتا ہوں کہ آج کتنی موتیں ہوئیں۔

مجاہدہ کی ضرورت

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ

(سورۃ العنکبوت، ۶۹)

امنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علیٰ ذلک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العٰلمین۔

گزشتہ جمعہ کو "مجاہدہ" سے متعلق جو گزارشات کی تھیں انکا خلاصہ یہ تھا کہ مجاہدہ کے معنی یہ ہیں کہ نفسانی خواہشات کا مقابلہ کرکے اللہ جل جلالہ کے حکم کے مطابق چلنے کی فکر کرنا - یہ مجاہدہ ہے - آج اس کی مزید تفصیل عرض کرنی ہے تاکہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے کہ مجاہدہ کیوں کرنا پڑتا ہے؟ اسکی کیا ضرورت ہے؟ اسکی حقیقت کیا ہے؟

دنیاوی کاموں میں مجاہدہ

دین کا کام مجاہدہ کے بغیر نہیں چلتا بلکہ دنیا کے کام بھی مجاہدے کے بغیر

نہیں ہو سکتے اگر کوئی شخص روزی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسکے لئے اسکو بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے اسکے لئے اپنے نفس کے تقاضوں کو کچلنا پڑتا ہے اسلئے نفس کا تقاضا تو یہ ہے کہ آرام سے گھر میں پڑا سوتا رہے لیکن وہ یہ سوچتا ہے کہ اگر میں سوتا رہ گیا تو روزی کیسے کماؤں گا۔

بچپن سے مجاہدہ کی عادت

بچپن ہی سے بچے کو مجاہدے کی عادت ڈالنی پڑتی ہے بچے کو جب شروع شروع میں پڑھنے کے لئے بھیجا جاتا ہے تو اسکی طبیعت کے خلاف ہوتا ہے پڑھنے کے لئے جانے کو اسکا دل نہیں چاہتا لیکن اسکو اسکی طبیعت کے خلاف پڑھنے پر آمادہ کیا جاتا ہے یہ مجاہدہ ہے لہذا تعلیم حاصل کرنے کے لئے، روزی کمانے کے لئے بلکہ دنیا کے تمام مقاصد کے لئے انسان کو اپنی طبیعت کے خلاف کرنا پڑتا ہے اگر انسان یہ سوچے کہ میں اپنی طبیعت کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا ایسا شخص دنیا کا کوئی مقصد حاصل کرسکتا ہے اور نہ دین کا مقصد حاصل کرسکتا ہے۔

جنت میں مجاہدہ نہ ہوگا

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کائنات میں تین عالم پیدا فرمائے ہیں ایک عالم وہ ہے جس میں آپکی ہر خواہش پوری ہوگی اس میں خواہش کے خلاف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جو دل چاہے گا وہ ہوگا، اس میں انسان نفس کی خواہش کے مطابق کرنے کے لئے آزاد ہوگا اسکو اسکے مواقع میسر ہونگے وہ عالم "جنت" ہے جس کے بارے میں قرآن شریف نے فرمایا کہ

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِىٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ (سورۃ حم سجدہ: ۳۱)

یعنی جو تمھارا دل چاہے گا وہ ملے گا اور جو تم مانگو گے وہ ملے گا۔ بعض روایات میں یہ تفصیل آئی ہے کہ مثلاً بیٹھے بیٹھے یہ دل چاہا کہ انار کا جوس پی لوں اب صورت حال یہ ہے کہ قریب میں نہ تو انار ہے نہ انار کا درخت ہے اور نہ جوس نکالنے والا ہے

لیکن یہ ہوگا کہ جس وقت تمہارے دل میں اسکے پینے کا خیال آیا اسی وقت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے انار کا جوس نکل کر تمہارے پاس پہونچ جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو یہ قدرت عطا فرمائیں گے کہ جس چیز کا دل چاہے گا وہ ملیگی وہاں پر تمھیں کسی خواہش کو کچلنے کی ضرورت نہیں ہوگی کسی تقاضے کو دبانے کی ضرورت نہیں ہوگی، کسی خواہش کے خلاف کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ یہ عالم جنت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سبکو اپنی رحمت سے وہ عالم عطا فرمائے۔ آمین۔

عالم جہنم

دوسرا عالم اسکے بالکل برعکس ہے وہاں ہر کام طبیعت کے خلاف ہوگا، ہر کام دکھ دینے والا ہوگا، ہر کام غم میں مبتلا کرنے والا، ہر کام میں تکلیف اور مصیبت ہوگی، کوئی آرام، کوئی راحت اور کوئی خوشی نہیں ہوگی۔ وہ عالم دوزخ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

یہ عالم دنیا ہے

تیسرا عالم وہ ہے جس میں طبیعت کے مطابق بھی کام ہوتے ہیں اور طبیعت کے خلاف بھی کام ہوتے ہیں۔ خوشی بھی حاصل ہوتی ہے، غم بھی آتا ہے، تکلیف بھی پہنچتی ہے، راحت بھی ملتی ہے، اس عالم میں کسی کی کوئی تکلیف خالص نہیں، کوئی راحت خالص نہیں، ہر راحت میں تکلیف کا کوئی کانٹا لگا ہوا ہے اور ہر تکلیف میں راحت کا پہلو بھی ہے یہ عالم دنیا ہے اس دنیا میں آپ بڑے سے بڑے سرمایہ دار، بڑے سے بڑے دولت مند، بڑے سے بڑے صاحب وسائل سے پوچھ لیجئے کہ تمھیں کبھی کوئی تکلیف پہنچی ہے یا نہیں؟ یا تم ساری عمر آرام واطمینان سے رہے کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں ملے گا جو یہ کہہ دے کہ مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں پہونچی اور کوئی کام میری طبیعت کے خلاف نہیں ہوا اسلئے کہ یہ عالم دنیا ہے جنت نہیں ہے۔ یہاں راحت بھی پہونچے گی، تکلیف بھی پہونچے گی، یہ دنیا تو اسی کام کے لئے بنائی گئی ہے۔ کوئی شخص یہ چاہے کہ مجھے راحت ہی راحت ملے کبھی تکلیف نہ ہو تو ایسا

زندگی بسر نہیں ہو سکتا ایک شاعر نے کہا ہے کہ ؎

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

لہٰذا یہ دنیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی کام کیلئے بنائی ہے کہ اسمیں تمہارے دل کو راحتیں بھی ملیں گی اور اسکو توڑنے والے اسباب اور حالات بھی پیدا ہوں گے اسلئے جیتے جی مرتے دم تک غم سے نجات ممکن نہیں اور تو اور انبیاء علیہم السلام جو اس کائنات میں اللہ تعالےٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں انکو بھی تکلیفیں پیش آئیں بلکہ بسا اوقات عام لوگوں سے زیادہ پیش آئیں انکو بھی طبیعت کے خلاف واقعات پیش آئے۔ اس دنیا کے اندر کوئی انسان بھی ان سے بچ نہیں سکتا۔ اگر انسان کافر بن کر رہے تب بھی طبیعت کے خلاف ہوگا، اگر مومن بنکر رہے تب بھی طبیعت کے خلاف ہوگا۔ خدا کا انکار کرے تب بھی طبیعت کے خلاف ہوگا۔

یہ کام اللہ کی رضا کے لئے کرلو

لہٰذا جب اس دنیا میں طبیعت کے خلاف باتیں پیش آنی ہی ہیں تو پھر طبیعت کے خلاف کام کرنے کے دو طریقے ہیں ایک طریقہ تو یہ ہے کہ طبیعت کے خلاف کام بھی کرو، صدمے بھی اٹھاؤ، تکلیفیں بھی برداشت کرو لیکن ان تکلیفوں کے بدلے میں آخرت میں کوئی نتیجہ نہ نکلے، اس غم سے آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ اس سے راضی نہ ہو۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی طبیعت کے خلاف کام کرے نفس کے تقاضے کو کچلے تاکہ آخرت سنور جائے اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت یہ ہے کہ اس دنیا میں طبیعت کے خلاف تو ہونا ہی ہے تمہارا دل چاہے یا نہ چاہے لیکن ایک مرتبہ یہ عہد کرلو کہ طبیعت کے خلاف وہ کام کریں گے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔

مثلاً نماز کا وقت ہو گیا مسجد سے پکار آرہی ہے لیکن جانے کو دل نہیں چاہ رہا ہے اور سستی ہو رہی ہے تو اب ایک راستہ ہے کہ دل کے چاہنے پر عمل کر لیا اور بستر پر لیٹے رہے اور اتنے میں دروازہ پر دستک ہوئی معلوم ہوا کہ دروازہ پر ایک ایسا آدمی آگیا ہے جس کے لئے نکلنا ضروری ہے چنانچہ اسکی خاطر بستر چھوڑا اور باہر نکل گئے نتیجہ یہ نکلا کہ طبیعت کے خلاف بھی ہوا، خواہش کیخلاف بھی ہوا اور آرام بھی نہیں ملا، تکلیف جوں کی توں رہی لہٰذا آدمی یہ سوچے کہ تکلیف سے بچنا تو میرے قبضہ اور قدرت میں نہیں ہے اسلئے کیوں نہ میں اللہ کو راضی کرنے کے لئے تکلیف برداشت کروں یہ سوچکر اس وقت اٹھکر نماز کیلئے چلا ئے۔

اگر اس وقت بادشاہ کا پیغام آجائے

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہ ہمارے لئے بڑی کارآمد باتیں فرمایا کرتے تھے چنانچہ فرماتے تھے کہ کبھی اگر تمھیں نماز کیلئے جانے میں سستی ہو رہی ہو یا کسی دین کے کام میں سستی ہو رہی ہو مثلاً فجر کی نماز کیلئے یا تہجد کی نماز کے لئے سستی ہو رہی ہے، آنکھ تو کھل گئی مگر نیند کا غلبہ ہے بستر چھوڑنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے تو اس وقت ذرا یہ سوچو کہ اس نیند کے غلبہ کے عالم میں اگر تمھارے پاس یہ پیغام آجائے کہ سربراہ مملکت تمھیں بہت بڑا اعزاز دینا چاہتے ہیں اور وہ اعزاز اسی وقت تمھیں ملے گا تو یہ بتاؤ اس وقت وہ نیند اور وہ سستی باقی رہے گی؟ ظاہر ہے کہ وہ نیند اور سستی سب غائب ہو جائیگی۔ کیوں؟ اسلئے کہ تمھارے دل میں اس اعزاز کی قدر و منزلت ہے جسکی وجہ سے تم طبیعت کے خلاف کرنے پر آمادہ ہو جاؤ گے اور یہ سوچو گے کہ کہاں کی غفلت اور کہاں کی نیند، اس اعزاز کو حاصل کرنے کے لئے دوڑ جاؤ، اگر یہ موقع نکل گیا تو پھر ہاتھ آنے والا نہیں چنانچہ اس کام کے لئے نیند اور آرام چھوڑ کر فوراً نکل کھڑے ہو گے لہٰذا جب تم ایک دنیا کے بادشاہ سے اعزاز حاصل کرنے کے لئے نیند چھوڑ سکتے ہو اپنی راحت چھوڑ سکتے ہو تو پھر

اللہ جل جلالہٗ اور احکم الحاکمین کو راضی کرنے کے لئے راحت اور نیند نہیں چھوڑ سکتے؟ جب کسی نہ کسی وجہ سے راحت اور نیند چھوڑنی ہے تو پھر کیوں نہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے راحت و آرام چھوڑا جائے؟

اللہ تعالیٰ انکے ساتھ ہوگا

حضرات انبیاء علیہم السلام کا یہی پیغام ہے کہ اپنے نفس کو طبیعت کے خلاف ایسے کام کرنے کی عادت ڈالو جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے ہوں اسی کا نام "مجاہدہ" ہے۔ جو صدمے اور تکلیفیں غیر اختیاری طور پر پہونچ رہی ہیں بظاہر ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو لوگ ہماری خاطر یہ مجاہدہ کریں گے، ہماری خاطر نفس کیخلاف کام کریں گے تو ہم ضرور انکا ہاتھ پکڑ کر اپنے راستہ پر لے چلیں گے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ

اور وہ راستہ پر تنہا نہیں ہوں گے بلکہ جو شخص اس راستہ پر چل رہا ہے وہ محسنین میں سے ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ محسنین کا ساتھی بن جاتا ہے۔

وہ کام آسان ہو جائے گا

اللہ تبارک و تعالیٰ کیسے ان کا ساتھی بنجاتا ہے؟ اس طرح کہ شروع میں نفس کی مخالفت میں بڑی دشواری معلوم ہو رہی تھی طبیعت کے خلاف کرنا بڑا مشکل معلوم ہو رہا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے چل کھڑے ہوئے تو پھر وہی راستہ اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے لئے آسان کر دیتے ہیں۔ ایک شخص کو نماز کی عادت نہیں ہے نماز پڑھنا بھاری معلوم ہوتا ہے، پانچ وقت کی نماز پڑھنا مشکل لگتا ہے لیکن اس نے نفس کے اس تقاضے کے باوجود نماز پڑھنی شروع کر دی یہاں تک کہ نماز کا عادی بن گیا اب عادی بننے کے بعد اسی شخص کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ نماز پڑھنے میں کوئی مشقت ہی نہیں ہے بلکہ اس سے اگر

کوئی کہے ہزار روپے لے لو اور آج کی نماز چھوڑ دو بتائیے کیا وہ شخص نماز چھوڑنے پر راضی ہو گا؟ ہرگز نہیں، جو شخص ایک مرتبہ نماز کا عادی بن گیا وہ کبھی ہزاروں روپے لیکر بھی ایک نماز چھوڑنے پر راضی نہیں ہوگا اسلئے کہ جس کام کو پہلے وہ مشکل سمجھ رہا تھا تھوڑے سے عرصے میں اللہ تبارک وتعالےٰ نے اسکو آسان کر دیا۔

آگے قدم تو بڑھاؤ

یہی حال پورے دین کا ہے اگر انسان بیٹھکر سوچتا رہے تو اسکو مشکل نظر آتا ہے لیکن جب دین کے راستے پر چلنا شروع کر دیتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے آسان فرما دیتے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اسکی ایک مثال دیا کرتے تھے کہ ایک لمبی سڑک سیدھی جا رہی ہو اور اسکے دونوں طرف درختوں کی قطاریں ہوں دائیں طرف بھی اور بائیں طرف بھی اب اگر کوئی شخص اس سڑک پر کھڑا ہو کر دیکھے تو اسکو یہ نظر آئے گا کہ درختوں کی دونوں قطاریں آپس میں آگے جا کر مل گئی ہیں اور آگے راستہ بند ہے۔ اگر کوئی احمق یہ کہے کہ چونکہ آگے چل کر درختوں کی قطاریں آپس میں مل گئی ہیں اسلئے اس سڑک پر چلنا بیکار ہے تو یہ شخص کبھی راستہ قطع نہیں کر سکے گا اور کبھی منزل تک نہیں پہونچ سکے گا وہی شخص منزل تک پہونچ سکے گا جو راستہ کو بند دیکھنے کے باوجود آگے قدم بڑھائے گا اس لئے کہ جب وہ آگے قدم بڑھائیگا تو اسے نظر آئے گا کہ حقیقت میں راستہ بند نہیں تھا بلکہ آنکھیں دھوکا دے رہی تھیں، جوں جوں وہ آگے بڑھتا چلا جائے گا راستے کھلتے چلے جائیں گے۔ اس لئے دین کے راستے پر چلنے والوں کے لئے اللہ تبارک تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ دور دور سے مشکل سمجھکر مت بیٹھ جاؤ،

اللہ کے بھروسے پر آگے قدم بڑھانا شروع کر دو جب آگے قدم بڑھاؤ گے تو اللہ تعالےٰ تمھارے لئے راستہ آسان فرما دیں گے، البتہ

ہمت سے کام کرنے ضرورت ہمیشہ رہیگی اور طبیعت کے خلاف کام کرنے کا عزم کرنا پڑے گا اسی کا نام مجاہدہ ہے۔

جائز کاموں سے رکنا بھی مجاہدہ ہے

اصل مجاہدہ تو یہ ہے کہ انسان جو ناجائز اور شریعت کے خلاف کام کر رہا ہے ان سے اپنے آپ کو بچائے اور اپنے نفس پر زبردستی دباؤ ڈال کر ان سے باز رہے لیکن چونکہ ہمارا نفس لذتوں کا، خواہشات کا اور راحتوں کا عادی ہو چکا ہے اور اتنا زیادہ عادی بنا ہوا ہے کہ اگر اسکو اللہ کے راستے کی طرف اور شریعت کی طرف موڑنا چاہو تو آسانی سے نہیں مڑتا بلکہ دشواری پیدا ہوتی ہے اس لئے اس نفس کو رام کرنے کیلئے اور اللہ کے بتائے احکام کے تابع بنانے کے لئے اسکو بعض مباح اور جائز کاموں سے بھی روکنا پڑتا ہے اسلئے کہ جب نفس کو جائز کاموں سے روکیں گے تو پھر اسکو لذتوں کے چھوڑنے کی عادت پڑے گی اور پھر اسکے لئے ناجائز امور سے بچنا بھی آسان ہو جائیگا صوفیاء کرام کی اصطلاح میں اسکو بھی "مجاہدہ" کہا جاتا ہے

مثلاً خوب پیٹ بھر کر کھانا کوئی گناہ کا کام نہیں لیکن صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ خوب پیٹ بھر کر مت کھاؤ اسلئے کہ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ نفس غافل ہو جائے گا اور لذتوں کا خوگر ہو جائیگا اس لئے نفس کو عادی بنانے کے لئے کھانے میں تھوڑی سی کمی کردو یہ بھی "مجاہدہ" ہے

حامل مضامین تصوف و عرفان • افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۷ - صفر ۱۴۱۷ھ مطابق جولائی ۱۹۹۶ء جلد ۱۹

قیمت فی پرچہ سات روپیہ ۷ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ۷۰ ششماہی چالیس روپیہ ۴۰

سالانہ بدل اشتراک : پاکستان سو روپیہ ۱۰۰ - غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

S.T.D code No 0532

پرنٹر - پبلشر - صغیر حسن : اسرار کریمی پریس جانسین گنج - الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترتیب

اعلان

سال رواں ۱۹۹۶ء کا بدل اشتراک سالانہ ستّر روپیہ اور ششماہی چالیس روپیہ ہے ـــ اولین فرصت میں اپنا چندہ ارسال فرما کر ادارہ کا تعاون فرما دیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کارزارِ علم وجہل

(۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ جو شخص کسی مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خالق کو ناراض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کی ایذاء وتکلیف کے لئے اسی مخلوق کو اس پر مسلط فرما دیتے ہیں۔ (اخرجہ الترمذی)

اہل اللہ دین کا کام اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے کرتے ہیں، اخلاص وصدق سے کرتے ہیں، لوگوں پر انکی نظر نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے دنیا میں انکی عزت اور مقبولیت نازل فرما دیتے ہیں اس وقت عام طور پر لوگ انکا احترام کرنے لگتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالےٰ کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتے ہیں کہ اے جبرئیل میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو تو جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر جبرئیل علیہ السلام اہل آسمان میں ندا کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو فلاں سے محبت ہے تم لوگ بھی اس سے محبت کرو اسلئے تمام اہل آسمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اسکے بعد زمین میں اسکی مقبولیت نازل کر دی جاتی ہے۔

سبحان اللہ! کجا یہ مرتبہ کہ آسمان سے عزت اور مقبولیت نازل ہو اور اللہ جل شانہٗ وعز اسمہ کی جانب سے جاہ وفضیلت اسے حاصل ہو اور کجا یہ مرتبہ کہ مخلوق سے جاہ ومال کا طالب ہوا جائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَلَاحَوْلَ

ولاقوۃ اِلّا باللہ اہل علم کی تو شان یہ ہونی چاہیئے کہ ؎

ندارند چشم از خلائق پسند کہ ایشاں پسندیدۂ حق بسند

یہ حضرات مخلوق سے پسندیدگی کی امید ہی نہیں رکھتے یہ لوگ اللہ تعالےٰ کے مقبول اور پسندیدہ ہیں یہی ان کے لئے کافی ہے۔

تمام اہل اللہ کا یہی حال ہوتا ہے کہ اپنے علم وفضل کو چھپانے کا اہتمام کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ انکے کمالات کو عیاں فرما دیتے ہیں اور انکی شہرت اسطرح عالم میں فرما دیتے ہیں کہ وہم وگمان میں نہیں آسکتا

حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

میں تو نام ونشاں مٹا بیٹھا شہرہ میرا اڑا دیا کس نے

بات یہ تھی کہ ان حضرات نے اپنا معاملہ اپنے مالک وپروردگار سے درست فرما لیا تھا اور ایسے کریم سے رشتہ جوڑا تھا جس میں ضرر وگھاٹے کا شائبہ نہ تھا وہ تجارت نہایت نافع اور پائدار تھی مخلوق سے قطع تعلق کرلیا تھا ان سے نظر کو پھیر لیا تھا اسلئے اللہ تعالےٰ نے اپنے کرم سے انکو یہ صلہ عطا فرمایا کہ دنیا میں اپنے خاص انعامات سے ان کو نوازا اور جس چیز کے چھپانے کا اہتمام فرمایا اس کو اللہ تعالےٰ نے ضرور ہی ظاہر فرمادیا اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جو بزرگوں کے حالات جانتا ہوگا وہ اسکو سمجھ سکتا ہے۔

امام ابوبکر جصّاص رازی اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ مَّا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ کو اس بات کا ظاہر کرنا منظور تھا جسکو تم پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے) کے تحت یہ حدیث لائے ہیں۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان عبداً لو اطاع اللہ من وراء سبعین حجابا لاظھر اللہ لہ ذلک علی السنۃ الناس وکذلک المعصیۃ وروی	حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اگر بندہ ستر حجاب کے پیچھے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو اللہ تعالیٰ اسکو ضرور لوگوں کی زبانوں پر ظاہر فرمادیں گے اور یہی حال معصیت کا بھی ہے (یعنی اسکو بھی ظاہر فرمادیں گے)

ان اللہ تعالیٰ اوحیٰ الیٰ موسیٰ علیہ السلام قل لبنی اسرائیل یخفوا عمالھم وعلی ان اظھرھا۔

نیز روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل سے کہدیجئے کہ اپنے اعمال کو چھپائیں میرے ذمہ ہے کہ اسکو ظاہر کردوں۔

سبحان اللہ کیا عمدہ حدیث ہے جب اللہ تعالیٰ کے ذمہ اظہار اعمال ہے تو پھر ہمکو کیا مار پڑی ہے کہ اخلاص و صدق نہ اختیار کریں اور مخلوق کی ریا و نمود کے لئے عبادت کریں تو بہ توبہ کس قدر چھوٹی اور بیوقوفی کی بات ہے کہ عبادت تو کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کی مگر نظر مخلوق کی جانب ہے اور یہ بھی عجب بات ہے کہ اگر مخلوق یہ سمجھ جائے کہ ہماری خاطر عبادت کر رہے ہیں یہ اپنی عبادت میں مخلص نہیں ہیں تو لوگ ایسے کو اپنی نظر سے گرادیں گے اور ہرگز بزرگ نہ مانیں لوگ اسی وجہ سے مانتے ہیں کہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت خلوص سے کر رہے ہیں اور ہماری طرف انکی نظر نہیں ہے۔ دیکھئے جس کی خاطر اتنی محنت برداشت کر رہے ہیں اپنے کو تباہ کر لیتے ہیں مگر پھر بھی جو اسکے نہیں تھے تو خلوص سے عبادت نہ کرنے ہی کی وجہ سے۔ اللہ تعالیٰ سے تو رشتہ قطع ہوا ہی مخلوق کی نظر سے بھی گرجاتا ہے یہ کتنی بڑی حماقت ہے اسی کو کہتا ہوں ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے ہوئے نہ ادھر کے ہوئے

اخلاص اختیار کیجئے اللہ تعالیٰ اخلاص والے کو ضائع نہیں فرماتے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اخلاص کی بڑی قدر ہے خوب سمجھ لیجئے۔

اب یہاں ایک اشکال ہوتا ہے اسکو دفع کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ حضرت ابن مسعودؓ فرمارہے ہیں کہ علم کو اسکے اہل کے پاس رکھو اور ظاہر ہے کہ علم سے مراد علم دین ہے تو معلوم ہوا کہ لوگوں میں دو قسم کے لوگ ہیں کچھ لوگ تو علم دین کے اہل ہیں اور کچھ لوگ نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ

ہر شخص پر علم کا طلب کرنا اور سیکھنا فرض ہے تو جب علم طلب کرنے اور سیکھنے کا مکلف ہر مسلمان مرد و عورت کو کیا جا رہا ہے تو معلوم ہوتا ہے اہلیت سب میں موجود ہے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ذمہ دار نہیں بناتا مگر اسکی بساط کے مطابق) تقریر جواب کی یہ ہے کہ علم کے دو درجے ہیں، ایک درجہ تو وہ ہے کہ اسکا تعلم ہر شخص پر فرض ہے جیسے وضو غسل، نماز روزہ کے احکام جس کے بغیر یہ اعمال ادا ہو ہی نہیں سکتے تو چونکہ یہ اعمال فرض ہیں اور عمل بغیر علم کے نہیں ہو سکتا اسلئے ان اعمال کے احکام کا علم فرض ہوا اسی کو فرض عین کہتے ہیں کہ اس میں کوئی مستثنیٰ نہیں ہوتا اسی کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ اور ایک درجہ یہ ہے کہ ان مسائل ضروریہ کے معلوم کر لینے کے بعد علوم شرعیہ میں تبحر اور کامل مہارت ہو جائے اصول دین اور قواعد فقہیہ سے بخوبی واقفیت ہو جائے کہ جزئیات کا استنباط اور حوادث و نوازل کے احکام کا استخراج کلیات سے کر سکے تو یہ درجہ فرض کفایہ و ندب کا ہے یعنی کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں کہ تبحر فی العلوم اور مہارت رکھتے ہوں تاکہ ہر موقع پر حکم شرعی سے آگاہ کرتے رہیں۔

درمختار میں ہے واعلم ان تعلم العلم یکون فرض عین وھو بقدر ما یحتاج لدینہ وفرض کفایۃ وھو ما زاد علیہ لنفع غیرہ ومندوبا وھو التبحر فی الفقہ (یعنی جاننا چاہیئے کہ علم دین کی تحصیل کے تین درجے ہیں فرض عین۔ فرض کفایہ اور مستحب۔ انسان کا اپنی دینی ضروریات کے بقدر علم کا حاصل کرنا تو فرض عین ہے اور ہر شخص پر لازم و ضروری ہے۔ اور اس سے زائد دوسروں کو نفع پہنچانے کے لئے علم کا حاصل کرنا یہ فرض کفایہ ہے اور مسائل فقہیہ میں مہارت و کمال حاصل کرنا مندوب و مستحب ہے) اور یہ بھی سمجھئے کہ جو علوم کہ ایسے ہیں کہ انکا سیکھنا فرض ہے جب کوئی

اسکو سیکھنے آوے یا اس کے متعلق سوال کرے تو عالم کو چاہیئے کہ اسکو سکھا دے اور جواب دے اسکا چھپانا جائز نہیں اور جو علم اس درجہ کا نہیں ہے یعنی اسکا سیکھنا فرض عین کے بعد کا ہے اس علم کے سکھانے میں عالم کو اختیار ہے جس کو چاہے سکھا دے جس کو چاہے نہ سکھا مطلب یہ کہ اگر کسی کو اہل سمجھے سکھا دے ورنہ نہ سکھا وے

مجمع البحار میں ہے کہ من سئل عن علم فکتمہ الجمہ اللہ ای ما یلزم تعلیمہ و یتعین علیہ کمن یرید الاسلام او تعلیم الصلوٰۃ او فتوی الحل والحرمۃ فالممتنع منہ یستحق جزاء وفاقا لانہ امسك نفسہ بالسکوت عن العلم فیعاقب بالالجام بالنار واما نوافل العلم فھو مخیر فی تعلیمھا (ص ۲ ج ۲) یعنی جس سے کوئی علم کی بات دریافت کی گئی اور اس نے اسے چھپایا تو اللہ تعالےٰ اسے آگ کی لگام لگا دینگے مراد ایسی باتیں ہیں جنکا سکھانا اسکے ذمہ لازم وضروری ہے۔ جیسے ایک شخص اسلام لانا چاہتا ہے یا نماز سیکھنا چاہتا ہے یا حرام وحلال کا مسئلہ پوچھنا چاہتا ہے اسکے لئے انکار کرنے والا اور نہ بتانے والا پوری سزا کا مستحق ہوگا اسلئے کہ اس نے علم سکھانے سے خاموشی اختیار کرکے اپنے کو روکا تو اسے آگ کی لگام لگانے کی سزا دیجا ئیگی البتہ نفلی علوم کے سکھانے میں عالم کو اختیار ہے سکھائے یا نہ سکھائے)۔

اور اسی دوسرے درجے کے متعلق سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہل کو دینا چاہیئے خسیس کمینہ سے اسکو بچانا چاہیئے اس لئے کہ جب انکو علم دیا جائے گا تو اسکی قدر و حفاظت نہ کریں گے اور اسکے مناسب اوصاف واخلاق اپنے اندر پیدا نہ کریں گے اس پر طرفہ یہ ہوگا کہ دوسروں سے بھی اپنی اقتدار واتباع کا مطالبہ کریں گے۔ گویا خود تو گمراہ ہیں ہی دوسروں کو بھی اپنی اتباع کرا کے گمراہ کرینگے۔

فی الحقیقت ایسے لوگ عالم نہیں ہیں اگرچہ بزعم خود اپنے کو عالم سمجھیں یا دوسرے لوگ بجہل خود انکو زمرۂ علماء سے گمان کرلیں مگر عنداللہ وعندالرسول ایسے لوگ علماء حقانی میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ ضال (اور گمراہ) مضل (اور گمراہ کن) ہیں، جاہل ہیں۔ اور ایسے ہی لوگوں سے اختلاف پیدا ہوا اور ابتداع (اور بدعت کی ایجاد) کا صدور ہوا جب علم رتبہ کمال تک پہونچ جاتا ہے تو اسکے اثرات بھی علم کے مناسب نمایاں ہوتے ہیں اور جب علم ناتمام ہوتا ہے اور جہالت باقی رہتی ہے تو اس جہالت کے بھی آثار بد ظاہر ہوتے ہیں۔

اب الاعتصام سے اسکے مناسب کچھ مضامین نقل کئے جاتے ہیں:۔

واعلموا ان الاختلاف فی بعض القواعد الکلیہ لایقع فی العادیات الجاریہ بین المتبحرین فی علم الشریعۃ الخائضین فی لجتھا العظمی العالمین مواردھا ومصادرھا	جان لو کہ کسی قاعدۂ کلیہ میں اختلاف عادۃً ان لوگوں میں نہیں واقع ہوتا جو علم شریعت میں متبحر ہیں اور اسکے بحر عظیم میں غوص کرنے والے ہیں اور نہ ان لوگوں میں جو شریعت کے موارد و مصادر کو اصول و کلیات، فروع و جزئیات کو جاننے والے ہیں۔

اسی لئے اختلافات عصر اول اور اکثر عصر ثانی میں واقع نہیں ہوئے بلکہ بعد میں ہوئے اور اس کے اسباب کئی ہیں۔

(احدھا) ان یعتقد الانسان فی نفسہ او یعتقد فیہ انہ من اھل العلم والاجتھاد فی الدین (ولم یبلغ تلک الدرجۃ) فیعمل علی ذلک ویعد رایہ رأیا وخلافہ خلافاً	منجملہ انکے ایک سبب یہ ہے کہ آدمی اپنے متعلق یہ سمجھ لیتا ہے یا دوسرے لوگ اعتقاد کرلیتے ہیں کہ یہ عالم دین اور مجتہد فی الدین ہے (حالانکہ اس رتبہ عالیہ تک پہونچا نہیں ہوتا) اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسکے مطابق عمل کرنے لگتا ہے اور اپنی رائے کو رائے اور خلاف کو خلاف شمار کرتا ہے

(یعنی دین کے امور میں اپنی رائے کو صواب اور علماء سے اختلاف کو درست اور بجا سمجھتا ہے اور اسکے معتقدین بھی ایسا ہی سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ وہ اسکا اہل نہیں ہوتا اس طرح بہت سے نااہل اپنے کو اہل سمجھکر کھڑے ہوجاتے ہیں اور ہر ایک کے ساتھ ایک جماعت ہوجاتی ہے جسکی وجہ سے تفرق اور اختلاف کثیر ہوجاتا ہے۔

آگے چند سطر کے بعد علامہ شاطبیؒ تحریر فرماتے ہیں :۔

وعليه نبّه الحديث الصحيح انه صلى الله عليه وسلم قال لا يقبض الله العلم انتزاعًا ينتزعه من الناس ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى اذا لم يبق عالم اتخذ الناس رؤسًا جهالًا فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا

اسی پر حدیث صحیح نے تنبیہ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہ قبض فرمائیں گے کہ لوگوں سے علم کو بالکل نزع فرمالینگے اور اٹھالیں گے بلکہ اس طرح قبض فرمائیں گے کہ علماء کو ایک ایک کرکے اٹھالیں گے یہانتک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہ جائیگا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار (یعنی دینی امور میں مقتدا و پیشوا) بنالیں گے) انھیں سے مسائل دینیہ کے متعلق سوال کرینگے تو وہ لوگ بغیر علم ہی کے فتویٰ دینگے (جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

قال بعض اهل العلم تقديرُ هذا الحديث يدل على انه لا يؤتى الناس قط من قبل علمائهم وانما يؤتون من قبل انه اذا مات علماءهم افتى من ليس بعالم فيؤتى الناس من قبله وقد صرف هذا المعنى تصريفا فقيل ماخان امين قط ولكنه ائتمن

بعض اہل علم نے فرمایا کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لوگ کبھی بھی اپنے علماء کی جانب سے مصیبت میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ اس طور پر مبتلا ہوتے ہیں کہ جب انکے علماء کی وفات ہوجاتی ہے تو غیر عالم فتویٰ دینے لگتے ہیں اس طرح لوگ اسکی وجہ سے مصیبت میں پڑجاتے ہیں اور اسی بات کو الٹ کر اس طرح کہا گیا ہے کہ کسی امین ف نے خیانت نہیں کی مگر ہوا یہ کہ غیر امین کے پاس امانت رکھی گئی اور اسے امین بنادیا گیا تو اس نے خیانت کیا (انھیں عالم نے کہا کہ)

ف ۔ اسی طرح حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز سے کہا گیا کہ حضرت اب طالبعلم بھی چوری کرنے لگے ہیں تو

خیرا مین فخان (قال) ونحن نقول ماابتداع عالم قط ولکن استفتی من لیس بعالم

اور ہم کہتے ہیں کہ کسی عالم نے بدعت ایجاد نہیں کی مگر یہ کہ ایسے شخص سے استفتار کیا گیا جو عالم نہیں تھا۔

دیکھئے! کتنی عمدہ بات بتلائی گئی کہ گمراہی و ضلالت علمار کی جانب سے نہیں آئی بلکہ ان لوگوں کی طرف سے آئی ہے جو زمرۂ علمار میں شمار کرلئے جاتے ہیں مگر حقیقتاً علمار نہیں ہوتے ایسے لوگ قرآن و حدیث کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں جسکی وجہ سے لوگ خلاف شریعت امور میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اسی وجہ سے جب کسی نااہل سے استفتار کیا گیا تو حضرت ربیعہؒ زار و قطار روئے کہ ہائے ایسے شخص سے استفتار کیا جارہا ہے جو اسکا اہل نہیں، ایسے شخص سے سوال کیا جارہا ہے جسکے پاس علم نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اب اہل باقی نہیں رہے جسکی وجہ سے انکی جگہ نااہلوں نے لے لی اب مسلمانوں کے لئے خیر نہیں یہ نالائق لوگ دین سے ہٹا کر لوگوں کو بددینی میں اور سنت چھڑا کر بدعت میں مبتلا کردیں گے دین کا اور اہل دین کا ناس کردیں گے کوئی چیز محفوظ نہ رہ جائیگی یہ سب سوچ کر ایسا روئے کہ جیسے کوئی بہت بڑی مصیبت نازل ہوگئی ہو۔

علامہ شاطبیؒ اخیر بات میں فرماتے ہیں کہ استقرار سے تم کو معلوم ہوگا کہ متکلمین میں جتنے اہل بدعت ہوئے ہیں وہ سب یا تو قیدیوں کی اولاد تھے یا عجمی تھے عربی النسل اور عربی اللسان نہ تھے اس لئے وہ کتاب و سنت کے صحیح مفہوم کو اور شارع علیہ السلام کی عین منشار کو صحیح سمجھ نہ سکے اور خلاف منشار مطالب بیان کئے جسکی وجہ سے بدعات خوب ایجاد ہوئیں اور عوام الناس نے انھیں بدعات کو دین و سنت سمجھ لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

علامہ شاطبیؒ کی عبارت مندرجہ ذیل ہے۔

ولعلك اذا استقريت اهل البدع من المتكلمين او اكثرهم وجدتهم من ابناء سبايا الامم ومن ليس له اصالة في اللسان العربي فعما قريب يفهم كتاب الله على غير وجهه كما ان لم من يتفقه في مقاصد الشريعة فهمها على غير وجهها۔

(الاعتصام ۱۲۴ / ۱)

اور اگر تم اہل بدعت متکلمین کا استقرار (اور تحقیق) کرو تو شاید کل کو یا اکثر کو امتوں کے قیدیوں کی اولاد پاؤ گے اور ایسے لوگوں کو پاؤ گے کہ انکو عربی زبان میں اصالت کا درجہ نہیں حاصل ہے اسلئے انھوں نے کتاب اللہ کو غیر وجہ (یعنی غلط طور) پر سمجھا جیسے کہ وہ شخص جسکو مقاصد شرعیہ میں تفقہ (بصیرت اور شعور) حاصل نہ ہوگا تو انکو غیر وجہ پر (یعنی غلط) سمجھے گا۔

یہ ہمارے اکابر کے ارشادات و مقالات ہیں کس قدر حکمت و دانائی پر مبنی ہیں آج اگر ان ارشادات کو پیش نظر رکھا جائے اور ان پر عمل پیرا ہوا جائے تو کام بن جائے خصوصاً حضرت ابن مسعودؓ کے ارشاد کو جو علم کی صیانت اور اسکے اہل کے سپرد کرنے کے بارے میں ہے ضرور اہل علم کو پیش نظر رکھنا چاہیئے اور لائحہ عمل بنانا چاہیئے انشاء اللہ اسکا نفع بیّن طور پر ملاحظہ فرماویں گے

آجکل ان ارشادات پر عمل نہ کرنے ہی کا نتیجہ ہے کہ طلبہ نہ علم ہی حاصل کرتے ہیں اور نہ اپنے اخلاق و اعمال ہی کی اصلاح کرتے ہیں اور چونکہ کمینے اور طبیعت کے چھوٹے ہوتے ہیں اس لئے اساتذہ کو ماننا تو درکنار انکے مخالف ہوکر نکلتے ہیں بخلاف پہلے کے کہ جو اہل ہوتے تھے وہی پڑھتے تھے اور اساتذہ سے انکو علم و عمل ملتا تھا اس لئے اساتذہ کے عاشق اور جاں نثار رہتے تھے مگر اب اپنے زمانہ کی بدحالی دیکھ لیجئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ عمر۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

(راستہ کا فرق دیکھو کہاں سے کہاں تک ہے)

اکابر نے جو اہل و نا اہل میں تمیز کی اور اسکی تاکید فرمائی تو اس لئے کہ آج کے جو یہ طلبہ ہیں کل کو یہی مقتدا، اور پیشوا ہوں گے اگر یہ بدعمل اور بداعتقاد ہوں گے تو دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے چونکہ صحیح علم وعمل سے یہ خود خالی ہوں گے اس لئے دوسروں کو کیا خاک پہونچائیں گے۔

علماء کا فساد لازمی ہی نہیں بلکہ متعدی ہوتا ہے انکی بدعملی کو دیکھکر کتنے ہی بدعمل بلکہ بد اعتقاد ہو جائیں گے چنانچہ بعض لوگوں نے کہا کہ "میں تو فلاں صاحب کے عمل کو دیکھکر دین و اسلام ہی سے بدظن ہوگیا تھا اب معلوم ہوا کہ یہ دین ہے یہ اسلام ہے" اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شدت سے علماء مضلین (گمراہ کن علماء) کی مذمت فرمائی ہے اور اس سے تحذیر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ کُلُّ مُنَافِقٍ عَلِیْمِ اللِّسَانِ "میں سب سے زیادہ خوف اپنی امت پر منافق علیم اللسان سے کرتا ہوں" یعنی جو فصیح و بلیغ چرب زبان ہو اپنی فصاحت سے لوگوں کو دھوکہ میں ڈالتا ہو اسکا خوف کرتا ہوں کیونکہ نتیجہ یہ ہوگا لوگ اسکو عالم سمجھکر اس کی اقتدا کرنے لگیں گے جس کی وجہ سے وہ گمراہ ہو جائیں گے

دوسری حدیث سنیئے :۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی دو جماعتیں ایسی ہیں کہ جب وہ درست ہونگی تو سب آدمی درست ہو جائیں اور جب وہ فاسد ہونگی تو سب آدمی فاسد ہو جائیں گے، ایک جماعت امراء و ملوک کی دوسری علماء کی ۔

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ علماء کی مثال ایسی ہے جیسے نمک

کہ جب کوئی چیز خراب ہونے لگے تو نمک اسکی اصلاح کر دیتا ہے لیکن اگر نمک خود ہی خراب ہو جائے تو اسکی اصلاح کسی چیز سے نہیں ہوتی

سبحان اللہ! کیا عمدہ مثال ہے اس سے بڑھکر کیا مثال ہو سکتی ہے۔ بیشک علماء درست ہوں تو پھر عوام کی کیا مجال ہے کہ اصلاح پذیر نہ ہوں، قصور ہمیں لوگوں کا ہے، بسا اوقات ہمیں لوگ ضلالت کے سبب بن جاتے ہیں جیسے کہ پہلے علماء ہدایت کا سبب بنا کرتے تھے اسکی وجہ یہی تھی کہ وہ حضرات دین کے پابند تھے اور شریعت کے متبع تھے اسلئے لوگ ان سے ہدایت یاب ہوتے تھے صاحب کشاف فرماتے ہیں

الاتری ان المتقدمین من العلماء والکبراء اذا کانوا علیٰ سداد کیف یتسببون لسداد من وراءھم۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ علماء متقدمین اور اکابر سلف جبکہ خود درستگی پر تھے تو وہ اپنے بعد والوں کے لئے بھی درستگی ہی کا سبب بنتے تھے۔

(کشاف ص۹۴ ج۱)

حاصل کلام یہ کہ علماء کو اپنے علم پر عامل ہونا چاہئے جب عوام الناس اپنے علماء کو عمل کرتے دیکھیں گے تو یہ انکے انصلاح اور تدین (یعنی صلاح و نیکی اور دینداری سے آراستگی) کا سبب بنے گا اور اگر علماء کا عمل انکے قول کے خلاف دیکھیں گے تو انکے قلوب سے دین کی عظمت و وقعت ہی نکل جائے گی بالکل بے عمل اور بے دین ہو جائیں گے۔

پس علماء کی بے عملی کا ضرر لازمی بھی ہے اور متعدی بھی تو ظاہر ہے کہ کس قدر احتراز کی ضرورت ہے۔

(اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان ارشادات سے منتفع ہونے کی توفیق عطا فرمائیں)۔

یہ مضمون اشاعت کے لئے دیا جا چکا تھا کہ علامہ شاطبیؒ غرناطی کی تصنیف "موافقات" مکہ معظمہ سے آگئی اس میں ایک نہایت عمدہ بحث اس مضمون کے مناسب نظر سے گذری اسلئے جی چاہا کہ اسکا کچھ حصہ ملخصًا بطور تتمہ کے ملحق کر دیا جائے۔

فرماتے ہیں کہ :-

وللعالم المتحقق بالعلم امارات وعلامات .... وهی ثلاث

(احدها) العمل بما علم حتی یکون قوله مطابقا لفعله فان کان مخالفا له فلیس باهل لان یوخذ عنه ولا ان یقتدی به فی علم۔

(والثانیة) ان یکون ممن ربّاه الشیوخ فی ذالك العلم لاخذه عنهم وملازمته لهم فهو الجدیر بان یتصف بما اتصفوا به من ذلك وهکذا کان شان السلف الصالح — فاول ذلك ملازمة الصحابة رضی الله عنهم لرسول الله صلی الله علیه وسلم واخذهم باقواله وافعاله واعتمادهم علی ما یرد منه کائنا ما کان وعلی ای وجه صدر۔ فهم — فهموا مغزی ما اراد به اولا حتی علموا وتیقنوا انه الحق الذی لا یعارض والحکمة التی لا ینکسر قانونها۔ ولا یحوم النقص حول حمی کمالها وانما ذلك بکثرة الملازمة وشدة المثابرة — وحسبك من صحة هذه القاعدة انك لا تجد عالما اشتهر فی الناس الاخذ عنه الا وله قدوة اشتهر فی قرنه بمثل ذلك۔

(والثالثة) الاقتداء بمن اخذ عنه والتادب بادبه

كما علمت من اقتداء الصحابة بالنبي صلى الله عليه وسلم واقتداء التابعين بالصحابة وهكذا في كل قرن. فلما ترك هذا الوصف رفعت البدع رؤسها لان ترك الاقتداء دليل على امر حدث عند التارك اصله اتباع الهوى۔

یعنی محقق عالم کے لئے تین علامتیں ہیں :۔

ایک تو یہ کہ اپنے علم پر خود عامل ہو تاکہ اسکا قول اسکے فعل کے مطابق ہو اسلئے کہ اگر اسکا فعل اسکے قول کے مطابق نہ ہوگا تو یہ شخص اسکا اہل نہیں ہے کہ اس سے علم حاصل کیا جائے اور نہ اس لائق ہے کہ کسی کے علم میں اسے مقتدا بنایا جائے۔

دوسری علامت یہ ہے کہ یہ شخص ایسا ہو کہ اس علم میں مشائخ اور اساتذہ نے اسکی تربیت فرمائی ہو بایں وجہ کہ اس نے ان حضرات سے علم حاصل کیا ہو اور انکی خدمت میں برابر رہا ہو تو ظاہر ہے کہ ایسا ہی شخص اس قابل ہوگا کہ ان صفات کے ساتھ متصف ہو جن سے اسکے مشائخ اور اساتذہ متصف تھے، چنانچہ سلف صالحین کا یہی طریقہ تھا (یعنی اپنے مشائخ اور اساتذہ سے تحصیل علم اور انکی ملازمت خدمت کی بنا پر ان کے اخلاق و صفات سے متصف ہو گئے تھے)۔ دیکھئے سب سے پہلے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلسل حاضری کو لازم پکڑا اور آپ کے اقوال و افعال کو لیا اور جو کچھ آپ سے صادر ہوا اس پر اعتماد کیا خواہ وہ جس قسم کی بھی چیز رہی ہو اور جس طریقہ پر بھی آپ سے صادر ہوئی ہو اور خواہ ان حضرات نے آپ کے مقصود کو سمجھا ہو یا نہ سمجھا ہو۔

یہاں تک کہ انھوں نے سمجھ لیا اور یقین کر لیا کہ آپ نے جو کچھ

کیا یا فرمایا وہ ایسا حق ہے جس کا معارضہ نہیں کیا جا سکتا اور ایسی حکمت ہے جس کا قانون ٹوٹ نہیں سکتا اور جس کے کمال کے گرد نقصان پھٹک نہیں سکتا۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ کیفیت طویل صحبت اور انتہائی پابندی کے ساتھ خدمت میں حاضری کے بعد ہی انسان میں پیدا ہو سکتی ہے۔

اور اس اصل اور قاعدہ کی صحت کے لئے سمجھیں یہ دلیل کافی ہے کہ لوگوں میں وہی عالم علم حاصل کئے جانے میں مشہور ہوتا ہے جو خود اپنے زمانہ میں اس امر میں ممتاز رہا ہوتا ہے۔

اور تیسری علامت یہ ہے کہ وہ شخص جس سے علوم کو لیتا ہو اسکی اقتدار کلی کرتا ہو اور اسکے آداب سے مؤدب ہو جیسا کہ تم نے صحابہ کی اقتدار کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا اور ایسے ہی تابعینؒ کی اقتدار کو حضرات صحابہؓ کے ساتھ وھلمّ جرّا مسلسل۔

لیکن جب یہ وصف متروک ہو گیا تو بدعات نے سر اٹھایا یا اسلئے کہ ترک اقتدار اس امر کی دلیل ہے کہ تارک کے نزدیک کوئی نئی چیز پیدا ہو گئی ہے جسکی اصل اور منشا رہوائے نفسانی کی اتباع ہوتی ہے۔

(الموافقات ص۹۵ ج ۱)

باادب بانصیب بے ادب بے نصیب

قطب ربانی علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منجملہ اخلاق سلف صالحین کے ایک یہ ہے کہ جو شخص انکو بچپن میں قرآن کی ایک سورۃ یا ایک آیۃ پڑھا دیتا تھا اسکا وہ نہایت ادب کرتے تھے پس جو شخص انکو ایک سورۃ یا ایک آیۃ یا کسی علم کا ایک باب پڑھا دیتا اسکی وہ اسقدر تعظیم کرتے کہ اسکے پاس سے سوار ہو کر نہیں نکل سکتے اور نہ اسکی مطلقہ بیوی سے شادی کر سکتے تھے

اگرچہ وہ شیخ الاسلام یا شیخ طریق ہو جاتے اور جن آداب کو وہ اسکے ساتھ برتتے تھے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انکی خبرگیری کرتے رہتے تھے انکو انکے بال بچوں انکے گھر کے لوگوں کو ہدایا دیتے رہتے تھے اور کپڑے بناتے رہتے تھے اور یہ سب انکی خاطر اور اعزاز کے لئے کرتے تھے۔ اسیطرح انکے اخلاق میں سے یہ بھی ہے کہ جو معلم انکے بچوں کو قرآن پڑھاتا تھا اس سے بخل نہیں کرتے تھے اور جو کچھ اسکو دیتے اسکو زیادہ نہیں سمجھتے تھے

ابن ابو زید قیروانی صاحب رسالہ کی حکایت ہے کہ جب ان کے بچہ کو اسکے معلم نے ایک منزل قرآن پڑھا دیا تو اسے سو دینار دیئے اس نے لینے سے عذر کیا اور کہا کہ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس پر اتنی بڑی رقم کا مستحق ہوں تو انھوں نے اپنے بچہ کو اس معلم کے پاس سے ہٹا کر دوسرے معلم کے سپرد کر دیا اور یہ فرمایا کہ یہ شخص قرآن کو حقیر سمجھتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے بھی الحمد للہ اپنے استاذ شیخ حسن علی حلبی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اسی خلق کے مطابق برتاؤ کیا ہے چنانچہ میں انکے انتقال تک انکے لئے اور انکے بال بچوں کیلئے کپڑے بنا کر پیش کرتا رہا اور بایں ہمہ یہ سمجھتا ہوں کہ میں نے انکا حق واجب ادا نہیں کیا۔ اور سنہ ۹۱۸ھ کا واقعہ ہے کہ میں ایک روز شیخ شمس الدین دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جا رہا تھا اس اثناء میں انھوں نے ایک نابینا شخص کو دیکھا جسکو اسکی لڑکی لئے جا رہی تھی اس کو دیکھکر وہ گھوڑے سے اتر پڑے اور اسکے ہاتھ چومے اور دور تک اسکے ساتھ ساتھ پیدل گئے جب وہ لوٹے تو میں نے اس شخص کے بارے میں سوال کیا کہ یہ کون صاحب تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ یہ وہ شخص ہیں جن سے میں نے بچپن میں کچھ قرآن پڑھا تھا اور مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں سوار ہو کر ان کے پاس سے گذر جاؤں (یہ حالت تھی ان کے ادب کی) حالانکہ شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کو جو قدر و منزلت اور جاہ و عقیدت اور علم و صلاح سلاطین و امراء، حکام و رؤساء

کے یہاں حاصل تھی ہم نے نہیں دیکھا کہ وہ جاہ وعقیدت وغیرہ ان کے ہمعصروں میں کسی کو بھی حاصل ہو، حتیٰ کہ میں نے ایک روز دو قصروں کے درمیان انکو اس حالت میں دیکھا کہ لوگ انکے ہاتھ چومنے کے لئے ان پر ہجوم کئے ہوئے ہیں اور جو ان تک نہیں پہونچ سکتے وہ اپنی چادر کھول کر ان پر پھینکتے ہیں تاکہ وہ شیخ کے کپڑوں سے چھو جائے اور اسکو چومتے ہیں جس طرح لوگ قاہرہ سے گذرتے وقت غلاف کعبہ کیساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ پس تم اسکو خوب سمجھ لو اور اہل ادب کی اقتدار کرو۔ خدا اہل ادب سے راضی ہو والحمد للہ رب العالمین۔　　(تنبیہ المغترین ص ۳۸)

اضافہ مرتب عرض کرتا ہے کہ اسی سلسلہ کا واقعہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ نور الایضاح کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے مزید بصیرت کے لئے اسے نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے لکھتے ہیں کہ علامہ برہان الاسلام زرنوجی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تعلیم المتعلم" کی فصل استاذ کے ادب اور رعایت میں تحریر فرمایا ہے کہ شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ بخارا سے چلے اور کسی گاؤں میں چند روز اقامت کی اس دوران قیام میں انکے تمام شاگرد اُن سے ملاقات کی غرض سے حاضر خدمت ہوئے مگر قاضی ابوبکر محمد زرنجری علیہ الرحمۃ حاضر نہیں ہوئے کچھ دنوں بعد جب ان سے ملاقات ہوئی تو شمس الائمہؒ نے قاضی صاحب سے فرمایا کہ تم نے مجھ سے ملاقات کیوں نہیں کی؟ انھوں نے جواب دیا کہ والدہ کی خدمت میں مشغول تھا (اسلئے حاضر خدمت نہ ہوسکا) اسپر شمس الائمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جاؤ عمر تو تمھاری لمبی ہوگی مگر درس وتدریس کی رونق میسر نہوگی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کیونکہ اکثر اوقات انکی سکونت گاؤں میں رہی اور درس کا سلسلہ قائم نہ ہوسکا۔

لہٰذا جس سے اسکا استاذ ناراض ہوگا وہ علم کی برکت سے محروم رہے گا اور لوگوں کو اس سے بہت کم نفع پہونچے گا۔

مکتوبات اصلاحی

(مکتوبات نمبر ۹۶)

حال: حضور والا اس ناکارہ کا بغیرتہ تک پہونچے ہوئے اس طرح چھوڑ کر ہو سے جانا دلیل بے تعلقی ہے اگر ذرا بھی محبت اور تعلق ہوتا تو ایسا نہوتا اب جو کچھ بھی عاصی کہے محض ادعائے زبانی ہے جبتک اصلاح نہو ئی تو ہلاکت کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

خوب غور وفکر کیا تو یہی بات سمجھ سکا اس سے زیادہ نہیں سمجھ میں آرہا ہے اب حضرت والا ہی سمجھادیں، احقر فوراً اقرار کرے گا اور جو جو صورتیں تعلق صادق میں کرنی ہوں گی سب کرے گا۔

تحقیق: یہ سب باتیں بے اعتقادی سے ہوتی ہیں مولویوں کو صحیح اعتقاد پیدا ہی نہیں ہوتا پوچھتے ہو تو بتاتا ہوں اب تو اسکو سمجھ لو۔ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ان لوگوں کو اعتقاد کیوں نہیں ہوتا کیونکہ اعتقاد کا تعلق جن امور سے ہے اسکی ہوا بھی نہیں لگتی اسلئے کہ یہ لوگ بزرگوں کے پاس محض رسمی نام ونمود کے لئے آمدورفت رکھتے ہیں۔

حال: ہرموفرق نہ ہونے دیگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ حضرت والا سوفہمی دور ہونے کی دعاء فرمائیں، اللہ تعالیٰ فہم درست، فہم صحیح کی دولت سے آنحضور کی بدولت نوازے۔ دوسری غلطی خط دوسرے کے لفافہ میں رکھدیا اب نہ رکھے گا اس وقت کوئی کام بھی درست نہیں ہورہا ہے سب میں خرابی ہی خرابی ہوجاتی ہے۔

کیا عرض کرے نفس کا کید بڑی مشکل سے سمجھ میں آتا ہے۔

حضور والا رنج ہی احقر پر کیا گذر رہی ہے حد تحریر میں کم از کم یہ کم فہم تو نہیں لا سکتا بجز اسکے کہ غلطی ہوگئی معاف کر دیجئے اور کیا تدارک ہوسکتا ہے بتلا دیجئے تاکہ عمل کر کے رنج کو دور کرنے کی پوری کوشش کرے۔ حضور والا یہ بدفہم آنجناب کے ارشادات یا تصریحات کو اس وقت نہیں سمجھ پایا ہے جو کچھ سمجھا ہے لکھدیا ہے۔ لیکن حضور والا کوئی عمدہ اصلاحی چیز سمجھانا چاہتے ہیں وہ عاصی سمجھ نہیں رہا ہے سمجھنے پر پوری سعی سے رذیلہ دور کرے گا بشرطیکہ دعا رشامل حال رہی۔ فہم کی دعا رکردیں۔ اللہ تعالےٰ درست کردے کہ وہ قدرت کامل رکھتا ہے اسی خدا نے آنجناب تک پہونچایا ورنہ کہیں کا نہوتا اب اسی سے دعا کر رہا ہے یا اللہ احضرت کی محبت خالص کر دیجئے۔ اور بے ادبی جو ہوگئی ہو معاف فرمائیں۔

(مکتوب نمبر ۹۷)

حال: حضرت والا سے بیعت ہونے کے بعد دل میں کافی طمانیت و سکون پاتا ہوں۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: جب تک خانقاہ شریف میں ٹھہرا رہا دل عبادات میں مشین کی طرح لگا رہتا تھا۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: یہ حضرت والا کی روحانیت کی برکت تھی مکان آنے کے بعد ماشاء اللہ تعالیٰ نمازوں میں خشوع پاتا ہوں۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: جو پہلے کبھی بھی حاصل نہیں تھا اور وساوس جنکی شکایت اس خادم نے حضرت والا سے کی تھی تقریباً مفقود ہوگئے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: یہ حضرت والا کا عظیم ترین احسان ہے جس کے لئے زندگی بھر شکر ادا کروں تو کم ہے۔ تحقیق: بیشک۔

حال: اپنے بزرگوں کی تعریف کرنی اس خادم کی پرانی عادت ہے۔
تحقیق: الحمدللہ۔
حال: اپنے مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کی زندگیاں پڑھنے کا خدا نے موقع دیا (بالخصوص حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت تھانویؒ کیونکہ ان حضرات کے حالات پر باقاعدہ کتابیں چھپی ہیں) لہٰذا ان کی تعریفیں اور تذکرے کرنے سے کبھی بھی نہ تھکتا تھا۔ اب ان سب حضرات کی جگہ تنہا حضرت والا نے لی ہے۔ تحقیق: کیا کہہ رہے ہو؟۔
حال: اب یہ عادت ہوگئی ہے کہ جب سے حضرت والا کے یہاں سے آیا ہوں بغیر حضرت کا تذکرہ اپنے لوگوں میں کئے چین نہیں آتا ہے۔
تحقیق: مبارک ہو۔
حال: لڑکے یونیورسٹی سے امتحان دیکر چھٹیوں میں مکان آئے ہوئے ہیں ان میں سے دو لڑکے حضرت کی زیارت کے لئے بہت ہی بیچین ہیں ہم نے لڑکوں کو دھمکایا بھی کہ اگر تم لوگوں نے لاعلمی میں بھی وہاں کے آداب کے خلاف کچھ کیا تو بہت برا ہوگا ان کا جواب یہ ہے کہ ہم حضرت کے ہاتھ سے مار کھانا اپنی خوش نصیبی سمجھیں گے، غرضیکہ یہ لوگ بہت ہی بے چین ہیں، ہم نے کہا کہ پہلے حضرت سے اجازت لے لینے دو تب جاؤ۔ اگر حضرت والا اجازت عطا فرمائیں تو ان دونوں لڑکوں کو حضرت والا کی قدمبوسی کا موقع مل جائے۔
تحقیق: خوشی سے اجازت ہے۔

(مکتوب نمبر ۹۸)

حال: ضروری گذارش یہ ہے کہ بندہ حضرت مولانا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب سے بیعت ہے اور ذکر پاس انفاس اور بارہ تسبیح معمول ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ

کی زندگی مبارک میں بہت اچھا تھا اور اس وقت تقریباً ایک برس سے بہت پریشانی ہے ریاح سے بہت زیادہ پیٹ پھولا رہتا ہے یہاں تک بعض وقت فاقہ بھی کرتا ہوں مگر پھر وہی حالت رہتی ہے بعض مرتبہ سانس لینا مشکل ہوتا ہے اور ضعف بہت زیادہ ہونے لگتا ہے مجبوراً سو رہتا ہوں قلب میں ضعف اور گھبراہٹ بہت ہوتی ہے اور وظیفہ پڑھتے وقت بدن ٹوٹنے لگتا ہے اور درد ہونے لگتا ہے کہ برداشت سے باہر ہو جاتا ہے اور بعض مرتبہ معلوم ہوتا ہے دل سے کوئی چیز ہٹ گئی ہے اس وقت حالت بالکل ٹھیک ہو جاتی ہے۔

اس کے پہلے فتحپور چند دن ہوئے کہ حاضر ہوا تھا مگر تنہائی میں موقع ملاقات کرنے کا نہ مل سکا ورنہ حالات سے آگاہ کرتا۔ حضرت والا سے عاجزانہ استدعا ہے کہ میرے لئے دعا فرمائیں اور جو مناسب ہو تحریر فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

تحقیق: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جانتے ہو کس وجہ سے ہے؟ پاس انفاس سے تمھیں نقصان پہونچا اسے ملتوی کردو اسکی جگہ درود شریف کا ورد رکھو، انشاء اللہ اچھے ہو جاؤ گے۔

مکتوب نمبر ۹۹

حال: گذارش اینکہ بندہ بطفیل حضرت والا اپنے معمولات ذکر و نوافل وغیرہ بجالاتا ہے اور روزانہ پورا کرلیتا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: اللہ تعالیٰ پابندی کے ساتھ بجالانے کی توفیق عطا فرمائیں تحقیق: آمین

حال: اور استقامت نصیب فرمائیں۔ تحقیق: آمین۔

حال: دیگر اینکہ حضرت والا کی خدمت میں پہونچنے اور آمد و رفت سے پہلے احقر کے نفس کی حالت یہ تھی کہ نفس معاملات اور اخلاق میں حد درجہ لاپرواہ تھا اور اس لاپرواہی کیوجہ سے کتنے خلاف شرع معاملات اور اخلاق کا مرتکب ہوتا رہتا تھا اور ان خودکردہ خلاف شرع معاملات

و اخلاق کی تلافی کا کبھی خیال نہ ہوتا تھا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا کہ اس نے اس فقیر کو حضرت والا سے متعلق فرد یا اور حضرت والا کے طفیل میں اپنے معاملات بد اور اخلاق رذیلہ پہ نظر کرنے اور سوچنے کی توفیق ہوئی اور انکا عیب اولے مذموم ہونا سمجھ میں آیا۔ تحقیق : الحمدللہ

حال : اور جو کچھ کیا تھا اسکی ادائیگی اور تلافی کی فکر ہوئی۔ تحقیق : الحمدللہ

حال : اور سوچ سوچ کر واجب الادا حقوق کو ادا کیا۔ تحقیق : الحمدللہ

حال : اب نفس کی حالت یہ ہے کہ نفس معاملات اور اخلاق میں احتیاط رکھتا ہے۔ تحقیق : الحمدللہ

حال : اور ایسا معاملہ کرنے سے جس سے کسی کا حق اپنے ذمہ رہ جائے یا ایسا برتاؤ کرنے سے جس سے کسی کو ایذا پہونچے نفس ڈرتا ہے تحقیق الحمدللہ

حال : اور سوچتا ہے کہ ناجائز معاملے سے یا کسی کو ایذا پہونچانے سے جو غیر کا حق اپنے اوپر قائم ہو جاتا ہے اسکی ادائیگی اور تلافی تو ضروری ہے خواہ دنیا میں خواہ آخرت میں۔ تحقیق : بیشک۔

حال : اور آخرت کا معاملہ تو بہت سخت ہے اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے تحقیق : آمین۔

حال : یہ سوچ کر نفس دانستہ طور پر ناجائز معاملہ کرنے پر راضی نہیں ہے بلکہ ایسے معاملات سے نفرت معلوم ہوتی ہے تحقیق : الحمدللہ

حال : نیز ایسی باتوں سے جس سے فتنہ و فساد پیدا ہو یا بڑھے طبیعت گھبراتی اور بھاگتی ہے تحقیق : الحمدللہ

حال : اور نفس نہایت برا سمجھتا ہے اور جب کبھی نادانستگی میں اس قسم کے معاملات کی نوبت آجاتی ہے تو جلد ہی تنبہ ہو جاتا ہے اور اس کے تلافی کی فکر ہو جاتی ہے تحقیق : الحمدللہ

حال : اگرچہ اس میں نقصان برداشت کرنا پڑے اور نفس پر گراں ہو تحقیق الحمدللہ

حال: اللہ تعالیٰ کا اس فقیر پر یہ زبردست فضل واحسان ہے کہ اس نے حضرت والا جیسے شیخ محقق سے متعلق فرمادیا۔ تحقیق: بیشک

حال: اور بندہ کی اصلاح کا سامان فرمادیا۔ تحقیق: بیشک

حال: اور حضرت والا کی ذات اقدس سے اس فقیر کو علمی وعملی کثیر نفع پہونچا اللہ تعالیٰ اس فقیر کی فہم کو کھول دیں تاکہ حضرت والا کے ارشادات کو صحیح طور پر سمجھے اور یاد رکھے۔ تحقیق: آمین

حال: اور نفس کے رذائل اور اپنے امراض کو سمجھے۔ تحقیق: آمین

حال: اور اللہ تعالیٰ ہمت اور حوصلہ عطا فرمائیں۔ تحقیق: آمین

حال: تاکہ حضرت والا کے ارشادات پر عمل کرنے اور اصلاح نفس کی توفیق ہو۔ تحقیق: آمین۔

حال: اصلاح نفس جتنا مشکل کام ہے ظاہر ہے کہ اسکے لئے ایسے ہی ہمت اور حوصلہ اور عقل وفہم کی ضرورت ہے۔ تحقیق: اور کیا۔

حال: بغیر ہمت وحوصلہ اور عقل وفہم کے تو معمولی کام بھی نہیں ہوتے تحقیق: بالکل صحیح ہے۔

حال: اور بغیر ہمت وعقل کے اصلاح نفس کی کیسے امید ہوسکتی ہے اللہ تعالیٰ میری کم فہمی اور پست ہمتی کو دور فرمائے۔ تحقیق: آمین

حال: اور رذائل نفس کو سمجھنے اور نکالنے کی توفیق عطا فرمائیں تحقیق: آمین۔

کمالاتِ اشرفیہ

(۴۹)

(۶۱) فرمایا کہ میں بچوں کو خط میں دعا بھی لکھدیتا ہوں انکی طیبِ خاطر کے لئے مگر اول سلام بھی لکھدیتا ہوں کیونکہ سنت ہے۔ سلام کو نہیں چھوڑتا عبارت کی ترتیب یہ ہوتی ہے، السلام علیکم، بعد دعا، کے واضح ہو کہ
ف: اس سے حضرت والا کی اتباع سنت کا طبیعت ثانیہ ہونا معلوم ہوا
(۶۲) فرمایا اگر دنیا دار تھوڑا سا بھی دین کی طرف متوجہ ہو تو غنیمت ہے اور اگر دیندار تھوڑا سا بھی دنیا کی طرف متوجہ ہو تو رنج ہوتا ہے۔
ف: اس سے حضرت والا کا زہد و شفقت معلوم ہوا۔
(۶۳) فرمایا کہ ایک صاحب یہاں بغرض تعلیم و تلقین آئے میں نے ان سے دریافت کیا کہ بیوی کا کیا انتظام کر آئے ہو جواب دیا کہ اپنے میکہ میں موجود ہیں آخر کار کھلتے کھلتے معلوم ہوا کہ آپس میں نااتفاقی ہے اور بیوی طلاق کی خواستگار ہے۔ میں نے کہا کہ پھر اسکو کیوں مقید کر رکھا ہے اسکا فیصلہ کرنا ضروری ہے آپ جائیے اول معاملہ صاف کیجئے تب آئیے۔ یا تو وہ آپ کے پاس رہنا قبول کرے ورنہ اسکو طلاق دیجئے۔ چنانچہ وہ گئے اور طلاق دیکر آئے پھر وہ کہتے تھے کہ جیسی یکسوئی سے میں نے اب کام کیا ہے ویسا پہلے ہرگز نہ ہوتا۔ پھر فرمایا کہ مقصود تو شریعت ہے شریعت نہ ہوئی تو طریقت کیا چیز ہے حقوق العباد زیادہ سخت چیز ہیں حقوق اللہ سے بھی۔ پھر فرمایا کہ خدا تعالےٰ کے بندے تو آلہ ہیں کہ حق تعالےٰ انھیں ایسی ایسی باتیں سوجھا کر کام کرا لیتے ہیں اصل کمال تو اِلٰہ کا ہے آلہ کا کیا کمال ہے۔

ف : اس سے کمال لحاظ حقوق العباد کا ثابت ہوا
(۶۴) ایک مولوی صاحب نے جو کہ مدرسہ امداد العلوم میں مدرس تھے طلبا, پر سبق کے یاد نہ کرنے کے جرم میں بلا اجازت ومشورہ حضرت والا کے کچھ جرمانہ کیا جب حضرت والا کو اطلاع ہوئی تو مولوی صاحب کو بلا کر فرمایا کہ آپ نے طلبار پر جرمانہ کیا ہے ؟ انھوں نے اقرار کیا، فرمایا کہ یہ جائز کہاں ہے ؟ انھوں نے کہا کہ مالکوں ہی کو بعنوان انعام دیدیا جائے گا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ کسی کے مال کا حبس کرنا بلا رضامندی کب جائز ہے تیسرے یہ کہ جرمانہ تو بچوں پر نہ ہوا ان کے ماں باپ پر ہوا کیونکہ مال ان ہی کا ہے آپ کا کام سکھلانے سمجھانے کا ہے نہ یاد کریں بلا سے، مت یاد کرو آپ نے شریعت کی مخالفت کیوں کی اور میری بلا اجازت یہ کام کیوں کیا گیا
ف : کمال اتباع شریعت وحسن تربیت ثابت ہوا
(۶۵) حضرت والا دوپہر کو سہ دری میں آرام فرمارہے تھے اور پردے چھوٹے ہوئے تھے ایک صاحب وہاں جا پہنچے اور حضرت والا کے منع فرمانے پر واپس چلے آئے ان کے متعلق بعد نماز ظہر کچھ گفتگو کے بعد فرمایا کہ آدمی کو چاہئے کہ جہاں جاوے اسکے اوقات کی تحقیق کر لے اگر مجھ سے پوچھا جاتا تو میں اپنے معمولات خود ہی بتا دیتا۔ مشرق، مغرب، شمال، جنوب کہیں کلی آدمی جاوے سب کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاوے کچھ میری ہی تخصیص نہیں ہے۔ میں ذرا آرام کرنے لیٹا تھا کہ بس آموجود ہوئے کون آرام کرنے دیتا ہے۔ رانڈیں بیٹھیں تو جب رنڈوے بیٹھنے دیں۔ ان صاحب نے جب اپنے جانے کا یہ عذر کیا کہ چونکہ پردوں کے اندر سے حضرت والا کے گفتگو فرمانے کی آواز آرہی تھی اس وجہ سے میں چلا گیا تھا اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اگر آواز سنکر جانے کی اجازت اسی پر استدلال کیا جاوے گا تو میاں بیوی کی خلوت میں کلی جا گھسیں گے۔ پھر فرمایا کہ جو شخص ہاتھ میں

تسبیح لے لیتا ہے اسکو تو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ پتھر ہو جاتا ہے حالانکہ وہ سب سے زیادہ ذی حس ہو جاتا ہے۔

ف : اس ملفوظ سے ظرافت کے ساتھ تعلیم استیذان کے مسئلہ کی کی گئی

(۶۶) دعاء قبول ہونے کے متعلق فرمایا کہ کبھی جو کچھ آدمی مانگتا ہے اس سے بہتر چیز اسکو مل جاتی ہے مثلاً کوئی سو روپیہ اللہ میاں سے مانگے اور دو رکعت آخر شب میں نصیب ہو جاویں اور سو روپیہ نہ ملیں تو دعاء قبول ہو گئی کیا دو رکعت سو روپیہ سے کچھ کم ہیں ؟

ف : اس سے حضرت والا کا کمالِ زہد ثابت ہے

(۶۷) فرمایا کہ معدہ کمزور ہونے میں بھی حکمت ہے کہ لذائذ سے پرہیز ہوتا ہے یہ بھی سرکاری انتظام ہے کیونکہ زیادہ کھانے سے جسم تازہ اور قلب مکدر ہوتا ہے اور کم کھانے سے جسم کمزور ہو جاتا ہے مگر قلب کو تازگی ہوتی ہے۔

ف : اس سے حضرت والا کا حکیم ہونا ظاہر ہے۔

(۶۸) ایک صاحب نے کہا کہ مجھ سے نماز کا حق ادا نہیں ہوتا فرمایا کہ بھائی نماز کا حق کس سے ادا ہو سکتا ہے ؟ تم تو یہ بھی سمجھتے ہو کہ ہم سے حق ادا نہیں ہوتا اور ہم اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ ہم بہت اچھی نماز پڑھتے ہیں اور حالانکہ خاک بھی نہیں پڑھتے۔ بس بھائی اللہ میاں کو سجدے کر لیتے ہیں وہ رحیم ہیں قبول فرمالیں گے ان سے امید قبولیت کی البتہ ہے۔ گو ہماری نماز اس قابل نہیں۔

ف : اس سے حضرت والا کی کمالِ عبدیت ظاہر ہے۔

(۶۹) اپنے ضعف کے متعلق فرمایا کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ دعاء کر دے تو پھر دوا وغیرہ سب ایک طرف ہی رکھی رہے

ف : اس سے بھی کمالِ عبدیت ظاہر ہے۔

(۷۰) ایک صاحب نے اپنی بیوی کی نسبت لکھا تھا کہ انکو سات ماہ کا حمل تھا وہ کسی شادی میں گئیں پیر ریٹ گیا گر گئیں پیچش ہوگئی ہیں ضعیف العمر ہوں اور یہ بچے چھوٹے ہیں، دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ انکو صحت عطا فرمادیں۔ اس پر فرمایا کہ عورتیں رسومات نہیں چھوڑتیں اور ان صاحب کو جواب تحریر فرمایا کہ آپ ایسے موقع پر پھر جانے کی اجازت نہ دیں دوسرے یہ کہ خدا کرے آپ کے دل میں ایسی خودغرضی نہ رہے کہ اسکے لئے اس غرض سے شفا کی دعا کراتے ہیں کہ بچے چھوٹے ہیں۔

ف: اس سے کھلی حضرت والا کی کمال شفقت اور شان تربیت ظاہر ہوئی

(۷۱) فرمایا کہ بعض لوگ مُردوں کی چیزوں کا استعمال کرنا نحوست سمجھتے ہیں مگر مردے کی جائداد کسی کو نہیں دیتے اس میں نحوست نہیں آتی کپڑے اگر نئے کھلی رکھے ہوں تو انھیں کھلی دے ڈالتے ہیں۔ نحوست کھلی عقلمند ہے کہ کم قیمت کی چیزوں میں گھستی ہے۔

ف: اس سے کھلی حضرت والا کا مزاح خوش طبعی تیز شان تربیت ظاہر ہے۔

(۷۲) ایک صاحب مع اپنی بیوی کے کسی شادی والوں کے مجمع کے ساتھ تھانہ بھون آئے اور وہ خانقاہ میں اور بیوی اُس شادی والے گھر میں مقیم ہوئے اور بیان کیا ہم دونوں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ شادی والوں کے ساتھ آنا ٹھیک نہیں طالب قدوس کو طالب عروس کے ساتھ جوڑ کھانا کیا مناسب ہے! ان لوگوں کے ساتھ آنے میں بالکل بے لطفی ہے۔ چنانچہ آپ یہاں موجود ہیں اور بیوی آپ کی وہاں ہیں۔ میرے دل کو آپ کا اور اُسکا آنا لگتا نہیں، ایسا آنا کچھ رغبت اور شوق کا آنا نہیں ہوتا ان لوگوں کے ساتھ جانے کے پابند، یہاں آنے کی جو مصلحتیں ہیں

ان سب پر پانی پھر گیا نہ آنا رہا نہ پائی۔ قاعدہ کلیہ ہے کہ آدمی جہاں جاتا ہے اور وہیں قیام کرتا ہے تو وہ مصلحتیں مرتب ہوتی ہیں ورنہ نہیں۔ ان صاحب نے عرض کیا اپنی بیوی کی نسبت، کہ اس نے مجھے مجبور کردیا اس پر فرمایا کہ مجھے یہ حیرت ہے کہ آپ انکے تابع ہیں یا وہ آپ کے تابع۔ آپ اسکے کہنے میں نہ آتے، ہر چیز کو اسکے مرتبہ میں رکھنا چاہیئے بیوی کے ساتھ بد خلقی نہ کرے مگر یہ بھی نہیں کہ اسکو میاں بنا لیوے بعض لوگ یہاں آتے ہیں اِدھر اُدھر ٹھہر جاتے ہیں مجھے تو انکے آنے کی قدر نہیں ہوتی پھر فرمایا کہ حدیث مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (جو شخص کسی جماعت کی تعداد بڑھائے گا وہ انھیں میں سے شمار کیا جائے گا) کے مقتضیٰ پر جو لوگ اس جماعت کے ساتھ آتے ہیں انکا شمار انھیں میں ہوتا ہے

ف: اس سے حضرت والا کی اعتدال نظر، شان تربیت، مزاح معلوم ہوا۔

(۷۳) فرمایا کہ رعب جتنا شفقت سے ہوتا ہے اتنا تخویف سے نہیں ہوتا چنانچہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا بڑا رعب تھا لوگوں کی جان نکلتی تھی حالانکہ ہر وقت ہنستے رہتے تھے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت والا کو شفقت بہت پسند ہے۔

(۷۴) فرمایا کہ بعض انگریزی خواں طلبہ یہ کہتے ہیں کہ علماء ہمارے پاس آکر ہمیں ہدایت کریں، میں نے اسکا جواب دیا کہ جب تبلیغ کی ضرورت نہیں رہی تو اب علماء کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ وہ لوگوں کے گھروں پر جاکر انکو ہدایت کریں۔ نیز اس میں شبہ انکی حاجت مندی کا بھی ہوسکتا ہے۔ بس یہی مناسب ہے کہ علماء اپنے مکان پر رہیں اور لوگ ان سے دینی باتیں دریافت کریں سول سرجن پر آپ نے کبھی اعتراض نہ کیا کہ سول سرجن غیر شفیق ہے بیمار کے پاس گھروں میں آکر علاج نہیں کرتا حالانکہ اسکو آپ کے پاس آنا آسان بھی ہے مگر خود آپ اسکے

پاس جاتے ہیں اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ آپ امراض جسمانی کو تو مہلک سمجھتے ہیں اور امراض روحانی کو اس قدر مہلک نہیں سمجھتے۔ بعض شبہ نکالتے ہیں کہ صاحب بعض ان میں مدعی ثابت ہوئے تو کس پر اعتماد کریں مگر میں کہتا ہوں کہ کیا مدعیان طب میں کوئی جھوٹا نہیں ہوتا مگر جسطرح ان میں سے اچھا چھانٹ لیتے ہیں اسی طرح کیا علماء میں چھانٹ نہیں سکتے میرے ساتھ چلئے میں دکھلاؤں علماء کو، یہ شبہات تو سب ڈھکوسلے ہیں، اصل یہ ہے کہ جس چیز نے فرعون کو اتباع موسیٰ سے روکا تھا اسی نے انکو اتباع علماء سے روکا یعنی تکبر اور خاص پر اس نئی تعلیم کا اثر ہے کہ ذلیل سے ذلیل آدمی بھی اپنے کو والیان ملک سے بڑھکر سمجھتا ہے پرانے لوگوں میں شان انکساری و شکستگی کی ہے گو گنہگار ہوں۔

ف: اس سے حضرت والا کا کمال معرفت عدو نفس معلوم ہوا۔

(۷۵) فرمایا کہ جس شخص کی طبیعت میں تنعم ہوتا ہے اس سے کام نہیں ہو سکتا اسی طرح فضول خرچ لوگوں میں مادہ فکر کا نہیں ہوتا اگر فکر ہو تو فضول خرچی ہی نہ کرے۔

ف: یہ ملفوظ حضرت والا کے فراست و تجربہ پر دال ہے۔

(۷۶) فرمایا کہ یہ عجیب بات تجربہ کی ہے کہ بد دین آدمی اگر کسی اور بات کی نقل بھی کرے مثلاً بد دین شخص نحو کی کوئی کتاب لکھے گو اس میں کوئی مسئلہ بد دینی کا نہیں ہے مگر اسکے دیکھنے سے بھی بد دینی کا اثر دل میں پیدا ہوگا۔

ف: اس سے حضرت والا کا کمال تجربہ اور فراست معلوم ہوئی

(۷۷) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضور کے پاس جو معزز عہدہ داروں کے خطوط آتے ہیں انکا چھپ جانا بیحد مفید ہے کیونکہ اس ایسے لوگوں معلوم ہوگا کہ ہم لوگوں کو بھی دینی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اس پر فرمایا

کہ میاں اشتہار دینے کی کیا ضرورت ہے اگر کسی کا سودا کھرا ہے تو انگلستان اور جرمن تک سے خریدار آتے ہیں اور جو مرغوب نہیں ہے تو لوگ اگر آبھی گئے تو کہیں گے کہ بڑا احمق تھا اشتہار دے کر ہمیں مفت پریشان کیا۔ پھر فرمایا کہ پاس والوں کا معتقد ہونا بمقابلہ دور والوں کے معتقد ہونے کے اور زیادہ اچھی دلیل ہے مرغوب ہونے کی۔ مثلاً جھنجھانہ والوں کے خطوط دور والوں کے خطوط سے زیادہ معتبر ہیں اور جو خاص تھانہ بھون کے لوگ مانوس ہوں تو اور زیادہ قابل اعتبار ہے اور جو عزیز قریب راغب ہوں تو اور زیادہ اچھی دلیل ہے بمقابلہ دور والوں کے کیونکہ دور والوں کی نسبت تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ میاں دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہی ہیں اور پاس والے چونکہ تمام حالات سے واقف ہوتے ہیں اس لئے بہت مشکل سے معتقد ہوتے ہیں

ف: اس سے حضرت والا کی لطافت فہم عمق نظر کا پتہ چلتا ہے۔

(۷۸) ایک صاحب نے اپنے قیام کا قصد بذریعہ تحریر ظاہر کیا اور مدت دو ماہ کی اصلاح کے لئے لکھی۔ تحریر فرمایا کہ دو ماہ کی قید اپنی طرف سے لگانا ٹھیک نہیں عمر بھر کا ارادہ کر لے پھر چاہے دو ہفتہ ہی لگیں اور اگر آپ غریب ہیں اسلئے نہیں ٹھہر سکتے تو یہاں کھانے کا قصہ ہے۔ ذمہ داری آپ کی نہیں ہوسکتی آپ کو یہ سمجھنے کا حق نہ ہوگا کہ میں نے تو اجازت لیکر قیام کیا تھا تو بس میری ذمہ داری ہوگی

(۷۹) فرمایا کہ خدا نے ہمکو عمل کے لئے پیدا کیا ہے سوالات کے لئے نہیں پیدا کیا عمل کا طریقہ جب معلوم ہے پھر سوالات سے کیا غرض ہے؟ جس کی عظمت قلب میں ہوتی ہے اسکی تجویزوں پر سوالات نہیں کئے جا سکتے مثلاً مجھ سے اس جلسہ میں کسی نے یہ سوال نہیں کیا کہ اسطرح کی ٹوپی کیوں پہنی؟ کیونکہ میری عظمت ہے۔ افسوس کہ خدا کی اتنی بھی عظمت

نہیں جتنی کہ ایک ناپاک مخلوق کی کہ احکام شرعیہ کی حکمت کا سوال کیا جاتا ہے میرے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ایسے سوالات سے۔
ف: اس ملفوظ سے حضرت کا خشیت حق اور لطافت فہم، ادب و عظمت الٰہی ظاہر ہے۔
(۸۰) فرمایا کہ تصوف کا لوگوں نے ناس کر دیا۔ رسوم کا نام تصوف رہ گیا عوام تو بدعت میں مبتلا ہو جاتے ہیں انکا یہی تصوف ہے اور خواص میں جو غیر محقق ہیں وہ اوراد پڑھ لینے، رات کو جاگنے اور حرارت و رارت اور ذوق و شوق ہونے کو بس تصوف سمجھنے لگتے ہیں۔ اور یہ گمان عام ہو گیا ہے کہ حدیثوں میں تصوف نہیں ہے بس صوفیوں کے کلام میں ہے۔ ماموں صاحب تو فرمایا کرتے تھے کہ وہ تصوف نہیں جو حدیث میں نہیں اور وہ حدیث نہیں جس میں تصوف نہ ہو۔ غرض تصوف تو اتنا پھیلا ہوا ہے کہ کوئی حدیث اس سے خالی نہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ حدیث میں ہے ہی نہیں۔ دہلی میں "حقیقۃ الطریقۃ" میرا رسالہ ایک غیر مقلد نے زمانۂ تالیف میں دیکھا تھا دیکھکر کہا کہ یہ کس شخص کی ہے ایک دوست نے میرا نام بتایا۔ پھر ان غیر مقلد نے کہا کہ انکو لکھدینا کہ اس میں اختصار نہ کریں خوب لکھیں۔
اس رسالہ میں ایک مقام پر بیعت طریقت کا حدیث سے اثبات ہے ایک صاحب جنکو عدم تقلید کی طرف میلان تھا کہنے لگے ہم تو بیعت کو بدعت سمجھتے تھے میں نے کہا دیکھ لو جس حدیث سے اثبات ہے وہ میری گڑھی ہوئی تو ہے نہیں۔ دلالت کو دیکھ لو۔ پھر وہ مجھ سے بیعت ہو گئے اور غیر مقلدی چھوڑ دی۔
ف: اس سے حضرت والا کی خاص صفت کشف حقائق کی اور قوت استنباط معلوم ہوئی۔

(جاری)

ترک مالایعنی

(۸)

بعض لوگوں کو بیماری میں یہی مشغلہ ہوتا ہے کہ اموات کی شمار معلوم کرتے پھرتے ہیں اور مجلسوں میں بجائے خوف الٰہی کے تذکرہ کے یہی تذکرہ ہوتا کہ آج اتنی موتیں ہوئیں، کل اتنی موتیں ہوئی تھیں۔ یہ بھی ایک لایعنی مشغلہ ہے ایسے وقت میں انسان کو طاعات میں مشغول ہونا چاہیئے اور اپنے اعمال کی اصلاح کرنی چاہئے نہ کہ دنیا بھر کے قصے لے بیٹھیں اور بیماری کے تذکرہ کو مشغلہ بنا لیں۔ اسی طرح بعض لوگ خطوط میں خوابیں بہت لکھا کرتے ہیں اور انکی تعبیر دریافت کیا کرتے ہیں۔ میں اسکے جواب میں اکثر یہ شعر لکھدیا کرتا ہوں ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلام آفتابم ہمہ زآفتاب گویم

(نہ رات ہوں نہ رات کا پجاری کہ خواب وخیال کی باتیں کروں میں تو آفتاب (نبوت) کا غلام ہوں جو کچھ کہتا ہوں آفتاب ہی کی باتیں کہتا ہوں)

اور یہ بھی لکھ دیتا ہوں کہ بیداری کا حال لکھو اسکا جواب دونگا خوابوں سے کیا ہوتا ہے۔ ہاں اسکا مضائقہ نہیں کہ خط میں چند احوال بیداری کے لکھے جائیں، اپنے امراض کی اصلاح دریافت کیجائے اور اگر کوئی عجیب خواب ہوا تو اسکا تذکرہ بھی کردیا باقی سارے خط کا یہی حاصل ہونا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے وہ خواب دیکھا ہے یہ مجھکو پسند نہیں۔ اسی لئے میں خوابوں کی تعبیر بہت کم دیا کرتا ہوں۔

یہ تو فضول باتوں کا بیان تھا لایعنی افعال کی تفصیل یہ ہے کہ بعض لوگ بلا وجہ فضول کاموں میں مشغول ہوتے ہیں۔ مثلاً ناول دیکھنا جھوٹے قصے

قصوں کا مطالعہ کرنا اس سے بے فائدہ وقت ضائع ہوتا ہے اسمیں نہ کچھ دنیا کا نفع ہے نہ دین کا اسلئے کتابیں وہ دیکھنی چاہئیں جو دنیا یا دین کیلئے نافع ہوں

اہتمام اصلاح

بعض لوگوں کو اپنی اصلاح کا اہتمام نہیں ہوتا ہے دوسرے کے کاموں میں لگے رہتے ہیں کسی نے جو فرمائش کردی اسکو پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں، سو یاد رکھو کہ خدمت خلائق اگرچہ بہت اچھی چیز ہے مگر ہر کام کا ایک درجہ ہے سب سے مقدم انسان کے لئے اپنی اصلاح ہے اپنے کام سے جو وقت بچے اس میں مخلوق کی خدمت کا مضائقہ نہیں مگر اپنی حالت کی خبر نہ لینا اور دوسرے ہی کے کاموں میں سارا وقت گنوا دینا یہ خدمت کا ہیضہ ہے اس لئے اَلْاَھَمُّ فَالْاَھَمُّ پر عمل کرنا چاہئے۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جہاں کوئی ان سے ملنے آگیا بس اسی کو لے بیٹھتے ہیں اسکی خاطر مدارات میں اپنے ضروری کاموں کا حرج کر دیتے ہیں ایسے لوگ ہمیشہ بے انتظام رہتے ہیں انکا کوئی معمول پابندی سے ادا نہیں ہوتا۔ خاطر مدارات کے لئے دس پندرہ منٹ کافی ہیں اسکے بعد اپنے کاموں میں لگ جانا چاہئے اگر انسان میں انتظام کا سلیقہ ہو تو اسکو یہ باتیں خود بخود محسوس ہونے لگتی ہیں کہ کون سا کام مقدم ہے کونسا مؤخر ہے کسکی زیادہ ضرورت ہے کسکی نہیں اسلئے اپنے افعال کی نگہداشت لازمی ہے اس پر عمل کرنے سے سارے معمولات بخوبی ادا ہوتے رہیں گے۔ لایعنی اموال کی یہ صورت ہے کہ بعض لوگ ضرورت سے زیادہ مال حاصل کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں مثلاً ایک ذریعہ معاش تجارت کا اسقدر موجود ہے جس سے گذر خاصی طرح ہو رہا ہے مگر زیادہ مال کی حرص ہے اسلئے بڑے پیمانہ کا کارخانہ جاری کرنا چاہتا ہے اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساری عمر تحصیل مال ہی میں کٹ جاتی ہے خدا کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق نہیں ہوتی پھر غضب یہ کہ بڑا کارخانہ اگر ذاتی رقم سے کھولا

ہے اسکا کبھی چنداں مضائقہ نہیں بعض لوگ بلا وجہ قرض لیکر کارخانہ کھولتے ہیں اس میں جس قدر دقتیں اور پریشانیاں پیش آتی ہیں انکا اندازہ وہ خود کر سکتے ہیں۔ بلا وجہ بلا ضرورت قرض لینے کی کبھی شریعت نے ممانعت کی ہے بعض لوگوں کو دوسروں کی امانتیں رکھنے کا شوق ہوا کرتا ہے کہ جس نے امانت رکھوائی اٹھا کر رکھ لی. بعض امانت اگر ضایع ہو جاتی ہے تو اس شخص کو سخت پریشانی ہوتی ہے اگر ضمان نہ دے تو طبیعت نہیں مانتی دوسرے شخص سے ندامت ہوتی ہے اور اگر ضمان دے تو اپنے دل پر گراں ہوتی ہے اتنی رقم میری بے فائدہ خرچ ہو رہی ہے۔ اسلئے ہر شخص کو دوسروں کی امانتیں نہ رکھنی چاہئیں۔ ہاں اگر کوئی بڑا منتظم ہو اور لوگوں کو اسپر ایسا اعتماد ہو کہ اگر وہ یہ کہدے کہ امانت ضائع ہو گئی ہے تو کسی کو اسپر خیانت کا وسوسہ کبھی نہ آئے ایسا شخص امانت رکھے تو مضائقہ نہیں بشرطیکہ امانت کیوجہ سے اسکو پریشانی لاحق نہ ہو اور انسان کو ایسا کام ہرگز نہ کرنا چاہیئے جس سے جمعیت قلب فوت ہو۔

غرض بے فائدہ باتیں۔ فضول کام اور بے ضرورت مال کے پیچھے نہ پڑنا چاہیئے ہر قسم کے لایعنی امور سے احتراز کرنا چاہیئے، پھر دیکھئے دل میں کیسا نور اور اطمینان اور سکون رہے گا، اس دولت کے سامنے سلطنت کبھی ہیچ معلوم ہوگی کیونکہ اصل راحت اسی کا نام ہے کہ دل کو چین و سکون ہو بعض لوگ ایسے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں جن کا انجام انکی قدرت سے باہر ہے اسکا نتیجہ بجز پریشانی کے اور کچھ نہیں چنانچہ آجکل اسکا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اسوقت مشائخ و غیر مشائخ علماء و عوام سب ہی اس مرض میں مبتلا ہیں کہ لایعنی امور سے احتراز نہیں کرتے اور اس وجہ سے دنیا و دین دونوں کا نقصان ہو رہا ہے

عورتوں کی عادت بالخصوص یہ عورتیں کہ انکو رات دن زیور اور کپڑے

کے تذکرہ کے سوا اور کوئی کام ہی نہیں پھر مصیبت یہ ہے کہ جس کے پاس زیور نہ ہو وہ تو دوسروں کے زیور کا ذکر کرتی رہتی ہیں اور جس کے پاس ہو وہ بھی چین سے نہیں بیٹھتی اسکو اسکی تلاش رہتی ہے کہ اگر کسی کے پاس میرے زیور سے اچھا نمونہ ہو تو میں بھی اسکو توڑ واکر ویسا ہی بنواؤں۔ چنانچہ جہاں کسی کا زیور پسند آیا اور اپنا زیور ان کے دل سے اترا اور انھوں نے فرمائش کی کہ اسکو توڑ واکر ویسا ہی بنایا جائے۔ اسکی کچھ پرواہ نہیں ہوتی کہ ابھی ابھی اسکی بنوائی میں اتنے روپئے گئے ہیں توڑوانے سے وہ سب لاگت ضایع ہو جائیگی اور دوسری لاگت الگ دینی پڑے گی مگر انکی بلا پرواہ کرے جانتی ہیں کہ شوہر کما وے گا اور لادے گا ہم کیوں فکر کریں بس انکی تو اپنی فرمائش پوری ہوتی چاہئے شوہر کے ذمہ چاہے کتنا ہی قرض ہو جائے کپڑوں کے جمع کرنے کی بھرمار ہوتی ہے کہ صندوق بھرا ہوا ہے مگر کیا ممکن بزاز ان کے گھر کے سامنے سے خالی گذر جائے۔ غرض عورتوں کے اقوال و افعال و اموال تو سراسر لایعنی ہیں انکی فہرست گنانا تو گویا محال ہے ؎

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

(سارا بدن داغوں اور زخموں سے بھر چکا ہو کہاں کہاں روئی کا پھایہ رکھوں)

خیر یہ مضمون تو ظاہر تھا جسکو ہر شخص سمجھ سکتا ہے اب میں ایک بات مختصر طور پر ایسی بیان کرنا چاہتا ہوں جو ذرا باریک بات ہے جس کو کم لوگ سمجھتے ہیں

اتباع شیخ

وہ یہ کہ بعض اوقات مشائخ طریق مریدین کو ایسے امور کا حکم دیتے ہیں جو بظاہر لایعنی معلوم ہوتے ہیں جس سے ظاہر بیں کو شبہہ ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کے خلاف کر رہے ہیں تو اسکی حقیقت سمجھنے کی ضرورت ہے پھر اسکے ساتھ جبکہ یہ بھی تاکید کیجاتی ہے کہ شیخ کی اطاعت کامل طور پر بجالائیں تو یہ اشکال اور قوی ہو جاتا ہے۔ سو اول سمجھنا چاہئیے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خلاف شریعت بھی اگر وہ امر کرے تو اطاعت کریں

بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب وہ خلاف شرع حکم نہ کرے بلکہ شریعت کے موافق حکم کرے انہیں اسکی اطاعت بجالاویں لیکن بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ شیخ شریعت کے موافق امر کرتا ہے مگر مرید اسکو کم فہمی سے خلاف شرع سمجھ جاتا ہے اسکے لئے اسکا معیار یہ ہے بیعت ہونے سے پہلے ہی اسکی حالت کا تجربہ کرلیا جائے جب تجربہ سے اسکا متقی اور کامل دیندار ہونا ثابت ہوجائے اور جتنی شرائط شیخ کامل کی ہیں وہ سب اسکے اندر معلوم ہوجائیں اسکے بعد بیعت ہوں پھر اسکے احکام میں پس و پیش نہ کریں کیونکہ شیخ کامل ہرگز شریعت کے خلاف امر نہیں کرسکتا اور اگر خلاف شرع امر کرے وہ شیخ کامل نہ ہوگا البتہ اگر اسکا موافق شرع ہونا سمجھ میں نہ آوے تو ادب کے ساتھ شیخ سے تحقیق کرلینا ضروری ہے اگر وہ نہ سمجھا سکا تو ادب کے ساتھ عذر کردے مگر گستاخی و سرتابی نہ کرے۔ لیکن اگر بکثرت ایسا ہونے لگے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ کامل نہیں ہے لطف (اور خوش اسلوبی) کے ساتھ اسکو چھوڑ دینا چاہئے

اس تمہید کے بعد اب سمجھئے کہ بعض دفعہ شیخ کامل بعض مریدوں کو کسی اطاعت غیر واجبہ سے روک دیتا ہے مثلاً حکم دیدیا کہ تمام نوافل اور ذکر و اذکار یک لخت موقوف کردو حالانکہ انکا ترک لایعنی ہے۔ اور بعض دفعہ بعض مباحات میں مشغول ہونے کا حکم دیتا ہے کہ خوب کھاؤ پیو ہنسو، بولو جنگل کی سیر کرو، تفریح طبع کے لئے سفر کرو، حالانکہ بظاہر یہ امور لایعنی ہوتے ہیں تو اس سے کم فہموں کو غلطی پیش آسکتی ہے کہ یہ عجیب شیخ ہے جو لایعنی امور کا حکم دیتا ہے اور مالایعنی اور مفید کاموں سے منع کرتا ہے سو خوب سمجھ لو اس میں شیخ کی غلطی نہیں بلکہ تمہارے فہم کا قصور ہے اسکا راز یہ ہے کہ وہ اطاعت فی نفسہ مالایعنی (اور مفید) ہے اس مرید کے حق میں مالایعنی نہیں ہے بلکہ کسی عارض کیوجہ سے مضر ہو رہی ہے اسلئے وہ انکو ان خاص طاعات سے منع کررہا ہے مثلاً شیخ دیکھتا ہے کہ اس مرید کو زیادہ نوافل اور ذکر و شغل کرنے

سے عجب پیدا ہوگیا ہے یہ اپنے کو صاحب کمال سمجھنے لگا ہے اس لئے وہ اسکو اذکار اور اشغال سے منع کر دیتا ہے جیسے طبیب مریض کو کسی حلوے سے روک دیتا ہے حالانکہ اس میں میوہ جات پڑے ہوئے ہوتے ہیں مفرحات بھی اسمیں موجود ہیں لیکن مریض کا معدہ کمزور ہے وہ اسکو ہضم نہیں کر سکتا، پس طبیب اسکو حلوے سے روک دیتا ہے اور کڑوی دوا پلاتا ہے کہ اسکے لئے کڑوی دوا ہی مفید رہے۔ اسی طرح طاعات واذکار اگرچہ شیریں ہیں مگر بعض دفعہ ذاکر کا مزاج اسکا متحمل نہیں ہوتا بلکہ امراض کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے اس کو اذکار سے منع کر کے بعض مباحات میں مشغول کیا جاتا ہے اس وقت طالب کو شیخ کا اتباع کرنا چاہیئے اور ہمہ تن اپنے کو اس کے سپرد کر دینا چاہیئے کہ وہ اسمیں جو چاہے تصرف کرے۔ اسی کو مولاناؒ فرماتے ہیں ؎

قال را بگذار و مرد حال شو ۔ پیش مرد کاملے پامال شو

(قال کو چھوڑو صاحب حال آدمی بنو اور شیخ کامل کے سامنے اپنے کو مٹا دو)

چوں گزیدی پیر ہیں تسلیم شو ۔ ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

(جب تم نے پیر منتخب کر لیا ہے تو بالضرور سر تسلیم خم کر دو، موسیٰ علیہ السلام کی طرح حضرت خضر کے حکم کے تابع ہو جاؤ)

صبر کن در کار خضر اے بے نفاق ۔ تا نگوید خضر رَو، ہٰذا فراق

(خضر یعنی رہنما و پیر کے معاملے میں صبر سے کام لو اے صاحب صدق تاکہ خضر یہ کہہ کہ چلے جاؤ اب ہمارے تمھارے درمیان تعلق نہیں رہا)

گر خضر در بحر کشتی را شکست ۔ صد درستی در شکست خضر ہست

(اگر خضر علیہ السلام نے دریا کے اندر کشتی کو توڑ دیا تو سمجھ لو کہ خضر علیہ السلام کے اس توڑ دینے میں سیکڑوں درستی ہے اور یہ خالی از حکمت نہیں)

آں پسر را کش خضر ببرید حلق ۔ سر آں را در نیابد عام خلق

(جس لڑکے کو خضر علیہ السلام نے قتل کر دیا عام مخلوق اسکے بھید کو سمجھ نہیں سکی

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص حج کیواسطے شیخ سے اجازت لینے آیا مگر اسپر حج فرض نہیں یا فرض کو وہ ادا کر چکا ہے اب حج نفل کے لئے اجازت ہتا ہے لیکن شیخ نے اسکو منع کر دیا ہے اس پر بعض لوگ متوحش ہوتے ہیں کہ یہ کیسے بزرگ جو حج جیسی طاعت سے منع کرتے ہیں! لیکن حقیقت میں وہ حج سے منع نہیں کرتا بلکہ تم کو معصیت اور کفر سے بچانا ہتا ہے کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ تم کم ہمت والے ہو۔ صعوبت سفر اور مشقت راہ کا تحمل تم نہیں کر سکتے ایسی حالت میں اگر حج کرنے تم گئے تو ندلیشہ ہے کہ ایک حج کے لئے پچاس نمازیں قضا کرو گے اور اگر زیادہ مشقت پیش آئی تو یہ بھی اندیشہ ہے کہ تم کو حج ہی سے نفرت ہو جائے اور خدا کی طرف سے ل میں شکایت پیدا ہو جائے تو اس صورت میں حج کا ثواب تو کیا ملتا ایمان بھی ہی میں رہ جاتا اور فرض ادا ہو ہی چکا تھا تو خوامخواہ نفل کام کے لئے یمان کو خطرہ میں ڈالنا یا کم از کم معاصی میں مبتلا ہونا کون سی عقلمندی ہے سلئے وہ شیخ کامل ایسے شخص کے لئے یوں کہتا ہے ؎

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید معشوق در یں جاست بیائید بیائید

اے وہ قوم جو حج کو چلے ہو کہاں ہو کہاں ہو؟ کچھ خبر بھی ہے معشوق جس کی للب میں جا رہے ہو وہ تو اسی جگہ ہے، آجاؤ آجاؤ)

(البتہ جس پر حج فرض ہو اسکو چلا جانا چاہئے اور مشقت سفر کے لئے ل کو یہ مضمون سمجھائے ؎

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی
بے زر و گنج بصد حشمت قارون باشی

اے دل بہتر تو یہی ہے کہ تو شراب رنگیں سے اپنے کو خراب کر لے پھر بلا مال و دولت اور خزانہ کے قارون سے سو گنا زائد مرتبہ اور دبدبہ کے ساتھ زندگی گذار)

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

(لیلیٰ کی منزل تک پہنچنے کے لئے راستہ میں جان کے لئے بڑے بڑے خطرے ہیں (اگر وہاں تک پہنچنے کا ولولہ ہے) تو پہلی شرط یہ ہے کہ مجنوں بن جاؤ)۔

بات یہ ہے کہ حج میں مشقت اور تکلیف اسی کو معلوم ہوتی ہے جس کو محبت نہ ہو ورنہ اہل محبت کو تو وہاں کی ہر کلفت کا لطف آتا ہے، آخر محبوبان مجازی کے وصال میں عشاق کیسی کیسی کلفتیں برداشت کرتے ہیں پھر کیا ان کو ان کلفتوں سے کچھ پریشانی ہوتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس جس پر حج فرض ہو وہ اپنے دل کو یہ باتیں سمجھائے کہ عشاق ایک ادنیٰ سے محبوب کے لئے ہزاروں مشقتیں جھیلتے ہیں پھر تعجب ہے کہ میں محبوب حقیقی کے دربار میں پہنچنے سے ذرا سی کلفت کی وجہ سے رک جاؤں۔ اسیطرح دنیوی مقدمات کی کامیابی کے لئے اہل دنیا نہ گرمی کی پرواہ کرتے ہیں نہ سردی کی نہ بھوک کی پرواہ کرتے ہیں نہ پیاس کی پھر حیرت ہے کہ میں مقدمہ آخرت کی کامیابی کے لئے ذرا سی تکلیف برداشت نہ کروں سب مجھے ہمت کرکے ضرور جانا چاہئے۔

البتہ جس پر حج فرض نہ ہو یا وہ فرض ادا کرچکا ہے اسکو اگر شیخ منع کردے تو اس سے یہی کہا جائے گا ؎

اے قوم بحج رفتہ کجا ئید کجائید
معشوق دریں جاست بیائید بیائید

اس کے لئے اس صورت میں حج سے زیادہ نفع صحبت شیخ میں ہوگا یہاں مرید کو شیخ کے ہاتھ میں اپنے آپ کو تسلیم (اور حوالہ) کردینا چاہیئے

(جاری)

مجاہدہ کی ضرورت

(۲)

جائز کاموں میں مجاہدہ کیوں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ صوفیاء کرام بعض جائز کاموں سے بھی روک دیتے ہیں اور انکو چھڑا دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انکو جائز قرار دیا ہے؟ حضرت والا نے جواب میں فرمایا کہ دیکھو اسکی مثال یہ ہے کہ یہ کتاب کا ورق ہے اس ورق کو موڑو، موڑ دیا، اچھا اسکو سیدھا کرو، اب وہ ورق سیدھا نہیں ہوتا بہت کوشش کرلی لیکن وہ دوبارہ مڑجاتا ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ اس کو سیدھا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس ورق کو مخالف سمت میں موڑ دو یہ سیدھا ہو جائیگا۔ پھر فرمایا کہ یہ نفس کا کاغذ بھی گناہوں کیطرف مڑا ہوا ہے اب اگر اسکو سیدھا کرنا چاہو گے تو یہ سیدھا نہیں ہوگا، اسکو دوسری طرف موڑ دو اور تھوڑے سے مباحات بھی چھڑا دو جس کے نتیجے میں یہ بالکل سیدھا ہو جائے گا اور راستہ پر آجائے گا یہ بھی "مجاہدہ" ہے۔

چار مجاہدات چنانچہ صوفیاء کرام کے یہاں چار چیزوں کا مجاہدہ کرانا مشہور ہے۔ (۱) تقلیل طعام، کم کھانا (۲) تقلیل کلام، کم بولنا (۳) تقلیل منام، کم سونا (۴) تقلیل الاختلاط مع الانام، لوگوں سے کم ملنا۔

کم کھانے کی حد ۱۔ تقلیل طعام، کم کھانا۔ پہلے زمانہ میں صوفیاء کرام کم کھانے پر بڑے بڑے مجاہدے کرایا کرتے تھے یہاں تک فاقہ کشی تک نوبت آجاتی تھی، لیکن حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ یہ زمانہ اب اس قسم کے مجاہدوں کا نہیں ہے اب تو لوگ ویسے ہی کمزور ہیں اگر کھانا کم کردیں تو اور بیماریاں آجائیں گی اور اسکے نتیجہ میں کہیں ایسا نہ ہو کہ پہلے جو عبادت کرتا تھا اس سے بھی محروم ہو جائے۔ اسلئے فرمایا کہ آج کے دور میں انسان ایک بات کی پابندی کرلے

تو پھر تقلیل طعام کا مقصد حاصل ہو جائیگا وہ یہ کہ جب کھانا کھانے بیٹھو تو کھانا کھ
وقت ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ اس وقت دل میں یہ تردد پیدا ہوتا ہے کہ اب کھاؤں
یا نہ کھاؤں؟ کچھ اور کھاؤں یا نہ کھاؤں؟ بس جس وقت یہ تردد کا مرحلہ آئے اس وقت
کھانا چھوڑ دو اس سے تقلیل طعام کا منشا پورا ہو جائے گا۔ اور یہ جو تردد پیدا ہوتا ہے
کہ مزید کھاؤں یا نہ کھاؤں؟ یہ عقل اور طبیعت کے درمیان لڑائی ہوتی ہے کیونکہ کھ
کھانے میں مزہ آرہا ہے تو اب نفس یہ تقاضا کر رہا ہے کہ اور کھانا کھا کر مزہ لے لے
اور عقل کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اب مزید کھانا مت کھاؤ، اب مزید کھاؤ گے تو کہیں بی
نہ پڑ جاؤ۔ نفس اور عقل کے درمیان یہ لڑائی ہوتی ہے اور اس لڑائی کا نام تردد ہے
لہٰذا ایسے موقع پر نفس کے تقاضے کو چھوڑ دو اور عقل کے تقاضے پر عمل کر لو

وزن بھی کم اور اللہ بھی راضی

یہ مضمون میں نے حضرت والد ماجد مولانا مفتی شفیع صاحب قدس اللہ سرہ سے او
حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کئی بار سنا اور مواعظ میں بھی پڑھا
لیکن بعد میں ایک ماہر ڈاکٹر کا مضمون نظر سے گذرا جس میں لکھا تھا کہ :۔

" آجکل لوگ اپنے بدن کا وزن کم کرنے کے لئے طرح طرح کے نسخے استعما
کرتے ہیں کسی نے روٹی چھوڑ دی، کسی نے دوپہر کا کھانا چھوڑ دیا، آجکل کی اص
میں اسکو "ڈائٹنگ" کہتے ہیں، یورپ میں اسکا بہت رواج ہے یہ چیز وہاں
کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ اسکا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جسم کا وزن کم ہو جائے اور خا
طور پر خواتین میں اسکا اتنا رواج ہے کہ گولیاں کھا کھا کر وزن کم کرنے کی کوشش
کرتی ہیں اور بعض اوقات اس میں مر بھی جاتی ہیں"۔

اسکے بعد وہ ڈاکٹر لکھتا ہے کہ " میرے نزدیک وزن کم کرنے کا سب سے
بہترین طریقہ یہ ہے کہ آدمی نہ تو کسی وقت کا کھانا مستقل چھوڑے نہ روٹی کم کرے بلکہ
ساری عمر اسکا معمول بنالے کہ جتنی بھوک ہے اس سے تھوڑا سا کم کھا کر کھانا بن
کر دے"

اسکے بعد اس ڈاکٹر نے بعینہ یہ بات لکھی ہے کہ "جس وقت کھانا کھاتے ہوئے یہ تردد ہو جائے کہ کھانا کھاؤں یا نہ کھاؤں اسوقت کھانا چھوڑ دے جو شخص اس پر عمل کریگا اسکو کبھی بدن بڑھنے کی اور معدے کے خراب ہونے کی شکایت نہیں ہوگی اور نہ اسکو "ڈائیٹنگ" کرنے کی ضرورت پیش آئیگی"

یہی بات حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کئی سال پہلے لکھ گئے تھے۔ اب چاہو تو وزن کم کرنے کی خاطر اس پر عمل کرلو چاہو تو اللہ کو راضی کرنے کی خاطر اس مشورے پر عمل کرلو، لیکن اگر نفس کے علاج کے طور پر اللہ کو راضی کرنے کے لئے یہ عمل کروگے تو اس کام میں اجر و ثواب بھی ملیگا اور وزن بھی کم ہو جائیگا اور اگر صرف وزن کم کرنے کی خاطر کروگے تو شاید وزن تو کم ہو جائے گا لیکن اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

نفس کو لذت سے دور رکھا جائے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ عمل ہمارے لئے کتنا آسان کردیا ورنہ پہلے زمانے میں تو صوفیاء کرام خدا جانے کیا کیا ریاضتیں کرایا کرتے تھے۔ صوفیاء کرام کے یہاں لنگر ہوا کرتے تھے اس لنگر کے اندر شوربا بنتا تھا خانقاہ میں جو مریدین ہوا کرتے تھے انکو یہ حکم ہوتا تھا کہ جس کے پاس ایک پیالہ شوربے کا آئے تو وہ اس شوربے میں ایک پیالہ پانی ملائے اور پھر کھائے تاکہ نفس کو لذت گیری کی قید سے آزاد کیا جائے اسکے علاوہ ان سے فاقے بھی کرواتے تھے لیکن وہ زمانہ اور تھا اور آجکل کا زمانہ اور ہے۔ جیسے طب کے اندر زمانے کے بدلنے سے علاج کے طریقے بدل جاتے ہیں اسی طرح حکیم الامت قدس اللہ سرہ ہمارے زمانے کے لحاظ سے ہمارے مزاجوں کا لحاظ رکھتے ہوئے نسخے تجویز کر گئے، تقلیل طعام کا یہ نسخہ ہمارے لئے تجویز کر گئے جس سے تقلیل طعام کا منشاء حاصل ہو جائے گا۔

پیٹ بھرے کی مستیاں

پورا پیٹ بھر کر اس طرح کھانا کہ اسکا کوئی حصہ خالی نہ رہے اگرچہ فقہی اعتبار سے ناجائز نہیں

حرام نہیں، لیکن یہ انسان کے لئے جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی بیماریوں کا سبب اور ذریعہ ہے اسلئے کہ جتنی معصیتیں اور نافرمانیاں ہیں وہ سب بھرے ہوئے پیٹ پر سوجھتی ہیں اگر آدمی کا پیٹ بھرا ہوا نہ ہو تو یہ گناہ اور نافرمانیاں نہیں سوجھتیں اسلئے حکم یہ ہے کہ "مشبع" یعنی پیٹ بھرے ہونے سے اپنے آپ کو بچانا چاہیئے اسی کا نام "تقلیل طعام" کا مجاہدہ ہے۔

کم بولنا ایک مجاہدہ ہے

دوسری چیز ہے "تقلیل کلام" بات کم کرنا یعنی صبح سے شام تک یہ ہماری زبان قینچی کیطرح چل رہی ہے اور اس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہے جو منہ میں آرہا ہے انسان بول رہا ہے یہ صورت حال غلط ہے اسلئے جب تک انسان اس زبان کو لگام نہیں دیگا اور اسکو قابو میں نہیں کریگا اس وقت تک یہ گناہ کرتی رہیگی۔ یاد رکھئے حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالنے والی چیز اسکی زبان ہے اسلئے کہ جب زبان کو آزاد چھوڑ رکھا ہے اس پر روک ٹوک نہیں ہے تو پھر وہ زبان جھوٹ میں مبتلا ہوگی غیبت میں مبتلا ہوگی، دل آزاری میں مبتلا ہوگی ان گناہوں کے سبب وہ جہنم میں جائے گا۔

زبان کے گناہوں سے بچ جائے گا

اسلئے انسان کو تقلیل کلام کا مجاہدہ کرنا پڑتا ہے کہ بات کم کرے زبان سے فضول بات نہ نکالے، ضرورت کے مطابق بات کرے اور بولنے سے پہلے یہ سوچے کہ یہ بات کرنا میرے لئے مناسب ہے یا نہیں؟ کہیں گناہ کی بات تو نہیں اور بلاوجہ زبان چلانے سے بچے۔ اور پھر آہستہ آہستہ انسان کم بولنے کا عادی ہو جاتا ہے پھر یہ ہوتا ہے کہ بولنے کو دل چاہ رہا ہے لیکن اس نے اپنی اس خواہش کو دبا لیا تو اس کے نتیجے میں زبان پر قابو پیدا ہو جاتا ہے اور پھر وہ جھوٹ غیبت اور اس طرح کے دوسرے گناہوں میں مبتلا نہیں ہوتا

جائز تفریح کی اجازت ہے

یہ جو فضول قسم کی مجلس آرائی ہوتی ہے جس کو

آجکل کی اصطلاح میں گپ شپ کہا جاتا ہے کوئی دوست مل گیا تو فوراً اس سے کہا کہ آؤ ذرا بیٹھکر گپ شپ کریں یہ گپ شپ لازماً انسان کو گناہ کی طرف لیجاتی ہاں شریعت نے ہمیں تھوڑی بہت تفریح کی بھی اجازت دی ہے نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

رَوِّحُوا الْقُلُوْبَ سَاعَةً فَسَاعَةً (کنز العمال: ۵۳۵۴)

"یعنی دلوں کو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے آرام بھی دیا کرو" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر قربان جائیے کہ ہمارے مزاج، ہماری نفسیات اور ہماری ضروریات کو ان سے زیادہ پہچاننے والا اور کون ہوگا؟ وہ جانتے ہیں کہ اگر ان سے کہا گیا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ کچھ نہ کرو، ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہو تو یہ ایسا نہیں کرسکیں گے اس لئے کہ یہ فرشتے نہیں ہیں یہ تو انسان ہیں انکو تھوڑے سے آرام کی بھی ضرورت ہے، تھوڑی سی تفریح کی بھی ضرورت ہے۔ اسلئے تفریح کے لئے کوئی بات کرنا، خوش طبعی کے لئے ہنس بول لینا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ پسندیدہ ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے لیکن اسمیں زیادہ منہمک ہو جانا کہ اسی میں کئی کئی گھنٹے برباد ہو رہے ہیں، قیمتی اوقات ضائع ہو رہے ہیں تو یہ چیز انسان کو لازمی طور پر گناہ کی طرف لیجانے والی ہے اسلئے فرمایا جارہا ہے کہ تم باتیں کم کرنے کی عادت ڈالو۔ اور یہ بھی "مجاہدہ" ہے

مہمان سے باتیں کرنا سنت ہے

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک صاحب آیا کرتے تھے وہ باتیں بہت کرتے تھے جب کبھی آتے تو بس ادہر ادہر کی باتیں شروع کر دیتے اور رکنے کا نام نہ لیتے۔ ہمارے سب بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اگر کوئی شخص مہمان بنکر ملنے کے لئے آتا تو اسکا اکرام کرتے اسکی بات سنتے اور حتی الامکان اسکی تشفی کی کوشش کرتے۔ یہ کام ایک مصروف آدمی کیلئے بڑا مشکل ہے جن لوگوں کی زندگی مصروفیات سے بھری ہو

وہ جان سکتے ہیں کہ یہ کتنا مشکل کام ہے لیکن حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب آپ سے کوئی شخص ملنے کے لئے آتا اور آپ سے بات کرنا شروع کرتا تو آپ اسکی طرف سے کبھی منہ نہیں موڑتے تھے جب تک وہ خود ہی منہ نہ موڑ لے، اسکی بات سنتے رہتے تھے چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں

حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الْمُنْصَرِفُ (شمائل ترمذی باب ما جاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

"حتی کہ وہ خود ہی نہ چلا جائے" یہ کام بڑا مشکل ہے اسلئے کہ بعض لوگ لمبی بات کرنے کے عادی ہوتے ہیں انکی پوری بات پوری توجہ سے سننا ایک مشکل کام ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی وجہ سے ہمارے بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ آنے والے کی بات سنتے، اسکی تشفی کرتے۔

اصلاح کا ایک طریقہ

لیکن اگر کوئی شخص اصلاح کی غرض سے آتا تو اسپر روک ٹوک ہوتی تھی۔ بہرحال وہ صاحب آکر باتیں شروع کر دیتے اور حضرت والد صاحب سکینیت سے انکی باتیں سنتے رہتے ایک دن ان صاحب نے آکر حضرت والد صاحب سے بیعت کی درخواست کی کہ حضرت میں آپ سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں میرے لئے کوئی وظیفہ کوئی تسبیح بتا دیجئے۔ حضرت والد صاحب نے فرمایا تمہارے لئے کوئی تسبیح اور وظیفہ نہیں ہے تمہارا کام یہ ہے کہ زبان کو قابو میں کرو اس پر تالا ڈالو، تم جو ہر وقت بولتے رہتے ہو زبان نہیں رکتی یہ غلط ہے آئندہ جب آؤ تو بالکل خاموش بیٹھے رہو، زبان سے کوئی لفظ نہ نکالنا اب اس پابندی کے نتیجے میں ان صاحب پر قیامت گزر گئی یہ خاموش بیٹھنے کا مجاہدہ ان کے لئے ہزار مجاہدوں سے بھاری تھا۔ اب یہ ہوتا کہ بار بار ان کے دل میں بولنے کا تقاضہ پیدا ہوتا لیکن پابندی کی وجہ سے نہ بولنے پر مجبور ہیں۔ اور اسی علاج کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سارا طریق طے کرا دیا اسلئے کہ حضرت والد صاحب سمجھ گئے تھے کہ انکی بنیادی بیماری یہ ہے جب یہ قابو میں آجائیگی تو سب کام آسان ہو جائے گا چنانچہ کچھ عرصہ بعد

اللہ تعالیٰ نے انکو کہاں سے کہاں پہونچا دیا۔ ہر ایک کی بیماری الگ الگ ہے لہٰذا حالات کو دیکھکر شیخ علاج تجویز کرتا ہے کہ اس کے لئے کون سا علاج مفید ہوگا۔ بہرحال یہ "تقلیل کلام" کا مجاہدہ ہے۔

کم سونا

تیسرا مجاہدہ ہے "تقلیل منام" یعنی کم سونا۔ اس میں پہلی پہلے تو نہ سونے کا مجاہدہ ہوتا تھا، چنانچہ جیسا کہ مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عشار کے وضو سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے لیکن بزرگوں نے فرمایا کہ کم سونے کی حد یہ ہے کہ آدمی کو دن رات میں کم از کم چھ گھنٹے ضرور سونا چاہیئے چھ گھنٹے سے کم نہ کرے ورنہ بیمار ہو جائے گا۔ اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اگر کسی کو بے وقت سونے کی عادت ہے تو وہ اسکو ختم کرے یہ بھی کم سونے کی حد میں داخل ہے اور یہ بھی "مجاہدہ" ہے۔

لوگوں سے تعلقات کم رکھنا

چوتھا مجاہدہ ہے "تقلیل الاختلاط مع الانام" یعنی لوگوں سے میل جول کم کم کرنا اور بہت زیادہ میل جول سے پرہیز کرنا اسلئے کہ انسان کے جتنے زیادہ تعلقات ہوں گے اتنا ہی گناہوں میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رہے گا تجربہ کرکے دیکھ لو۔ آجکل تو تعلقات بڑھانا باقاعدہ ایک فن اور ہنر بن گیا ہے جس کو پبلک ریلیشن (Public Relation) کہا جاتا ہے جسکا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ تعلقات زیادہ پیدا کرو اور اپنا اثر و رسوخ بڑھاؤ اور ان تعلقات کی بنیاد پر اپنا کام نکالو۔ لیکن ہمارے بزرگوں نے اس سے منع فرمایا ہے کہ بلا ضرورت تعلقات نہ بڑھائے جائیں بلکہ تعلقات کو کم کیا جائے۔

دل ایک آئینہ ہے

اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کے دل کو ایک آئینہ بنایا ہے جو تصویر انسان کے سامنے سے گذرتی ہے اس کا عکس دل پر جم جاتا ہے لہٰذا جب انسان

کے تعلقات زیادہ ہوں گے تو پھر اس میں اچھے لوگ بھی آئیں گے اور برے بھی آئیں گے اور جب برے کاموں میں مصروف لوگ ملاقات کریں گے تو ان کے کاموں کا عکس دل پر پڑے گا اور اس سے دل خراب ہوگا اسلئے فرمایا کہ دوسرے لوگوں سے بلا ضرورت زیادہ نہ ملو دوسرے لوگوں سے تعلقات جتنے ہی کم ہوں گے اتنا ہی اللہ جل شانہٗ سے تعلق میں اضافہ ہوگا۔ مولانا رومیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

تعلق حجاب است و بے حاصلی

چو پیوند ہا بگسلی واصلی

یعنی یہ تعلقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں حجاب اور پردے بن جاتے ہیں، دنیا کی جتنی محبتیں بڑھیں گی کہ اس سے بھی محبت ہے اُس سے بھی محبت ہے اتنا ہی اللہ تبارک وتعالیٰ سے تعلق میں کمی آئیگی البتہ جو حقوق العباد ہیں وہ بیشک ادا کرنے ہیں ان میں کوتاہی نہیں کرنی ہے لیکن بلا وجہ تعلقات نہیں بڑھانا چاہیئے اسی کا نام "تقلیل الاختلاط مع الانام" ہے

بہرحال یہ مجاہدات اسلئے کرائے جاتے ہیں تاکہ ہمارا یہ نفس قابو میں آجائے اور ناجائز کاموں پر اکسانا چھوڑ دے اس لئے یہ مجاہدات ہر انسان کو کرنے چاہئیں اور بہتر یہ ہے کہ یہ مجاہدات کسی رہنما کی نگرانی میں کرے خود اپنی مرضی اور اپنے فیصلے سے نہ کرے اس لئے کہ اگر انسان خود سے یہ فیصلہ کرے گا کہ میں کتنا کھاؤں اور کتنا نہ کھاؤں، کتنا سوؤں کتنا نہ سوؤں، کتنے لوگوں سے تعلقات رکھوں کن سے تعلقات نہ رکھوں تو اس میں بے اعتدالی ہوسکتی ہے لیکن جب کسی رہنما کی رہنمائی میں کام کریگا تو انشاء اللہ اسکے فوائد حاصل ہوں گے اور ہر کام اعتدال میں رہ کر ہوتا رہیگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سبکو اسپر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر: احمد مکین

شمارہ ۸ - ربیع الاول ۱۴۱۷ھ اگست ۱۹۹۶ء جلد ۱۹

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان ۱۰۰ روپیہ - غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۴۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

S.T.D
Code No
0532

پرنٹر - پبلشر - صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسین گنج الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترتیب

اعلان

سال رواں ۹۶ء کا بدل اشتراک سالانہ ستر روپیہ اور ششماہی چالیس روپیہ ہے ــــ اولین فرصت میں اپنا چندہ ارسال فرما کر ادارہ کا تعاون فرمادیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلیدِ کامیابی

سنئے! اس زمانہ میں لوگوں کو باوجود بزرگوں کے پاس آمدورفت رکھنے کے جو فائدہ نہیں ہورہا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ علم نہیں ہے اور نہ فہم ہی ہے کہ جو باتیں کیجاتی ہیں اسکو سمجھ لیں۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب میں کوئی بات بیان کرتا ہوں تو لکھنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ سمجھتے تو ہو نہیں لکھتے کیا ہو؟ ہو سکتا ہے کہ میری بات غلط لکھ لو، پہلے سمجھ لو اسکے بعد لکھو۔

کل میں نے یہ حدیث شریف پڑھی تھی خِیَارُکُمْ مَنْ ذَکَّرَکُمْ بِاللّٰہِ رُؤْیَتُہٗ وَزَادَ فِیْ عِلْمِکُمْ مَنْطِقُہٗ وَرَغَّبَکُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَمَلُہٗ (یعنی تم میں کے بہتر وہ لوگ ہیں جن کا دیکھنا تمھیں خدا کی یاد دلائے اور انکا کلام تمھارے علم میں اضافہ کرے اور انکا عمل تمکو آخرت کی رغبت دلائے) تو ایک صاحب رُؤْیَتُہٗ کو معلوم نہیں کیا پڑھتے تھے ذَکَّرَ کو بھی کچھ دوسرا پڑھتے تھے اس سے میں نے سمجھا کہ علم سے مناسبت نہیں ہے ورنہ تو رُویت وغیرہ کے الفاظ تو اردو میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ میں نے ان صاحب کو یہ الفاظ صحیح بتلائے اور کہا کہ بھائی ایسے ہی کام میں لگے رہو اور یاد کرتے رہو اس سے حافظہ بھی زیادہ ہو جائے گا اور فہم بھی بڑھ جائے گی ورنہ کسی بھی قوت کو معطل چھوڑے رہنے سے وہ قوت ہی ختم ہو جاتی ہے

یہاں (یعنی دین میں) آخر علم کی ضرورت کیوں نہیں ہے؟ کچہری میں علم کی ضرورت پڑتی ہے بڑے بڑے امتحانات کو پاس کرنے کے بعد عہدے

ملتے ہیں۔ مدرسہ دیو بند کے مہتمم صاحب جب سند دیتے تھے تو جن کو استعداد میں کم پاتے تھے اور درس و تدریس کا اہل نہیں سمجھتے تھے تو اسکے لئے "صالح" (شائستہ اخلاق والا، نیک، دیندار) کا لفظ تحریر فرماتے تھے اور جن کو ذی استعداد اور ذی علم سمجھتے تھے اسکے لئے لکھتے وَھُوَ قَادِرٌ عَلَی الدَّرْسِ وَالتَّدْرِیْسِ (یہ پڑھنے پڑھانے کی استعداد اور صلاحیت رکھتے ہیں) تو بتلائیے کس کو بڑھاتے تھے ظاہر ہے کہ جنکے علم اور استعداد کی شہادت دیتے تھے اسی کا درجہ بڑا سمجھتے تھے کیونکہ وہ تو علم کی جگہ ہے انکے نزدیک تو جس نے علم حاصل کیا وہی صاحب کمال ہے "صالح" لکھنا اس بات کی طرف مشیر ہے کہ اس نے علم نہیں سیکھا ہے اسلئے درس و تدریس کا اہل نہیں ہے۔

مدرسہ دارالعلوم میں جب پڑھتا تھا اس وقت بھی دو چیزوں سے مجھے بہت نفرت تھی ایک تو علم دین پڑھکر طب پڑھنے سے اسلئے کہ میں سمجھتا تھا کہ اس نے علم دین کو سمجھکر نہیں پڑھا ہے یہ سمجھتا ہے کہ اس سے دنیا حاصل نہیں کر سکتے تو لاؤ طب پڑھیں تاکہ ذریعہ معاش ہو جائے۔ دوسرے سند لینے سے اسلئے کہ میں خیال کرتا تھا کہ ہماری استعداد در اصل سند ہے اور شاہد عدل ہے استعداد خود منوالے گی سند لیکر کیا ہوگا جبکہ استعداد نہو۔

سنیئے! کام یہاں سے بگڑا ہے کہ جو لوگ اس تعلیم و تعلم (پڑھنے پڑھانے) میں رہتے ہیں اور ہم لوگوں کے پاس بھی آتے جاتے ہیں وہ لوگ علم کی طرف توجہ نہیں کرتے اور نہ اسکو سیکھتے ہیں اور یہی لوگ کام کا ذریعہ ہیں گویا ہاتھ پیر ہیں اور ظاہر ہے کہ جب ہاتھ پیر ہی بیکار ہو جائیں تو کام کیسے ہو سکتا ہے؟ بہت سے لوگ حضرت مولانا کی خدمت میں گئے اور وہاں بھی نہیں سیکھا اور یہاں بھی سیکھنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ آپ لوگ خود بتلائیے حضرت مولانا اتنے بڑے عالم تھے مگر ان سے کتنے لوگوں نے علم سیکھا؟ عمل تو

بہت سے لوگوں نے سیکھا مگر علم کو لینے والے معدودے چند ہی ہیں۔ بات یہ ہے کہ علم مشکل ہے اور عمل آسان ہے اسلئے عمل کو اختیار کر لیتے ہیں اور علم کو اخذ (اور حاصل) نہیں کرتے۔

میں نے کل کچھ لوگوں کے سامنے یہ بیان کیا تھا لوگ بہت محظوظ ہوئے کہ صاحب ابداع نے لکھا ہے کہ صوفیہ فرماتے تھے کہ جو ہمارے حلقہ میں آنا چاہے اسکے لئے ضروری ہے کہ پہلے طالب ہو پھر مرید ہو اسکے بعد سالک ہو اب یا تو واصل ہو جائیگا یا منقطع اور راجع ہو جائیگا۔ پس اسکی وجہ سے طالب کے اخلاق و اطوار کا ایک زمانہ طویل تک امتحان کرتے تھے تاکہ اس بات کو معلوم کرلیں کہ وہ صادقُ العزیمۃ اور صحیح الارادہ (یعنی ارادہ کا پکا اور سچا) ہے اسکا مقصد محض صوفیہ کے اسرار پر واقف ہونا نہیں ہے (اسلئے کہ جب یہ مقصد ہوگا تو صادق نہیں رہیگا) پھر اعتماد کے بعد اسکو بتدریج اپنے حلقہ میں لیتے۔

پھر ان حضرات صوفیہ نے مریدین پر شیخ کے لئے ایک خاص اختیار اور قدرت دیا یہانتک کہدیا کہ مرید پر واجب ہے کہ اپنے شیخ کے ساتھ اسطرح رہے جیسے مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں رہتا ہے اسلئے کہ شیخ مرید کے امراض نفسانیہ اور اسکے علاج کی معرفت رکھتا ہے پس جب اسکو مناقشہ اور دلیل کے مطالبہ کی اجازت دیدی جائیگی تو اسکا علاج یا تو بہت دشوار ہوگا یا محال ہی ہو جائیگا۔

(جب یہ بات ہے) تو مرید کیلئے لازم ہے کہ شیخ کے ہر امر کو بغیر منازعت (ردوکد اور چون وچرا) کے تسلیم کرے اور صوفیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ وصول الی العرفان المطلق (معرفت کاملہ کے حصول) کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے (یعنی شیخ کے ساتھ منازعت بالکل نہ کرنا) یوں بزرگوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ سالک کا سب سے آخری مقام فنا ہے مگر حضرت مولانا قدس سرہ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ اختتام کسی شئے کا جبھی ہوتا ہے کہ اسکی ابتدا ہو جب ابتداء ہی نہیں ہوگی تو اختتام کس کا ہوگا تو فناء حقیقۃً ابتداء ہی سے شروع ہو جاتا ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ فنا سالک کا آخری مقام ہے تو یہ باعتبار ظہور کے ہے کہ آخر میں ظاہر ہوتا ہے ورنہ ابتداءً تو اول ہی میں جاتی ہے اور یہی صوفیہ کے اس قول کا مطلب ہے کہ مرید کو کَالْمَیِّتِ فِی یَدِ الْغَسَّال (یعنی مردہ بدست زندہ) ہونا چاہیے یعنی اپنے کو فنا کر دینا چاہیے۔

دیکھئے سالک کیلئے پہلے ہی فنا کو کہتے ہیں پس فنا اول مقام بھی ہوا۔ وقت ختم ہوگیا اسلئے تشریف لیجائیے مگر اب آپ لوگ علم سیکھنے کے لئے تیار ہو جائیے اور علم سے مناسبت پیدا کیجئے اسی سے کچھ کشود کار ہوگا، کامیابی اور مقصد تک رسائی حاصل ہوگی۔

علم مشکل اور عمل آسان

ایک مجلس میں میں نے ایک خاص مخاطب سے خطاب خاص سے عرض کیا کہ عالم میں ہمیشہ علم اور جہل کی لڑائی رہی ہے اور بواسطہ علم اور جہل کے عالم اور جاہل میں بھی یہ کارزار ہمیشہ گرم رہا ہے۔ علم کے اصل حاملین حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام رہے ہیں اور جہل کے علمبردار کفار ہوئے ہیں (یہی وجہ ہے کہ جس لڑائی کو آج کفر اور اسلام کی جنگ سے تعبیر کیا جاتا ہے غور فرمایئے گا تو اسکی بھی اصل انہی علم اور جہل کو پایئے گا اسلئے کہ اسلام ایک علم اور نور ہے اور کفر سراپا جہل اور ظلمت کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے قرآن شریف میں کفار کو جاہل فرمایا گیا ہے، ارشاد فرماتے ہیں کہ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ یعنی اے جاہلو! کیا تم لوگ مجھے غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیتے ہو) حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی دعوت کے ذریعہ صرف علم پہونچانا چاہتے تھے اور چونکہ انکو یہ خدمت منجانب اللہ سپرد ہوئی تھی اسلئے وہ یہ خدمت انجام دیتے تھے کفار اس میں اپنے نفس کیوجہ سے انکے مزاحم (مخالف) ہوئے۔ انکی جہالت اس امر سے مانع ہوئی کہ لوگ اپنے آبائی جہل، خود پسندی اور سائر رسوم جہالت ترک کریں اس لئے حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھڑ گئے۔ اسی طرح یہ نزاع بعض اوقات خطرناک صورت بھی اختیار کر لیتا تھا۔ آپ اگر غور فرمائیں گے تو بلا کسی پس و پیش کے اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ ہمیشہ سے عالم میں یہی نزاع چلتا آرہا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے دور میں تو ان کے ساتھ اور ان کے بعد وہ نہیں رہے تو ان کے نائبین کے ساتھ — یہ اسلئے کہ نیابت کے لئے یہ چیز لازم ہے یعنی جو چیز منیب (اصل) کے ساتھ ہوگی وہ نائب (قائم مقام) کے ساتھ بھی لازمی ہوگی۔ چنانچہ دیکھ لیجئے کہ اب بھی لوگ باوجودیکہ صدیوں سے مسلمان ہیں لیکن علماء جب شرعی چیزوں کو پیش کرتے ہیں تو ان کے ساتھ کس درجہ مزاحمت (مخالفت) کرتے ہیں یعنی انکے ساتھ پوری داد جہالت دیجاتی ہے اور بہت کم لوگ اس جنگ میں عہدہ برآ ہو پاتے ہیں (اسلئے کہ جب جہالت آتی ہے تو اپنے تمام لوازمات کے ساتھ آتی ہے۔ چنانچہ

بدخلقی۔ بدزبانی، عداوت۔ نزاع و دشمنی یہ سب چیزیں اسکے لئے لازم ہیں جس طرح سے کہ علم کے لوازم سے تہذیب، شائستگی، حسن خلق، محبت اور شفقت وغیرہ امور ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب جہل کا غلبہ ہوتا ہے تو لوگوں کے اخلاق فاسد ہو جاتے ہیں طبیعتیں کج ہو جاتی ہیں اچھے برے کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔ نفسانیت کا دور دورہ ہو جاتا ہے غرضکہ دنیا سے صلاح رخصت ہو جاتی ہے اور عالم فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔)

ان حالات میں ضرورت ہوتی ہے کہ لوگوں کو صحیح علم پہنچایا جائے کیونکہ اسی سے جہالت کا قلع قمع ہوتا ہے اور اسکی تاریکی کافور ہوتی ہے مگر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ علم آسان ہے اور عمل مشکل ہے میں کہتا ہوں کہ علم مشکل ہے اور عمل آسان ہے۔ عمل تو علم صحیح کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اسلئے علم صحیح پر ضرور مرتب ہوتا ہے۔ اور اگر عمل میں کچھ نقصان ہے تو وہ علم ہی کے نقصان کی وجہ سے ہے اسلئے کہ علم پہلے ہوتا ہے اور عمل بعد میں لہٰذا جب عمل میں نقص ہو تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اسکی جو اصل ہے اس میں ضرور کوئی نقص موجود ہے کیونکہ عمل علم ہی کی فرع ہے اور ہر حال میں اسکا تابع ہوتا ہے یعنی علم اگر کامل ہوتا ہے تو عمل بھی کامل ہوتا ہے اور اگر علم ناقص ہوگا تو عمل بھی ناقص ہی ہوگا غرضکہ جس درجہ کا علم ہوگا اسی درجہ کا عمل ہوگا اسی کو میں نے کہا ہے کہ عمل تو آسان ہے علم ہی مشکل چیز ہے۔ چنانچہ محسوسات میں اسکی ایک مثال سنیئے! اب اسوقت جتنے حضرات یہاں بیٹھے ہیں اور میرا کلام سن رہے ہیں سب ماشاء اللہ اہل عمل ہیں۔ اشراق پڑھکر آئے ہیں اور بہت سے حضرات تہجد گذار ہوں گے مگر میری اس تقریر کو جو میں آپ حضرات کے سامنے عرض کر رہا ہوں بہت ہی کم لوگ سمجھتے ہوں گے اگر باہر جاکر آپ ان سے دریافت کریں کہ "کیا کہتے تھے"؟ تو ان میں سے کم ہی ہونگے جو میرا مضمون دہرا سکیں۔ یہ اسلئے کہ علم مشکل چیز ہے بدون مزاولت کثیرہ اور ممارست طویلہ کے (بہت مشق اور محنت) اسکے فہم اور ادا (یعنی سمجھنے اور بیان کرنے) پر قدرت نہیں ہوتی۔

مدارس میں جو اختلافات اسوقت رونما ہو رہے ہیں یہ سب بھی علم اور جہل ہی کی لڑائی سے ہے یعنی یہ طلبہ باوجود مدارس میں رہنے کے علم کے اثر سے ذرا متصف نہیں ہیں۔

علم کا احسان مال کے احسان سے ہرگز کم نہیں ہے۔ جس کو مال دیا جاتا ہے وہ ممنون ہوتا ہے اور علم کی منت طالب علم نہ مانے۔ یہ بات سمجھ میں آنیکی نہیں ہے اساتذہ کو لوگوں نے پیروں سے کم نہیں مانا ہے (احسان) یہ اسلئے کہ انھوں نے علم کا فیض ان سے حاصل کیا تھا اور علم سے بڑھکر کوئی دوسری دولت نہیں۔ اس چیز نے انکو انکا زرخرید غلام بنا دیا تھا۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ مَنْ عَلَّمَنِيْ حَرْفًا فَقَدْ صَيَّرَنِيْ عَبْدًا۔ جس نے مجھے ایک حرف بھی پڑھا دیا تو اس نے مجھے گویا اپنا غلام ہی بنالیا۔ برخلاف اسکے اب جو اساتذہ کی مخالفت کیجاتی ہے اور اسکے ساتھ خودسری اور سرکشی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے تو یہ صاف پتہ دیتا ہے کہ انھوں نے ان سے کچھ حاصل نہیں کیا اور علم کا ذرا اثر انکے قلب پر نہیں ہوا۔ اب یا تو انکو فیض سرے سے ہوا ہی نہیں یا ہوا تھا مگر کچھ بے ادبی بھی کر دی جسکی وجہ سے وہ کل کا کل سلب ہو گیا۔

بہرحال سنت اللہ یونہی جاری ہے کہ ہر زمانہ میں علم کا جہل سے مقابلہ ہی رہا ہے اور آخر میں علم جہل پر غالب آکر رہتا ہے اور جب علم صحیح دوسروں کو پہنچایا جاتا ہے تو دوسرے لوگ بھی راہ پر لگ جاتے ہیں۔ پس آج جسقدر بھی ضلالت جہالت اور فساد موجود ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ لوگوں کو صحیح علم ہی نہیں ہے عام طور سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ علم ہے مگر عمل کی کمی ہے اور فساد عالم کا یہی سبب ہے لیکن میں یہ کہہ رہا ہوں کہ عمل نہ ہونے کی بھی وجہ یہ ہے کہ علم صحیح نہیں ہے۔ ورنہ یہ ہو نہیں سکتا کہ کہیں کوئی عالم حقانی ربانی موجود ہو اور وہ شریعت کا صحیح علم بھی لوگوں تک پہنچائے اور اسکا کچھ بھی اثر نہ ہو، یہ ناممکن ہے دیکھا جاتا ہے کہ عمل اور عبادت کی طرف تو لوگوں کو کچھ میلان ہوتا بھی ہے مگر علم کی طرف نہیں آنا چاہتے اس لئے کہ علم مشکل چیز ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ علم کیوں مشکل ہے اسلئے مشکل ہے کہ عبادت میں تو توجہ صرف ایک چیز کی جانب کرنی پڑتی ہے نماز ہے تو ادھر توجہ کر لی، ذکر ہے تو اسکی جانب دھیان کر لیا۔ اسی طرح سے روزہ ہے زکوٰۃ ہے حج ہے جس کام کو کرنا ہوا اسکی طرف طبیعت کو بآسانی یکسو کیا جا سکتا ہے اور علم میں تو قلب و دماغ کو اسکے ہر گوشہ کیجانب اور ہمہ وقت مشغول رکھنا ہوتا ہے

مثلاً اخلاص ہی پر کلام کرتا ہے تو سوچے گا کہ قرآن شریف کی کن کن آیات میں انکا بیان آیا ہے۔ حدیث شریف میں کہاں ذکر ہے؟ یہ کیسے حاصل ہوتا ہے؟ اخلاص کے مقابل کون کون سی چیزیں ہیں؟ اگر ریار کی شمولیت ہوگئی تو اخلاص جاتا رہا اسیطرح سے نفاق سے کوئی کام کیا تو یہ بھی اخلاص کے منافی ہے۔ غرضیکہ ان تمام امور کا استحضار بیک وقت آپکو کرنا پڑے گا۔ اور یہ بڑا مشکل کام ہے اس میں آدمی کا دماغ پریشان ہوجاتا ہے۔

اور میں جو علم کو مشکل اور عبادت کو آسان کہہ رہا ہوں تو یہ باہمی مقابلہ کے اعتبار سے کہہ رہا ہوں یہ مطلب نہیں کہ عبادت میں مشقت اور تعب ہی کچھ نہیں ہے۔ یہ کیسے کہا جاسکتا ہے۔ یہ فسق کا زمانہ ہے اس میں کوئی شخص عبادت ہی کرے تو بڑی بات ہے اور یہ بلاشبہ اسکا کمال (اہم عملی) ہے۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ عبادت میں یکسوئی ہوتی ہے اسلئے وہ آسان ہے اور علم میں نجانے کتنی چیزوں کا احاطہ کرنا پڑتا ہے اس سلئے یہ دشوار ہے۔

علم کی اسی دشواری کی وجہ سے آج عمل تو کچھ نظر بھی آرہا ہے، مگر علم کا تو خاتمہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اخیر زمانہ میں علم کا ضیاع ہوجائیگا تو یہ وہی وقت ہے۔ لیکن ایک اور روایت میں آیا ہے کہ آخر زمانہ میں علم زیادہ ہوجائیگا تو یہ قول بظاہر پہلے قول کے بالکل معارض اور ضد ہے اسلئے علمار متقدمین نے ان دونوں میں اپنی بصیرت سے یوں تطبیق فرمائی تھی کہ حقیقت علم تو کم ہی ہوجائیگی مگر اسباب علم زیادہ ہوجائیں گے۔ ان حضرات نے اسوقت تو اپنی خداداد بصیرت سے ایسا فرمایا تھا لیکن آج تو ہم اسکا مشاہدہ بھی کر رہے ہیں کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ شاگرد فجر سے ظہر تک حدیث کی کتابت کرتا تھا پھر ظہر سے لیکر عصر تک استاد اور شاگرد دونوں اسکا مذاکرہ کرتے تھے نہ کھانے کا انتظام تھا نہ جائے قیام کا بندوبست تھا نہ عمارت تھی نہ مدرسہ تھا اور ایک یہ زمانہ ہے کہ مدرسہ میں ہر قسم کی سہولتیں موجود ہیں۔ کتب خانہ۔ مہمان خانہ۔ ہر فن کے اساتذہ ہیں کھانا ہے۔ کپڑا ہے غرضیکہ اسباب راحت سب ہی موجود ہیں اور نہیں ہے تو علم۔

جانتے ہیں ایسا کیوں ہے؟ اسلئے کہ علم مشکل چیز ہے اور اسکے مشکل ہی ہونے کیوجہ سے نصوص میں اسکی بہت بہت فضیلت آئی ہے۔ یہ مسئلہ صرف قیاسی ہی نہیں ہے کہ قیاس اور عقل سے ہم نے سمجھ لیا ہے کہ علم افضل ہے اسکے متعلق صریح نصوص کا رد ہیں سنئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلٰى اَدْنَاكُمْ

یعنی عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی کہ مجھکو تم میں کے کسی ادنی شخص پر حاصل ہے۔

اور سنئے دوسری روایت میں ہے

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ۔

یعنی عالم کو عابد پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی کہ چاند کو دیگر ستاروں پر۔

دیکھا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تو فرما رہے ہیں کہ عالم عابد کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسا کہ میں تمہارے ادنی کے مقابلہ میں ہوں۔ اور ایک جگہ فرماتے ہیں عالم عابد سے ایسا افضل ہے جیسا کہ چاند افضل ہے دوسرے ستاروں سے۔ قاضی بیضاوی اسکی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔

بات یہ ہے کہ عبادت ایک ایسا کمال اور نور ہے جو کہ ذات عابد کے ساتھ لازم رہتا ہے یعنی اس سے متجاوز نہیں ہوتا اسلئے وہ تو مشابہ ہوا نور کواکب کے کہ وہ بھی تاروں ہی تک محدود رہتا ہے اور علم ایک ایسا کمال ہے جس سے عالم کو ذاتی طور پر بھی شرف حاصل ہوتا ہے اور ایسا فضل ہے جو اس سے دوسروں کی جانب متعدی بھی ہوتا ہے لیکن عالم کے اندر علم کی روشنی تو آتی ہے اور وہ اس کمال کے ساتھ متصف بھی ہوتا ہے مگر یہ عالم کا ذاتی کمال نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسا نور ہوتا ہے جسکو وہ مشکوٰۃ نبوت سے اخذ کرتا ہے اسلئے وہ مشابہ بالقمر ہوا کہ اسکا نور بھی ذاتی نہیں ہوتا بلکہ نور شمس سے مستفاد ہوتا ہے۔

(ص۹۹ نفع قوت المغتذی)

علامہ بیضاوی نے جو بات بیان فرمائی ہے فی نفسہ نہایت عمدہ ہے مگر جی چاہتا تھا کہ علم و عبادت کا تقابل ایسے عنوان سے کیا جاتا جو اس سے بھی زیادہ واضح ہوتا چنانچہ اسکی

بزرگوں کی برکت سے ایک بات میری سمجھ میں بھی آئی ہے، سنیئے! وہ یہ کہ علم کو عبادت پر جو فضیلت ہے تو اسلئے کہ یہ عمل کی جانب متعدی ہوجاتا ہے کیونکہ ہر عمل کے لئے کچھ احکام ہوتے ہیں تو جب تک انکا علم نہ ہو عمل صحیح نہیں ہوسکتا گویا عمل کی صحت بھی علم ہی پر موقوف ہوئی نیز عبادت کے جو کمالات ہیں وہ بھی علم ہی کی وجہ سے ہیں اور عمل کا ضیاع بھی علم ہی کے ضیاع سے ہوتا ہے۔ چنانچہ جب علم صحیح آدمی کے قلب میں آجاتا ہے پھر ناممکن ہے کہ وہ عمل نکرے کیونکہ وہ تو مثمر عمل ضرور ہی ہوتا ہے۔ باقی عمل کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اسکی وجہ سے آدمی کو علم صحیح بھی حاصل ہوجائے۔ پس ان دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہوئی کہ علم تو متعدی ہے عمل کی طرف اور عمل علم کیجانب متعدی نہیں اسلئے بھی علم افضل ہوا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ عبادت کرتے ہیں اور دوسری چیزوں کو تو جانے دیجئے خود اس عبادت کے متعلق جو احکام ہوتے ہیں انھیں سے کورے ہوتے ہیں۔ ایک عابد مخلوق سے بھاگ کر پہاڑ میں جاکر رہنے لگے وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے ایک لڑکا بھی اپنے گھر سے کسی وجہ سے ناراض ہوکر انھیں کے پاس پہنچ گیا اور ان کے ہمراہ رہنے لگا وہ عابد صاحب اپنے ناک کے ایک سوراخ میں بتی لگائے ہوئے تھے دوسرا سوراخ، کھلا تھا ایک دن اس لڑکے نے سبب دریافت کیا فرمایا کہ بات یہ ہے کہ یہاں پہاڑ پر پھول وغیرہ کی خوشبو آتی ہے تو اس سے میرا نفس پھولتا ہے اسلئے مجاہدہ کے طور پر دوسرے سوراخ میں نجاست کی بتی رکھ لی ہے تاکہ نفس پھولنے نہ پائے اور اعتدال قائم رہے لڑکے نے کہا کہ حضرت میں عالم تو نہیں ہوں مگر سنا ہے کہ بال برابر بھی اگر کوئی جگہ خشک رہ جاتی ہے تو اس سے وضو نہیں ہوتا لہٰذا بتی لگی ہونے کی وجہ سے چہرے کے دھونے میں ضرور خلل پڑتا ہے اور کچھ حصہ اسکا نہیں دھل پاتا اسلئے آپ کا وضو ہی نہیں ہوتا اور جب وضو ہی نہیں ہوتا تو نماز بھی نہیں ہوتی۔ یہ سنکر انھوں نے گذشتہ سارے ایام کی نمازیں دہرائیں اور اس لڑکے سے کہا کہ تم شہر جاکر علم سیکھو اور مجھے یہاں آکر سکھلاؤ اور میں اپنی باطنی چیز تمکو سکھاؤں گا۔ تو دیکھئے وہ صاحب عابد تھے مگر نماز و طہارت تک کے مسائل سے واقف نہ تھے۔ اسی کو کہہ رہا ہوں کہ عبادت آسان ہے مگر علم مشکل ہے اور علم سے مراد یہاں علم حقیقی

ہے کہ دراصل وہی مشکل ہے ورنہ تو علم رسمی چنداں مشکل نہیں ہے اور یہ مراد اسلئے نہیں کہ حقیقۃً اسکو علم کہنا ہی صحیح نہیں ہے علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است ؎[1]۔ اسکے متعلق سنئے علمائے ربانی فرماتے ہیں قطع قوت المغتذی میں ہے :۔

قال التوربشتی حقیقۃ الفقه في الدين ما وقع بالقلب فظهر على لسانه فافاد علماً اورث خشية وتقوى واما مايتدارسه المغرورية فانه بمعزل عن المرتبة العظمى لان محله لسانه دون قلبه (ص۹۹ قوت المغتذی)	علامہ توربشتی کہتے ہیں کہ فقہ فی الدین کی حقیقت یہ ہے کہ وہ پہلے قلب میں پہونچے اور پھر وہاں سے لسان پر آوے اور علم کا افادہ کرے جو خشیت اور تقویٰ پیدا کرے۔ باقی وہ جو غرور والے لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں اسکو تو اس رتبۂ عظمیٰ (مرتبہ محمودہ) سے دور کا بھی واسطہ نہیں، اسلئے کہ اسکا محل تو لسان ہوتا ہے قلب نہیں اور حقیقی علم اولاً قلب میں آتا ہے۔

دیکھا آپ نے حقیقی علم کی کیا تعریف فرما رہے ہیں اور یہی وہ علم ہے جس کے متعلق قرآن شریف میں آتا ہے کہ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ اللہ تعالیٰ سے اسکے بندوں میں سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں کیونکہ تقویٰ اور خشیت اس علم حقیقی کا ثمرہ ہوتا ہے جسکے علماء حامل ہوتے ہیں۔ نیز اسی کے متعلق فرمایا کہ قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ کیا اہل علم اور غیر اہل علم دونوں برابر ہیں۔ ان دونوں کی برابری کے تو یہ معنی ہوئے کہ دھوپ اور سایہ، نور اور ظلمت دونوں برابر ہو جائیں، حالانکہ ان میں تضاد ہے۔ پس علم و جہل بھی یکساں نہیں ہیں۔

علم اور اسکے واسطہ سے علماء کی فضیلت جو حدیث شریف میں آئی ہے اسکو تو آپ نے ملاحظہ فرمایا اب ایک اور فضیلت سنئے آپ نے سنا ہوگا مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ، یعنی عالِم کی موت گویا عالَم کی موت ہے، مگر یہ مقولہ عابد کے بارے میں نہ سنا ہوگا کہ مَوْتُ الْعَابِدِ مَوْتُ الْعَالَمِ، اس سے بھی معلوم ہوا کہ عالم کا درجہ عابد سے بڑھا ہوا ہے اسکا فیض لازم ہے اور عالم کا تعلق عالَم سے ہے۔ عابد صرف اپنی کملی کو موج سے بچا لیتا ہے اور عالم نجانے کتنے ڈوبتے ہوؤں کو دریا سے باہر نکال دیتا ہے جیسا کہ شیخ سعدیؒ نے بیان فرمایا ہے ؎

---

[1] جو علم حق کی طرف راہ نمائی نہ کرے وہ درحقیقت جہالت ہے۔

صاحبدلے بمدرسہ آمد ز خانقاہ ‏ بگذاشت عہد صحبت اہل طریق را
گفتم میان عالم و عابد چہ فرق بود ‏ تا اختیار کردی ازاں ایں فریق را
گفت او گلیم خویش بدر می برد زموج ‏ ویں جہد میکند کہ بگیرد غریق را

یعنی ایک صاحبدل صوفی صاحب خانقاہ سے ہجرت فرماکر مدرسہ میں تشریف لائے اور اہل طریق کی صحبت کا عہد ترک فرما دیا، میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت آپ نے عابد میں اور عالم میں کیا فرق محسوس کیا جو آپ نے مکتب تصوف کو چھوڑ کر مدرسۂ علم میں آکر نام لکھوایا انھوں نے فرمایا کہ بھائی بات یہ ہے کہ صوفی کا فیض تو بس لازم ہی رہتا ہے کہ وہ بس اپنی کملی کو دریا سے بچالے جائیگا اور ایک عالم دین تو اپنی کوشش سے بہت سے ڈوبتے ہوؤں کو آکر تھام لیتا ہے اور انکو ڈوبنے نہیں دیتا۔

اسی طرح سے آپ نے یہ بھی سنا ہوگا " نَوْمُ الْعَالِمِ عِبَادَةٌ " عالم کا سونا بھی عبادت ہے مگر " نَوْمُ الْعَابِدِ عِبَادَةٌ " نہ سنا ہوگا یہ اسلئے کہ عالم اپنے علم کے ذریعہ دنیوی کام کو بھی دین بنا لیتا ہے چنانچہ نوم جیسی غفلت کی چیز بھی اسکے حق میں عبادت بن جاتی ہے وہ علم ہی پر سوتا ہے اور علم ہی پر اٹھتا ہے یعنی اسکو بھی خدا کا حکم اور نفس کا حق سمجھکر کرتا ہے اسلئے انکا وہ سارا وقت بھی عبادت ہی شمار ہوتا ہے۔ اور جس کو علم نہیں عجب نہیں نیت صحیح نہ کرنے کیوجہ سے وہ اپنے بہت کچھ دین کو بھی دنیا بنا لیتا ہو۔ غرضکہ یہ دونوں چیزیں عابد کے لئے نہیں فرمائیں اسی لئے تاکہ لوگوں پر علم کا فضل ظاہر ہو جائے اور وہ یہی کہ اعمال کا صحت و سقم اور نقصان و کمال اسی پر موقوف ہے۔ اور یہ کہ علم ہی اصل ہے اور اعمال اسکی فرع ہیں چنانچہ ولایت جیسی قیمتی شئے بھی اسی کی فرع ہے۔ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ سن لو کہ اللہ تعالےٰ کے جو ولی ہیں انکو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ لوگ غمگین ہوں گے۔ اسکے بعد فرماتے ہیں کہ یہ اولیاء اللہ ہیں کون لوگ ؟ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا۔ ایمان اور تقویٰ پر ولایت کا مدار رکھا ہے اور یہ چیزیں علم ہی کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہیں ۔

پئے علم چوں شمع باید گداخت کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

اور جب خدا کی معرفت ہی اسکو نہ حاصل ہوگی تو خدا کا ولی کیسے ہوگا۔ آگے ارشاد ہے
لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ان کے لئے دنیا و آخرت میں بشارت ہے۔
لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کے کلمات میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی۔ اس سے
معلوم ہوا کہ ولایت کا یہ معیار کبھی بدلے گا نہیں۔ قرآن میں یہ سب موجود ہے مگر دیکھ لیجئے
کہ اس زمانہ میں مدار ولایت کیا رہ گیا ہے؟ آدمی جبکا ولی ہوتا ہے وہ تو فرماتا ہے کہ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ یعنی ولی وہ لوگ ہیں جو ایمان والے اور تقویٰ والے ہونگے۔
اور اب اسکے لئے نہ تقوی شرط ہے نہ ایمان شرط ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اب اس
زمانہ میں انسانیت بھی شرط نہیں۔ بہکی بہکی باتیں کرتا ہو ناک سے رینٹ اور منہ سے تھوک
بہتا ہو نالی میں پڑا ہو وہ ولی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ولایت کا ثبوت جبکہ نص سے ہے
اسی طرح اسکا طریق ایمان کامل اور تقویٰ کامل ہے یہ بھی نص سے ثابت ہے پھر اس
میں قیاس و رائے کو دخل کیسے ہو سکتا ہے۔ منصوص کے خلاف قیاس کا کیا حکم چل سکتا ہے
یہ صریح ضلالت ہے شیطان نے ایسی عمدہ و اشرف چیز میں ایسا تصرف کیا ہے کہ
عقیدہ ہی باطل کر دیا۔ نصوص پر عقیدہ کرنا فرض ہے اسکا انکار کفر ہے اور عقیدہ ہوتے
ہوئے اس پر عمل نہ کرنا فسق ہے۔ اللہ اللہ ہم کہاں سے کہاں پہونچ گئے ہیں اس پر
یہ شعر پڑھتا ہوں ؎

چوں ترک قرآں کردہ آخر مسلمانی کجا خود شمع ایماں کشتہ پس نور ایمانی کجا

اور اگر کپڑے بھی اتار دے تب تو اسکی ولایت میں کوئی شبہ ہی نہیں لاحول ولا قوۃ۔
علماء کی ولایت انکے نزدیک نمبر کے درجہ میں بھی نہیں اور ایسے لوگوں کی ولایت کا یقین
کئے ہوئے ہیں یہ سب کیا ہے؟ اسی جہالت کا کرشمہ ہے جسکی مذمت قرآن و حدیث
سے آپنے ملاحظہ فرمائی۔ آج اگر علماء ان چیزوں کو بیان کریں اور لوگوں کے سامنے
علم پیش کریں تو بہت کچھ اصلاح ان امور کی ہو سکتی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ کرے کون؟
کوئی اگر ان مضامین کو بیان بھی کرے تو اول تو اسکی زبان لڑکھڑا جائیگی اسلئے کہ اپنے علم میں

۱۔ علم حاصل کرنے کیلئے شمع کیطرح پگھلنا چاہئے کیونکہ بغیر علم کے خدا کو پہچان نہ سکتے ہی نہیں۔
۲۔ جب تم نے قرآن چھوڑ دیا تو پھر مسلمان ہی کہاں رہ گئے جب خود ہی ایمان کی شمع کو بجھا دیا تو ایمانی نور کہاں باقی رہیگا۔

خود ان لوگوں کو تردد ہوتا ہے اسلئے قوت کے ساتھ کوئی بات نہ کہہ سکیں گے۔ عوام ہی ان سے مطالبہ کریں گے کہ ہم تو آپ کو بھی اس معیار پر نہیں پاتے کیونکہ اگر آپ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے وصف سے متصف بھی ہیں تو وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ سے تو ہم آپ کو بالکل عاری پاتے ہیں۔ پس جبکہ علماء جو کہ ولایت کو جانتے اور سمجھتے ہیں وہی اس طرف نہیں آتے اور عوام اتنا تو جانتے ہی ہیں کہ ولایت کوئی مرتبہ ہے کچھ لوگ اس منصب کے حامل ہوتے ہیں اور وہ علماء نہیں ہیں تو انھوں نے اسکو دوسری طرف منتقل کردیا اور نااہل کو ولی سمجھنے لگے۔ اسی کو کہہ رہا ہوں کہ آج سارا فساد جہل کا ہے۔ عالم جب علم صحیح لوگوں کو پہونچائیگا نہیں تو انکا حال بد سے بدتر ہی ہوتا چلا جائیگا اور علم کا یہ حال ہے کہ جو جگہیں اسکے لئے موضوع تھیں وہیں سے علم رخصت ہوتا جارہا ہے۔

میں تو کہتا ہوں کہ آج مدارس کی جو بھی صورت باقی ہے وہ عوام کے اخلاص کی وجہ سے ہے یہ لوگ کچھ کم خدمت نہیں کرتے۔ بہت روپیہ قوم کو دیتے ہیں مگر ہم لوگوں کو ہی غیرت نہیں رہی کہ دو چار ہی کو طریقہ سے پڑھا دیتے۔ عمارت، چندہ، تکثیر سواد[1] کی تو فکر ہے مگر یہ سب کچھ جس کے لئے تھا اسکی بالکل فکر نہیں مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلیؒ زبردست عالم گذرے ہیں اور درویش بھی تھے مگر اسکو چھپاتے تھے ان کے پاس باہر دور دور سے طلبہ پڑھنے آتے تھے مولاناؒ انکو پڑھاتے تھے جب وہ فارغ ہو جاتے تو سند فراغت دینے کے لئے علماء کو جمع کرکے فرماتے کہ یہ طلبہ ہیں آپ حضرات میں سے جسکا جس فن میں جی چاہے امتحان لے لے۔ اور یہ حضرات کہتے تھے کہ حضرت اب اسکی ضرورت نہیں ہے آپ کا اطمینان کافی ہے۔ جانتے تھے کہ مولانا عبدالحی صاحب کے پڑھائے ہوئے ہیں اگر ان سے الجھے تو لپٹ جائیں گے اور رہا سہا بھرم جاتا رہیگا اسلئے کوئی انکا امتحان لینے کی ہمت نہیں کرتا تھا اور اب نہ سالک کو سلوک کا علم ہے اور نہ عالم کے پاس علم صحیح ہے۔ حالانکہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ سالک بے علم مرغ بے پر ہے دشمن سے اپنی حفاظت نہیں کرسکتا اسی طرح سے سالک جب علم سے خالی ہوگا تو نفس و شیطان جو اسکے دشمن ہیں ان سے نہیں بچ سکتا اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ فَقِیْہٌ وَّاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ ایک عالم شیطان پر سو عابد سے زیادہ

---

[1] جماعت اور تعداد بڑھانا۔

بھاری ہے۔ شیطان علم ہی کی وجہ سے عالم سے بہت گھبراتا ہے اور بے علم عابد کو تو ایک لقمۂ تر سمجھتا ہے بس موقع کا منتظر رہتا ہے۔ اسلئے کہ عابد بدون علم کے ناقص ہی رہتا ہے۔

علم کے دو درجے ہیں ایک تو یہ کہ عالم اس میں خوب تبحر حاصل کرے اور ہر چیز میں خوب ماہر ہو جائے تاکہ مخالفین کی ریشہ دوانیوں کو سمجھ سکے اور سمجھکر اسکا جواب دے سکے یہ درجہ تو فرض کفایہ ہے ہر بستی میں ایک شخص ایسا ہونا ضروری ہے اگر کوئی بھی نہ ہوگا تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ لیکن دوسرا درجہ اسکا فرض عین ہے وہ یہ کہ آدمی جو بھی عمل کرے اسکے متعلق اسکو شرعی معلومات ہونا ضروری ہے نہ جانے گا تو عمل کی تکمیل ہی نہ ہوگی آج ہم لوگ اس سے بھی نا واقف ہیں اور کسی درجہ میں بھی علم کی ضرورت کے قائل نہیں یہی جہالت کی فتح ہے کہ علم کا کوئی درجہ بھی قلب و ذہن میں ضروری نہ رہجائے۔

عمل جو پیدا ہوتا ہے وہ علم صحیح ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر علم ہے اور پھر اس سے عمل نہیں پیدا ہو رہا ہے تو سمجھئے کہ کچھ نقص ہے، اسکو سمجھئے اور دور کیجئے اور خود نہ سمجھ میں آئے تو مشائخ سے کہئے وہ بتائیں گے اور اسکا جلا کر دیں گے۔ مگر یہ سب جب ہی ہوگا کہ پہلے اسکا بھی تو علم ہو کہ ایک علم رسمی ہوتا ہے اور ایک حقیقی اور ہم حقیقی علم سے عاری ہیں اور اس رسم سے نکلکر حقیقت کی طرف جانے کی ضرورت ہے۔ جب یہ سب مقدمات مسلم ہو جائیں گے تو کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ مل ہی جائے گا جو آپ کو رسم سے نکالکر حقیقت پر لگا دیگا اور اسوقت بلاشبہ آپ ان فضائل کے مستحق ہوں گے جو علم و عالم کے لئے نصوص میں وارد ہیں۔

خوشخبری: اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ کتاب "حالات مصلح الامۃ" کی پہلی جلد (حصہ اول و دوم) طبع ہو کر منظر عام پر آگئی ہے ۴۰۸ صفحات ہیں۔ خوبصورت گرد پوش سے مزین ہے اصل قیمت تین سو روپیہ ہے لیکن احباب رسالہ کو خصوصی رعایت کے ساتھ ایکسو ساٹھ ۱۶۰ روپیہ میں دی جا ئیگی۔ یہ رعایت صرف دسمبر ۹۶ء تک کیلئے ہے چونکہ کتاب کے صرف ۵۰۰ نسخے طبع ہوئے ہیں اسلئے احباب قیمت مع اخراجات ڈاک مبلغ -/175 روپیہ ذریعہ منی آرڈر بھیجکر جلد از جلد طلب فرمالیں۔ وی پی سے نہ طلب کریں۔
جلد دوم ابھی زیر طباعت ہے اور جلد سوم زیر کتابت

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ہماری زندگی

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہٗ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً۔

امابعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا (سورۃ الاحزاب ۲۱)

اٰمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم ونحن علیٰ ذالک من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العٰلمین۔

آپ کا تذکرہ باعث سعادت

۱۲ ربیع الاول کی تاریخ ہمارے معاشرے ہمارے ملک اور خاص کر برصغیر میں باقاعدہ ایک جشن اور ایک تہوار کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ جب ربیع الاول کا مہینہ آتا ہے تو سارے ملک میں سیرت النبی اور میلاد النبی کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک تذکرہ اتنی بڑی سعادت ہے کہ اسکے برابر اور کوئی سعادت نہیں ہو سکتی لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں آپ کے مبارک تذکرے کو اس ماہ ربیع الاول کے ساتھ بلکہ صرف ۱۲ ربیع الاول کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ ۱۲ ربیع الاول کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اسلئے

آپ کا یوم ولادت منایا جائے گا اور اس میں آپ کی سیرت اور ولادت کا بیان ہوگا۔ لیکن یہ سب کچھ کرتے وقت ہم یہ بات بھول جاتے ہیں کہ جس ذات اقدس کی سیرت کا یہ بیان ہو رہا ہے اور جس ذات اقدس کی ولادت کا یہ جشن منایا جا رہا ہے خود اس ذات اقدس کی تعلیم کیا ہے؟ اور اس تعلیم کے اندر اس قسم کا تصور موجود ہے یا نہیں؟

تاریخ انسانیت کا عظیم واقعہ

اس میں کسی مسلمان کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا میں تشریف لانا تاریخ انسانیت کا اتنا عظیم واقعہ ہے کہ اس سے زیادہ عظیم، اس سے زیادہ پرمسرت، اس سے زیادہ مبارک اور مقدس واقعہ اس روئے زمین پر پیش نہیں آیا۔ انسانیت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نور ملا، آپ کی مقدس شخصیت کی برکات نصیب ہوئیں۔ یہ اتنا بڑا واقعہ ہے کہ تاریخ کا اور کوئی واقعہ اتنا بڑا نہیں ہو سکتا اور اگر اسلام میں کسی کی یوم پیدائش منانے کا کوئی تصور ہوتا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یوم پیدائش سے زیادہ کوئی دن اس بات کا مستحق نہیں تھا کہ اسکو منایا جائے اور اسکو عید قرار دیا جائے۔ لیکن نبوت کے بعد آپ ۲۳ سال اس دنیا میں تشریف فرما رہے اور ہر سال ربیع الاول کا مہینہ آتا تھا لیکن نہ صرف یہ کہ آپ نے ۱۲ ربیع الاول کو یوم پیدائش نہیں منایا بلکہ آپ کے کسی صحابی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ نہیں گذرا کہ چونکہ ۱۲ ربیع الاول آپ کی پیدائش کا دن ہے اسلئے اسکو کسی خاص طریقے سے منانا چاہئے۔

۱۲ ربیع الاول اور صحابۂ کرامؓ

اسکے بعد سرکار دو عالم صلی علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے اور تقریباً سوا لاکھ صحابۂ کرام کو اس دنیا میں چھوڑ گئے وہ صحابۂ کرامؓ ایسے تھے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سانس کے بدلے اپنی پوری جان نچھاور کرنے

سکے لئے تیار تھے، آپ کے جاں نثار، آپ پر فدا کار، آپ کے عاشق زار تھے۔ لیکن کوئی ایک صحابی ایسا نہیں ملے گا جس نے اہتمام کر کے یہ دن منایا ہو یا اس دن کوئی جلسہ منعقد کیا ہو، یا کوئی جلوس نکالا ہو یا کوئی چراغان کیا ہو، یا کوئی جھنڈیاں سجائی ہوں، صحابہ کرام نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ اسلئے کہ اسلام کوئی رسموں کا دین نہیں ہے جیسا کہ دوسرے اہل مذاہب ہیں کہ انکے ہاں چند رسومات ادا کرنے کا نام دین ہے جب وہ رسمیں ادا کرلیں تو بس چھٹی ہوگئی بلکہ اسلام عمل کا دین ہے اور یہ تو جنم روگ ہے کہ پیدائش سے لیکر مرتے دم تک ہر انسان اپنی اصلاح کی فکر میں لگا رہے۔ اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں لگا رہے۔

کرسمس کی ابتدا

یوم پیدائش منانے کا یہ تصور ہمارے یہاں عیسائیوں سے آیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش "کرسمس" کے نام سے ۲۵ دسمبر کو منایا جاتا ہے تاریخ اٹھا کر دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے تقریباً تین سو سال تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش منانے کا کوئی تصور نہیں تھا آپ کے حواریین اور صحابہ کرام میں سے کسی نے یہ دن نہیں منایا تین سو سال کے بعد کچھ لوگوں نے یہ بدعت شروع کردی اور یہ کہا کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش منائیں گے اس وقت کچھ جو لوگ دین عیسوی پر پوری طرح عمل پیرا تھے انھوں نے ان سے کہا کہ تم نے یہ سلسلہ کیوں شروع کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں تو یوم پیدائش منانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس میں کیا حرج ہے؟ یہ کوئی ایسی بری بات تو نہیں ہے، بس ہم اس دن جمع ہوجائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کریں گے انکی تعلیمات کو یاد دلائیں گے اور اسکے ذریعہ سے لوگوں میں انکی تعلیمات پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہوگا اسلئے ہم کوئی گناہ کا کام تو نہیں کر رہے ہیں۔ چنانچہ یہ کہکر

یہ سلسلہ شروع کردیا

کرسمس کی موجودہ صورت حال

چنانچہ شروع شروع میں تو یہ ہوا کہ جب ۲۵ دسمبر کی تاریخ آتی تو چرچ میں ایک اجتماع ہوتا ایک پادری صاحب کھڑے ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور آپکی سیرت بیان کر دیتے اسکے بعد اجتماع برخواست ہو جاتا گویا کہ بے ضرر اور معصوم طریقہ پر یہ سلسلہ شروع ہوا لیکن کچھ عرصہ گزرنے بعد انھوں نے سوچا کہ ہم پادری کی تقریر تو کرا دیتے ہیں مگر وہ خشک قسم کی تقریر ہوتی ہے جسکا نتیجہ یہ ہے کہ نوجوان اور شوقین مزاج لوگ تو اس میں شریک نہیں ہوتے اسلئے اسکو ذرا دلچسپ بنانا چاہیئے تاکہ لوگوں کے لئے دلکش ہو اور اسکو دلچسپ بنانے کے لئے اس میں موسیقی ہونی چاہیئے چنانچہ اسکے بعد موسیقی پر نظمیں پڑھی جانے لگیں، پھر انہوں نے دیکھا کہ موسیقی سے بھی کام نہیں چل رہا ہے اسلئے اس میں ناچ گانا بھی ہونا چاہیئے چنانچہ پھر ناچ گانا بھی اس شامل ہوگیا، پھر سوچا کہ اس میں کچھ تماشے بھی ہونے چاہئیں چنانچہ ہنسی مذاق کے کھیل تماشے شامل ہوگئے چنانچہ ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ وہ کرسمس جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات بیان کرنے کے نام پر شروع ہوا تھا اب وہ عام جشن کی طرح ایک جشن بن گیا اور اسکا نتیجہ یہ ہے کہ ناچ گانا اس میں، موسیقی اس میں، شراب نوشی اس میں، قمار بازی اور جوا اس میں، گویا کہ اب دنیا بھر کی ساری خرافات کرسمس میں شامل ہوگئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پیچھے رہ گئیں۔

کرسمس کا انجام

اب آپ دیکھ لیجئے کہ مغربی ممالک میں جب کرسمس کا دن آتا ہے تو اس میں کیا طوفان برپا ہوتا ہے اس ایک دن میں اتنی شراب پی جاتی ہے کہ پورے سال اتنی شراب نہیں پی جاتی اس ایک دن میں اتنے حادثات ہوتے ہیں کہ پورے سال اتنے

حادثات نہیں ہوتے اسی ایک دن میں عورتوں کی عصمت دری اتنی ہوتی ہے کہ پورے سال اتنی نہیں ہوتی اور یہ سب کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یوم پیدائش کے نام پر ہو رہا ہے۔

میلاد النبی کی ابتدا

(اللہ تعالیٰ انسان کی نفسیات اور اسکی کمزوریوں سے واقف ہیں، اللہ تعالیٰ یہ جانتے تھے کہ اگر اسکو ذرا سا شوشہ دیا گیا تو یہ کہاں سے کہاں بات کو پہونچا ئے گا اس واسطے کسی کے دن منانے کا کوئی تصور ہی نہیں رکھا)۔ جس طرح کرسمس کے ساتھ ہوا اسی طرح یہاں بھی ہوا کہ کسی بادشاہ کے دل میں خیال آگیا کہ جب عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش مناتے ہیں تو ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش کیوں نہ منائیں؟ چنانچہ یہ کہکر اس بادشاہ نے میلاد کا سلسلہ شروع کردیا، شروع میں یہاں بھی یہی ہوا کہ میلاد ہوا جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بیان ہوا اور کچھ نعتیں پڑھی گئیں لیکن اب آپ دیکھ لیں کہ کہاں تک نوبت پہنچ چکی ہے۔

یہ ہندوانہ جشن ہے

یہ تو حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ چودہ سو سال گزرنے کے باوجود الحمدللہ وہاں تک ابھی نوبت نہیں پہونچی جس طرح عیسائیوں کے یہاں پہونچ چکی ہے لیکن اب بھی دیکھ لو کہ سڑکوں پر کیا ہو رہا ہے؟ کس طرح روضۂ اقدس کی شبیہیں کھڑی کی ہوئی ہیں، کس طرح کعبہ شریف کی شبیہیں کھڑی کی ہوئی ہیں، کس طرح لوگ اسکے اردگرد طواف کر رہے ہیں، کس طرح اسکے چاروں طرف ریکارڈنگ ہو رہی ہے، کس طرح چراغاں کیا جارہا ہے اور کس طرح جھنڈیاں سجائی جارہی ہیں، معاذاللہ ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ یہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا

کوئی جشن نہیں ہے بلکہ جیسے ہندوؤں اور عیسائیوں کے عام جشن ہوتے ہیں اس طرح کا کوئی جشن ہے اور رفتہ رفتہ ساری خرابیاں اس میں جمع ہو رہی ہیں۔

یہ اسلام کا طریقہ نہیں ہے

سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ سب کچھ دین کے نام پر ہو رہا ہے اور یہ سب کچھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام پر ہو رہا ہے اور سب کچھ یہ سوچ کر ہو رہا ہے کہ یہ بڑے اجر و ثواب کا کام ہے اور یہ خیال کر رہے ہیں کہ آج ۱۲ ربیع الاول کو چراغاں کرکے اور اپنی عمارتوں کو روشن کرکے اور اپنے راستوں کو سجا کر ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا حق ادا کر دیا اور اگر ان سے پوچھا جائے کہ آپ دین پر عمل نہیں کرتے؟ تو جواب دیتے ہیں کہ ہمارے یہاں تو میلاد ہوتا ہے، ہمارے یہاں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یوم پیدائش پر چراغاں ہوتا ہے۔ اس طرح دین کا حق ادا ہو رہا ہے حالانکہ یہ طریقہ اسلام کا طریقہ نہیں ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں ہے، آپ کے صحابہ کرامؓ کا طریقہ نہیں ہے، اور اگر اس طریقے میں خیر و برکت ہوتی تو ابو بکر صدیق، فاروق اعظم عثمان غنی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم اس سے چوکنے والے نہیں تھے۔

بنیئے سے سیانا سو باؤلا

میرے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ ہندی زبان کی ایک مثل اور کہاوت سنایا کرتے تھے کہ ان کے یہاں یہ کہاوت بہت مشہور ہے کہ "بنیئے سے سیانا سو باؤلا" یعنی اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں تجارت میں بنیئے سے زیادہ سیانا اور ہوشیار ہوں اور اس سے زیادہ تجارت جانتا ہوں تو وہ باؤلا اور پاگل ہے اس لئے کہ حقیقت میں تجارت کے اندر کوئی شخص بنیئے سے زیادہ سیانا نہیں ہو سکتا۔ یہ کہاوت سنانے

کے بعد حضرت والد صاحب فرماتے تھے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں صحابہ کرام سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق ہوں اور صحابہ کرامؓ سے زیادہ محبت رکھنے والا ہوں وہ حقیقت میں پاگل ہے، بیوقوف اور احمق ہے اسلئے کہ صحابہ کرام سے بڑا عاشق اور محب کوئی اور نہیں ہو سکتا

آپ کا مقصد بعثت کیا تھا

صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ نہ جلوس ہے نہ جلسہ ہے، نہ چراغاں ہے، نہ جھنڈی ہے، نہ سجاوٹ ہے لیکن ایک چیز ہے وہ یہ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ زندگیوں میں رچی ہوئی ہے، انکا ہر دن سیرت طیبہ کا دن ہے انکا ہر لمحہ سیرت طیبہ کا لمحہ ہے، انکا ہر کام سیرت طیبہ کا کام ہے، کوئی کام ایسا نہیں تھا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے خالی ہو چونکہ وہ جانتے تھے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسلئے دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے کہ اپنا دن منوائیں اور اپنی تعریفیں کروائیں، اپنی شان میں قصیدے پڑھوائیں۔ خدا نہ کرے اگر یہ مقصود ہوتا تو جس وقت کفار مکہ نے آپکو یہ پیش کش کی تھی کہ اگر آپ سردار بننا چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار بنانے کے لئے تیار ہیں، اگر آپ مال و دولت کے طلبگار ہیں تو مال و دولت کے ڈھیر آپکے قدموں میں لانے کے لئے تیار ہیں، اگر آپ حسن و جمال کے طلب گار ہیں تو عرب کا منتخب حسن و جمال آپکی خدمت میں نذر کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ آپ اپنی تعلیمات کو چھوڑ دیں اور یہ دعوت کا کام چھوڑ دیں۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چیزیں مطلوب ہوتیں تو آپ انکی پیش کش کو قبول کر لیتے۔ سرداری بھی ملتی روپیہ پیسہ بھی مل جاتا اور دنیا کی ساری نعمتیں حاصل ہو جاتیں۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور ایک ہاتھ میں ماہتاب بھی لاکر رکھدو تب بھی اپنی تعلیمات سے ہٹنے والا نہیں ہوں۔

کیا آپ دنیا میں اسلئے تشریف لائے تھے کہ لوگ میرے نام پر عید میلاد النبی منائیں؟ بلکہ آپ کے آنے کا منشا وہ ہے جو قرآن کریم نے اس آیت میں بیان فرمایا کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ
كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا

(سورۃ الاحزاب: ۲۱)

یعنی ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمھارے پاس بہترین نمونہ بنا کر بھیجا ہے تاکہ تم انکی نقل اتارو اور اس شخص کے لئے بھیجا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔

انسان نمونے کا محتاج ہے

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نمونے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب نازل فرمادی تھی ہم اسکو پڑھکر اسکے احکام پر عمل کر لیتے بات دراصل یہ ہے کہ نمونے بھیجنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ انسان کی فطرت اور جبلت یہ ہے کہ صرف کتاب اسکی اصلاح کے لئے اور اسکو کوئی فن اور کوئی علم و ہنر سکھانے کے لئے کافی نہیں ہوتی بلکہ انسان کو سکھانے کیلئے کسی مربی کے عملی نمونہ کی ضرورت ہوتی ہے، جب تک نمونہ سامنے نہیں ہوگا اس وقت تک محض کتاب پڑھنے سے کوئی علم اور کوئی فن نہیں آسکے گا یہ چیز اللہ تعالیٰ نے اسکی فطرت میں داخل فرمائی ہے

ڈاکٹر کے لئے "ہاؤس جاب" لازم کیوں؟

ایک انسان اگر یہ سوچے کہ میڈیکل سائنس کی کتابیں لکھی ہوئی ہیں میں ان کتابوں کو پڑھکر دوسروں کا علاج شروع کردوں وہ پڑھنا بھی جانتا ہے سمجھدار بھی ہے، ذہین بھی ہے اور اس نے کتابیں پڑھ کر علاج شروع کردیا تو وہ سوائے قبرستان آباد کرنے کے کوئی اور خدمت

انجام نہین دے گا۔

چنانچہ دنیا بھر کا قانون یہ ہے کہ اگر ے ایم بی بی ایس کی ڈگری حاصل کرلی اسکو اس وقت تک عام پریکٹس کرنے کی اجازت نہیں جب تک وہ ایک مدت تک "ہاؤس جاب" نہ کرے، اور جب تک کسی ہسپتال میں کسی ماہر ڈاکٹر کی نگرانی میں عملی نمونہ نہیں دیکھے گا اس وقت تک صحیح ڈاکٹری نہیں کرسکتا اسلئے کہ اس نے اب تک بہت سی چیزوں کو صرف کتاب میں پڑھا ہے ابھی اسکے عملی نمونے سامنے نہیں آئے اب مرض کتابی تفصیل کے ساتھ، اسکی عملی صورت مریض کی شکل میں دیکھکر اسے صحیح معنی میں علاج کرنا آئے گا اسکے بعد اسکو عام پریکٹس کی اجازت دے جائے گی۔

کتاب پڑھ کر قورمہ نہیں بنا سکتے

کھانے پکانے کی کتابیں بازار میں چھپی ہوئی موجود ہیں اور ان میں ہر چیز کی ترکیب لکھی ہوئی ہے کہ بریانی اس طرح بنتی ہے، پلاؤ اس طرح بنتا ہے، کباب اس طرح بنتے ہیں، قورمہ اس طرح بنتا ہے، اب ایک آدمی ہے جس نے آج تک کبھی کھانا نہیں بنایا کتاب سامنے رکھکر اور اس میں ترکیب پڑھکر قورمہ بنالے، خدا جانے وہ کیا چیز تیار کرے گا۔ ہاں اگر کسی استاذ اور جاننے والے نے اسکو سامنے بٹھاکر بتادیا کہ دیکھو قورمہ اس طرح بنتا ہے اور اسکی عملی تربیت دیدی پھر وہ شاندار طریقے سے بنالے گا۔

تنہا کتاب کافی نہیں

معلوم ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کی فطرت یہ رکھی ہے کہ جب تک کسی مربی کا عملی نمونہ اسکے سامنے نہ ہو اس وقت تک وہ صحیح راستے پر صحیح طریقہ پر نہیں آسکتا اور کوئی علم وفن صحیح طور پر نہیں سیکھ سکتا۔ اس واسطے اللہ تعالےٰ نے انبیاء علیہم السلام کا جو سلسلہ جاری فرمایا وہ درحقیقت اسی مقصد کو بتانے

کے لئے تھا کہ ہم نے کتاب تو بھیج دی لیکن تنہا کتاب تمھاری رہنمائی کے لئے کافی نہیں ہوگی جب تک اس کتاب پر عمل کرنے کے لئے نمونہ تمھارے سامنے نہو اس لئے قرآن کریم یہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس غرض کے لئے بھیجا ہے کہ تم یہ دیکھو کہ قرآن کریم تو ہماری تعلیمات ہیں اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ، ہماری تعلیمات پر عمل کرنے کا نمونہ ہیں

تعلیمات نبوی کا نور درکار ہے

قرآن کریم نے ایک اور جگہ پر کیا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ :-

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ (سورۂ مائدہ : ۱۵)

یعنی تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تو کھلی کتاب یعنی قرآن آیا ہے اور اسکے ساتھ ایک نور آیا ہے اس سے اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ اگر کسی کے پاس کتاب موجود ہے اور کتاب میں سب کچھ لکھا ہے لیکن اسکے پاس روشنی نہیں ہے نہ سورج کی روشنی ہے، نہ دن کی روشنی نہ بجلی کی روشنی ہے نہ چراغ کی روشنی بلکہ اندھیرا ہے اسلئے اب روشنی کے بغیر اس کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اسی طرح اگر دن کی روشنی موجود ہے بجلی کی روشنی موجود ہے لیکن آنکھ کی روشنی نہیں ہے تب بھی کتاب سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا لہٰذا جس طرح روشنی کے بغیر کتاب سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا اسی طرح ہم نے قرآن کریم کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نور بھیجا ہے جب تک تعلیمات کا یہ نور تمھارے پاس نہیں ہوگا تم قرآن شریف نہیں سمجھ سکو گے اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ تمھیں نہیں آئے گا -

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سراپا نور ہیں

اب بعض اہل اور نا قدر شناس لوگ ان آیات کا یہ مطلب نکال لیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی اعتبار سے بشر

نہیں تھے بلکہ "نور" تھے۔ ارے یہ تو دیکھو کہ یہ بجلی کا نور، یہ ٹیوب لائٹ کا نور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے نور کے آگے کیا حیثیت رکھتا ہے؟ درحقیقت اس آیت میں یہ بتلانا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تعلیم دے رہے ہیں یہ وہ نور ہے جس کے ذریعے تم کتاب مبین پر صحیح صحیح عمل کرسکو گے اور اس نمونہ کے بغیر تمہیں صحیح طرح عمل کرنے میں دشواری ہوگی اللہ تعالیٰ نے آپکو اس لئے مبعوث فرمایا کہ آپ کی تعلیمات کا نور کتاب اللہ کی عملی تشریح کرے گا، یہ تمہیں تربیت دے گا اور تمہارے سامنے ایک عملی نمونہ پیش کرکے دکھائے گا کہ یہ دیکھو اللہ کی کتاب پر اس طرح عمل کیا جاتا ہے اور اب ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ایک مکمل اور کامل نمونہ بنادیا، یہ ایسا نمونہ ہے کہ انسانیت اسکی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اور یہ نمونہ اس لئے بھیجا کہ تم اسکو دیکھو اور اسکی نقل اتارو، تمہارا کام بس یہی ہے۔

آپ کی ذات ہر شعبۂ زندگی کا نمونہ تھی

اگر تم باپ ہو تو یہ دیکھو کہ فاطمہؓ کے باپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کرتے تھے؟ اگر تم شوہر ہو تو یہ دیکھو کہ عائشہؓ اور خدیجہؓ کے شوہر (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کرتے تھے؟ اگر تم حاکم ہو تو یہ دیکھو کہ مدینہ کے حاکم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کس طرح حکومت کی؟ اگر تم مزدور ہو تو یہ دیکھو کہ مکہ کی پہاڑیوں پر بکریاں چرانے والے مزدور (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کرتے تھے؟ اگر تم تاجر ہو تو یہ دیکھو کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی تجارت میں کیا طریقہ اختیار فرمایا؟ آپ نے تجارت بھی کی زراعت بھی کی۔ مزدوری بھی کی سیاست بھی کی، معیشت بھی کی زندگی کا کوئی شعبہ نہیں چھوڑا جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نمونہ کے طور پر موجود نہ ہو۔ بس تم اس نمونے کو دیکھو اسکی پیروی کرو اسی مقصد کے لئے ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے اس لئے نہیں بھیجا کہ آپ کا یوم پیدائش منایا جائے اس لئے

نہیں بھیجا کہ آپ کا جشن منا کر یہ سمجھ لیا جائے کہ ہم نے انکا حق ادا کر دیا بلکہ اسلئے بھیجا کہ انکی ایسی اتباع کرو جیسی صحابہ کرام رضوان تعالے علیہم اجمعین نے اتباع کر کے دکھائی۔

مجلس کا ایک ادب

صحابہ کرام کو ہر آن اس بات کا دھیان تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کس طرح ہو؟ صحابہ کرامؓ ویسے ہی صحابہ کرامؓ نہیں بن گئے۔

سنیئے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے خطبہ کے دوران آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ مسجد کے کناروں پر کھڑے ہوئے ہیں جیسا کہ آجکل بھی آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب کوئی تقریر یا جلسہ ہوتا ہے تو کچھ لوگ کناروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں وہ لوگ نہ تو بیٹھتے ہیں اور نہ جاتے ہیں اس طرح کناروں پر کھڑا ہونا مجلس کے ادب کے خلاف ہے اگر تمہیں سننا ہے تو بیٹھ جاؤ اور اگر نہیں سننا ہے تو جاؤ اپنا راستہ دیکھو، اس لئے کہ اس طرح کھڑے ہونے سے بولنے والے کا ذہن بھی تشویش میں مبتلا ہوتا ہے اور سننے والوں کا ذہن بھی انتشار کا شکار رہتا ہے۔

اتباع ہو تو ایسی ہو

بہر حال آنحضرت صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کناروں پر کھڑے ہوئے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ "بیٹھ جاؤ" جس وقت آپؐ نے یہ حکم دیا اس وقت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ باہر سڑک پر تھے اور مسجد نبوی کی طرف آ رہے تھے اور ابھی مسجد میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ اس وقت انکے کان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز آئی کہ " بیٹھ جاؤ " آپ وہیں سڑک پر بیٹھ گئے خطبہ کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے تو بیٹھنے کا حکم ان لوگوں کو دیا تھا جو یہاں مسجد کے کناروں

پر کھڑے ہوئے تھے لیکن تم تو سڑک پر تھے اور سڑک پر بیٹھنے کو تو میں نے نہیں کہا تھا تم وہاں کیوں بیٹھ گئے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جب حضور (اقدس صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ ارشاد کان میں پڑ گیا کہ "بیٹھ جاؤ" تو پھر عبداللہ بن مسعود کی مجال نہیں تھی کہ وہ ایک قدم آگے بڑھائے۔

اور یہ بات نہیں تھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس بات کو جانتے نہیں تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سڑک پر بیٹھنے کا حکم نہیں دے رہے تھے بلکہ اصل بات یہ تھی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کان میں پڑ گیا کہ "بیٹھ جاؤ" تو اب اسکے بعد قدم نہیں اٹھ سکتا صحابہ کرام کی اتباع کا یہ حال تھا ویسے ہی صحابہ کرامؓ نہیں بن گئے تھے عشق محبت کے دعوے دار تو بہت ہیں لیکن ان صحابہ کرام جیسا عشق کوئی لیکر تو آئے۔

میدان جنگ میں ادب کا لحاظ

میدان احد میں حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تیر برسائے جارہے ہیں، تیروں کی بارش ہورہی ہے حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ یہ چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آڑ بن جائیں لیکن اگر ان تیروں کی طرف سینہ کرکے آڑ بنتے ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہوجاتی ہے اور یہ گوارا نہیں کہ میدان جنگ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہوجائے چنانچہ آپ نے اپنا سینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور پشت کفار کے تیروں کی طرف کردی اور اسطرح تیروں کو اپنی پشت پر لے رہے تاکہ جنگ کے میدان میں بھی یہ ادبی نہ ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت ہوجائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مسجد نبوی سے بہت دور مکان لے لیا تھا وہاں رہنے لگے تھے اور دوری کی وجہ سے وہاں سے روزانہ مسجد نبوی میں حاضری دینا مشکل تھا چنانچہ انکے قریب ایک صاحب رہتے تھے ان سے یہ طے کرلیا تھا کہ ایک دن تم مسجد نبوی چلے جایا کرو اور ایک دن میں جایا کروں گا جس دن تم جاؤ اس دن واپس آکر مجھے بتانا کہ آج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا باتیں ارشاد فرمائیں اور جب میں جایا کروں گا تو میں واپس آکر تمھیں بتا دیا کروں گا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا باتیں ارشاد فرمائیں تاکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی کوئی بات چھوٹنے نہ پائے اس طرح صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور سنتوں پر جان دی۔

اپنے آقا کی سنت نہیں چھوڑ سکتا

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے موقع پر معاملات طے کرنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی بنکر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے وہاں جاکر اپنے چچازاد بھائی کے گھر ٹھیر گئے اور جب صبح کے وقت مکہ کے سرداروں سے مذاکرات کے لئے گھر سے جانے لگے تو اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا پاجامہ ٹخنوں سے اوپر آدھی پنڈلی تک تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ تھا کہ ٹخنوں سے نیچے تو ازار لٹکانا بالکل ناجائز ہے اگر ٹخنوں سے اوپر ہو تو جائز ہے لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول اور عادت یہ تھی کہ آپ آدھی پنڈلی تک اپنا ازار رکھتے تھے اس سے نیچے نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی نے کہا کہ جناب عربوں کا دستور یہ ہے کہ جس شخص کا ازار اور تہبند جتنا لٹکا ہوا ہو

اتنا ہی اس آدمی کو بڑا سمجھا جاتا ہے اور سردار قسم کے لوگ اپنی ازار کو لٹکا کر رکھتے ہیں اس لئے اگر آپ اپنی ازار اس طرح اونچی پہن کر ان لوگوں کے پاس جائیں گے تو اس صورت میں انکی نظروں میں آپکی وقعت نہیں ہوگی اور مذاکرات میں جان نہیں پڑے گی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جب اپنے چچا زاد بھائی کی باتیں سنیں تو ایک ہی جواب دیا، فرمایا کہ

لَا! هٰكَذَا اِزْرَةُ صَاحِبِنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نہیں، میں اپنا ازار اس سے نیچا نہیں کرسکتا میرے آقا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار ایسا ہی ہے۔ یعنی اب یہ لوگ مجھے اچھا سمجھیں یا برا سمجھیں میری عزت کریں یا بے عزتی کریں، جو چاہیں کریں مجھے اسکی کوئی پرواہ نہیں میں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار دیکھ چکا ہوں اور آپ کا جیسا ازار ہے ویسا ہی میرا رہے گا اسے میں تبدیل نہیں کرسکتا۔

ان احمقوں کی وجہ سے سنت چھوڑ دوں؟ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فاتح ایران

جب ایران میں کسریٰ پر حملہ کیا گیا تو اس نے مذاکرات کے لئے آپ کو اپنے دربار میں بلایا آپ وہاں تشریف لے گئے جب وہاں پہونچے تو تواضع کے طور پر پہلے انکے سامنے کھانا لاکر رکھا گیا چنانچہ آپ نے کھانا شروع کیا کھانے کے دوران آپ کے ہاتھ سے ایک نوالہ نیچے گر گیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر نوالہ نیچے گر جائے تو اسکو ضایع نہ کرو وہ اللہ کا رزق ہے اور یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے رزق کے کون سے حصے میں برکت رکھی ہے اسلئے اس نوالہ کی ناقدری نہ کرو بلکہ اسکو اٹھالو، اگر اسکے اوپر کچھ مٹی لگ گئی ہے تو اسکو صاف کرلو اور پھر کھالو، چنانچہ جب نوالہ نیچے گرا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث یاد آگئی اور آپنے اس نوالہ کو اٹھانے کے لئے نیچے ہاتھ بڑھایا آپ کے برابر ایک صاحب بیٹھے تھے

انھوں نے آپکو کہنی مار کر اشارہ کیا کہ یہ کیا کر رہے ہو یہ تو دنیا کی سپر طاقت کسریٰ کا دربار ہے اگر تم اس دربار میں زمین پر گرا ہوا نوالہ اٹھا کر کھاؤ گے تو ان لوگوں کے ذہنوں میں تمھاری وقعت نہیں رہیگی اور یہ سمجھیں گے کہ یہ بڑے ندیدہ قسم کے لوگ ہیں اسلئے یہ نوالہ اٹھا کر کھانے کا موقع نہیں ہے آج اسکو چھوڑ دو۔

جواب میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے کیا عجیب جملہ ارشاد فرمایا کہ

أَأَتْرُكُ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِهٰؤُلَاءِ الْحَمْقٰى ؟

کیا میں ان احمقوں کی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دوں چاہے یہ اچھا سمجھیں یا برا سمجھیں، عزت کریں یا ذلت کریں یا مذاق اڑائیں، لیکن میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔

کسریٰ کے غرور کو خاک میں ملادیا

اب بتائیے کہ انھوں نے اپنی عزت کرائی یا آج ہم سنتیں چھوڑ کر کروا رہے ہیں عزت انھوں نے ہی کرائی اور ایسی عزت کرائی کہ ایک طرف تو سنت پر عمل کرتے ہوئے نوالہ اٹھا کر کھایا اور دوسری طرف ایران کے وہ کج کلاہ جو غرور کے مجسمے بنے ہوئے تھے انکا غرور ایسا خاک میں ملایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ

إِذَا هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ

کہ جس دن یہ کسریٰ ہلاک ہوا اسکے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہے، دنیا سے اسکا نام و نشان مٹ گیا۔

اپنا لباس نہیں چھوڑیں گے

اس واقعہ سے پہلے یہ ہوا کہ حضرت حذیفہؓ بن یمان اور حضرت ربعیؓ بن عامر

رضی اللہ عنہما جب مذاکرات کے لئے جانے لگے اور کسریٰ کے محل میں داخل ہونے لگے تو اس وقت وہ اپنا وہی سیدھا سادہ لباس پہنے ہوئے تھے چونکہ لمبا سفر کر کے آئے تھے اسلئے ہو سکتا ہے کہ وہ کپڑے کچھ میلے بھی ہوں دربار کے دروازے پر جو دربان تھا اس نے آپکو اندر جانے سے روک دیا اس نے کہا کہ تم اتنے بڑے بادشاہ کسریٰ کے دربار میں ایسے لباس میں جا رہے ہو؟ اور یہ کہکر اس نے ایک جبہ دیا کہ آپ یہ جبہ پہنکر جائیں حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے اس دربان سے کہا کہ اگر کسریٰ کے دربار میں جانے کے لئے اسکا دیا ہوا جبہ پہننا ضروری ہے تو پھر ہمیں اسکے دربار میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں اگر ہم جائیں گے تو اسی لباس میں جائیں گے اور اگر اس لباس میں ملنا منظور نہیں تو پھر ہمیں بھی اس سے ملنے کا کوئی شوق نہیں لہٰذا ہم واپس جا رہے ہیں۔

تلوار دیکھ لی بازو بھی دیکھ

اس دربان نے اندر پیغام بھیجا کہ یہ عجیب قسم کے لوگ آئے ہیں جو جبہ لینے کو بھی تیار نہیں۔ اس دوران حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ اپنی تلوار کے اوپر لپٹی ہوئی کترنوں کو درست کرنے لگے جو تلوار کے ٹوٹے ہوئے حصے پر لپٹی ہوئی تھیں۔ اس چوکیدار نے تلوار دیکھکر کہا ذرا مجھے اپنی تلوار تو دکھاؤ آپ نے وہ تلوار اسکو دیدی اس نے وہ تلوار دیکھکر کہا کیا تم اسی تلوار سے ایران فتح کرو گے؟ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابھی تک تم نے صرف تلوار دیکھی ہے تلوار چلانے والا ہاتھ نہیں دیکھا، اس نے کہا کہ اچھا ہاتھ بھی دکھا دو، حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاتھ دیکھنا چاہتے ہو تو ایسا کرو کہ تمھارے پاس تلوار کا وار روکنے والی جو سب سے زیادہ مضبوط ڈھال ہو وہ منگوالو اور پھر میرا ہاتھ دیکھو، چنانچہ وہاں جو سب سے مضبوط لوہے کی ڈھال تھی جس کے

بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ کوئی تلوار اسکو نہیں کاٹ سکتی وہ منگوائی گئی حضرت ربعی بن عامرؓ نے فرمایا کہ کوئی شخص اسکو لیکر میرے سامنے کھڑا ہو جائے چنانچہ ایک آدمی اس ڈھال کو لیکر کھڑا ہوگیا تو حضرت ربعی بن عامرؓ نے وہ تلوار جس پر کترنیں لپٹی ہوئی تھیں اسکا ایک وار جو کیا تو اس ڈھال کے دو ٹکڑے ہو گئے سب لوگ یہ نظارہ دیکھکر حیران رہ گئے کہ خدا جانے یہ کیسی مخلوق آگئی ہے

یہ ہیں فاتح ایران

بہرحال اسکے دربان نے اندر پیغام بھیجا کہ یہ ایک عجیب جو نہ ہمارا دیا ہوا لباس پہنتی ہے اور انکی تلوار بظاہر ٹوٹی پھوٹی نظر آتی ہے لیکن اس نے ڈھال کے دو ٹکڑے کر دیئے چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد انکو اندر بلوایا گیا۔ کسریٰ کے دربار کا دستور یہ تھا کہ وہ خود تو کرسی پر بیٹھا رہتا تھا اور سارے درباری سامنے کھڑے رہتے تھے۔ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے کسریٰ سے کہا کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے پیروکار ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا ہے کہ ایک آدمی بیٹھا رہے اور باقی آدمی اسکے سامنے کھڑے لہٰذا ہم اس طرح سے مذاکرات کرنے کے لئے تیار نہیں یا تو ہمارے لئے بھی کرسیاں منگوائی جائیں یا کسریٰ بھی ہمارے سامنے کھڑا ہو۔ کسریٰ نے جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ تو ہماری توہین کرنے کے لئے آگئے تو اس نے حکم دیا کہ ایک مٹی کا ٹوکرا بھرکر ان کے سر پر رکھکر انکو واپس روانہ کردو میں ان سے بات نہیں کرتا چنانچہ ایک مٹی کا ٹوکرا انکو دیدیا گیا۔ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ جب دربار سے نکلنے لگے تو جاتے ہوئے یہ کہا کہ "اے کسریٰ یہ بات یاد رکھنا کہ تم نے ایران کی مٹی ہمیں دے دی" یہ کہکر روانہ ہوگئے۔ ایرانی لوگ بڑے توہم پرست قسم کے لوگ تھے انھوں نے سوچا کہ یہ جو کہا کہ "ایران کی مٹی ہمیں دیدی یہ تو بڑی بدفالی ہوگئی۔ اب کسریٰ نے فوراً ایک آدمی انکے پیچھے دوڑایا کہ جاؤ جلدی سے وہ مٹی کا ٹوکرا واپس لے آؤ، اب حضرت ربعی بن عامر

رضی اللہ عنہ کہاں ہاتھ آنے والے تھے چنانچہ وہ لے جاتے میں کامیاب ہو گئے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا تھا کہ ایران کی مٹی انہیں ٹوٹی ہوئی تلوار والوں کے ہاتھ میں ہے۔

آج مسلمان ذلیل کیوں؟

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے اتباع میں، آپکی سنتوں کی تعمیل میں ان حضرات صحابہؓ نے دنیا بھر میں اپنا لوہا منوایا اور آج ہم پر یہ خوف مسلط ہے کہ اگر فلاں سنت پر عمل کر لیا تو لوگ کیا کہیں گے، اگر فلاں سنت پر عمل کر لیا تو دنیا والے مذاق اڑائیں گے، انگلینڈ مذاق اڑائے گا، فلاں ملک والے مذاق اڑائیں گے، اسکا نتیجہ یہ ہے کہ ساری دنیا میں آج ذلیل ہو رہے آج دنیا کی ایک تہائی آبادی مسلمانوں کی ہے، آج دنیا میں جتنے مسلمان ہیں اتنے مسلمان اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے اور آج مسلمانوں کے پاس جتنے وسائل ہیں اتنے وسائل اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئے لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ تمھاری تعداد تو بہت ہو گی لیکن تم ایسے ہو گے جیسے سیلاب میں بہتے ہوئے تنکے ہوتے ہیں جنکا اپنا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوتا آج ہمارا یہ حال ہے کہ اپنے دشمنوں کو راضی کرنے کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ اپنے اخلاق چھوڑے، اپنے اعمال چھوڑے، اپنی سیرتیں چھوڑیں، اپنے کردار چھوڑے اور اپنی صورت تک بدل ڈالی، سر سے لیکر پاؤں تک انکی نقل اتار کر دکھا دیا کہ ہم تمھارے غلام ہیں لیکن وہ پھر بھی خوش نہیں ہیں اور روزانہ پٹائی کرتے ہیں۔ کبھی اسرائیل پٹائی کر رہا ہے کبھی کوئی دوسرا ملک پٹائی کر رہا ہے لہٰذا ایک مسلمان جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دے گا تو یاد رکھو اس کے لئے ذلت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ہنسے جانے سے جب تک ڈرو گے ایک شاعر گزرے ہیں اسعد ملتانی مرحوم

انھوں بڑے اچھے حکیمانہ شعر کہے ہیں فرماتے ہیں کہ ؎

کسی کا آستاں اونچا ہے اتنا
کہ سر جھک کر بھی اونچا ہی رہے گا
ہنسے جانے سے تم جب تک ڈرو گے
زمانہ تم پہ ہنستا ہی رہے گا

جب تک تم اس بات سے ڈرو گے کہ فلاں شخص کا فلاں مذاق اڑا لے گا تو زمانہ ہنستا ہی رہیگا۔ اور دیکھو لو کہ ہنس رہا ہے اور اگر تم نے نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک پر اپنا سر رکھ دیا اور آپکی سنتوں کی اتباع کر لی تو پھر دیکھو کہ دنیا تمھاری کیسی عزت کرتی ہے

صاحب ایمان کے لئے اتباع سنت لازم ہے

یہاں ایک بات اور عرض کر دوں وہ یہ کہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ سنتیں چھوڑنے سے ذلت ہوتی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سارے کفار و مشرکین امریکہ اور دوسرے یورپی ممالک والے سب نے سنتیں چھوڑ رکھی ہیں اور اس کے باوجود وہ خوب ترقی کر رہے ہیں اور خوب انکی عزت ہو رہی ہے، انکو کیوں ترقی ہو رہی ہے؟

بات اصل میں یہ ہے کہ تم صاحب ایمان ہو، تم نے محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا ہے تم جب تک انکے قدموں پر سر نہیں رکھو گے اسوقت تک اس دنیا میں تمھاری پٹائی ہوتی رہے گی اور تمھیں عزت حاصل نہیں ہوگی، کافروں کے لئے تو صرف دنیا ہی دنیا ہے وہ اس دنیا میں ترقی کریں، عزت کرائیں جو چاہیں کرائیں، تم اپنے آپکو ان پر قیاس مت کرو۔ چودہ سو سال کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں جب تک مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کیا اسوقت تک عزت بھی

پائی شوکت بھی حاصل کی، اقتدار بھی حاصل کیا لیکن جب سے سنتیں چھوڑ دی ہیں اس وقت سے دیکھ لو کیا حالت ہے۔

اپنی زندگی کا جائزہ لیں

بہر حال تقریریں تو ہوتی رہتی ہیں، جلسے بھی ہوتے رہتے ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس تقریر کے نتیجے میں ہمارے اندر کیا فرق واقع ہوا اس لئے آج ایک کام کا عہد کریں کہ ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کون سی سنت پر عمل کر رہے ہیں اور کون سی سنت پر عمل نہیں کر رہے ہیں اور کون سی سنت ایسی ہے جس پر ہم فوراً عمل شروع کر سکتے ہیں اور کون سی سنت ایسی ہے جس میں تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے لہٰذا جو سنت ایسی ہے جس پر ہم فوراً عمل شروع کر سکتے ہیں وہ آج سے شروع کر دیں اور اسکا اہتمام کریں۔

اللہ کے محبوب بن جاؤ

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جب بیت الخلا یا غسل خانہ میں داخل ہو رہے ہو، بایاں پیر پہلے داخل کر دو اور داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لو اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ اور یہ نیت کر لو کہ یہ کام میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کر رہا ہوں بس پھر جس وقت یہ کام کرو گے اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہو جائیگی اسلئے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں فرمایا۔

فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (سورۃ آل عمران: ۳۱)

"اگر تم میری اتباع کرو گے تو اللہ تعالےٰ تمھیں اپنا محبوب بنا لیں گے" لہٰذا اگر چھوٹے چھوٹے کام سنت کا لحاظ کرتے ہوئے کرلئے جائیں، بس محبوبیت حاصل ہونے لگے گی اور جب سراپا اتباع بنجاؤ گے تو کامل محبوب ہو جاؤ گے ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے میں سنے مدتوں

اس بات کی ریاضت اور مشق کی ہے کہ گھر میں داخل ہوا کھانا سامنے چُنا ہوا ہے بھوک شدت کی لگی ہوئی ہے اور کھانے کو دل چاہ رہا ہے لیکن ایک لمحہ کے لئے رک گئے کہ کھانا نہیں کھائیں گے پھر دوسرے لمحہ دل میں خیال لائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت تھی کہ جب آپ کے سامنے اچھا کھانا آتا تھا تو آپ اللہ تبارک و تعالےٰ کا شکر ادا کر کے کھا لیتے تھے اب ہم بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں کھانا کھائیں گے، لہٰذا اب جو کھانا کھایا وہ حضور اقدس صلی علیہ وسلم کی اتباع میں کھایا اور اس پر اللہ تعالےٰ کی محبوبیت بھی حاصل ہو گئی اور طبیعت بھی سیر بھی ہو گئی۔

یہ عمل کر لیں

گھر میں داخل ہوئے اور بچہ کھیلتا ہوا اچھا معلوم ہوا اور دل چاہا کہ اسکو گود میں اٹھا لیں لیکن ایک لمحہ رک گئے کہ نہیں اٹھائیں گے پھر دوسرے لمحے دل میں یہ خیال لائے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں پر شفقت فرماتے ہوئے انکو گود میں اٹھا لیا کرتے تھے میں بھی آپکی اتباع میں بچے کو گود میں اٹھاؤنگا چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں جب بچے کو اٹھایا تو یہ عمل اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا ذریعہ بن گیا۔ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جس میں اتباع سنت کی نیت نہ کر سکتے ہوں، آپ کی سنتوں پر کتاب چھپی ہوئی ہے" اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" وہ کتاب سامنے رکھ لیں ایک ایک سنت دیکھتے جائیں اور اپنی زندگی میں داخل کرتے جائیں پھر دیکھو گے انشاء اللہ ان سنتوں کا کیسا نور حاصل ہوتا ہے اور پھر تمھارا ہر دن سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دن ہوگا اور ہر لمحہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا لمحہ ہوگا۔ اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

ترکِ مالایعنی

(آخری قسط)

طریق تسلیم و تفویض

اس طریق میں تسلیم و تفویض بہت ضروری ہے بدون اس کے کام نہیں چل سکتا بشرطیکہ شیخ کوئی گناہ نہ کروائے ہاں مباحات و مستحبات اسکی قلمرو میں ہیں ان میں وہ جسطرح چاہے تصرف کرے اسے اختیار ہے، اگر وہ کسی مستحب کام سے روک دے تو اس میں اسکی اطاعت لازم ہے کیونکہ وہ تم کو ایک مستحب سے روک کر اس سے کسی افضل اور ضروری کام لگائے گا اس راستہ میں نفس و شیطان کے مکائد بہت دقیق ہوتے ہیں بعض دفعہ شیطان ایک مستحب کام کی رغبت دلاتا ہے مگر اسکا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس میں مشغول ہو کر دوسرے اہم اور ضروری کام سے یہ رہ جائے۔ گناہ کی رغبت تو وہ سالک کو اس لئے نہیں دلاتا کہ جانتا ہے کہ گناہ کا وسوسہ ڈالنے سے یہ فوراً سمجھ جائے گا کہ یہ وسوسۂ شیطانی ہے اور مستحب کام کی رغبت کو شیطانی وسوسہ ہر شخص نہیں سمجھ سکتا بلکہ ناواقف تو اسکو الہام رحمانی سمجھنے لگتا ہے مگر شیخ کامل سمجھ لیتا ہے کہ بعض دفعہ شیطان بھی مستحب کام کی رغبت دلایا کرتا ہے نہ اس لئے کہ وہ مستحبات سے خوش ہے یا سالک کا مستحبات میں مشغول ہونا اسکو پسند ہے بلکہ اسلئے کہ ایک ادنیٰ مستحب میں اسکو مشغول کر کے اعلیٰ اور اہم کام سے روک دے۔ چنانچہ ایک بار ایک طالب کے قلب پر تقاضا ہوا کہ فلاں جگہ جہاں قتال و جہاد ہو رہا ہے وہاں چل کر خدا کے راستہ میں جان دینا چاہئے وہ بیچارہ اس وقت تک خلوت نشین تھا ذکر و شغل و مجاہدات میں

مشغول تھا کہ دفعتہ ایک دن جہاد کا داعیہ قلب میں پیدا ہوا اب اس خطرہ کو شیطانی وسوسہ کوئی کہہ سکتا تھا ظاہر میں تو بہت اچھا خیال تھا مگر وہ شخص چونکہ سچا طالب تھا اس لئے حق تعالےٰ نے دستگیری کی کہ اس نے اس خطرہ پر عمل نہیں کیا بلکہ حق تعالےٰ سے دعا کی کہ مجھکو اس خطرہ کی حقیقت سے مطلع کردیا جاوے آخر الحاح وزاری کے بعد حقیقت منکشف ہوئی کہ یہ خطرۂ نفسانی ہے تمہارا نفس مجاہدات سے پریشان ہوگیا ہے اس لئے وہ تم کو جہاد کی رغبت دلاتا ہے کہ اس میں ایک دم سے خاتمہ ہو جائے گا یہ روز روز کی مصیبت تو نہ رہے گی ۔ تو آپ نے نفس کی چال دیکھی وہ انکو فرض عین سے فرض کفایہ میں مشغول کرنا چاہتا تھا کیونکہ جہاد کرنے والے اور بہت مسلمان موجود تھے انکے ذمے فرض عین نہ تھا اور اصلاح نفس فرض عین ہے اور اسکی منشا راحت طلبی تھی وہ چاہتا تھا کہ بس جہاد میں جاکر ایک دم سے فیصلہ ہو جائے یہ روز روز کی مشقت اور چکی پیسنا ختم ہو جائے پس نفس وشیطان کے ان مکائد کو شیخ پہچان لیتا ہے اسلئے وہ بعض دفعہ مستحبات سے روک دیتا ہے جس سے اہل ظاہر متوحش ہوتے ہیں کیونکہ وہ حقیقت کو نہیں سمجھتے ۔ میرے ایک دوست نے ذکر وشغل بہت زیادہ کیا دفعۃً انکو شدید قبض طاری ہوا انھوں مجھے اطلاع کی میں نے کہا کہ سب کام چھوڑ دو اور خوب کھاؤ پیو، ہنسو بولو، سیر وتفریح میں مشغول ہو اور لکھنؤ جاکر سیر کرو یا کسی دوسری جگہ کا سفر کرو ۔ اس علاج سے انکو بہت وحشت ہوئی کہ ذکر وشغل چھڑا کر اچھا کام بتلایا مگر باوجود حقیقت سمجھ میں نہ آنے کے انھوں نے اس پر عمل کیا تین چار ہی دن میں بسط تو حاصل ہوگیا اور سارا قبض جاتا رہا، بڑے خوش ہوئے تو یہ بات تھی کہ کثرت مجاہدات سے نفس تھک گیا تھا جیسے بعض دفعہ روز روز مٹھائی کھانے سے جی اکتا جاتا ہے اسلئے تبدیل ذائقہ کی ضرورت تھی جیسے جب

غذا ہضم نہ ہو تو کھانے کے ساتھ چٹنی کھا لیا کرتے ہیں چنانچہ جب نفس کو مجاہدات سے چھڑا کر سیر و تفریح میں مشغول کیا گیا، ذائقہ بدل گیا تو وہ انقباض بھی جاتا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس راز کو خوب سمجھا ہے اسی لئے حدیث میں ہے کہ جب رات کو نماز پڑھتے پڑھتے نیند آنے لگے تو سو جاؤ پھر اٹھکر کام کرنے لگو وَلَنْ يَّمَلَّ اللّٰهُ حَتّٰى تَمَلُّوا (اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتے (یعنی اجر و ثواب عطا فرمانے سے) یہاں تک کہ تم ہی اکتا جاؤ اور عمل چھوڑ بیٹھو)۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ سبق کا تکرار ایسے وقت ختم کرنا چاہیئے جبکہ کچھ شوق باقی رہ جائے مثلاً بارہ دفعہ کہنے کا شوق ہو تو دس بار ہی کہکر ختم کردو تاکہ آئندہ کے لئے شوق باقی رہے اسے اکتا کر ختم نہ کرنا چاہئے اس سے آئندہ کو ہمت ہار جاتی ہے اور اسکی ایک عجیب مثال بیان فرمائی گویا معقول کو محسوس کر دیا، فرمایا دیکھو چکئی پھراتے ہوئے کچھ ڈورا اسکے اوپر لپٹا ہوا چھوڑ دیتے ہیں تاکہ اس ڈورے پر آسانی سے پھر لوٹ آئے اور اگر کبھی غلطی سے سارا ڈورا اتر جاتا ہے تو کپھر وقت سے لوٹتی ہے۔ غرض اسی طرح اور بہت سی نظیریں ہیں جنہیں شیخ مستحبات سے روک کر مباحات میں مشغول کرتا ہے مگر وہ مباحات ہی مالیعنی (یعنی مفید اور ضروری) ہیں۔ اور مستحبات اس شخص کے لئے لایعنی ہوتے ہیں۔ باقی اس کے لئے قواعد ہیں یہ نہیں کہ جب چاہا جو چاہا حکم دے دیا قواعد ضرور ہیں مگر وہ ہر پاس رہنے والے کو بتلائے جائیں اور وہ ان سے کام لینے لگے

عدم مہارت فن

تو عدم مہارت فن کے سبب وہی قصہ ہوگا کہ ایک حکیم صاحب اپنے صاحبزادہ کو ساتھ لیکر ایک مریض کو دیکھنے گئے نبض دیکھکر کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے

آج آپ نے نارنگی کھائی ہے مریض نے اقرار کیا لوٹتے ہوئے صاحبزادہ نے دریافت کیا کہ آپ کو نبض سے یہ کیونکر پتہ چل گیا کہ اس نے نارنگی کھائی ہے؟ حکیم صاحب نے کہا کہ نبض سے تو بس اتنا معلوم ہوا تھا اس نے کوئی چیز قاطع صفرار استعمال کی ہے پھر مجھے پلنگ کے نیچے سے نارنگی کے چھلکے نظر آئے تو میں سمجھ گیا کہ اس نے نارنگی کھائی ہے۔ بس اب صاحبزادہ کہاں اپنے میں تھے بڑے خوش ہوئے کہ ہمکو آج بڑا مسئلہ معلوم ہوا، جب حکیم صاحب مرگئے اور صاحبزادہ کا دور دورہ ہوا تو کسی مریض کے یہاں بلائے گئے آپ کو تو وہ مسئلہ یاد ہی تھا نبض دیکھکر چارپائی پر نظر کی تو ایک نمدہ پڑا ہوا دیکھا کہنے لگے کہ آپ نے آج نمدہ کھایا ہے لوگ اس پر ہنسنے لگے، بیمار نے کہا بھلا نمدہ بھی کوئی کھانے کی چیز ہے جو میں کھا لیتا تو آپ کہنے لگے نبض سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے آج نمدہ کھایا ہے اس نے ملازموں سے کہا کہ اس جاہل کو نکالو اسکی دم میں نمدہ۔ اسی طرح اناڑی آدمی کو اگر یہ قواعد بتائے جائیں گے وہ بھی ایک قاعدہ یاد کرکے سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکے گا باقی محققین نے اس کے لئے اصول وقواعد بیان کئے ہیں اور محقق انکو سمجھکر استعمال بھی کرتا ہے اگرچہ ایسے لوگوں پر عوام نے طعن بھی بہت کئے ہیں مگر مشائخ پر طعن نہیں ہو سکتا وہ جو کچھ کرتے ہیں حقیقت سمجھ کر کرتے ہیں۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جب ذکر سے طبیعت اکتا جائے تو اس ذاکر پر تھوڑی دیر ہنسنا بولنا بھی واجب ہے۔ لوگوں نے اس مسئلہ کی وجہ سے امامؒ پر بہت طعن کیا کہ دیکھو ہنسنے بولنے کو واجب کر دیا مگر محقق کا کلام محقق ہوتا ہے، اسکا راز یہ تھا کہ اصل میں تو عمل واجب ہے اور بعض طبائع کی خصوصیت سے عمل موقوف ہوتا ہے نشاط پر، نشاط ہوتا ہے ہنسنے بولنے سے اور یہ

مسلم ہے کہ مُقَدَّمَۃُ الْوَاجِبِ وَاجِبٌ (واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے) پس نہیں کیا اشکال رہا۔

یہ مضمون بہت طویل ہے لیکن وقت تنگ ہوگیا ہے اسلئے میں بیان کو ختم کرتا ہوں اور حدیث کا خلاصہ پھر بیان کئے دیتا ہوں کیونکہ خلاصہ بیان کر دینے سے مقصود محفوظ ہوجاتا ہے حاصل اس ارشاد نبوی کا یہ ہے کہ فضول اور لغو باتیں اور کام چھوڑ دو اور فضول اسے کہتے ہیں جس کے چھوڑنے سے نہ دنیا کا ضرر ہو نہ آخرت کا اور اس کے کرنے میں نہ دنیا کا نفع ہو نہ آخرت کا۔

اب دعا کرو کہ حق تعالیٰ ہمکو عمل کی توفیق دیں۔ آمین۔ وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

ملفوظ حضرت مصلح الامۃؒ

فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں بیان کیا گیا ہے کہ کَانَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَفَقَّدُ اَصْحَابَہٗ وَیَسْئَلُ النَّاسَ عَمَّا فِی النَّاسِ وَیُحَسِّنُ الْحَسَنَۃَ وَیُصَوِّبُہٗ وَیُقَبِّحُ الْقَبِیْحَ وَیُوْھِنُہٗ (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے حالات کا تفقد اور تفتیش فرماتے تھے اور انکے مابین واقع ہونے والے واقعات کی تحقیق فرماتے تھے تاکہ مظلوم کی نصرت کیجائے اور ظالم کو اسکے ظلم سے روکا جائے۔ پھر ان حالات میں جو اچھے ہوتے انکی تحسین فرماتے اور جو قبیح ہوتے انکی تحقیر فرماتے تھے) لہٰذا آج کل مصلح کیلئے اس طریقہ کا استعمال ناگزیر ہے اور جو شخص اس پر عامل ہے وہ متبع سنت ہے۔

مکتوبات اصلاحی

(مکتوب نمبر ۸)

(ایک مولوی صاحب کا مکتوب مقیم خانقاہ ایک لوی صاحب کے مکتوب کے جواب میں)

میرے مخلص، محسن او. مجی مولوی . . . . صاحب زادکم اللہ لطفا وکرما

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ مکتوب محبت اس حالت میں پہنچا جبکہ چاروں طرف سے گویا کہ کلبنور میں گھرا ہوا تھا، خسران وہلاکت سر پہ منڈلا رہے تھے نہ جلوت میں جی لگے نہ خلوت ہی میں، نہ کسی سے تعلق وکلام کا امنگ ہو اور نہ سکوت ہی میں راحت ۔ بہت زیادہ اضطرابی کیفیت ہو تو چند قطرات عیون سے قدرے اشک شوئی ہو جاتی اور بس پھر وہی حالت ۔ غرضیکہ خواب وخور تلخ ہو رہا تھا اور ہر وقت کھویا سا رہتا تھا آپ نے عین اس قنوطی حالت میں ایک دھکتے ہوئے سینہ پر برف کی سلی رکھدی اور ابر رحمت ثابت ہوئے۔ اور خوشی کی وہی حالت ہوئی جو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی مسرت کے قدرے مشابہ ہے ۔ اس احسان عظیم کا بدلہ یہ بندہ کیا دے سکتا ہے سوائے اسکے کہ دل میں آپ کی جگہ ہو جائے اور کم از کم دل وجان سے دعا گو رہے۔

بیشک آپ کے نصائح قرطاس پر نہیں بلکہ لوح قلب پر نقش کرنے اور ہر وقت اس پر توجہ دینے کی سخت حاجت ہے ۔ تمام فضائل کی روح تواضع اور منکسر المزاجی اور اپنے کو گرا دینا ہے، اور شیخ سے صحیح تعلق قائم کرنا گویا اللہ ورسول سے سچی محبت قائم کرنا ہے اور یہی سرچشمۂ فلاح ورشد ہے۔

آپ ہی جیسے مخلص اور دلی حیم کی دعاؤں کی برکت سے بندہ قائم ہے ورنہ ڈھلی گیا تھا، ابھی بھی اور ہر وقت اسکا محتاج ہے ۔ عجیب لطف ہے کہ ابتدا میں بھی آپ نے کرم فرما کر مہلکہ سے آگاہ کیا تھا اور آخیر میں اس سے

نجات کی بھی عمدہ تدبیر سے مطلع کر رہے ہیں، فجزاکم اللہ فی الدین والدنیا احسن الجزاء۔ انشاء اللہ بندہ آپکی بتلائی ہوئی تدبیروں اور اس احسن طریق پر چلنے کی امکانی کوشش کرے گا کہ فلاح و نجاح اسی میں مضمر ہے۔ دماذا بعد الہدیٰ الا الضلال۔

۔۔۔ کے وطیرہ کے متعلق آپ نے دریافت کیا ہے، آپ مرکز میں ہیں اور صدر مقام میں ہیں اسلئے وہاں پر لکھ کر بھیجنا کچھ طبیعت گھبراتی ہے مگر جب سوال کیا ہے تو قدرے عرض کر دیتا ہوں، میرے ناقص خیال میں اس سقوط وانحطاط وگراوٹ کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ اب ہم لوگوں میں دین اور دین والوں سے صحیح تعلق نہیں بالخالص دنیا داری اور حب جاہ و مال ہر خورد و کلاں میں گھس گیا ہے۔ زبانوں پر تو دین کا لفظ ضرور ہے مگر اس سے آگے قلب پر اسکا کچھ اثر بھی نہیں ہے۔ ابھی اس سے کچھ پہلے کا حال یہ تھا کہ حضرت تھانویؒ اور حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مولانا سید امین صاحبؒ نصیر آبادیؒ اور حضرت چاند شاہ صاحبؒ کے ذکر خیر سے وہاں کی مجلسیں منور ہا کرتی تھیں ان حضرات قدسی صفات کے دیکھنے والوں میں اور ان سے فائدہ اٹھانے والوں میں قصبہ کے بہت سے اصحاب تھے اور اکثر و بیشتر انھیں اصحاب خیر کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے جسکا اثر دوسروں پر بھی پڑنا لازمی تھا اور ایک خاص اسلام کی شان وہاں کے لوگوں سے ظاہر ہوتی تھی لیکن جب سے موجودہ گندی سیاست کے اندر لوگوں نے قدم ڈالا بس تب سے الاماں والحفیظ۔ مسجد، مدرسہ اور مجلس وعظ و پند اور جلوت و خلوت سب کی ایسی مٹی پلید ہوئی کہ اب وہیں کا ایک بڑا عالم جو ایک مدرسہ کے مدرس اول اور حدیث کی کتابیں پڑھاتے ہیں یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ہم اہل مدرسہ سے یہ تاڑی شراب خانے والے کہیں اچھے ہیں اور انکے اخلاق ہم سے بہتر ہیں، اور ہم میں تو اخلاقی ارتداد ہو گیا ہے۔

اس موجودہ سیاست کے متعلق سپریم کورٹ دہلی کا ایک غیر مسلم وکیل جو کہ قانون کا بہت ماہر بتلایا گیا ہے وہ بیان میں کہتا ہے کہ دین نہایت پاک وصاف اور ارفع و اعلیٰ چیز ہے اور سیاست ایک نہایت گندی اور گری ہوئی چیز ہے دونوں کو کبھی ایک میں نہیں ملانا چاہئے وہ اور چیز ہے یہ اور۔ دونوں میں کچھ جوڑ نہیں ہے۔

اب جبکہ سیاست گھس گئے تو حب جاہ و مال کا غلبہ ہونا لازمی ہے اور اہل اللہ سب کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دینا چاہتے ہیں، پس یہ دنیا دار اپنے دنیوی جاہ و اقتدار کے لئے اہل اللہ سے بغض رکھتے ہیں انکی شکایتیں کرتے ہیں اور اخیر میں ایسے ذلیل ہوتے ہیں کہ کہیں ٹھکانا نصیب نہیں ہوتا۔ یہ تو کہئے اللہ والے صبر و حلم سے کام لیتے ہیں انکی سختیاں سہتے ہیں اور خاموش رہتے ہیں ورنہ بستی کی بستی ختم کردی جاتی تاہم اللہ والوں سے حسد و کینہ رکھنا معمولی چیز نہیں ہے آخر یہ رذیلہ رنگ لاتا ہے اور ہلاکت و بربادی میں کچھ نہ کچھ ڈال ہی دیتا ہے یہ کیا کم ہلاکت ہے کہ جو قصبہ ہدایت و اسلام کا ایک نمایاں مقام تھا آج وہاں کی اخلاقی گراوٹ اسقدر ناگفتہ بہ ہے کہ معاذ اللہ۔

بس اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیجئے کہ ہم سب اب سے سنبھل جائیں اور کسی اللہ والے کے دامن میں آجائیں۔ فقط۔ والسلام۔

(مکتوب نمبر ۸۰۱)

حال: میں اللہ تعالےٰ سے نماز میں دعا کیا کرتا تھا کہ پروردگار عالم میرا سلسلہ کسی پیر کامل سے ہو جائے میں نے حضور کی طرف صدق دل سے توجہ کی اور رب العزت نے میری دعا قبول فرمائی۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: اور ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا کہ مورخہ ۱۳ر مئی بروز سنیچر صبح نماز

کے بعد حضور نے مجھے بیعت کیا ۔ اب بقرعید بعد برا کر ضلع بردوان اپنے گودام پر جانے کا ارادہ ہے لہٰذا مجھے ابتدائی تعلیم دی جائے کہ میں اس پر عمل کرسکوں ۔

تحقیق : اصل چیز احکام شرعیہ کی پابندی ہے احکام کو معلوم کرنے کی ضرورت ہے ان میں سے یہ بھی ہے کہ بلوغ کے بعد جو نماز قضا ہوئی ہوں یا روزے نہ رکھے ہوں انکا ادا کرنا سب وظائف پر مقدم ہے اسی کے ساتھ ساتھ آپ یہ بھی کیا کیجئے کہ بہشتی زیور اور بہشتی گوہر کو دیکھا کیجئے اور جس مسئلہ پر عمل کرنے کا وقت آئے اس پر عمل کیجئے خلاف شرع امور سے بچیں اور لباس خلاف شرع نہ پہنیں جیسے ٹخنوں سے نیچا پاجامہ اور جو رسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے طریقہ کے خلاف پھیلی ہوئی ہیں سب کو چھوڑ دیں وہ رسمیں دنیا کے رنگ میں ہوں خواہ دین کے رنگ میں ۔ زبان کو گالی گلوج، غیبت سے بچائیے ۔ جماعت کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز پڑھئے اور یہ کتابیں بھی پڑھا کیجئے جزاء الاعمال صفائی معاملات، تسہیل قصد السبیل، اور اگر ہو سکے تو تہجد آخر رات میں پڑھئے ورنہ عشاء کے بعد ہی وتر سے پہلے کچھ نفلیں تہجد کی جگہ پڑھ لیا کریں اور بعد پانچوں نمازوں کے اور اگر پانچوں نمازوں کے بعد چھٹی نہ ہو تو جن نمازوں کے بعد چھٹی ہو سبحان اللہ سو بار الحمد للہ سو بار اور لا الٰہ الا اللہ سو بار اور اللہ اکبر سو بار اور سوتے وقت استغفر اللہ ربی الخ سو بار پڑھا کریں ۔ اور ہر وقت اٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھا کریں اس پڑھنے میں وضو اور گنتی ضروری نہیں ہے اور اگر قرآن شریف پڑھے ہوں تو روزانہ کسی قدر تلاوت بھی کرلیا کریں ۔ فقط ۔

سال : دعاء کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھکو ایمان پر قائم رکھے ۔ ان دنوں میری کاروباری حالت خراب ہے ذرا دعاء فرمائینگے ۔ تحقیق : آمین ۔

(مکتوب نمبر ۸۰۲)

حال: حضور والا کا نیاز عرصہ کی چاہت کے بعد نصیب ہوا حضور والا کی نظر عنایت اور دست شفقت جو میرے جسم پر پڑا میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ تحقیق: خوب۔

حال: جس سے دین کی راہ اور اللہ کے ملنے کی امید ہو، آخرت کی باتیں بتا دے وہ ماں باپ سے زیادہ مہربان اور شفیق ہے۔ تحقیق: بیشک۔

حال: دعا فرما دیں کہ محبت کا جیسا حق ہوتا ہے ویسی محبت میں آپ سے کروں اور آپکو بھی مجھ سے محبت ہو جاوے۔ تحقیق: آمین۔ حال: تاکہ میری یہ محبت اللہ تک پہنچنے میں مفید ثابت ہو۔ تحقیق: آمین۔ حال: اللہ تعالیٰ آپکو باصحت رکھے اور عمر میں برکت دے۔ تحقیق: آمین۔ حال: اور حضور والا کو سارے عالم کیلئے قبول فرماوے۔ تحقیق: اور اللہ تعالیٰ کی کثیر مخلوق حضور سے فیضیاب ہو تحقیق: آمین: حال: اللہ تعالیٰ آپکے درجات بلند فرماوے۔ تحقیق: آمین

حال: حضور والا کی تصنیف کردہ "جنت" پڑھ رہا تھا دل میں ایک کیفیت پیدا ہوئی اور طبیعت کا زیادہ میلان حضور والا کی جانب ہو گیا۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: یوں تو نفس طرح طرح سے دھوکے میں رکھ رہا تھا مگر یہ اللہ کی مہربانی کہ نفس کو موقع نہیں دے رہا ہوں، میں حضور والا کی خدمت میں اپنے آپکو بیعت کیلئے پیش کر رہا ہوں آپ مجھے بیعت کرلیں۔ تحقیق: آپکو میں نے توکلاً علی اللہ بیعت کرلیا، اللہ تعالےٰ قبول فرمائے۔

حال: دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نیک عمل اور ارادے میں کامیابی نصیب فرمائے نیک کام میں دیر اچھا نہیں سمجھتا تاکہ آئندہ نفس کو موقع نہ ملے یہ باتیں اور حالات حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کی ہمت اسلئے پڑی کہ اپنا ضمیر کہتا ہے کہ حضور والا میرے محسن اور ہمدرد ہیں۔ مؤدبانہ عرض پرداز ہوں کہ زندگی کے ساتھ ایک ایسی فکر دامنگیر ہے جو صرف حضرت کی دعاؤں سے ختم ہو سکتی ہے دل سے دعا فرما دیں۔ تحقیق: دل سے دعا کرتا ہوں

حال: غلطیوں پر معذرت چاہتا ہوں۔ تحقیق: بہت خوش ہوا۔

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۶ - ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ ستمبر ۹۶ء جلد ۱۹

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک : پاکستان سو روپیہ - غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳

S.T.D Code No 0532

فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر - پبلشر - صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسین گنج - الہ آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترتیب

علم حقیقی اور علم رسمی

سنیئے ! ایک صاحب نے لکھا ہے کہ خاکسار نے حضرت والا کو کئی بار خواب میں دیکھا جس سے محسوس ہوا کہ آپ مجھ سے بہت خوش ہیں ، میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جس نے حضرت والا کے ذریعہ سے بہت سی باتیں ذہن میں ڈالیں جنکا پہلے وہم وگمان بھی نہ تھا علم کی حقیقت کو پہلے بھی لوگوں نے بتایا اور یہ بات کسی حد تک ذہن میں بھی آئی تھی لیکن دل میں نہ اترتی تھی، جس طرز سے اور جس تڑپ کے ساتھ حضرت والا نے بیان کیا آج تک سیکڑوں وعظوں میں بھی نہ سن سکا۔ الحمد للہ علم کی عظمت نہ صرف ذہن میں بلکہ دل میں اتر گئی۔ اس مجلس میں جسمیں حضرت نے علم مع الاخلاص کو واضح فرمایا تھا۔ احقر نے اسے اسی طرح سیکھنے کا مکمل ارادہ کرلیا تھا دعا رفرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا علم عطا فرمائیں جو اخلاص سے معمور ہو۔ حضرت والا کے اس جملہ نے کہ علم بذات خود اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا اقرب ترین ذریعہ ہے مجھ گنہگار کے دل میں بڑی ہمت پیدا کردی ورنہ جو کہتا تھا یہی کہتا تھا کہ علم بیکار ہے جب تک عمل نہ کیا جائے حضرت والا سے احقر نے یہ سمجھا کہ عمل ہو ہی نہیں سکتا جب تک علم نہ ہو۔ آنجناب نے نے علم کو اس کرسی پر بٹھایا جس پر وہ بیٹھنے کے لائق ہے اور اسکی عظمت کو کھول دیا جیسی کہ ہے۔

دوسری جو سب سے بڑی نعمت حضرت کی بدولت نصیب ہوئی وہ ہے اپنے عمل پر نظر نہ کرنا۔ ایک مجلس میں آپ نے فرمایا تھا کہ سلوک میں اپنے عمل پر نظر کرنا کفر ہے اس سلسلہ میں حضرت حاجی صاحب کے اشعار پڑھے تھے، اس مجلس کے بعد احقر کو انتہائی مسرت ہوئی

تھی اگر میں سو سال تک تبلیغ کرتا رہتا تو یہ بات نہ ملتی اور محروم ہی رہتا
دراصل اپنے عمل پر نظر کرنا بچپنے کی دلیل ہے۔ اللہ کے لئے وہی عمل ہے
جو ہر طرح کے عوض حاصل کرنے کی خواہش سے پاک ہو۔ حضرت ہی
کی مجلس سے معلوم ہوا کہ دراصل میں کتنا ذلیل اور ناپاک ہوں۔ کتے
کے اوپر اسکا آقا مہربانی کرتا ہے تو وہ اسکا در نہیں چھوڑتا اور میں اللہ کے
سامنے اس کتے سے بھی زیادہ ذلیل ہوں، خاکسار کے اوپر یہی شعر صادق آتا ہے

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

احقر کی بڑی خواہش ہے اور اسکے لئے دعا بھی کرتا ہے کہ حضرت والا
کے قدموں میں بالکل پامال ہو جائے اور اس سلسلہ میں چاہے جتنی
بڑی قربانی کرنی پڑے اللہ عز وجل کے بھروسہ پر تیار ہو جاؤں گا، آپ اس
سلسلہ میں پوری طرح کامیاب ہو جانے کی دعا فرمائیے"۔ انتہیٰ۔

میں نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ سے ایک مضمون سنایا تھا اسی کو
یہ صاحب لکھ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا اقرب اور اعظم طریق علم
ہے اور میں نے اتنا اور بھی کہا تھا کہ اسہل بھی ہے مگر آجکل عبادت ہی
کو سب کچھ سمجھ لیا گیا ہے۔ مریدین ہم سے عبادت تو سیکھ لیتے ہیں مگر
ہم اپنے مریدین کو علم نہیں سکھلا سکتے۔ بھائی یہ بات بہت تجربہ کے بعد
کہہ رہا ہوں اسکو سمجھو آخر علم کو کیوں بے وقعت سمجھتے ہو اور اس کے درجہ
کو کیوں گھٹاتے ہو۔ تمہارا کام یہیں سے بگڑا ہے کہ اولاً علم کی طرف
توجہ نہیں ہے اور اسکی قدر و عظمت نہیں ہے اور اگر کسی کی کچھ توجہ ہے
بھی تو اخلاص پیدا کرنے کی فکر نہیں عبادات میں تو اخلاص کی ضرورت
سمجھتے ہیں مگر علم میں نیت و اخلاص کو ضروری ہی نہیں جانتے حالانکہ علماء
تصریح فرماتے ہیں کہ علم میں بھی اخلاص اور تصحیح نیت ضروری ہے۔ عام
طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب لوگ عمل کی طرف ابھارتے ہیں تو علم سے

بے رغبتی پیدا کر دیتے ہیں معلوم نہیں ایسا کیوں کرتے ہیں ۔ بھائی علم کو اسکی جگہ پر رکھو اور عمل کو اسکی جگہ پر رہنے دو، دونوں مستقل مطلوب ہیں ایک کی ضرورت سے دوسرے کی نفی کیسے کی جا سکتی ہے ۔ یہیں کے ایک شاعر نے فرمایا ہے ؎

نہ کتابوں سے نہ واعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

تو انکی مراد بھی علم کی نفی بالکلیہ نہیں ہوسکتی بلکہ اس سے انکا مقصد کچھ اور ہے جو صحیح ہے ۔ انھوں نے اس میں یہ بتلایا ہے کہ محض کتابوں پر تکیہ اور اکتفا مت کرو بلکہ اہل اللہ کی صحبت بھی ضروری ہے انکا مقصود کتابوں اور وعظوں کے منافع کا انکار نہیں ہے اور انکار کیسے کیا جا سکتا ہے جب کہ انکے منافع ظاہر و باہر ہیں ہمارے مدارس میں نہ جانے کتنی کتابیں ہیں کیا یہ سب بیکار ہیں ۔

حضرت مولانا تھانویؒ اپنے بیان القرآن میں تفاسیر کا حوالہ دیتے ہیں تو بغیر کتابوں کے دیکھے ہوئے یہ کیسے ممکن تھا ہر فن کی کتاب کا علم اس فن کی کتابوں ہی سے محفوظ ہے ۔ لغت کا علم لغت کی کتابوں سے تفسیر کا علم تفسیر کی کتابوں سے اور دیگر فنون کا علم انکی کتابوں سے حاصل ہوتا ہے ۔ اسی طرح وعظوں سے بھی بہت کچھ اصلاح ہوتی ہے اور بعض وقت کوئی بات ایسی اثر کر جاتی ہے کہ آدمی کو راہ پر لگا دیتی ہے ۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے والد محترم نے انکو کسی عالم کے سپرد کر دیا تھا چنانچہ وہ انھیں سے پڑھتے تھے ایک دن کسی مجذوب نے آکر انکے کان میں یہ شعر پڑھ دیا ؎

درکنز و ہدایہ نتواں یافت خدا را   سیپارۂ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

یعنی تم کنز و ہدایہ کی سطروں میں خدا کو نہیں پا سکتے بلکہ اس کے لئے تو دل کے آئینہ میں دیکھو اسلئے کہ اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے ۔

وہ مجذوب یہ کہکر غائب ہو گئے اور انکا یہ حال ہوا کہ سنتے ہی دل میں خدا کی طلب پیدا ہو گئی اور بزرگوں کی تلاش میں نکل پڑے۔ اب دیکھئے اللہ تعالیٰ کی طلب جوان کے اندر پیدا ہوئی وہ وعظ ہی کے ذریعہ تو ہوئی پھر وعظ کو بالکل بیکار کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح آپ لوگ جو حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے معتقد ہیں تو انکے علم و معارف ہی کے بیان کرنے کی وجہ سے ہیں انکے اعمال کو کون دیکھتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ

"یعنی اللہ تعالیٰ سے ان کے بندوں میں سے علما ہی ڈرتے ہیں"۔ اس سے اہل علم کی کتنی فضیلت نکلتی ہے۔ اور ان صاحب نے یہ جو لکھا ہے کہ دوسری بات جو حضرت کی بدولت نصیب ہوئی وہ ہے " اپنے عمل پر نظر نہ کرنا۔ ایک مجلس میں آپ نے فرمایا کہ سلوک میں اپنے عمل پر نظر کرنا کفر ہے الخ جس مضمون کا حوالہ یہ دے رہے ہیں اس میں میں نے یہ شعر پڑھا تھا کہ

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریق کافریست
راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

"یعنی اپنے تقویٰ اور عقل پر بھروسہ کرنا طریقت میں کفر ہے بلکہ سالک اگر سیکڑوں کمال بھی رکھتا ہو تب بھی اسکو خدا ہی پر توکل کرنا چاہیئے" اور یہ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہیں اور عمل مخلوق ہے پس بھروسہ اللہ پر کرنا چاہیئے نہ کہ عمل پر، بندہ خدا سے جتنا قریب ہوتا جائے گا اسی قدر اپنے سے اور اپنے عمل پر نظر کرنے سے دور ہوتا جائیگا اور بیشک عمل وہی ہے جو ہر طرح کے عوض حاصل کرنے سے پاک ہو۔

صوفیائے کرام کی یہ بھی بہت بڑی خدمت ہے کہ ان حضرات نے علم کی دو قسم کی ایک علم رسمی اور ایک حقیقی۔ علم رسمی کی مذمت بیان فرمائی اور لوگوں کو اس سے نکالا اور علم حقیقی کو پیدا کیا اور لوگوں کو اسکی بہت زیادہ

ترغیب دی۔ مولانا رومؒ خود علم حقیقی و رسمی کی علامات بتلاتے ہیں کہ ؎

علم رسمی سربسر قیل است وقال ــــ نے ازو کیفیتے حاصل نہ حال

"یعنی علم رسمی محض قیل وقال کا نام ہے کہ نہ تو اس سے کوئی کیفیت حاصل ہو نہ حال" یہ علم رسمی کے بارے میں فرمایا اور علم حقیقی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ؎

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت ــــ زنگ گمراہی زدل بزدایدت

ایں ہوس را از سرت بیروں کند ــــ خوف وخشیت در دلت افزوں کند

یعنی علم حقیقی وہ ہے جو تم کو راہ حق دکھا دے اور گمراہی کے زنگ کو تمہارے دل سے صاف کرے اس ہوائے نفسانی کو تمہارے اندر سے دور کرے اور خوف وخشیت تمہارے اندر پیدا کرے"

پس مابہ الامتیاز شئے یہی خوف خشیت ہے یعنی جو علم خوف خشیت پیدا کرے اور زنگ گمراہی کو دل سے دور کرے اسکو علم حقیقی سمجھا جائے گا ورنہ محض لسانی اور رسمی سمجھا جائے گا جو علم محض زبان تک ہو اسکی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ وقعت نہیں علم نافع وہی ہے جو قلب تک پہنچے چنانچہ حضرت حسنؓ سے مرسلاً روایت ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ ہے جو داخل قلب ہوتا ہے اسی کو علم نافع کہتے ہیں اور دوسرا وہ علم ہے جو لسان پر ہوتا ہے اور یہی علم ابن آدم کے خلاف اللہ کی حجت ہوگا۔ (رواہ الدارمی)

اس سے معلوم ہوا کہ علم کی دو قسمیں ہیں ایک نافع اور ایک غیر نافع اور نافع وہ علم ہے جس سے اولاً قلب متاثر ہو اور پھر اسکا اثر اعضائے جوارح پر ظاہر ہو اور غیر نافع وہ علم ہے جو محض لسان تک مقصور (محدود) ہو اس کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی مرتبہ نہیں اور حقیقی علم تو اہل اللہ ہی کے پاس ہوتا ہے مگر اب تو مسائل تصوف پر بہت سے ایسے لوگ بھی کلام کرتے ہیں جن کو تصوف سے کچھ بھی مَس نہیں

اس لئے کہ بغیر اس کے کلام میں چاشنی نہیں آتی۔ چنانچہ دہلی میں ایک صاحب تھے وہ مسائل تصوف پر مضمون لکھتے تھے مگر اہل اللہ سمجھتے تھے کہ انکا اس میں کوئی درجہ نہیں ہے۔ غالب خود کہتے ہیں ؎

یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

علماء کا وظیفۂ واجب

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب تفہیمات میں فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کی رضا اس بات میں تھی کہ علماء امت اس نور کے باقی رکھنے میں سعی و کوشش کریں جو حضرات انبیا علیہم السلام سے ماخوذ ہے اور اسکی اشاعت کریں اور لوگوں کو اسکے ذریعہ سے ہدایت حاصل کرنے پر ابھاریں جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ الآیۃ یعنی سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ انکی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت بنا یا کرے تاکہ (یہ باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں۔

اور فرمایا ہے کہ وَلٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ۝ یعنی تم لوگ اللہ والے بن جاؤ (یہ) اس لئے (اور بھی) کہ تم کتاب الٰہی پڑھاتے ہو اور خود بھی (اسے) پڑھتے ہو اسلئے لوگوں میں خلیفہ مقرر کرنے اور دعاۃ و مبلغین کے بھیجے جانے کا ہر زمانہ میں اور ہر طبقہ میں توارث (اور معمول) ہوگیا تاکہ اللہ تعالےٰ

کا کلمہ بلند ہوا اور انکے ہاتھوں پر وہ چیز پوری ہو جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب محکم میں فرمایا تھا کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝ یعنی ہم نے اس ذکر (اور نصیحت نامہ) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اسکی حفاظت کریں گے۔

دیکھئے شاہ صاحب فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا رب کہ اس بات میں تھی کہ امت کے علماء اس نور کے باقی رکھنے میں سعی کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہے اور بہت سے اس نور کے حامل ہوں۔ اسلئے علماء امت نے توارث کر لیا کہ خلیفہ مقرر کریں، یعنی انھوں نے یہ سوچا کہ جب تک ہم موجود ہیں اس کام کو ہم انجام دیں گے اور اس نور کو امت تک پہنچاتے رہیں گے لیکن ہمارے بعد اسکو انجام دینے کے لئے کوئی دوسرا قائم مقام ہونا چاہیئے اس مقصد کیلئے خلیفہ بنایا۔

اور شاہ صاحب یہ فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (اور ہم ہی اسکی حفاظت کریں گے) میں جو وعدہ فرمایا تھا اسکو علمائے امت کے ذریعہ سے پورا فرمایا۔ یعنی باطنی حفاظت تو خود اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں لیکن ظاہری حفاظت کے لئے ان لوگوں کو واسطہ بنایا اور اس کے لئے ہر عصر میں کچھ لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو اس کام پر مقرر ہوں گے کہ شریعت کے اور اس نور کے محافظ بنیں۔ اب ان علماء ربانی کے لئے جو دین کے محافظ ہیں کتنا بڑا شرف ہے کہ حفاظت خداوندی کا وعدہ ان کے ہاتھوں پورا ہو رہا ہے اسی وجہ سے اس امت کے علماء انبیاء و مرسلین کی صف میں ہوں گے۔

میں نے کل ایک تحریر سنائی ہے جس میں کہیں جانے کے لئے شرائط پیش کی ہیں، اسکو تو آپ نے سنا اب یہ سنئے کہ میں نے اس چیز کو حضرت مولانا تھانویؒ سے سیکھا ہے جو لوگ حضرتؒ کے وہاں رہ چکے ہیں

وہ جانتے ہیں کہ حضرت اس سلسلہ میں کسقدر رشد و مدسے کلام فرماتے تھے، اور کہیں جاکر دوسرے پر بار بنجانے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

ایک صاحب مجھ سے کہتے تھے کہ ایک مرتبہ میں نے حضرتؒ سے کسی سفر میں حاضری کی اجازت چاہی تو فرمایا ہاں آجانا لیکن جہاں میں قیام کروں گا وہاں قیام نہ کرنا کسی دوسری جگہ ٹھہر جانا۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا پھر جب حضرت وہاں سے واپس ہوئے تو ساتھ میں بہت سا ناشتہ تھا خانصاحب کو بلاکر فرمایا کہ اسکو کھاؤ اور اس سے حضرتؒ کا مقصد یہ تھا کہ میں دوسروں کا کھانا کھانے سے منع کرتا ہوں اپنے کھانے سے نہیں اس لئے کہ ممکن ہے دوسرے کو بار محسوس ہو۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ اگر آج علماء ان اصول کو اختیار کرلیں تو انکا وقار قائم ہو جائے اور عوام کے قلوب میں انکی عزت اور وقعت بڑھ جائے۔ اور انھیں چار چاند لگ جائیں اور ان ہی کی عزت سے دین کی بھی عزت اور وقعت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو جائے۔

حضرت مولانا کا معمول تھا کہ جہاں کہیں تشریف لیجاتے تو صبح کے وقت حسب معمول تفریح کے لئے چلے جاتے اور اسی وقت تلاوت فرماتے تھے اور داعی سے فرما دیتے تھے کہ میں ناشتہ نہیں کرتا ہوں اور چائے بھی نہیں پیتا ہوں، اب جو لوگ ساتھ رہتے وہ بیچارے چپ چاپ رہتے اور اس صورت سے داعی کو صرف کھانے کا انتظام کرنا ہوتا تھا ورنہ دونوں وقت کھانے کے علاوہ ایک مستقل تیسرا انتظام ناشتہ کا کرنا ہوتا۔ اس طرح سے داعی کو سہولت ہو جاتی اور جو لوگ حضرت کے ہمراہ جاتے انکے بارے میں بھی فرما دیتے تھے کہ فلاں فلاں اتنے عدد آدمی میرے ساتھ ہیں اور بقیہ لوگ خود اپنا انتظام کریں گے۔ اب داعی اگر اپنی طرف سے کسی کو چاہتا تو دعوت کرتا ورنہ وہ خود اپنا انتظام کرتا۔ حضرت کا یہ معمول

کیسے کہا جا سکتا کہ شرعی نقطہ سے غلط تھا؟ کھانے پینے کے معاملہ میں اور اسی طرح روپیہ پیسے کے معاملہ میں خاص نظر رکھتے تھے اور اسکا غایت درجہ اہتمام فرماتے تھے اور لوگوں کو خصوصیت کے ساتھ اسکو سکھاتے تھے اب جن لوگوں نے سیکھا وہ ہر جگہ نمایاں رہے۔

چنانچہ حضرت کے ایک آدمی تھے وہ ایک مرکزی جگہ پر گئے ہوئے تھے شام کا وقت تھا ابھی رات نہیں ہوئی تھی تو مہتمم صاحب نے کسی شخص سے جو اس قسم کا کام کیا کرتا تھا فرمایا کہ آپ کے لئے روشنی کا انتظام قیامگاہ میں کردینا۔ وہاں مہمان خانے بنے ہوئے تھے جس میں مدرسہ کی طرف سے روشنی کا انتظام ہوتا تھا۔

جو صاحب مہمان ہوئے تھے انھوں اس خادم کو جس کے سپرد روشنی کا انتظام ہوا تھا اپنی جیب سے پیسے نکال کر دیئے اور کہا کہ اس پیسہ سے تیل لاکر روشنی کا انتظام کرو۔ مدرسے کے پیسے سے تیل مت لانا۔ ایک دوسرے آدمی وہاں بیٹھے ہوئے تھے جو ان کی بات سن رہے تھے انھوں نے کہا کہ یہ مولانا تھانوی کے آدمی معلوم ہوتے ہیں ان ہی کے یہاں ایسا ہوتا ہے اور کہیں یہ چیزیں کہاں سکھائی جاتی ہیں۔ حضرت مولانا ہم لوگوں کو بہت زیادہ یہ چیزیں سکھاتے تھے۔

چنانچہ فرماتے تھے کہ کسی کا مال حلال نہیں ہے مگر طیب نفس (اور خوشدلی) سے اور طفیلی بنکر اپنے لوگوں کے لئے دعوت کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ مجھکو تو مقصود بناکر دعوت ہوا ور میرے آدمیوں کو طفیلی بنا یا جائے۔ یہ اللہ والے لوگ طفیلی ہیں انکی بھی بالقصد دعوت کرنا چاہیئے

چنانچہ جو کوئی دعوت کرتا اس سے فرماتے تھے کہ جن لوگوں کی دعوت کرنی ہے ان سب سے الگ الگ جاکر کہو اگر وہ منظور کرلے تو ٹھیک ہے۔ پھر جس کی دعوت ہوتی وہ بھی حضرت سے جاکر اجازت لیتا

اور فرماتے تھے کہ میں ان لوگوں کو کھانے سے روکنا نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ انکی عزت و وقعت قائم ہو

چنانچہ حضرتؒ کے ایک بھائی تھے انھوں نے کچھ لوگوں کی دعوت حضرت کے ساتھ کرنی چاہی تو ان سے بھی یہی فرمایا کہ ہر ایک سے الگ الگ جاکر کہو اگر وہ لوگ منظور کرلیں تو دعوت کرو۔ حضرت کے بھائی تھے اور ان سے بہت محبت فرماتے تھے لیکن حضرت نے انکی رعایت میں اپنا اصول نہیں چھوڑا۔ چنانچہ انھوں نے آکر ہر ایک سے کہا۔ پھر ہم لوگ جب حضرت سے پوچھتے کہ فلاں صاحب دعوت کے لئے کہہ رہے ہیں تو فرماتے کہ اجی یہ لوگ معلوم نہیں کتنا روپیہ ادھر ادھر خرچ کردیتے ہیں ان ہی کی دعوت تو قبول کرنا چاہیے، اس لئے قبول کرلو۔ جو لوگ وہاں گئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرت ہم لوگوں کو کس طرح دیکھنا چاہتے تھے اور لوگوں کی نظر میں کیسا دکھانا چاہتے تھے۔ اب اگر ان کے طریقہ پر کام کیا جائے تو بہت نفع ہوگا آپکی اگر ہم رعایت کریں گے تو آپکو ہم سے محبت کیوں نہیں ہوگی۔

اب اس وقت میں دیکھ رہا ہوں کہ مسلمان سنتے ہیں، اور اکثر جگہ کے لوگوں کو دیکھکر میں سمجھا کہ مسلمانوں میں کچھ بیداری اب پیدا ہوئی ہے اسلئے اب ہم لوگوں کو بھی چاہیئے کہ انکی طرف التفات کریں اور جب ان میں دین کی طلب ہے تو ہم کو اس سے زیادہ انکے اصلاح کی طلب ہونا چاہیئے لیکن اسکے ساتھ ساتھ موانع کو بھی مرتفع کرنا چاہیئے۔

رسالہ قشیریہ میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک بزرگ کی کسی شخص نے دعوت کی اور داعی ان سے کہہ گیا کہ اپنے ساتھ اور فقراء کو بھی جو آپ کے ساتھ رہتے ہیں لائیگا چنانچہ وہ لوگ دعوت میں جانے لگے راستہ

میں کوئی بقال تھا اس نے زور زور سے چلا کر کہنا شروع کیا کہ ان میں سے ایک کے پاس میرا اتنا روپیہ قرض باقی ہے یہ دیتے نہیں یہ لوگ ایسے ہیں اور ویسے ہیں۔ غرض بہت سخت وسست کلمات کہے اس سے ان بزرگ کو سخت رنج ہوا اور داعی کے وہاں پہونچکر کہا کہ مجھکو سخت پریشانی ہے پہلے اسکے ازالہ کی صورت کرو تب میں کھا سکتا ہوں' مجھے اس وقت اتنے روپیوں کی ضرورت ہے وہ مخلص آدمی تھا اس نے اپنی کنجی دے دیا کہ جتنا روپیہ چاہئے نکال لیجئے' انھوں نے تین سو روپیہ لیکر ایک مرید کو دے دیا اور فرمایا کہ جاکر اس بقال سے کہو کہ میرے ایک آدمی کے ذمے تمھارا قرض تھا وہ ابتک دے نہ سکا اسکی معذرت کرتا ہے کہ معاف کردو اور تمھارے یہ روپئے دیتا ہے اسکو لے لو۔ چنانچہ اس نے لیجا کر دیا۔ پھر جب وہ لوگ دعوت کھا کر ادھر سے گذرنے لگے تو وہ بقال کہتا تھا کہ لوگو دیکھو یہ ہیں صالحین، یہ ہیں بزرگان دین، یہ ہیں اُمناء، یہ ہیں صلحاء، یہ ہیں فقراء، یہ ہیں اللہ والے لوگ۔ دیکھا آپ نے ابھی تو انھیں لوگوں کو معلوم نہیں کیا کیا کہتا تھا اور جب روپیہ پا گیا تو تعریف کرنے لگا۔

ایک صاحب میرٹھ سے بہت سے لوگوں کو لیکر میرے پاس آئے تھے وہ مجھکو اپنے وہاں بہت دنوں سے لیجانا چاہتے تھے تو میں نے ان سے کہا کہ میں جو وہاں نہیں جا رہا ہوں وہ آپکی رعایت کی وجہ سے تاکہ میرے جانے کی وجہ سے آپ پریشان نہ ہوں، تو انھوں نے کہا مجھکو کوئی پریشانی نہیں ہوگی سب انتظام کرلوں گا انکے ساتھ ایک دوسرے صاحب تھے انھوں نے کہا کہ جب حضرت تشریف لیجائیں گے تو وہاں کے اور اس اطراف کے دس ہزار آدمی جمع ہو جائیں گے تو میں نے کہا کہ بھائی پھر ایک ہی دن میں آپ دس ہزار آدمیوں کا انتظام کیسے کرلیں گے جو شخص بہت سے انتظامات

کر چکا ہو اسکو تجربہ ہوتا ہے اور وہی یہ سمجھ سکتا ہے کہ کتنی دقتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے آپ نے تو ابھی شادی وغیرہ بھی نہیں کی پھر آپ کو اسکے متعلق کیسے تجربہ ہے۔

سیدیؒ! حضرت مولانا اگر ان باتوں کو نہ لکھتے تو ہم سمجھتے بھی نہیں ایک رئیس کا واقعہ ہے کہ اسکو معلوم ہوا کہ کوئی صاحب آ رہے ہیں انکی آمد کی اطلاع پاکر وہ اپنی جگہ سے یہ کہکر اٹھا کہ ڈاکو آ رہا ہے ڈاکہ ڈالنے کے لئے، پھر اٹھ گیا اور بہت اکرام سے پیش آیا انکا ہاتھ چوما اور پھر انکو نذرانہ بھی پیش کیا اپنے وہاں لاکر بٹھایا انکو ناشتہ بھی کرایا پھر جب جانے لگے تو کچھ دور تک جاکر انکو پہنچایا اور جب چلے گئے تو یہ کہا کہ ڈاکو آیا تھا ڈاکہ ڈال کر چلا گیا۔ ایک آدمی نے ان دونوں باتوں کو سنا تھا اور اس شخص کا معاملہ بھی انکے ساتھ دیکھا تھا اس نے پوچھا کہ جب آپ کو ان کے ساتھ اعتقاد نہیں تو پھر آپ ایسی تعظیم کے ساتھ کیوں پیش آئے اور نذرانہ بھی دیا تو کہا کہ خاندان میں باپ دادا کے وقت سے دیکھ رہا ہوں کہ جب یہ آتے تھے تو ان کے ساتھ وہ ایسے ہی پیش آتے تھے اس لئے میں بھی اس وضع کو نباہ رہا ہوں۔ میں نے جب سنا تو کہا لاحول ولا قوۃ، کوئی شخص اگر باوضع ہو تو کیا اس میں نفاق بھی داخل ہے۔ اب لوگوں کو پہچاننا ہمارے لئے بہت دشوار ہے۔

کسی ایک جگہ کے ایک بڑے شخص نے میرے بارے میں لوگوں سے کہا کہ میں انکا معتقد اسلئے ہوں کہ ان میں خشکی نہیں ہے اور سب لوگوں کو میں نے دیکھا کہ خشک ہیں۔ اب ہمارے لئے دشواری پیش آتی ہے کہ اگر ان بزرگان دین سے کہدوں کہ جس جگہ میں جاتا ہوں آپ لوگ میرے ساتھ نہ جائیں اسلئے کہ بلانے والے نے تو مجھکو بلایا ہے آپکو نہیں تو مجھ کو خشک کہیں گے، اس لئے میں نے یہ کیا ہے کہ آپ لوگ ضرور آئیے

لیکن آپ مہمان میرے ہونگے ۔ اصول باقی رکھنا چاہیئے لیکن خشکی نہیں برتنی چاہیئے ۔ حضرتؒ سے یہی سیکھا ہے ۔

حضرت مولانا تھانویؒ کے وہاں ایک عالم جو کہیں کے مدرس اول تھے تشریف لائے خانقاہ میں قیام فرمایا تو حضرت نے خادم سے فرمایا کہ مولانا کا کھانا گھر سے آوے گا لاکر کھلا دینا چنانچہ وہ کھانا لایا جب وہ کھانے لگے تو ایک دوسرا کوئی آدمی آیا اس سے انھوں نے کہا آؤ تم بھی کھالو ۔ خادم نے کہا کہ حضرت یہ جائز نہیں ہے ، انھوں نے فرمایا کہ جائز ہے ۔ خادم نے آکر حضرت مولاناؒ سے عرض کیا کہ حضرت میں گھر سے کھانا لایا اور فلاں صاحب کو کھلا رہا تھا کہ انھوں نے ایک دوسرے آدمی کو کھانے کے لئے بلایا میں نے کہا یہ جائز نہیں ہے تو کہنے لگے کہ جائز ہے ۔

حضرت مولاناؒ نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ جاکر ان سے کہدو کہ جائز نہیں ہے اسلئے کہ یہ تملیک نہیں ہے بلکہ اباحت ہے ۔ تملیک اور اباحت میں فرق ہے ، تملیک میں آدمی کو اس بات کا اختیار ہوتا کہ شیٔ مملوک میں جو تصرف چاہے کرے اور جس کو چاہے دیدے لیکن اباحت میں خود اس چیز کو استعمال کرنے کی اجازت ہوتی ہے کہ جتنا چاہے استعمال کرے اور بقیہ کو دوسرے کسی شخص کو دینے کا اختیار نہیں رہتا ہے

یہ سب باتیں حضرت ہی کے وہاں سننے میں آتی تھیں اور وہی جگہ ایسی تھی جہاں جاکر علم میں جلا ہوتا تھا ۔

تمام خرابیوں کی جڑ

اس زمانہ میں مسلمانوں کی عام تباہی اور بدحالی جو دیکھی جا رہی ہے اسکے متعلق میرا خیال تو یہ ہے کہ اسکی صحیح وجہ یہی ہے کہ ہم نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل ترک کر دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو ہماری ہدایت کا ذریعہ بنا کر بھیجا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے ہمیں کتاب اللہ پر چلنا اور اس پر عمل کرنا سکھایا تو جب ہم نے ان سرچشموں سے بے اعتنائی برتی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ہماری طرف سے نظر ہٹالی جسکا انجام بجز خسران اور حرمان کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ کلام اللہ کے ساتھ آج جو مسلمانوں کا طرز عمل ہے وہ بالکل ظاہر ہے کہ اس پر عمل کرنا تو بجائے خود رہا اسکی تلاوت بلا فہم کو ہی ایک امر لاحاصل سمجھا جاتا ہے

اس وقت سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ بیان کرنا ہے دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا اسکے ساتھ معاملہ کیا ہے اور خیر القرون میں مسلمانوں نے اس کے ساتھ کیسا تعلق رکھا اور کیسا شغف رکھا۔ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آج عام مسلمانوں کا معاملہ تو یہ ہے کہ ان کے گھروں میں سنت کا مطلقاً چرچا ہی نہیں ہے عمل کا درجہ تو بہت بعد کا ہے لوگوں کو انکا علم تک نہیں، الاماشاء اللہ۔ آج ہمارے اعتنا ربا لحدیث کا حال یہ ہے کہ ہمکو دو چار حدیثیں بھی یاد نہیں اور اس کوتاہی سے طبقہ خواص بھی مستثنیٰ نہیں بخلاف اسکے خیر القرون میں حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کا جو طرز عمل سنت کے ساتھ رہا ہے اسکو دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات سنت رسول کے عاشق تھے، احادیث لوگوں کے قلوب میں محفوظ تھی انکے سینے سنت کے گہوارے تھے اسی کی برکت تھی کہ اسکو دینی و دنیوی ہر قسم کی فلاح حاصل تھی، آج بھی جب تک مسلمانوں کے قلوب میں سنت محفوظ نہ ہوگی

(بقیہ ص ۲۵ پر)

کمالاتِ اشرفیہ

(۵۰)

(۸۱) فرمایا کہ عید کی نماز کے لئے بہت سے لوگوں نے چاہا کہ میں پڑھایا کروں مگر میں نے کبھی پسند نہیں کیا۔ کسی بات میں بنا رکھے وقت مصلحت ہوتی ہے مگر بعد میں وہی مصلحت سبب ضرر بن جاتی ہے۔ مثلاً اگر کسی خاص مصلحت سے امامت قبول کیجاتی تو ممکن ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارے جانشین (اگر نالائق ہوئے) دعویٰ استحقاق کا کرنے لگیں۔ مجھے تحزب اور مجمع بنانے سے سخت نفرت ہے چاہتا ہوں کہ ایسی گمنامی کے ساتھ زندگی ہو کہ کام تو سب ہوں مگر کسی کو خبر نہ ہو۔ اور لوگ تو تعلق کا بہانہ ڈھونڈھتے ہیں اور میں ترک تعلقات کا بہانہ ڈھونڈھتا ہوں، جی گھبراتا ہے تعلقات سے۔ یہ ایک طبیعت کا رنگ ہے۔ اشتہار اور امتیاز کی کلفتوں اور تعب کو دیکھتا ہوں، مقتدا بننے میں بار بہت پڑتا ہے۔ بس اس بار کا تحمل نہیں۔

ف: اس سے حضرت والا کا حُبِ خمول، کتمان حال، تحزب سے نفرت نیز عقل وحکمت ظاہر ہے۔

(۸۲) فرمایا کہ میں خود ترک سلام وکلام کی ابتدا نہیں کرتا مگر جب دوسری طرف سے ہو تو میں تیار رہتا ہوں جہاں رعایت ہوگی ضرور مغلوب ہونا پڑے گا۔ طلب منفعت کے لئے دبنا بد دینی ہے اور دفع مضرت کیلئے دبنا البتہ خلاف دین نہیں۔ شریعت نے اجازت دی ہے۔

ف: اس سے حضرت والا کی شان کمال استغناء ثابت ہوئی۔

(۸۳) فرمایا کہ میں جب کانپور سے تھانہ بھون آیا تو جامع مسجد میں وعظ کہا کرتا تھا جس میں اکثر رسوم کا رد ہوتا تھا مجھے معلوم ہوا کہ لوگوں کو

ناگوار ہوتا ہے میں ایک وعظ میں کہدیا کہ میری تو صرف مصلحت یہ ہے کہ مجھے ثواب ملتا ہے لیکن اگر مجھے ثواب ہی مقصود ہوگا وہ اور طرح سے بھی مل سکتا ہے مثلاً نوافل، ذکر و شغل سے باقی زیادہ مصلحت تمھاری ہی اصلاح کی ہے۔ سو جب تم ہی اپنا نفع نہیں چاہتے تو مجھکو کیا ضرورت پڑی ہے۔ اب تم لوگ خوش ہو جاؤ کہ آج سے وعظ بالکل بند۔ یہ سنکر پھر تو سب لوگ عاجزی کرنے لگے کہ خطا کس کی اور سزا بھگتیں ہم سب۔ میں نے کہا جسے وعظ کہلوانے کا شوق ہوا پنے گھر لے چلو وہاں کہوں گا یہاں جامع مسجد میں وعظ نہ کہوں گا اس پر لوگ خوش ہو گئے، پھر تو خوب دل کھول کر وعظ کہا حدیث شریف میں ہے رَحِمَ اللّٰهُ عُمَرَ مَا تَرَكَهُ الْحَقُّ لَهٗ مِنْ صَدِيْقٍ یعنی اللہ تعالیٰ عمرؓ پر رحم فرمائے حق گوئی نے انکا کوئی دوست نہیں چھوڑا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق گوئی کا یہ اثر ہے جو لوگ اس قدر شاکی ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ حق پھیل جاوے، حق غالب ہو، خواہ کسی کے ذریعہ سے ہو، اپنے گھر کا کام تو ہے نہیں کہ ہم سے نہ ہو سکے تو دوسرا نہ کرے۔ ایک عورت روٹی ٹیڑھی میڑھی پکا رہی ہے اگر کوئی کہے تو خراب پکاتی ہے تو وہ پکا دے اچھا ہوا کہ وہ چولھے کی آگ سے بچی۔

ف: اس ملفوظ سے حضرت کی حق گوئی، اشاعت دین کی محبت طبیعت کی آزادی ظاہر ہے۔

(۸۴) فرمایا کہ جس میں رائی برابر کبر ہوتا ہے اس سے مجھے بہت انقباض ہوتا ہے۔ سلف میں ذکر و شغل کا زیادہ اہتمام نہ تھا۔ افعال و عادات اور اخلاق کا زیادہ اہتمام تھا۔ یہ ذکر و شغل کا غلبہ تو خلف میں ہوا کیونکہ وظیفوں میں حظ اور لذت ہے چنانچہ اگر حظ نہیں آتا تو شکایتیں کرتے ہیں اور مجاہدات میں کلفت ہے۔ چنانچہ ایک قصہ یاد آیا کہ حافظ ضامن صاحبؒ کے ایک خلیفہ تھے ان کے یہاں ایک مرتبہ چوری ہو گئی ان صاحب کا

رئیسانہ مزاج تھا مگر تھے صاحب نسبت ان کے سامنے کسی نے ایک جولاہے کا نام لے دیا وہ نمازی تھا مگر کم وقعت تھا اُن صاحب نے انکو بلایا وہ ڈر گیا اور باتیں دریافت کرتے وقت خوف کی وجہ سے اسکے کلام میں لغزش ہوگئی اسکی وجہ سے اس پر کچھ شبہہ ہوا اور ان صاحب نے اسکو مارا وہ مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا حال بیان کیا ۔ مولانا کو بہت ناگوار ہوا ۔ بس مولاناؒ نے ان صاحب کو رقعہ لکھا کہ اگر خدا تعالیٰ آپ سے سوال کریں کہ آپ نے اس غریب کو کس حجت شرعیہ سے مارا تو آپ کے پاس کچھ جواب ہے ؟ اس جواب کو آپ تیار کرلیں اس رقعہ کو پڑھکر ان صاحب کا سر سے پاؤں تک سناٹا نکل گیا بس گنگوہ پیدل پہونچے مولانا اسوقت حجرے میں لیٹے تھے باہر ایک طالب علم بیٹھے تھے ان صاحب نے ان طالب علم سے کہا کہ مولانا کو اطلاع کردو کہ ایک ناپاک کتا آیا ہے اگر منہ دکھانے کے قابل ہو تو منہ دکھاوے ورنہ کسی کنوئیں میں ڈوب مرے تاکہ یہ عالم پاک ہو ۔ طالب علم نے اطلاع کی مولانا نے بلا لیا ۔ ان صاحب نے کہا حضرت میں تو تباہ ہوگیا ۔ مولانا نے فرمایا کہ کیوں قصہ پھیلایا ہے ۔ گناہ ہوگیا تو توبہ کرلو یہی علاج ہے (ہمارے حضرت نے فرمایا کہ بعض دفعہ ایک شیخ دوسرے شیخ کے سامنے مبتدی ہوجاتا ہے) پھر وہ صاحب واپس آئے اور مجمع جمع کر کے جولاہہ کو بلایا اور کہا جتنا میں نے مارا تھا اتنا ہی مجھکو مار لے ۔ اس نے کہا مجھ سے ایسا نہ ہوگا ۔ ان صاحب نے کہا تو جب تک مجھے نہ مارلے گا جب تک تجھے نہ چھوڑوں گا ۔ پھر لوگوں نے کہا کہ صاحب بھلا اسکی مجال ہے کہ جو آپ کے ساتھ ایسا کر سکے اگر آپ اسے اس پر مجبور کریں گے تو یہ اسکے ساتھ دوسرا ظلم ہوگا ۔ تب ان صاحب نے اسے چھوڑا ۔ پھر وہ صاحب جب تک زندہ رہے اسکی خدمت کرتے رہے ۔

ف : اس سے حضرت والا کی شان تربیت معلوم ہوئی کہ مقصود اس سے تعلیم تواضع و اصلاح اخلاق ہے۔

(۸۵) فرمایا کہ دو کام ہیں ایک چھوٹا دوسرا بڑا۔ چھوٹا کام تو تعلیم اخلاق ہے اور بڑا نسبت باطنی کی تحصیل ہے سو بڑوں نے بڑا کام لیا ہے اور میں چونکہ چھوٹا ہوں اسلئے میں نے چھوٹا کام اپنے ذمہ لیا ہے جیسے کہ میاں جی اول بچوں کو قاعدہ بغدادی پڑھاتے ہیں پھر جب وہ پڑھنے لگتے ہیں تو بڑے بڑے مدرسوں میں چلے جاتے ہیں مگر بڑے بڑے عالموں کا کام بغیر میاں جی کے نہیں چل سکتا اگر میاں جی قاعدہ نہ پڑھاویں تو اس طالب علم میں بڑے مدرسہ میں جاکر پڑھنے کی قابلیت نہیں ہو سکتی۔

ف : اس سے حضرت والا کا تواضع و افتقار و عبدیت اظہر من الشمس ہے

(۸۶) فرمایا کہ بھائی منشی اکبر علی صاحب ماشاء اللہ بہت خوش فہم تھے انکی ایک لڑکی کی شادی میں میں شریک نہیں ہوا تھا کہ انکے گھر والوں نے مجمع کا اہتمام کیا تھا، انھوں نے پھر مجھ سے کہا کہ ہم مجمع نہ کریں، میں نے کہا اس سے تمھاری اہانت ہوگی اور ان لوگوں کی دل شکنی ہے کیونکہ پہلے انھیں مہمان بنایا گیا ہے انھوں نے غایت خوش فہمی سے میری عدم شرکت منظور کرلی اور کہا کہ تم صاحب منصب ہو تمھارے متعلق دین کا کام ہے میں دین میں خلل ڈالنا نہیں چاہتا۔

ف : اس ملفوظ سے بھی حضرت والا کی آزادی عرفیات و رسوم سے اور سلامت فہم ظاہر ہے۔

(۸۷) ایک صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے جو دھوتی باندھے ہوئے تھے۔ ان سے حضرت نے دریافت فرمایا کہ کس غرض سے آنا ہوا۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں صرف ملنے آیا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ کچھ کہنا ہے تو کہو، انھوں نے کہا کہ مجھے کچھ کہنا نہیں ہے۔ پھر بعد ظہر حاضر ہو کر کہا میں کچھ کہنا چاہتا ہوں اسپر

حضرت والا نے فرمایا کہ اس وقت میں نے صاف کہدیا تھا کہ کچھ اور کہنا ہے؟ تین مرتبہ پوچھا ہر دفعہ یہی کہا کہ کچھ نہیں کہنا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک شخص جس سے خط و کتابت اور جان پہچان نہ ہو وہ اتنی دور سے محض محبت اور عشق میں بھاگا ہوا یہاں آوے اور اس شخص کے ساتھ ایسا بُرا برتاؤ کرے ان صاحب نے کہا میں گاؤں کا آدمی ہوں، فرمایا یہ خوب سیکھا ہے کہ ہم گاؤں کے ہیں کلکٹر کے سامنے کوئی ایسی بیہودگی نہیں کرتا مُلّا نے ہی مشق کے لئے رہ گئے ہیں۔ دراصل اہل دین کی وقعت نہیں ہے لوگوں کے قلب میں، اس وجہ سے یہ بے پروائی کی جاتی ہے۔ کچہری میں جاکر سارے لکھنواور دلی ہی کے بن جاتے ہیں۔ پھر حضرت نے ایک خادم کے ذریعہ سے دریافت کرایا کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے نذر پیش کرنے کو کہا فرمایا کہ یہ طریقہ نذر پیش کرنے کا نہیں ہے۔ پھر انھوں نے کہا کہ مجھے پھر آنے کی اجازت دی جائے۔ فرمایا کہ تین شرطوں سے اجازت دیتا ہوں (۱) اپنی دینی حالت درست کرو اور یہ جو دھوتی باندھے ہوئے ہو اس کو آگ لگاؤ۔ (۲) جب تک پانچ یا چھ ماہ تک خط میرے پاس نہ بھیج لو تب تک میرے پاس نہ آؤ (۳) نذر دینے کا کبھی ارادہ نہ کرنا اگر اس ارادہ سے آوگے تو مجھکو کلفت ہوگی۔ اس پر وہ صاحب مصافحہ کر کے چلے گئے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ ایسا بڑا شوق تھا اور فقط دینا ہی مقصود تھا تو منی آرڈر کر کے بھیجدیتے۔ ان صاحب نے چلتے وقت یہ بھی کہا تھا کہ غلام سے خطا ہوئی، فرمایا کہ غلام ایسی گستاخی کرہی نہیں سکتا تم غلام نہیں ہو بلکہ بڑے آزاد آدمی ہو جو آکر ایسی تکلیف دی۔ یہ ایسی مثال ہے کہ رؤسا اول نوکر کے تھپڑ لگاتے ہیں اور پھر کچھ دیدیتے ہیں کہ ذرا اسکا دل ٹھنڈا ہوجاوے اسی طرح اول آپ نے تکلیف دی پھر نذرانہ سے اسکا تدارک کرنا چاہا ان لوگوں کو پیرزادوں نے بگاڑا ہے، تھوڑی سی خطا انکی بھی ہے کہ حکام دنیوی

کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں نہیں کرتے گو ہم اس قابل نہیں لیکن جب وہ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں تو اسکی ان سے شکایت کی جاتی ہے ؎

نگفتہ ندارد کسے با تو کار ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

(تمہاری نہ کہی ہوئی بات پر کوئی تم سے باز پرس نہ کرے گا لیکن جب تم نے کہدیا تو اسکی دلیل کا مطالبہ ہوگا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کس قدر ستاتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی ناگوار نہیں ہوا اور مسلمانوں کی ذرا ذرا سی بات پر ناگواری ہوتی تھی ایک ذرا سا مسئلہ لقطہ ابل کا دریافت کیا گیا اسپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا۔ ف: اس سے کلی حضرت والا کی شان تربیت اور فراست صحیحہ ثابت ہے

(۸۸) فرمایا کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی قبر کچی ہے میں نے اسکا سبب پوچھا لوگوں نے کہا کہ یہ متبع شریعت بہت تھے اس وجہ سے انکی قبر کچی ہے، پھر فرمایا کہ حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ کے مزار پر سماع نہیں ہوتا اور قطب صاحب کے مزار پر عورت نہیں جانے پاتی، لیکن سبب اسکا احکام کی وقعت نہیں ورنہ سب جگہ ہوتا بلکہ خاص ان بزرگ کی تعظیم ہے، پس یہ حالت اعتقاد کی رہ گئی ہے کہ شریعت کی بات کو براہ راست نہیں مانتے اور جب کسی بزرگ سے اسکا تعلق ہو تب قابل عمل سمجھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کی وقعت نہیں۔

ف: اس سے حضرت والا کی دقت فہم اور معنی رسی ظاہر ہوئی۔

(۸۹) فرمایا کہ میں ایک مرتبہ گلاؤٹھی جاتے ہوئے ہاپوڑ اترا وہاں کے سب انسپکٹر صاحب کو ایک سپاہی نے اطلاع کردی انھوں نے اپنے مکان پر ٹھہرایا اور شبیر علی کو پانچ روپیہ دینے لگے انھوں نے کہا کہ میں بے اجازت نہیں لے سکتا۔ اس پر انھوں نے کہا مجھے اجازت دے دیجیے میں نے کہا آپ ان کے باپ کو دیتے ہیں یا مجھے یا ان کو؟ اگر آپ ان کو

دیتے ہیں تو انکے کام اسلئے نہیں آسکتا کہ انکا نان ونفقہ انکے والد کے ذمہ ہے بس اب یہ دینا انکے والد کو ہوا انکا نفع پانچ روپیہ کا ہو جاوے گا کہ پانچ روپیہ خرچ کے بچ جاویں گے غرض انکے کام تو نہ آیا اور اگر ان کے والد کو دینا ہے تو انکو تو خبر بھی نہیں جو مقصود ہے ہدیہ کا یعنی باہمی تعلقات کا بڑھنا وہ حاصل نہ ہوا۔ اور اگر مجھکو دینا ہے تو میرے ہوتے ہوئے انکے ہاتھ میں دینا کیا معنی؟ اب آپ یہ کہئے کہ آپ کا مقصود کس کو دینا ہے؟ تب انھوں نے بے تکلف کہدیا کہ مجھے تو آپ کو دینا مقصود ہے تو میں نے کہا میرے ہاتھ میں دو، چنانچہ انھوں نے مجھے دیئے میں نے لے لئے، بس بے تکلف بات یہ تھی۔

ف: اس سے حضرت والا کی بے تکلفی [illegible]

(۹۰) ایک صاحب نے حضرت والا کی چھتری جہاں سے لی تھی بجائے اسکے دوسری جگہ رکھدی، فرمایا کہ یہ بھی آداب میں سے ہے کہ جو چیز جہاں سے لے وہیں رکھے اور صرف دوسرے ہی کی چیز نہیں بلکہ اپنی بھی جہاں سے لے وہیں رکھے میں نے تو اپنے مکان میں تمام چیزیں مقررہ جگہوں پر رکھی ہیں اس میں پریشانی نہیں فرض کرو دیا سلائی کا بکس ہے اگر مقررہ جگہ پر رکھا ہوگا تو آدھی رات کو بھی ہاتھ پڑے گا تو فوراً مل جائے گا۔

ف: اس سے حضرت والا میں حسن انتظام کا طبیعت ثانیہ ہونا معلوم ہوا اور تعلیم آداب معاشرت کی بھی۔

(۹۱) ایک پنشن دار کا خط آیا تھا۔ ایک مولوی صاحب نے پوچھا کہ پنشن کی حقیقت کیا ہے فرمایا کہ پنشن کی حقیقت احسان ہے کہ اب یہ معذور ہو گیا اب کہاں جائے بس یہ ہبہ ہے۔

ف: اس سے حضرت والا کی حقیقت شناسی ثابت ہے۔

(۹۲) فرمایا کہ میں نے تشبہ کے متعلق گورکھپور میں ایک مضمون بیان کیا تھا

کو تشبہ عقلی طور پر کبھی مذموم ہے اگر کسی جنٹلمین سے کہا جاوے کہ آپ اپنی بیگم صاحبہ کا لباس پہنکر باہر کرسی پر بیٹھ جائیے تو کیا گوارا کریں گے؟ اگر دعویٰ کریں کہ ہاں گوارا کریں گے تو ہم ایسے نہ مانیں گے ذرا عملی طور پر کرکے دکھلاویں اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو منشا، اس ناگواری کا تشبہ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

ف: اس سے حضرت والا کی رعایت مذاق مخاطب معلوم ہوئی۔

(۹۳) فرمایا کہ بہت عرصہ تک میں یہ سمجھتا رہا کہ بخل زیادہ برا ہے اسراف سے، لیکن واقعات سے معلوم ہوا کہ مضرتیں اسراف میں زیادہ ہیں۔ بخل میں اتنی مضرتیں نہیں ہیں مگر اہل عرف بخل کو زیادہ برا سمجھتے ہیں۔ بخیل اکثر نمازی اور وظیفہ بہت ہوتا ہے کہ کسی طرح لوگ اسکے معتقد ہوں۔

ف: اس سے حضرت والا کا تجربہ اور حقیقت شناسی ظاہر ہے۔

(۹۴) فرمایا کہ آیت مداینۃ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ الخ (اے ایمان والو جب ادھار کا معاملہ کرنے لگو ایک میعاد معین تک تو اسکو لکھ لیا کرو) سب سے زیادہ رحمت کی آیت ہے کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں کو ایک پیسہ کا ہمارا نقصان گوارا نہیں پھر وہ ہمارے عذاب کو کیسے گوارا فرمائیں گے۔

ف: اس سے حضرت اقدس کی دقت فہم ظاہر ہے۔

(۹۵) فرمایا کہ اگر کوئی دین کی حاجت لیکر آئے تب تو سبحان اللہ اور جو دنیا کی حاجت لیکر آتا ہے وہ نظروں سے گر جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ امیروں کو مِن خاص اکرام کی عادت ہوتی ہے اگر انکا وہ اکرام نہ کیا جائے تو انکو رنج ہوتا اسلئے انکے ساتھ معاملہ غرباء سے ذرا ممتاز ہونا مصلحت ہے۔

ف: یہ ملفوظ حضرت والا کے عظمت دین، عقل و تجربہ اور فہم سلیم پر دال ہے۔

ایصال ثواب
اور
اس کے احکام و مسائل

ایصال ثواب دعا میت کی تاکید از قول باری تعالیٰ

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (الحشر آیت ۱۰)

ترجمہ: اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئے جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخشدے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے۔ اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں۔

ف: اسمیں سابقین کیلئے دعا کرنے کی ترغیب ہے اور صوفیہ کی عادت لازمہ ہے اپنے سلف کیلئے دعا، اور ایصال ثواب کرنے کی۔ (مسائل السلوک من کلام ملک الملوک)۔

اموات کو طاعات بدنیہ و مالیہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ دلائل از احادیث

(۱) الحدیث مَا الْمَیِّتُ فِیْ قَبْرِہٖ اِلَّا کَالْغَرِیْقِ الْمُتَغَوِّثِ یَنْتَظِرُ دَعْوَۃً تَلْحَقُهٗ مِنْ اَبِیْهِ اَوْ مِنْ اَخِیْهِ اَوْ صَدِیْقٍ لَّهٗ ۔ الحدیث ابو منصور الدیلمی فی مسند الفردوس من حدیث ابن عباسؓ وفیہ الحسن بن علی بن عبد الرحمن قال الذہبی حدث علی ہشام بن عمار بحدیث باطل وتمامہ فَاِذَا لَحِقَتْهُ کَانَتْ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْهَا وَاِنَّ هَدَایَا الْاَحْیَآءِ لِلْاَمْوَاتِ الدُّعَاءُ وَالْاِسْتِغْفَارُ۔

ترجمہ: میت کی حالت اپنی قبر میں ایسی ہی ہے جیسے ڈوبتا ہوا جو مدد چاہتا ہو (اسی طرح مردہ) منتظر دعار کا رہتا ہے جو اسکو اسکے باپ کی، بھائی کی یا کسی دوست کی طرف سے پہنچ جائے اور تتمہ حدیث کا یہ ہے کہ جب وہ دعار اسکو پہونچتی ہے تو وہ اسکے نزدیک تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے احیار کے ہدایا اموات کے لئے دعار و استغفار ہیں۔

ف: یہ صریح ہے اس میں کہ احیار (زندوں) کے اعمال اموات (مُردوں) کو نافع ہوتے ہیں خواہ دعار ہو جیسا اس حدیث میں ہے خواہ طاعات مالیہ ہوں خواہ طاعات بدنیہ ہوں جیسا دوسری نصوص میں ہے۔

(التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف ص ۱۴۸، ۱۴۹)

۲) عَنْ صَالِحِ بْنِ دِرْهَمٍ يَقُوْلُ انْطَلَقْنَا حَاجِّيْنَ فَإِذَا رَجُلٌ فَقَالَ إِلٰى جَنْبِكُمْ قَرْيَةٌ يُقَالُ لَهَا الْاُبُلَّةُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ مَنْ يَّضْمَنُ لِيْ اَنْ يُّصَلِّيَ لِيْ فِيْ مَسْجِدِ الْعِشَارِ رَكْعَتَيْنِ اَوْ اَرْبَعًا وَيَقُوْلُ هٰذِهٖ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ ؓ سَمِعْتُ خَلِيْلِيْ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مِنْ مَسْجِدِ الْعِشَارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُهَدَاءَ لَا يَقُوْمُ مَعَ شُهَدَاءِ بَدْرٍ غَيْرُهُمْ ۔ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ: صالح بن درہم سے روایت ہے کہ ہم حج کرنے چلے تو ایک شخص ملے اور کہنے لگے کہ کیا تمھارے قرب میں کوئی گاؤں ہے جس کو ابلہ کہتے ہیں؟ ہم نے کہا ہاں ہے کہنے لگے تم میں سے کوئی شخص اس بات کی ذمہ داری کر سکتا ہے میری طرف سے مسجد عشار میں دو رکعت یا چار رکعت پڑھے اور کہدے ابوہریرہ ؓ کی طرف سے ہے۔ میں نے اپنے محبوب قلبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسجد عشار سے قیامت کے دن کچھ شہدار اٹھائے گا تو شہدار بدر کے ساتھ بجز ان کے کوئی نہ اٹھے گا۔

ف: اس حدیث میں حضرت ابوہریرہ ؓ کی طرف سے پڑھنے کو اور اس کہنے سے کہ یہ ابوہریرہ ؓ کی طرف سے ہے بجز اسکے کچھ معنی نہیں کہ اسکا

ثواب حضرت ابو ہریرہؓ کو ملے۔ اس لئے ایصال ثواب کے متعلق دو امر ثابت ہوئے ایک یہ کہ جس طرح عبادت مالیہ کا ثواب پہنچتا ہے اسی طرح عبادت بدنیہ کا ثواب بھی پہنچتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جس طرح میت کو ثواب پہنچتا ہے اسی طرح زندہ کو بھی پہنچتا ہے کیونکہ یہ شخص ابو ہریرہؓ تھے اور اس وقت زندہ تھے۔ (التکشف عن مہمات التصوف ص۶۷۳)

(۳) اخرج ابو محمد السمرقندیؒ فی فضائل قُلْ هُوَ اللّٰهُ عن علیؓ مَرْفُوْعًا مَنْ مَرَّ عَلَى الْمَقَابِرِ وَقَرَأَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ وَهَبَ اَجْرَهُ عَلَى الْاَمْوَاتِ اُعْطِيَ مِنَ الْاَجْرِ بِعَدَدِ الْاَمْوَاتِ

(شرح الصدور۔ امام سیوطی)

ترجمہ: قُلْ هُوَ اللّٰهُ (سورہ اخلاص) کے فضائل میں ابو محمد سمرقندیؒ حضرت علیؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ جو شخص قبرستان میں گذرے اور گیارہ مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ پڑھکر قبرستان کے مردوں کو بخشدے تو پڑھنے والے کو اتنا ثواب ملیگا جس قدر مردے قبرستان میں ہیں۔

(۴) اخرج ابو القاسم سعد بن علی الزنجانی فی فوائدہ عن ابی ہریرۃؓ مَرْفُوْعًا مَنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ ثُمَّ قَرَأَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَاَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ جَعَلْتُ ثَوَابَ قِرَاءَتِيْ مِنْ كَلَامِكَ لِاَهْلِ الْمَقَابِرِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ كَانُوْا شُفَعَاءَ لَهُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى　(شرح الصدور بشرح احوال الموتیٰ والقبور)

ترجمہ: ابو القاسم سعد بن علی الزنجانی حضرت ابو ہریرہؓ سے اپنی کتاب "فوائد" میں مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ جو شخص قبرستان میں گزرے اور سورہ الحمد، قل ھو اللہ اور الھکم التکاثر پڑھے اور کہے الہٰی میں نے اس قرآن پڑھنے کا ثواب اس قبرستان کے مسلمان مردوں اور عورتوں کو بخشا تو وہ سب مردے روز جزا اسکی شفاعت کریں گے۔

(۵) اخرج عبد العزیز صاحب الخلال بسنده عن انسؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ دَخَلَ الْمَقَابِرَ فَقَرَأَ سُوْرَةَ يٰسٓ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَكَانَ لَهٗ بِعَدَدِ مَنْ فِيْهَا حَسَنَاتٌ۔

(شرح الصدور بشرح احوال الموتیٰ والقبور)

ترجمہ: عبدالعزیز صاحب خلال نے بروایت حضرت انسؓ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں آئے پھر سورۂ یٰسین پڑھے اس قبرستان کے جن مردوں پر عذاب ہو رہا ہے خدا تعالیٰ اس میں تخفیف فرما دیتے ہیں اور پڑھنے والے کو اس قدر ثواب ہوتا ہے جس قدر مردے قبرستان میں ہیں۔

ف: حدیث ۳، ۴، ۵ میں قبرستان میں سے گزرتے وقت تلاوت کلام پاک کرکے ایصال ثواب کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے نیز ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے - - - - - - - - - - کہ ایصال ثواب کرنے والے کا بھی ثواب باقی رہتا ہے۔ یہ نہیں کہ ایصال ثواب کرنے کے بعد ایصال ثواب کرنے والے کو کچھ نہ ملے۔ سبحان اللہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی کتنی رحمت ہے۔

(۶) روی الترمذی فی باب المتصدّق یرث صَدَقتهٗ عن امرأةٍ فقالت یا رَسُوْلَ اللّٰهِ كان علیها (ای علی امّی) صوم شهر افاصوم عنها قال صومی عنها الحدیث قلت: هو اصل فی وصول ثواب العبادة البدنیة کما هو مذهب الحنفیه ولا یلزم منه کفایة هذا القوم لاحتمال ان یکون مقصود السوال مطلق النفع لها قلت و دلّ حدیث امر ابی هریرةؓ رجلاً بان یصلی رکعتین فی مسجد العشاء و یقول هذه لابی هریرة علی وصول الثواب الی الحیّ ویدل تضحیة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن امّته علی وصوله الی

من سیولد۔ و ذکرت المسئلتین تبعا لمسئلۃ الباب (بوادر النوادر ص ۱۱۸ ج ۱)

ترجمہ: ترمذی باب صدقہ میں ہے کہ ایک عورت نے کہا کہ یا رسول اللہ میری ماں کے ذمے ایک مہینے کے روزے تھے کیا میں انکی طرف سے روزے رکھ لوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسکی طرف سے روزے رکھ لو" یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ عبادت بدنیہ کا ثواب پہنچتا ہے جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ اس کے روزے اسکو مطلقاً کافی ہو جائیں گے کیونکہ ممکن ہے سوال سے مقصود صرف انکو نفع پہنچانا ہو۔ اور حضرت ابی ہریرہؓ کا حکم فرمانا کہ "کوئی مسجد عشار میں دو رکعتیں پڑھے اور یہ کہے کہ یہ ابی ہریرہؓ کیلئے ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زندوں کو بھی ثواب پہنچتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت کی طرف سے قربانی فرمانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ جو لوگ آئندہ پیدا ہونے والے ہیں انکو بھی ثواب پہنچ سکتا ہے۔

ایصال ثواب کی حقیقت

وصول ثواب کے لئے اس عمل پر اول عامل کو ثواب ملنا شرط ہے اور ثواب ملنے کے لئے ایمان شرط ہے پس غیر مؤمن کے اس عمل یعنی اعطار و انفاق کا ثواب نہیں پہنچ سکتا

(امداد الفتاوی ج ۱ ص ۵۴۶)

پس اگر اپنے کسی عمل[1] کا ثواب پہنچانا مقصود ہو تو چاہئے کہ خود پہلے وہ عمل کرے یہ نہیں کہ عمل کرنے سے پہلے ہی اسکا ثواب کسی کو بخشدے (مثلاً اگر کسی غریب یا مسکین کو کھانا کھلا کر ایصال ثواب کرنا ہو تو اس مسکین کے کھانا کھا چکنے کے بعد ایصال ثواب کرنا چاہئے) اور بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہو کر بخشوع و خضوع عرض کرے کہ یا اللہ میرے اس عمل کو قبول فرما اور اس کا

---

[1] ہدایہ میں ہے کہ انسان اپنے عمل کا ثواب اپنے غیر کے لئے قرار دے خواہ وہ نماز ہو کہ روزہ کہ صدقہ (فتاوی رشیدیہ ص ۱۵۱۴) یہ ہے ایصال ثواب کی حقیقت۔

ثواب فلاں فلاں مردہ کو پہنچا دے۔

ردالمحتار ج ا ص ۹۶۲ میں ہے ویقرأ من القرآن ماتیسر له الی قوله اَللّٰهُمَّ اَوْصِلْ ثَوَابَ مَاقَرَأْنَاهُ اِلٰی فُلَانٍ اَوْاِلَیْهِمْ یعنی قرآن پاک میں سے جو پڑھنا میسر ہو پڑھے اسکے بعد یوں کہے کہ اے اللہ جو میں نے پڑھا ہے اسکا ثواب فلاں کو یا ان لوگوں کو پہنچا دے۔

ایصال ثواب کیلئے ختم قرآن پر اجرت لینا باتفاق جائز نہیں

علامہ شامیؒ نے درمختار کی شرح میں اور اپنے رسالہ شفاء العلیل میں بڑی تفصیل اور قوی دلائل کے ساتھ یہ بات واضح کردی ہے کہ تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینے کو جن متاخرین فقہاء نے جائز قرار دیا ہے اسکی علت ایک ایسی دینی ضرورت ہے جس میں خلل آنے سے پورے دین کا نظام مختل ہوجاتا ہے اسلئے اس کو ایسی ہی ضرورت کے مواقع میں محدود رکھنا ضروری ہے۔ اسلئے مُردوں کو ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن کرانا یا کوئی دوسرا وظیفہ پڑھوانا اجرت کے ساتھ حرام ہے کیونکہ اس پر کسی دینی ضرورت کا مدار نہیں۔ اور اجرت لیکر پڑھنا حرام ہوا تو اس طرح پڑھنے اور پڑھوانے والے دونوں گنہگار ہوئے اور جب پڑھنے والے کو کوئی ثواب نہ ملا تو وہ میت کو کیا پہنچائیگا؟ علامہ شامیؒ نے اس بات پر فقہاء کی بہت سی تصریحات تاج الشریعۃ، عینی شرح ہدایہ حاشیہ خیرالدین اور بحرالرائق سے نقل کی ہیں اور خیرالدین رملیؒ کا یہ قول کلی نقل کیا ہے کہ ایصال ثواب کے لئے قبر پر قرآن پڑھوانا یا اجرت دے کر ختم کرانا صحابہؓ و تابعینؒ اور اسلاف امت سے کہیں منقول نہیں اس لئے بدعت ہے (تفسیر معارف القرآن ج ا ص ۱۴۹ از سیدی و مرشدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مدظلہم)

فتاوی رشیدیہ ص ۵۵۴ میں ہے کہ ثواب میت کو پہونچا

بلا قید تاریخ وغیرہ اگر ہو تو عین ثواب ہے اور جب تخصیصات اور التزامات مروجہ ہوں تو نا درست اور قابل مواخذہ ہو جاتا ہے"

ایصال ثواب کا احسن طریقہ

سب سے افضل اور بہتر صورت تو یہی ہے کہ مستحقین کو نقد تقسیم کر دیا جائے کیونکہ نہ معلوم انھیں کیا ضرورت ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ خشک جنس دی جائے کہ جب جی چاہے گا پکا کر خود کھا لے گا۔ تیسرے درجہ کی صورت یہ ہے کہ پکا کر خود کھلایا جائے اور اسکی بہتر صورت یہ ہے کہ روزانہ ایک دو خوراک پکا کر مستحقین کو کھلایا جائے ایک دم پکانے میں مستحق اور غیر مستحق سب جمع ہو جاتے ہیں بلکہ زیادہ برادری ہی کھاتی ہے جیسا کہ رسم ہے (انفاس عیسیٰ ج ۲ ص ۲۱۵)

تلاوت کلام پاک کے ایصال ثواب کا احسن طریق

قرآن شریف میں ایصال ثواب کے لئے احباب خاص سے کہدیا جائے کہ اپنے اپنے مقام پر حسب توفیق پڑھکر ثواب پہنچا دیں اجتماعی صورت اس میں کلی مناسب نہیں کیونکہ اس میں اکثر اہل میت کو جتلانا ہوتا ہے خلوص نہیں ہوتا (انفاس عیسیٰ ج ۲ ص ۲۱۵)

مردہ کو ثواب پہنچتا ہے اصل چیز خیرات شدہ نہیں پہنچتی

عوام کا یہ اعتقاد کہ جو چیز صدقہ کیجائے مردہ کو وہی پہنچتی ہے چنانچہ بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ حضرات شہیدان کربلا رضی اللہ عنہم کے ایصال ثواب کے لئے محرم میں شربت پلاتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شربت کا ثواب شربت کی صورت میں ہی پہنچتا ہے۔ یہ غلط ہے حالانکہ نص سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالے کے یہاں نیت اور تقویٰ پہنچتا ہے۔ دوسرے ان کے فعل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک حضرات شہدا کربلا ابھی تک پیاسے ہیں (تکمیل الانعام فی صورۃ ذبح الانعام ص ۲۷)

ایصال ثواب کرنے کے بعد کلی عامل کو کلی پورا ثواب ملتا ہے

فی شرح الصدور بتخریج الطبرانی عَنْ اَبِیْ عَمْرٍو۔ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَصَدَّقَ اَحَدُکُمْ صَدَقَۃً تَطَوُّعًا فَلْیَجْعَلْھَا عَنْ اَبَوَیْہِ فَیَکُوْنَ لَھُمَا اَجْرُھَا وَلَا یُنْقَصُ مِنْ اَجْرِہٖ شَیْئًا (شرح الصدور میں بحوالہ طبرانی حضرت ابی عمرو سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر تم میں سے کوئی نفل صدقہ کرے تو چاہئے کہ اپنے ماں باپ کی طرف سے کردے تو اسکا ثواب ان دونوں کو ملجائے گا اور اس عامل کے ثواب میں سے کچھ کمی نہ ہوگا)

یہ حدیث نص ہے اس میں کہ ثواب بخشدینے سے کلی عامل کے پاس پورا ثواب رہتا ہے اور صحیح مسلم کی حدیث سے کلی اسکی تائید ہوتی ہے مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یُّنْقَصَ مِنْ اَجْرِہٖ شَیْئًا اَوْ کَمَا قَالَ (یعنی جس شخص نے کوئی خیر کا طریقہ جاری کیا تو اسکو اسکا ثواب ملے گا اور جو لوگ اس پر عمل کریں گے اسکا کلی اجر و ثواب اسکو ملے گا اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی کلی نہیں ہوگی)

وجہ تائید ظاہر ہے کہ دوسرے شخص کی طرف تعدیہ ثواب (یعنی ثواب کے پہنچنے اور منتقل کرنے) سے کلی عامل کا ثواب کم نہیں ہوتا اتنا فرق ہے کہ حدیث طبرانی میں تعدیہ بالقصد ہے اور حدیث مسلم میں بلا قصد سو یہ فرق حکم مقصود میں کچھ موثر نہیں اور فقہاء نے کلی ان روایات کے مدلول کو بلا تاویل متلقی بالقبول کیا ہے کما فی ردالمحتار عن زکاۃ التاتارخانیہ عن المحیط الافضل لِمَنْ یَتَصَدَّقُ نَفْلًا اَنْ یَّنْوِیَ بِجَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ لِاَنَّھَا تَصِلُ اِلَیْھِمْ وَلَا یُنْقَصُ مِنْ اَجْرِہٖ شَیْئٌ (یعنی نفل صدقہ کرنے والے کے لئے افضل اور بہتر یہ ہے کہ یہ نیت کرے کہ اسکا ثواب تمام مومنین و مومنات کو پہنچے اسلئے کہ ان کو ثواب پہنچ جائے گا اور

ایصال ثواب کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی) راز اس میں احقر کے ذوق میں یہ ہے کہ معانی میں توسع اسقدر ہے کہ تعدیہ الی المحل الآخر (کسی دوسرے محل تک پہنچانے) سے کلی محل اول سے زوال نہیں ہوتا چنانچہ تعدیہ علوم وفیوض میں مشاہد ہے بخلاف اعیان کے کہ وہاں ایسا نہیں بلکہ ہبہ کرنے کے بعد شئی موہوب واہب کے پاس نہیں رہتی وذکر العارف الرومیؒ فی المثنوی لبعض آثار التوسع المعنوی فقال ؎

در معانی قسمت واعداد نیست در معانی تجزیہ وافراد نیست

(کمالات اشرفیہ ص ۳۹۱ بوادر النوادر ۳۵۳) امداد الفتاوی مبوب ج ۱ ص ۵۱۳ھ

ایصال ثواب کی تقسیم

سیدالطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کے وجدان میں مُردوں کو برابر (اور پورا پورا) ثواب پہنچتا ہے۔ قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ کا گمان اسکے خلاف تھا (ملفوظات کمالات اشرفیہ ص ۱۹۱)

حضرت حکیم الامتؒ سے ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے استفسار کیا تو جواباً تحریر فرمایا سُئِلَ ابْنُ الحَجَرِ المَکِّیُّ عَمَّا لَوْ قَرَءَ لِاَھْلِ المَقْبَرَۃِ الفَاتِحَۃَ ھَلْ قُسِمَ الثَّوَابُ بَیْنَھُمْ اَوْ یَصِلُ لِکُلٍّ مِنْھُمْ ثَوَابُ ذٰلِکَ کَامِلاً فَاَجَابَ بِاَنَّہٗ اَفْتیٰ جَمْعٌ بِالثَّانِیْ وَھُوَ اللَّائِقُ بِسَعَۃِ الفَضْلِ (شامی ۹۴۴ ج ۱)

(یعنی ابن الحجر مکیؒ سے سوال کیا گیا کہ اگر سورۂ فاتحہ پڑھکر قبرستان والوں کو بخشا جائے تو کیا اسکا ثواب تقسیم ہوکر ان کو پہونچے گا یا ہر ایک کو پورا پورا ملے گا آپ نے جواب دیا کہ سب کو پورا پورا ملے گا اور علماء کی ایک جماعت نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اور یہی حق تعالیٰ کے بے پایاں فضل وکرم کے مناسب کلی ہے) مگر کسی نے دلیل میں کوئی نص ذکر نہیں کی اور ظاہر ہے کہ مسئلہ قیاسی ہے نہیں اس لئے بدون نص اس میں کوئی حکم

نہیں کیا جا سکتا البتہ حدیث طبرانی (اِذَا تَصَدَّقَ اَحَدُکُمْ صَدَقَۃً تَطَوُّعًا فَلْیَجْعَلْھَا عَنْ اَبَوَیْہِ فَیَکُوْنَ لَھُمَا اَجْرُھَا وَلَا یُنْقَصُ مِنْ اَجْرِہٖ شَیْئًا) کے ظاہر الفاظ سے عدم تجزی پر استدلال کیا جا سکتا ہے کیونکہ اَجْرُھَا کا مرجع صدقہ ہے جسکا حقیقی مفہوم کُلُّ الصَّدَقَۃِ ہے نہ کہ جُزْءُ الصَّدَقَۃِ اور لَھُمَا سے متبادر اور شائع اطلاق کیوقت کُلُّ وَاحِدٍ ہوتا ہے اور مجموعہ مراد ہونا محتاج قرینہ ہوتا ہے اور قرینہ کا فقدان ظاہر ہے پس معنی یہ ہوئے کہ دونوں میں سے ہر ہر واحد کو پورے صدقہ کا اجر ملے گا۔ (کمالات اشرفیہ ۳۱۲)

ایک مرتبہ مجلس میں اسکا تذکرہ آیا کہ ایصال ثواب سے موصل (ایصال ثواب کرنے والے) کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوتی بلکہ اس ایصال کا الگ مزید ثواب ملتا ہے نیز جن جن کو ایصال کیا جاتا ہے سب کو اتنا اتنا ثواب مل جاتا ہے۔ اسکی تائید میں مولانا رومی کا یہ شعر پڑھا

درمعانی قسمت وافراد نیست درمعانی تجزیہ و اعداد نیست

(معانی کے اندر تقسیم اور افراد نہیں ہوتے اور نہ حصے بخرے اور اعداد ہوتے ہیں)

اسکی حسی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک چراغ سے ہزار چراغ روشن ہو سکتے ہیں اور ایک استاد ایک وقت میں سو شاگردوں کو تعلیم دے سکتا ہے نہ اس چراغ کی روشنی میں کچھ کمی آتی ہے نہ استاد کے علم میں۔ (کمالات اشرفیہ ص ۳۱۵)

حضرت حاجی صاحبؒ نے ایصال ثواب جس کی تقسیم، عدم تقسیم میں کوئی نص قطعی نہیں اور اس میں اختلاف[1] ہوا ہے یہی فرمایا تھا کہ ہمکو اللہ تعالیٰ سے یہی امید[2] ہے کہ جب ہم چند آدمیوں کو ایک عمل کا ثواب پہونچاتے ہیں تو سب کو برابر (اور پورا پورا) ہی پہونچتا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں

---

[1] جن علماء سے کلام منقول ہے مقصود انکا حکم لگانا نہیں بلکہ محض بعض احتمالات کی اقربیت کو بیان کرنا ہے (امداد الفتاوی ج ۴ ص ۵۴۹) — [2] حدیث قدسی ہے اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ یعنی حق شانہٗ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے نزدیک ہوں۔

کچھ کمی تھوڑا ہی ہے (آداب المصاب لتسلیۃ الاحباب ص ۳۲)

عبادات مالیہ کا ثواب افضل ہے

عبادات مالی کا ثواب پہنچنا اہل حق کے نزدیک متفق علیہ ہے اس لئے اس لئے افضل ہے دوسرے اس میں نفع متعدی بھی ہے، تیسرے عبادت مالی میں نفس پر گرانی زیادہ ہوتی ہے، اور عبادت بدنی کے ایصال ثواب میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے (کمالات اشرفیہ ۱۳۳) البتہ ہمارے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں قسم کی عبادت کا ثواب پہنچتا ہے۔ بہرحال عبادت مالیہ کے ثواب کی افضلیت مردہ کے حق میں اس وجہ سے ثابت ہے (کمالات اشرفیہ ص ۱۹۰)

ایصال ثواب کا ایک ادب

ادب یہ ہے کہ کچھ پڑھکر علیحدہ بھی صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو ثواب بخشدیا کرے خواہ زیادہ کی ہمت نہ ہو مثلاً تین بار قل ہو اللہ پڑھے ایک کلام مجید کا ثواب پہنچ جائے گا (کمالات اشرفیہ ص ۱۹۰)

ایصال ثواب کے بارے میں حضرت حکیم الامت التھانویؒ کا معمول مبارک

فرمایا میں جو کچھ روزمرہ پڑھتا ہوں اسکا ثواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تمام انبیاء و صلحاء اور عام مسلمین و مسلمات کو جو مر چکے یا موجود ہیں یا آئندہ پیدا ہوں گے سب کو بخشدیتا ہوں اور کسی خاص موقع پر کسی خاص مردے کے بھی کچھ علیحدہ پڑھکر بخشدیتا ہوں۔ (کمالات اشرفیہ ص ۱۹۱)

ارواح بزرگان کے ایصال ثواب میں نیت

اگر بلا کسی خاص اہتمام اور بلا قید کسی تاریخ یا مہینہ کے بذریعۂ طعام غرباء و مساکین یا زر نقد بطور امداد غرباء و مساکین سے بزرگان سلف کو ایصال ثواب کیا جائے تو موجب ثواب ہے مگر یہ نیت

نہو کہ اس عمل سے انکی ارواح طیبہ سے فیض ہوگا گو باطنی ہی سہی (تربیت السالک حصہ ہفتم ص۲۴ بوادر النوادر۔ ج ۱ ص۶۲ مطبوعہ دیوبند)

قبر پر جا کر ایصال ثواب کرنے کی مصلحتیں

قبر پر جا کر ایصال ثواب کرنے میں تین مصلحتیں ہیں (۱) قبر پر جا کر فاتحہ پڑھنے سے علاوہ ایصال ثواب کے خود پڑھنے والے کو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہاں استحضار موت کا زیادہ ہوتا ہے (۲) باطنی مصلحت یہ ہے کہ مردے کو ذکر سے انس ہوتا ہے خواہ آہستہ آہستہ پڑھا جائے یا زور سے حق تعالےٰ مردے کو آواز پہونچا دیتے ہیں، یہ بات اولیاء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام مسلمین کبھی سنتے ہیں کیونکہ مرنے کے بعد روح میں بہ نسبت حیات کے کسی قدر ایک اطلاق کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور اسکا ادراک بڑھ جاتا ہے مگر نہ اتنا کہ کوئی انکو حاضر ناظر سمجھنے لگے (۳) ذکر کے انوار جو پھیلتے ہیں اس سے کبھی مردہ کو راحت پہونچتی ہے (ملفوظات کمالات اشرفیہ ص۱۹)

قبر پر ایصال ثواب کس طرح کرنا چاہیے

قبلہ کی طرف پشت کرکے فاتحہ پڑھنی چاہیئے تاکہ مردہ کا مواجہہ (یعنی آمنا سامنا) ہو (فیوض الرحمن ص۱۲۳)۔ قبر پر ویسے ہی دعا کرنا اور ثواب پہنچا دینا چاہیئے قبر کی طرف منہ کرکے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو فقہاء نے منع کیا ہے اس میں صاحب قبر سے استفادہ کا شبہہ ہوتا ہے ہاں قبر کی طرف پشت کرکے دعا مانگنا جائز ہے۔ اسلام میں توحید کی بے حد حفاظت کی گئی ہے مگر لوگ خیال نہیں کرتے گڑبڑ کرتے ہیں، ان ہی باتوں سے بدعات پیدا ہو گئی ہیں۔ (الافاضات الیومیہ ملفوظ ص۹۹ ج۵)

اکثر عوام اولیاء اللہ کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھکر اس نیت سے فاتحہ نیاز دلاتے ہیں کہ ان سے ہماری کاربراری ہوگی، مال و اولاد ہوگی ہمارا رزق بڑھیگا اور اولاد کی عمر بڑھے گی ہر مسلمان جانتا ہے کہ اس طرح کا عقیدہ شرک ہے

(اصلاح الرسوم ص ۱۱۱) بہر حال اس عقیدہ کی اصلاح بہت ضروری ہے۔

(۲) اکثر عوام کی عادت ہے کہ بہت سے طعام میں سے تھوڑا سا کھانا کسی طباق یا خوان میں رکھکر اسکو روبرو رکھکر فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں کیا نعوذ باللہ حق تعالیٰ شانہ کو نمونہ دکھلانا مقصود ہے کہ اس قسم کا کھانا دیگ میں ہے کیونکہ ایصال ثواب تو ساری دیگ کا کرنا مقصود ہے نہ کہ سامنے موجود کھانے کا ورنہ موجودہ کھانے کے علاوہ بقیہ دیگ کا کھانا ضایع ہوگا۔ غرض یہ حرکت محض رواج کی پابندی ہے اور پابندی بھی ایسی کہ عوام سمجھتے ہیں کہ بدون اس ہیئت خاصہ کے ثواب بھی نہ پہونچے گا اسلئے یہ قابل ترک ہے جبکہ طعام کے علاوہ روپیہ کپڑا یا غلہ کے ایصال ثواب کے وقت اس قسم کی فاتحہ کا اہتمام نہیں کیا جاتا اور نہ روبرو رکھا جاتا ہے۔ یہ تکلف تو صرف طعام اور شیرینی میں کیا جاتا ہے تفصیل کے لئے دیکھو اصلاح الرسوم ص ۱۲۰)

(۳) ایک عادت اور رواج یہ ہے کہ کھانا کھلانے اور دینے کے قبل بطریق متعارف (کھانا سامنے رکھکر چند سورتیں پڑھکر) بخشتے ہیں جب کھانا پک کر تیار ہوا ہے اور ابھی تک کسی کو نہیں کھلایا گیا تو ایصال ثواب کس چیز کا کیا جارہا ہے؟ کیونکہ ایصال ثواب کی حقیقت میں بیان ہو چکا ہے کہ ایک شخص نے کوئی نیک کام کیا اسکو کچھ ثواب ملنے کی توقع ہوئی جو کچھ ثواب اسکو ملا اس نے دوسرے کو بخشدیا، اگر کہا جائے کہ نیت کھلانے کی ہے اس لئے یہ اہتمام کیا جارہا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ نیت تو کھانا پکانے سے قبل بھی ہو چکی تھی پھر اس کھانے کے وقت یہ تکلف کیوں برتا جاتا ہے غرض یہ حرکت محض لغو اور بے معنی ہے جو قابل ترک ہے (تفصیل کیلئے دیکھو اصلاح الرسوم ص ۱۲۱/۱۲۲)

(۴) تخصیصات و تعینات کا ضروری سمجھنا مثلاً شب برات میں حلوا، عاشورۂ محرم میں کھچڑا وغیرہ۔ اسی طرح معین تاریخوں کا اہتمام

مثلاً گیارھویں یا مردہ کے مرنے کے بعد تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں، برسی وغیرہ واجب الترک سومات ہیں جن میں رسم ورواج کی پابندی، ریا وتفاخر ومکروہات وقیودات شامل ہیں شریعت میں انکی کچھ اصل نہیں بلکہ بلا تردد نا جائز ہیں۔

اختتام پر نصیحت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے تحفۃ الموحدین میں ایصال ثواب کے بیان میں بلبل شیرازی کا عجیب شعر نقل کیا ہے ؎

برگِ عیشت بگورِ خویش فریس ۔۔۔ کہ نیارو زکس تو پیش فریس

یعنی عیش کے سامان مرنے سے قبل اپنی قبر میں تو خود بھیج لے کیونکہ کوئی کسی کے کام نہیں آتا اسلئے تو اپنا سامان خود بھیج لے

اس دور میں تو مذکورہ شعر حقیقت کا مصداق ہے اسلئے ہمیں مرنے کے بعد یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ کوئی ہمارے لئے ایصال ثواب کریگا گویا اسکا مصداق ہونا چاہیئے

طمع فاتحہ از خلق نداریم نیاز ۔۔۔ عشق من از پس من فاتحہ خوانم باقیست

(نیاز اہم مخلوق سے فاتحہ کی امید نہیں رکھتے ہمارا عشق ہی ہمارے بعد فاتحہ خواں باقی رہیگا)

آجکل اپنے احبار واقربار وجمیع مسلمین ومومنات کو ایصال ثواب کا اہتمام بہت ہی کم کیا جارہا ہے گویا مرتے ہی بھول جاتے ہیں۔ ایصال ثواب کا بطریق مشروع، بلا فسادِ عقیدہ بلا تخصیصِ ایام و بلا قیدِ رسومات ضرور اہتمام کرنا چاہیئے کیونکہ ہمارے پیرانِ پیر شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کا ارشاد ہے "گاہ گاہ عوام مسلمین کی قبروں پر جاکر ایصال ثواب کریئے" (ضیار القلوب)

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ عالم برزخ بلاشبہ مومن کے لئے بڑی نعمت ہے کہ اپنے اعمال تو مرنے کے بعد ختم ہوجاتے ہیں لیکن احباب کی دعائیں اور ایصال ثواب اس تک پہونچتی رہتی ہیں، البتہ کافر کو ایصال ثواب سے کچھ فائدہ نہیں پہونچ سکتا یہ صرف مسلمان کے لئے خاص ہے۔

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى ۔ آمین ۔

نکاح کرنا آسان ہے

اللہ تعالیٰ نے ہر مرد و عورت کے اندر فطری طور پر ایک جنسی جذبہ اور خواہش رکھی ہے اس فطری جذبہ اور خواہش کی تسکین کے لئے ایک حلال راستہ تجویز فرما دیا ہے وہ ہے نکاح کا راستہ اور شوہر بیوی کے تعلقات میں اس ضرورت کو پورا کرنا اولین اہمیت کا حامل ہے اس لئے حلال کے سارے راستے کھول دیئے تاکہ کسی بھی مرد و عورت کو حرام طریقے سے اس جذبہ اور خواہش کی تسکین کا خیال پیدا نہ ہو، بیوی کو شوہر سے تسکین ہو اور شوہر کو بیوی سے تسکین ہو تاکہ دوسروں کی طرف دیکھنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے نکاح کے رشتے کو بہت آسان بنایا کہ صرف مرد و عورت موجود ہوں اور دو گواہ موجود ہوں اور وہ مرد، عورت ان گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کرلیں۔ بس نکاح ہوگیا حتیٰ کہ خطبۂ نکاح بھی پڑھنا ضروری نہیں، البتہ خطبہ پڑھنا سنت ہے۔ اسی طرح کسی قاضی سے یا کسی اور سے نکاح پڑھانے کی ضرورت نہیں ہے اگر دوسرے سے پڑھوالے تو یہ سنت ہے لیکن اسکے بغیر بھی اگر مرد و عورت خود دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کرلیں ایک کہے کہ میں نے تم سے نکاح کیا اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا بس نکاح منعقد ہوگیا۔

نکاح کے لئے نہ تو مسجد میں جانے کی ضرورت ہے نہ درمیان میں تیسرے شخص کو ڈالنے کی ضرورت ہے تاکہ حلال کا راستہ آسان سے آسان ہو جائے

برکت والا نکاح

اور دوسری طرف یہ تاکید فرمائی کہ نکاح کا معاملہ اور نکاح کی تقریب سادگی اور آسانی کے ساتھ انجام

دی جائے، کوئی رسم، کوئی شرط، کوئی لمبی چوڑی تقریب کرنے کی ضرورت نہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ جب اولاد بالغ ہو جائے تو اسکے نکاح کی فکر کرو تاکہ اسکو حرام کی طرف جانے کی خواہش اور ضرورت پیدا نہ ہو اور حلال کا راستہ آسان ہو جائے۔ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُؤْنَةً (مسند احمد ۶ : ۸۲)

سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں سب سے زیادہ آسانی ہو اور سادگی ہو۔ نکاح کو جتنا پھیلایا جائے گا اور جتنا اسکے اندر دھوم دھڑکا ہو گا اسی قدر اس میں برکت کم ہوتی چلی جائے گی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا نکاح

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں یعنی ان دس خوش نصیب صحابہؓ میں سے ہیں جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں خوش خبری سنا دی تھی کہ یہ جنت میں جائیں گے ایک مرتبہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ انکی قمیص کے اوپر زرد نشان اور رنگ لگا ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمھاری قمیص پر یہ زرد نشان کیسا لگا ہوا ہے؟ انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے ایک خاتون سے نکاح کر لیا ہے اور نکاح کے وقت ایک خوشبو لگائی تھی اور یہ خوشبو کا نشان ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:-

بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَعَلَيْكَ أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ (صحیح بخاری، کتاب البیوع باب فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا، حدیث نمبر ۲۰۴۸)

اللہ تعالیٰ اس میں تمھارے لئے برکت عطا فرمائیں ولیمہ کر لو چاہے وہ ایک بکری ہی کیوں نہ ہو۔

اس حدیث میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریبی صحابی ہیں لیکن نکاح کی تقریب میں صرف یہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا نہیں بلکہ ذکر تک نہیں کیا اور پھر جب خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رنگ کے بارے میں پوچھا تو اسکے جواب کے ضمن میں نکاح کی اطلاع دی اور نکاح کی خبر سنکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شکایت نہیں کی کہ تم اکیلے نکاح کر کے بیٹھ گئے ہمیں بلایا تک نہیں۔ اسلئے کہ شریعت نے نکاح کی تقریب پر سرے سے کوئی شرط اور قید عائد نہیں کی۔

آج نکاح کو مشکل بنا دیا گیا ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ایک خاتون سے نکاح کرلیا ہے (صحیح بخاری کتاب النکاح باب تزویج الثیبات حدیث نمبر ۵۰۷۹)۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریبی صحابہ میں سے تھے اور ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے رہتے تھے لیکن نکاح میں شرکت کی دعوت نہیں دی اسلئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس کا عام رواج تھا کہ نکاح کے لئے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا جاتا تھا یہ نہیں تھا کہ نکاح ہو رہا ہے تو ایک طوفان برپا ہے مہینوں سے اسکی تیاریاں ہو رہی ہیں اور پورے خاندان میں اسکی دھوم ہے اسکے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا۔ شریعت نے نکاح کو جتنا آسان کیا تھا ہم نے اسکو اپنی غلط رسموں کے ذریعہ اتنا ہی مشکل بنا دیا اسکا نتیجہ دیکھ لیجئے کہ لڑکیاں بغیر نکاح کے گھروں میں بیٹھی ہیں وہ اسلئے گھروں میں بیٹھی ہیں کہ جہیز مہیا کرنے کے لئے پیسے نہیں ہیں یا عالی شان تقریب کرنے کے لئے پیسے نہیں ہیں۔ اب ان کاموں کے لئے پیسے جمع کرنے کے لئے حلال و حرام ایک ہو رہا ہے یہ سب رسومات ہم نے

ہندوؤں سے اور عیسائیوں سے لے لی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت کا جو طریقہ ہمارے لئے مقرر فرمایا تھا وہ ہم نے چھوڑ دیا اور آج اسکا نتیجہ یہ ہے کہ حلال کے راستے بند ہیں۔ حلال طریقے سے خواہش پوری کرنے کے لئے بہت مال و دولت والا ہونا ضروری ہے لاکھوں روپیہ ہو تب جاکر نکاح کر سکے گا ورنہ نہیں اور دوسری طرف حرام کے ذرائع چاروں طرف چوپٹ کھلے ہیں، جب چاہے جس طرح چاہے پوری کرلے۔ دن رات گھر میں ٹی، وی چل رہی ہے فلمیں آرہی ہیں اور اسکے ذریعہ نفسانی اور شہوانی جذبات کو برانگیختہ کیا جارہا ہے، انکو بھڑکایا جارہا ہے اور اسکے نتیجہ میں فحاشی اور عریانی، بے غیرتی اور بے حیائی اور بے پردگی کی لعنت مسلط ہورہی ہے اگر بازار میں نکلو تو آنکھوں کو پناہ ملنی مشکل ہے۔ لہٰذا ان رسومات نے ہمارے معاشرے کو تباہی کے کنارے پر پہونچا دیا ہے۔

جہیز موجودہ معاشرے کی ایک لعنت

اس معاملے میں سب سے زیادہ ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو کھاتے پیتے امیر اور دولت مند گھرانے کہلاتے ہیں اس عذاب سے نجات اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کھاتے پیتے اور امیر کہلانے والے لوگ اس بات کا عزم نہ کریں کہ ہم اپنے خاندان میں شادیاں اور نکاح سادگی کے ساتھ کریں گے اور ان غلط رسموں کو ختم کریں گے، اس وقت تک تبدیلی نہیں آئیگی اسلئے کہ ایک غریب آدمی تو یہ سوچتا ہے کہ مجھے اپنی سفید پوشی برقرار رکھتے ہوئے اور اپنی ناک اونچی رکھنے کے لئے یہ کام کرنا ہی ہے۔ اسکے بغیر میرا گذارہ نہیں ہوگا اگر لڑکی کو جہیز نہیں دیں گے تو سسرال والے طعنے دیا کریں گے کہ کیا لیکر آئی تھی۔ آج جہیز کو شادی کا ایک لازمی حصہ سمجھ لیا گیا ہے۔ گھر گرہستی کا سامان مہیا کرنا جو شوہر کے ذمہ واجب تھا وہ آج بیوی کے باپ کے

ذمے واجب ہے گویا کہ وہ باپ اپنی بیٹی اور اپنے جگر کا ٹکڑا بھی شوہر کو دے دے اور اسکے ساتھ لاکھوں روپیہ بھی دے، گھر کا فرنیچر مہیا کرے اور اس طرح وہ دوسرے کا گھر آباد کرے۔ شریعت میں اسکی کوئی اصل موجود نہیں۔ ٹھیک ہے اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کو کوئی چیز دینا چاہتا ہے تو وہ سادگی کے ساتھ دے دے۔ بہرحال جو متمول اور کھاتے پیتے گھرانے کہلاتے ہیں ان پر یہ ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے کہ وہ جب تک اس سادگی کو نہیں اپنائیں گے اور اسکو ایک تحریک کی شکل میں نہیں چلائیں گے اس وقت تک اس عذاب سے نجات ملنی مشکل ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے یہ بات ہمارے دلوں میں ڈال دے۔

کچھ جہیز کے بارے میں

چند سال پہلے شام کے ایک بزرگ شیخ عبدالفتاح ہمارے یہاں تشریف لائے ہوئے تھے اتفاق سے ایک مقامی دوست بھی اسی وقت آ گئے اور جب انھوں نے ایک عرب بزرگ کو بیٹھے دیکھا تو ان سے دعا کی درخواست کرتے ہوئے کہا کہ میری دو بیٹیاں شادی کے لائق ہیں یہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ انکی شادی کے اسباب پیدا فرمائے۔ شیخ نے ان سے پوچھا کہ کیا ان کے لئے کوئی مناسب رشتہ نہیں مل رہا ہے؟ اس پر انھوں نے جواب دیا کہ رشتہ تو دونوں کا ہو چکا ہے لیکن میرے پاس اتنے مالی وسائل نہیں ہیں کہ

انکی شادی کرسکوں، شیخ نے یہ سنکر انتہائی حیرت سے پوچھا کہ وہ آپکی لڑکیاں ہیں یا لڑکے؟ کہنے لگے لڑکیاں ہیں۔ شیخ نے سراپا تعجب بنکر کہا لڑکیوں کی شادی کے لئے مالی وسائل کی کیا ضرورت ہے؟ انھوں نے کہا میرے پاس انھیں جہیز میں دینے کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ شیخ نے پوچھا جہیز کیا ہوتا ہے۔ اس پر حاضرین مجلس نے بتایا کہ ہمارے ملک میں یہ رواج ہے کہ باپ شادی کے وقت اپنی بیٹی کو زیورات، کپڑے، گھر کا اثاثہ اور بہت سا ساز و سامان دیتا ہے اسے جہیز کہتے ہیں۔ اور جہیز دینا باپ کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے جس کے بغیر لڑکی کی شادی کا تصور نہیں کیا جا سکتا اور لڑکی کے سسرال والے بھی اسکا مطالبہ کرتے ہیں۔ شیخ نے یہ تفصیل سنی اور سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کیا بیٹی کی شادی کرنا کوئی جرم ہے جس کی یہ سزا باپ کو دی جائے۔ پھر انھوں نے بتایا کہ ہمارے ملک میں اس قسم کی کوئی رسم نہیں ہے۔ اکثر جگہوں پر تو یہ لڑکے کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے کہ اپنے گھر میں دلہن کو لانے سے پہلے گھر کا اثاثہ اور دلہن کی ضروریات فراہم کرکے رکھے لڑکی کے باپ کو کچھ خرچ نہیں کرنا پڑتا اور بعض جگہوں پر رواج یہ ہے کہ لڑکی کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے سامان تو باپ ہی خریدتا ہے لیکن اسکی قیمت لڑکا ادا کرتا ہے البتہ باپ اپنی بیٹی کو رخصتی کے وقت کوئی مختصر سا تحفہ دینا چاہے تو دے سکتا ہے لیکن وہ بھی کوئی ایسا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔

اس واقعے سے کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں جہیز کو جس طرح بیٹی کی شادی کا ایک ناگزیر حصہ قرار دے لیا گیا ہے اسکے بارے میں عالم اسلام کے دوسرے علاقوں کا کیا نقطۂ نظر ہے؟

جیسا کہ شیخ کے حوالے سے پیچھے بیان کیا گیا، شرعی اعتبار سے بھی جہیز کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ اگر کوئی باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت

اسے کوئی تحفہ اپنی استطاعت کے مطابق دینا چاہے تو دیدے اور ظاہر ہے کہ تحفہ دیتے وقت لڑکی کی آئندہ ضروریات کو مدنظر رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے لیکن نہ وہ شادی کے لئے کوئی لازمی شرط ہے نہ سسرال والوں کو کوئی حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کریں، اور اگر کسی لڑکی کو جہیز نہ دیا جائے یا کم دیا جائے تو اس پر برا منائیں یا لڑکی کو مطعون کریں اور نہ یہ کوئی دکھاوے کی چیز ہے کہ شادی کے موقع پر اسکی نمائش کرکے اپنی شان کا اظہار کیا جائے اس سلسلہ میں ہمارے معاشرہ میں جو غلط تصورات پھیلے ہوئے ہیں وہ مختصراً درج ذیل ہیں:-

(۱) جہیز کو لڑکی کی شادی کے لئے ایک لازمی شرط سمجھا جاتا ہے چنانچہ جب تک جہیز دینے کے لئے پیسے نہ ہوں لڑکی کی شادی نہیں کی جاتی۔ ہمارے معاشرے میں نجانے کتنی لڑکیاں اسی وجہ سے بن بیاہی رہتی ہیں کہ باپ کے پاس انھیں دینے کے لئے جہیز نہیں ہوتا اور جب شادی سر پہ آہی جائے تو جہیز کی شرط پوری کرنے کے لئے باپ کو بعض اوقات روپیہ حاصل کرنے کے لئے ناجائز ذرائع اختیار کرنے پڑتے ہیں اور وہ رشوت جعلسازی، دھوکہ، فریب اور خیانت جیسے ذرائع کو نہیں اختیار کرنا چاہتا تو کم ازکم اپنے آپ کو قرض ادھار کے شکنجے میں جکڑنے پر مجبور ہوتا ہے۔

(۲) جہیز کی مقدار اور اسکے لئے لازمی اشیاء کی فہرست میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے، اب جہیز محض ایک بیٹی کے لئے باپ کا تحفہ نہیں ہے جو وہ خوشدلی سے اپنی استطاعت کی حد میں رہ کر دے بلکہ معاشرے کا ایک جبر ہے۔ چنانچہ اس میں صرف بیٹی کی ضروریات ہی داخل نہیں بلکہ اسکے شوہر کی ضروریات پوری کرنا اور اسکے گھر کو مزین کرنا بھی ایک لازمی حصہ ہے خواہ لڑکی کے باپ کا دل چاہے یا نہ چاہے

اسے یہ تمام لوازم پورے کرنے پڑتے ہیں۔

(۳) بات صرف اتنی نہیں ہے کہ لڑکی کی ضروریات پوری کرکے اس کا دل خوش کیا جائے بلکہ جہیز کی نمائش کی رسم نے یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ جہیز ایسا ہو کہ ہر دیکھنے والے کو خوش کرسکے اور انکی تعریف حاصل کرسکے۔

(۴) جہیز کے سلسلے میں سب سے گھٹیا بات یہ ہے کہ لڑکی کا شوہر یا اسکی سسرال کے لوگ جہیز پر نظر رکھتے ہیں بعض جگہ تو شاندار جہیز کا مطالبہ پوری ڈھٹائی سے کیا جاتا ہے اور بعض جگہ اگر صریح مطالبہ نہ ہو تب بھی توقعات یہ باندھی جاتی ہیں کہ دلہن اچھا سا جہیز لیکر آئے گی اور اگر یہ توقعات پوری نہ ہوں تو لڑکی کو طعنے دے دے کر اسکا ناک میں دم کردیا جاتا ہے۔

جہیز کے ساتھ اس قسم کی جو رسمیں اور تصورات نتھی کردیئے گئے ہیں اور انکی وجہ سے جو معاشرتی خرابیاں جنم لیتی رہی ہیں ان کا احساس ہمارے معاشرے کے اہل فکر میں مفقود نہیں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا بھی گیا ہے بعض تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں بلکہ سرکاری سطح پر بعض قوانین بھی بنائے گئے ہیں اور ان کوششوں کا یہ اثر بحمد اللہ ضرور ہوا ہے کہ اب جہیز کے بارے میں لوگوں کے بہت سے تصورات میں تبدیلی آئی ہے۔ جہیز کی نمائش کا سلسلہ کم ہوا ہے، بین الممالک شادی میں جہیز کی پابندی حالات کے جبر نے ترک کرادی ہے لیکن ابھی تک معاشرے کے ایک بڑے حصے میں ان غلط تصورات کی حکمرانی ختم نہیں ہوئی۔

بعض حضرات یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ جہیز کو قانوناً بالکل ممنوع قرار دے دیا جائے لیکن در اصل یہ ایک معاشرتی مسئلہ ہے اور اس

قسم کے مسائل صرف قانون کی عکڑ بند سے حل نہیں ہوتے اور نہ ایسے قوانین پر عمل کرانا ممکن ہوتا ہے اسکے لئے تعلیم و تربیت اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے ایک مناسب ذہنی فضا تیار کرنی ضروری ہے بذات خود اس بات میں کوئی شرعی یا اخلاقی خرابی بھی نہیں کہ ایک باپ اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اپنے دل کے تقاضے سے اسے ایسی چیزوں کا تحفہ پیش کرے جو اسکے لئے آئندہ زندگی میں کارآمد ہوں۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سادگی کے ساتھ کچھ جہیز عطا فرمایا تھا۔ شرعی اعتبار سے اس قسم کے جہیز کے لئے کوئی مقدار مقرر نہیں ہے اگر دوسرے مفاسد نہ ہوں تو باپ اپنے دلی تقاضے کے تحت جو دینا چاہتا ہے دے سکتا ہے لیکن خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ اول تو اسے نمود و نمائش کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اور دوسرے لڑکے والے عملاً اسے اپنا حق سمجھتے ہیں زیادہ سے زیادہ جہیز کی امیدیں باندھتے ہیں اور انتہائی گھٹیا بات یہ ہے کہ اسکی کمی کی وجہ سے لڑکی اور اسکے گھر والوں کو مطعون کرتے ہیں۔ جہیز کی ان خرابیوں کو ختم کرنے کے لئے معاشرے کے تمام طبقات کو ان تصورات کے خلاف جہاد کرنا پڑے گا تعلیم و تربیت ذرائع ابلاغ اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ ان تصورات کی قباحتیں مختلف انداز و اسلوب سے متواتر بیان کرنے اور کرتے رہنے کی ضرورت ہے یہانتک کہ یہ گھٹیا باتیں ہر کس و ناکس کی نظر میں ایک ایسا عیب بن جائیں جس کی اپنی طرف نسبت سے لوگ شرمانے لگیں۔

کسی بھی معاشرے میں پھیلے ہوئے غلط تصورات یا بری عادتیں اسی طرح رفتہ رفتہ دور ہوتی ہیں کہ اس معاشرے کے اہل اقتدار اہل علم و دانش اور دوسرے بارسوخ طبقے مل جل کر ایک ذہنی فضا

تیار کرتے ہیں یہ ذہنی فضا رفتہ رفتہ فروغ پاتی ہے اور لوگوں کی تربیت کرتی ہے لیکن اسکے لئے دردمند دل اور انتھک جدوجہد درکار ہے افسوس ہے کہ ہمارے ان طبقوں کے بیشتر افراد کچھ ایسے مسائل میں الجھ گئے ہیں کہ معاشرے کی اصلاح و تربیت کا کام جو کسی بھی قوم کی تعمیر کے لئے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے کسی شمار و قطار میں نظر نہیں آتا ذہنی تربیت اور کردار سازی کا کام سیاست اور فرقہ واریت کے ہاؤ ہو میں ایسا گم ہوا ہے کہ اب اسکا نام بھی ایک مذاق معلوم ہونے لگا ہے لیکن اس صورت حال میں مایوس ہو کر بیٹھ جانا بھی درست نہیں ایک داعیٔ حق کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی بات کہنے سے نہ اکتائے، اپنے دائرے کے اندر کام کرنے سے نہ تھکے، بالآخر ایک وقت آتا ہے جب حق و صداقت کی کشش .... دوسروں کو بھی اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیتی ہے اور قوموں کی نہ صرف سوچ میں بلکہ عمل میں بھی انقلاب آجاتا ہے۔

(ص ۱۶ کا بقیہ)

اس وقت تک اس پر عمل ناممکن ہے اور اعتصام بالسنۃ کے بغیر کتاب اللہ کا بھی فہم اور اس پر عمل ممکن نہیں

غرض کہ جس طرح تمسک بالقرآن مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری چیز ہے اور اس سے استغناء برتنا بڑے وبال کی بات ہے اسی طرح تمسک بالحدیث بھی نہایت ضروری شے ہے اس سے استغناء گویا قرآن ہی سے استغناء ہے اسکی طرف سے غفلت برتنا ہی ہماری تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔

(اقتباس از تالیفات مصلح الامۃ قدس سرہٗ)

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۱۰ - جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۶ء جلد نمبر ۱۹

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک : پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

S.T.D Code No 0532

پرنٹر - پبلشر - صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسین گنج، الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترتیب

پیش لفظ :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(کُلُّ نَفسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوت)

یوں تو یہ دنیا عالم فنا ہے اور ہر آنیوالا ایک مدت مقررہ پر جانے کیلئے آتا ہے آج کوئی تو کل کسی کی باری ہے کل من علیھا فان ویبقیٰ وجہ ربك ذو الجلال والاکرام اہل حقیقت کے باوجود عزیز واقربا، نیز دوست واحباب کی مفارقت گوشۂ چشم کونم اور قلب کو نرم کردیا کرتی ہے اور بسا اوقات شدت غم سے ضبط گریہ بھی ممکن نہیں رہتا یہ ایک فطری عمل ہے اور انسانی اخوت ومحبت کا تقاضا بھی ہے اگر حد کے اندر رہے تو مضائقہ بھی نہیں اور سنت کے مطابق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے اقربا واحبا کی جدائی پر آبدیدہ بھی ہوئے اور رنجیدہ بھی۔

ادھر ماضیٔ قریب میں بعض اعزہ واقربا، اور مخلصین واحباب کی جدائی کے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا ان صدمات سے دلوں کو رنج بھی پہنچا اور ملال بھی، طبیعتیں غمزدہ بھی ہوئیں اور افسردہ بھی، کئی ماہ سے ارادہ تھا کہ مرحومین کے حق میں قارئین سے دعائے مغفرت اور پسماندگان کیلئے صبر جمیل کے دعا کی درخواست کیجائے مگر پے درپے سانحات سے نہ مہلت ہی ملی اور نہ ہی ہمت ہوئی۔

امسال رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ میں حضرت مصلح الامت کے حقیقی بھائی مولوی اسلام اللہ صاحب جو عرصہ سے پاکستان میں قیام فرما تھے اس ماہ کے آخر عشرہ میں رحلت فرماگئے اناللہ وانا الیہ راجعون موصوف ذکر وتسبیح کے پابند، نیک سیرت وبزرگانہ شخصیت کے حامل تھے، ابتدا ہی سے طبیعت تصوف وسلوک کی جانب مائل تھی حکیم الامت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے ـــــ اس سانحہ کے متّابعد حضرت اقدس علیہ الرحمہ کے سب سے چھوٹے بھائی محترم رفیع اللہ صاحب مرحوم جو کہ اپنے وطن فتح پور میں سکونت پذیر تھے، طویل عرصہ سے صاحب فراش تھے بالآخر وقت موعود آپہنچا اور ماہ شوال میں واصل بحق ہوئے۔ طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی محترم حاجی عبدالرب صاحب (کوپاگنج مئو) حضرت مصلح الامت قدس سرہٗ کے نہایت جاں نثار، مخلص، ابتدا سے ہی تعلق رکھنے والے رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ ۲۷ کی مبارک شب میں واصل بحق ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

اگرچہ یہ بزرگ ہستیاں انکی حیات نہایت اہم تھی اور انکا سایۂ عاطفت تسکین قلب کا باعث، مگر ان لوگوں نے عمر طبعی کو پہونچکر مفارقت کا غم دیا کہ انکی جدائی آنکھوں کو اشکبار کرگئی لیکن ماضی قریب میں دو حادثات ایسے ہوئے کہ نگاہیں بیساختہ اشک ریز ہوگئیں — پہلا حادثہ عثمان بھائی فرنیچر والے کا ۱۰ جولائی کو اچانک رحلت کرجانا ہم سب کیلئے بے انتہا صدمہ کا باعث ہوا۔ عثمان بھائی اگرچہ بمبئی کے ایک کامیاب تاجر اور معززین میں سے تھے اللہ نے اگر دولت و ثروت سے نوازا تھا تو ساتھ ہی بیشمار باطنی اوصاف بھی عطا کئے تھے مجذوب صفت، زندہ دل، پابند شریعت اور تصوف و احسان کی لذتوں سے آشنا ایک مرد صالح تھے نیز اپنے شیخ (حضرت اقدس مصلح الامۃ قدس سرہٗ اور حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی) سے محبت و عقیدت میں اپنی مثال آپ تھے جب سفر آخرت کی تفصیلات کا علم ہوا دل نے کہا اپنے شیخ سے محبت و عقیدت اور کمال مناسبت کی بناء پر یہ انداز جاں سپردگی آپ ہی کا حق تھا کسطرح ہنستے مسکراتے اور چلتے پھرتے ٹرین کے سفر کو آخرت کا سفر بنالیا جب راہ وہی اختیار کی تو انشاء اللہ منزل بھی وہی ہوگی فادخلوا فی عبادی وادخلوا فی جنتی کی ندا نے راہنمائی کی ہوگی

یہی غم بہت تھا کہ بھائی انوار احمد برادرِ خورد جناب مولانا عرفان احمد صاحب خویش حضرت اقدس قاری صاحب مدظلہ نے دس اگست ۹۶ء کو رخت سفر باندھا اور پل بھر میں جوار رحمت کو ٹھکانہ بنالیا، اعزہ و اقربا کو غمزدہ و سوگوار کرگئے، موصوف دارالعلوم دیوبند کے فارغ، جوان صالح تھے گذشتہ چند برسوں سے بیماریوں کے نرغے میں تھے ہزار تدبیر و معالجہ کے باوجود الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا وکان امر اللہ قدرًا مقدورا جواں سالی میں مفارقت اہل خانہ اور اقربا و احباب کیلئے عموماً زیادہ رنج کا باعث ہوتی ہے چنانچہ اس جاں گسل صدمہ سے جملہ متعلقین متاثر تھے انھیں حالات کے پیش نظر حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی نے ایک تعزیتی مکتوب ارسال فرمایا جو نہایت ہی تسلی و تشفی کا باعث ہوا یہ ایسا نسخۂ کیمیا اثر ہے کہ اس سے بیقرار دلوں کو قرار آجائے گا۔ اس دار فانی میں اس مرحلۂ غم سے سب ہی کو گذرنا ہے اور کچھ گذر رہے ہیں تو خیال ہوا کہ اسکو رسالہ میں شائع کردیا جائے تاکہ اسکا فائدہ عام ہو جائے اور ہر دردمند کیلئے درماں ثابت ہو ——— ابھی ۲ ستمبر کو اکبر علی صاحب مرحوم جد امجد سراج احمد سلمہٗ (خویش مولانا عرفان احمد صاحب) اس دار فانی سے دار بقا کیطرف رحلت کرگئے۔ انا للہ الخ موصوف کا تعلق حضرت اقدس قاری صاحب مدظلہٗ سے نہایت گہرا تھا تا حیات بہت ہی خلوص اور محبت کا معاملہ رکھا۔ الحمد للہ انکے صاحبزادگان بھی اس معاملہ میں اپنے والد محترم کے پیرو ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ موصوف کی مغفرت اور بلندی درجات کی دعا فرمائیں۔

ایک اک کرکے ستاروں کی طرح ڈوب گئے ہائے کیا لوگ مرے حلقۂ احباب میں تھے

مکتوب گرامی حضرت مولٰنا قاری محمد مبین صاحب دامت برکاتہم

برخوردار عزیزم مولوی عرفان احمد سلمہٗ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

الحمد للہ ہملوگ جملہ متعلقین اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اندنوں بخیر و عافیت ہیں یوں تو یہ وقت یہ عمر کچھ نہ کچھ لگے رہنے کی ہی ہے جب دور خزاں آتا ہے تو اسکے اثرات کا نزول ہوتا ہی ہے اور جب موسم بہار کا دور دورہ شروع ہوتا ہے تو ہر اجڑی اکھڑی افتادہ زمین بھی لہلہاتی اور پیام مسرت سناتی ہے۔

خیر یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے اور ہوتا رہے گا مگر ادھر دو چار ماہ کے اندر کچھ ایسی واقعات مولمہ و سانحات فاجعہ کی ہوائیں چلیں جن سے بڑا صدمہ ہوا۔

عزیزم! اپنی بے بضاعتی اور علمی اور عملی بے مائیگی سے یونہی رنج و مایوسی کی کیفیت طاری ہوتی رہتی ہے اس پہ طرہ یہ کہ اپنے جو چند مخلصین و محبین تھے جن سے کچھ تقویت و طمانینت قلبی تھی اور وہ اپنی اپنی جگہ پر مانند ایک ستون کے تھے افسوس ہے کہ ان میں سے ایک ایک اٹھتے جارہے ہیں "جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے"

ایک تو آپ کی علالت شدیدہ نے ساری امنگوں اور امیدوں پر جنکا تعلق زمانۂ حال اور مستقبل دونوں سے تھا یکسر پانی پھیر دیا حسبنا اللہ نعم الوکیل۔ حسبی اللہ لاالٰہ الاھو علیہ توکلت وھورب العرش العظیم۔

یہ فضا چل ہی رہی تھی کہ اچانک معلوم ہوا کہ محمد عثمان بھائی آناً فاناً اس دار فانی سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت نصیب فرمائے، دل پر چوٹ لگی اور اب تک صدمہ کا اثر محسوس ہوتا ہے، قلب کے ارد گرد ایک دکھن کا احساس ہوتا رہتا ہے اور ان کے رحلت کر جانے کے بعد سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بمبئی میں کوئی نہیں رہا، وہی شہر وہی ہنگامہ، وہی تگ و دو کی زندگی مگر بقول شاعر ؎

ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں　　تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے بہت ہی مخلص محب اور یک در گیر محکم گیر کی صفت کے آدمی تھے۔

عزیزم! یہ جو مسجد عالی شان آپ کے گھر کے سامنے کھڑی ہے محض محترم بھائی انیس صاحب مرحوم کی خاطر اسکی بنیاد رکھی تھی کہ اس عمر میں دور جانا پڑتا ہے لہٰذا انکو آسانی ہوگی گہے بہ بیت خود و گہے بہ بیت خدا اللہ اللہ کرینگے اور مسجد، مدرسہ، گھر کی نگرانی کرتے رہیں گے اور کچھ دینی کام ہوتا رہے گا، وہ بھی ایک ستون ہی تھے بڑی ڈھارس تھی وہ بھی ہمیشہ کے لئے جدا ہوگئے بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا اور جو ضعف پیدا ہوگیا اب وہ کہاں پُر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، جنت نصیب کرے۔

انکے بعد پھر ان نوجوان مرد صالح حافظ مولوی عزیزم انوار احمد جنکے لئے سلمہ، کے بجائے لفظ مرحوم لکھتے آنکھوں میں آنسو رواں دواں ہو رہے ہیں ان سے توقع تھی کچھ باتیں کبھی ہوئی تھیں، یہ بھی اپنے عزیز اور محب ہی تھے ہوشمند و ذہین و ذکی اور مضبوط تھے، دو تین دن ہوئے کہ گھر سے مولوی احمد مکین سلمہ کا فون آیا اتفاق ایسا کہ خلاف معمول اور خلاف طبع فون اٹھانے میں میں نے سبقت کی معلوم ہوا کہ یکایک طبیعت بگڑی سلنس غیر متوازن ہوئی اور ہوتی گئی اور بالآخر سانس کا یہ سلسلہ روز و شب ہمیشہ کے لئے منقطع ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عزیزم! وہ ایک زمانہ سے مریض تھے، بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں اور برداشت کیں، آج وقت آگیا اللہ کی طرف سے بلاوا آگیا، جب وقت موعود ولن یوخر اللہ نفسًا اذا جاء اجلہا الخ کی فضا میں یا ایتہا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلوا فی عبادی وادخلی جنتی کی صدا آتی گئی تو پھر بے تابانہ یہ کہتے ہوئے

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم
راحتِ جاں طلبم وزپے جاناں بروم

اس دارفانی سے نکل کر دارالبقا کو رحلت کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بڑا رنج ہوا صدمہ پہونچا اور رنج ابھی بدستور باقی ہے اور رہے گا۔ اللہ تعالےٰ مرحوم کو جنت نصیب فرمائے اور ان کے بھائیوں بہنوں، بیوی بچوں اور والدہ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ اللہ تعالےٰ سب کو صبر و سکون اور دل کو قرار دے۔

عزیزم! وہ عارضۂ تنفس مرض کیا تھا بلکہ وہ ایک سواری تھی دارفانی سے نکل کر دارالبقا تک پہونچنے کی بالآخر اپنی منزل کو پہونچ گئے، اللہ کو پیارے ہو گئے اور ہمیشہ کے لئے انھیں راحت مل گئی۔ ماشاءاللہ آپ مجھ سے کہیں زیادہ علم و فہم رکھتے ہیں آپ کو کیا صبر کی تلقین کروں مگر جی چاہتا ہے طبیعت مانتی نہیں کم از کم تحصیلاً للثواب ہی کچھ لکھوں، کیا حرج ہے؛ دوسری بات یہ ہے کہ جب صدمہ شدید ہوتا ہے تو انسان سب کچھ بھول جاتا ہے جیسا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم غم سے چورچور ہو گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تو عجب حال تھا بظاہر حواس باختہ سے معلوم ہونے لگے جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ باہر سے تشریف لائے تو اندر حجرۂ شریف میں گئے پیشانیٔ مبارک کو بوسہ دیا کچھ کلمات کہے پھر باہر تشریف لائے حضرات صحابہؓ سے فرمایا بیٹھ جاؤ، سب لوگ بیٹھ گئے آپ نے خطبہ دیا اور یہ آیت پڑھی وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افإن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم الخ یہ خطبہ سنتے ہی جملہ صحابہ کا دل ٹھہر گیا صحابہ فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوا کہ یہ آیت آج ہی نازل ہوئی ہے۔ تو ایسا ہوتا ہے کہ انسان حواس باختہ ہو جاتا ہے اس لئے کہتا ہوں کہ صبر کیجیے۔ صبر آجانا یہ فطرت ہے اور صبر کرنا یہ عزیمت ہے اصبروا وصابروا رابطوا خود سنبھلیں اور دوسروں کو سنبھالیں، تکلف سے صبر اور صبر کے مقتضیٰ پر عمل کریں اور کرائیں۔ آپ بڑے ہیں والدہ کا قلب آپ ہی سے قرار پائے گا چھوٹوں کو بھی آپ ہی سے تسلی ہوگی ۔

عرفی اگر بہ گریہ میسر شود وصال
صد سال میتواں بہ تمنا گریستن

(عرفی اگر رونے سے وصال میسر ہوتا تو سیکڑوں سال تمنائے وصال میں رو سکتے ہیں)

اصبر نکن بك صابرين فانما صبر الرعية بعد صبر الرأس
خير من العباس اجرك بعده والله خير منك للعباس

(آپ صبر کیجئے تاکہ آپ کے صبر کو دیکھکر ہم بھی صبر کریں کیونکہ رعیت کا صبر سردار کے صبر کے بعد ہی ہوتا ہے ۔ حضرت عباسؓ سے وہ اجر جو انکے بعد ملیگا کہیں بہتر ہے۔ اور حضرت عباسؓ کیلئے رب کریم آپ سے کہیں بہتر ہے)

آنیوالی کس سے ٹالی جائیگی جان ٹھہری جانیوالی جائیگی

یہ چیز سب کے لئے مقرر ہے ایک نہ ایک دن سب کو اپنے اصلی وطن جانا ہے اور اسکے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ لگ ہی جاتا ہے۔

عزیزم ! زیادہ غم کرنا اپنے جسم و جان کو نقصان پہونچانا ہے ۔ اناللہ و انا الیہ راجعون کا مضمون صبر ہی کی تلقین کرتا ہے اور اس سے دل کو تسلی ہوتی ہے ۔ پرچہ میں حضرت مولانا تھانویؒ کا ایک مضمون بہت عمدہ ہے چاہتا ہوں کہ اسے یہاں نقل کردوں، فرماتے ہیں :-

• جان جیسے طبعاً و عقلاً عزیز ہے ویسے ہی شرعاً بھی واجب الحفظ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے نیز ارشاد ہے لا تقتلوا انفسکم اپنی جان کو قتل مت کرو، اگر جان ہماری چیز ہوتی تو ہمکو اس میں تصرف کرنے سے منع نہ کیا جاتا۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کہ اپنی جان کی حفاظت کرو ، مصائب نوائب سے بچو، اپنے نفوس کو قتل مت کرو ، جان بوجھکر مصیبت میں نہ پھنسو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان لنفسك عليك حقا ان لعينك عليك حقا بیشک تمھاری جان کا بھی تم پر حق ہے اور بیشک تمھاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے ۔ جب

نفس اور جان کا ہم پر حق ہے تو اسکی حفاظت کیوں نہ ضروری ہوگی ؟ انسان جان اور زندگی ہی کے ذریعہ سے مدارج کمالات کو طے کرتا ہے، ہر دنیوی یا دینی، طبعی و شرعی ترقی اسی پر موقوف ہے تمام اعمال و افعال کا موقوف علیہ یہی ہے تو اسکی حفاظت کیسی کچھ ضروری ہوگی ؟ اسی طرح ذرہ پریشانی کلی ممنوع ہے جس سے اعضاء ظاہری و باطنی، قلب وغیرہ پر کچھ بُرا اثر ہو انکی حفاظت کلی ضروری ہے کیونکہ یہ اعضاء مقدمہ اور آلہ ہیں روح اور جان کے ساتھ، جس طرح مقصود اصلی مرغوب ہوتا ہے اسی طرح اسکے مقدمات کلی ہوتے ہیں، مقدمات کا احترام اور انکی نگہداشت مقصود ہی کی نگہداشت ہے۔ حضرت جنیدؒ کے ہاتھ میں کسی شخص نے تسبیح دیکھی کہا حضرت آپکو تسبیح کی کیا حاجت یہ تو مبتدیوں کے واسطے موزوں ہے فرمایا اسی کی بدولت تو یہ دولت ہمکو ملی ہے اسی کی وجہ سے تو آج واصل الی اللہ ہوئے ہیں اور اسی کو چھوڑ دیں ؟ ایسے رفیق کو چھوڑا نہیں جا سکتا یہ تو کفران اور ناشکری ہے کہ جس چیز کی وجہ سے نعمت غیر مترقبہ حاصل ہو اس سے ہی اعراض کیا جائے ؟ اسی طرح یہ اعضاء اور نفس مطلوب بالذات یعنی قرب حق کے لئے آلہ ہیں لہٰذا انکی عزت و حرمت کلی ضروری ہے۔ خوب کہا ہے ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

بں اپنی آنکھ پر ناز کرتا ہوں جس نے تیرا حسن و جمال دیکھا ہے اور اپنے ؤں پر گرتا ہوں جو تیری گلی میں پہونچا ہے۔

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را
کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

وقت اپنے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہوں جس نے تمھارا دامن پکڑ کر میری طرف ہنچا ہے۔

غرض چونکہ نفس اور اعضاء وسیلہ اور ذریعہ ہیں مقصود کے لئے انکی حفاظت گو آلہ ہی کے درجے میں سہی لیکن ضروری تو ہے اور ایمان کی حفاظت میں تو کسی قسم کا شبہہ ہو ہی نہیں سکتا اسکی حفاظت تو جان سے بھی بدرجہا زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ یہ تو خود مقصود ہے اسکی حفاظت مقصود کے درجے میں ہوگی۔

جمعیت خاطر مطلوب ہے اور اس پریشانی وغم سے جس پر یہ مضرتیں مرتب ہوں بچنا ضروری ہے شریعت مقدسہ میں اسکی تعلیم اہتمام سے دی گئی ہے چنانچہ جو شخص محزون وغمگین ہو اسکی تعزیت مامور بہ ہے جسکے معنی تسلی دینے کے ہیں یعنی اسکو دلاسہ دیا جائے اسکی جمعیت خاطر میں کوشش کیجائے احادیث میں اسکی بہت فضیلت آئی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی پریشانی دور کیجائے اسکی حاجت رفع کیجائے نیز جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی وطانینت ہی کے لئے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو انکے صاحبزادے کی وفات پر ایک تعزیتی خط لکھا ہے وہ خط حصن حصین میں منقول ہے جسکا ترجمہ یہ ہے :۔

(شروع) اللہ کے نام سے جو بڑا رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔ اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے معاذ بن جبل کے نام۔ تم پر سلامتی ہو میں تمہارے سامنے اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، حمد و ثناء کے بعد اللہ تعالیٰ تمھیں اجر عظیم عطا فرمائے اور صبر کی توفیق دے اور ہمیں اور تمھیں شکر ادا کرنا نصیب فرمائے اسلئے کہ بیشک ہماری جانیں اور ہمارا مال، ہمارے اہل وعیال اور ہماری اولاد (سب) اللہ بزرگ و برتر کے خوشگوار عطیے اور عاریت کے طور پر سپرد کی ہوئی چیزیں ہیں جن سے ہمیں ایک معین مدت تک فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جاتا ہے اور مقررہ وقت پر انکو اللہ تعالیٰ واپس لے لیتا ہے، پھر ہم پر فرض عائد کیا گیا ہے

کہ جب وہ دے تو شکر ادا کریں اور جب وہ آزمائش کرے (اور انکو واپس لے لے) تو صبر کریں۔

تمھارا بیٹا بھی اللہ تعالیٰ کی ان ہی خوشگوار نعمتوں اور سپرد کی ہوئی عاریتوں میں سے (ایک عارتی عطیہ) تھا اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس سے قابل رشک اور لائق مسرت صورت میں نفع پہونچایا اور (اب) اجر عظیم رحمت و مغفرت اور ہدایت کا عوض دیکر لے لیا بشرطیکہ تم صبر (وشکر) کرو۔ لہٰذا تم صبر (وشکر) کے ساتھ رہو (دیکھو) تمھارا رونا دھونا تمھارے اجر کو ضائع نہ کردے کہ پھر تمھیں پشیمانی اٹھانی پڑے۔ اور یاد رکھو کہ رونا دھونا کچھ نہیں لوٹا کر لاتا ہے اور نہ ہی غم واندوہ کو دور کرتا ہے اور جو ہونے والا ہے وہ تو ہو کر رہے گا اور جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔

سلامتی ہو تم پر فقط

اور حق تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہ فرماتے ہیں و بشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو مژدہ سنا دیجئے جو صابر ہیں اور مصیبت وسختی کے وقت خدا تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں انا للہ پڑھتے ہیں ۔ اس میں حق تعالیٰ نے رنج وغم اور پریشانی دور کرنے کا ایک طریقہ بتلا دیا ہے اور وہ طریقہ تسلی وتشفی میں دو وجہ سے موثر ہے ایک تو اس وجہ سے کہ وہ ذکر ہے اور پریشانی کے وقت خدا کی یاد میں لگ جانا پریشانی کے دفع کرنے میں کافی وافی ہو جاتا ہے جس میں کچھ انا للہ کی تخصیص نہیں بلکہ ہر ذکر میں یہی خاصہ ہے جیسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ، سبحان اللہ ، استغفر اللہ ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وغیرہ ۔ لیکن مصیبت اور پریشانی کے ساتھ انا للہ کو ایک خاص تعلق ہے وہ یہ کہ اس میں علاوہ ذکر کے مضمون بھی ایسا ہے کہ اسکا استحضار پریشانی کا استیصال کر دینے والا ہے کیونکہ حاصل آیت کا

یہ ہے کہ غم میں دو باتوں کا خیال رکھے ایک تو "انا للہ" کہ ہم ہر اعتبار سے خدائے قادر کے مملوک بندے ہیں وہ ہم میں جس طرح چاہے تصرف کرے اسے اختیار ہے، دوسرے "انا الیہ راجعون" کہ ہم سب کا مرجع و مآل وہی ایک ذات ہے۔ انا للہ میں تو اس امر کی تعلیم ہے کہ اپنے واسطے اپنی عقل و رائے سے کچھ تجویز نہ کرے بس اس پر مدار ہے کہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ہیں وہ جو چاہے کرے اسکے فعل میں چوں وچرا کا کسی کو حق نہیں اور جب یہ حالت راسخ ہو جائے گی تو کبھی بھی رنج نہ ہوگا پریشانی کا نام بھی نہ آئے گا۔ پریشانی تو جب ہی ہوتی ہے کہ ہم خود اپنے سے کچھ سے کچھ تجویز کر لیتے ہیں، مثلاً یہ کہ ہمارا مال ہمیشہ ہمارے پاس رہے، ہماری اولاد ہمیشہ زندہ رہے، ہم ہمیشہ تندرست رہیں وغیرہ اور اسکے خلاف ہونے میں غم میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ہائے یہ کیوں ہوا وہ کیوں نہ ہوا، میری ساری امیدیں خاک میں مل گئیں میں تو کیا سوچ رہا تھا اور کیا ہو گیا۔ صاحبو! قصر آمال کو اتنا بلند ہی کیوں کرتے ہو کہ اسکے انہدام سے پریشان حال ہو جاؤ۔ حق تعالیٰ کی جناب میں تفویض محض ہونا چاہیئے

جز بہ تسلیم و رضا کو چارہٗ
در کف شیر نرِ خونخوارہٗ

(سوائے مان لینے اور سر جھکا دینے اور راضی رہنے کے چارۂ کار ہی کیا ہے (جبکہ) انسان کسی خونخوار شیر کے پنجے میں گرفتار ہو)۔

کلمۂ استرجاع کا حاصل بھی یہی ہے کہ ہم کو کوئی تجویز نہیں کرنا چاہیئے بلکہ تمام امور خدا تعالیٰ کو سپرد کر دینے چاہئیں۔ اور ہمکو تجویز کا حق ہی کیا ہے جب خدا تعالےٰ کے محکوم و غلام ہیں بھلا غلام کو بھی تجویز کا حق ہوتا ہے۔ آقا کے سامنے؟ پس کسی شئ کی تعیین کرنا ہمارے لئے مضر ہے ہم سے محض تسلیم مطلوب ہے۔

آگے دوسرا جملہ ہے 'انا الیہ راجعون' اسمیں بہت ہی کام کی چیز مذکور ہے تقریر اسکی یہ ہے کہ انا للہ کے سمجھ لینے سے غم تو رفو چکر ہوگیا، طبیعت سے رنج دور ہوگیا، اب حق تعالیٰ صرف غم ہی کے دور کرنے پر بس نہیں فرماتے بلکہ ساتھ ساتھ یہ تسلی ارشاد فرماتے ہیں کہ تم خدا کے پاس جانے والے ہو اس وقت تم کو دار الجزاء اور دار الثواب میں صبر کی وجہ سے درجہ ملیگا، ترقی دی جائیگی۔ ثواب جزیل کے امیدوار رہو اور ثواب کی امید وہ ہے کہ انسان اگر صاحب حال کبھی نہ ہو جس سے غم غالب نہیں آسکتا لیکن وہ پھر بھی اپنا کیمیائی اثر دکھا کے رہتی ہے اسکا نفع ضرور بالضرور ہوتا ہے اور انا الیہ راجعون کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اسکے استحضار سے ثواب کی توقع ہو جاتی ہے اور رنج دنج سب کافور ہو جاتا ہے"۔ انتہیٰ۔

بہر حال ان سب مضامین کا استحضار رکھنا چاہیے۔ اور صبر و تحمل ہر حال میں مفید ہے ما عندکم ینفد و ما عند اللہ باق ولنجزی الذین صبروا اجرھم باحسن ما کانوا یعملون۔ (جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ دائم رہے گا اور جو لوگ ثابت قدم ہیں ہم انکے اچھے کاموں کے عوض انکا اجر ان کو ضرور دیں گے)

اپنی والدۂ محترمہ اور بھائی بہنوں، دارو غہ جی اور مولوی غفران احمد وغیرہ سے سلام مسنون کہدیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ والسلام

محمد مبین

بمبئی ۔۔ ۳۰ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

شانِ علم

سنیئے! حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے متعلق نہایت بلیغ اور موثر انداز میں کلام فرمایا ہے اسے آپ کو سناتا ہوں۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین کا قطب اعظم ہے اور ایسی مہتم بالشان چیز ہے کہ جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا لہٰذا اگر اسکی بساط تہ کردی جائے اور اسکا علم و عمل ختم کردیا جائے تو نبوت ہی معطل ہوجائیگی اور دیانت مضمحل ہوجائے گی شکستگی عام ہوجائیگی ضلالت اور گمراہی فاش ہوجائیگی، جہالت ہمہ گیر ہوجائیگی، فساد سرایت کرجائیگا، خرق وسیع ہوجائیگا، بلاد خراب ہوجائیں گے، عباد ہلاک ہوجائینگے۔ اور یہ ہوسکتا ہے کہ لوگوں کو اپنی اس تباہی اور ہلاکت کا احساس اس دنیا میں نہ ہو بلکہ آخرت ہی میں چل کر ہو۔

اسکے بعد امام فرماتے ہیں کہ:۔

چنانچہ ہمکو جس امر کا اندیشہ تھا وہ واقع ہوکر رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اسلئے کہ آج دیکھا جارہا ہے کہ اس قطب اعظم کا نہ صرف عمل ہی بلکہ علم بھی رخصت ہوگیا اور اسکی حقیقت کیا بلکہ رسم تک بالکل مٹ کر رہ گئی لوگوں کے قلوب پر مخلوق کی مداہنت چھاگئی اور خالق کا مراقبہ انکے قلوب سے یکدم مٹ چکا ہے اور لوگ اتباع ہوا اور شہوات میں جانوروں کی طرح چھوٹ کر پڑ گئے ہیں اور تمام روئے زمین میں ایسے مومن صادق کا وجود نادر ہوگیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے

بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرے۔

دیکھئے! امام غزالیؒ یہ اپنے وقت کا حال بیان فرما رہے ہیں، اور اب تو جو حالات ہیں وہ آپ سب پر ظاہر ہیں۔ اور امام غزالیؒ جو یہ فرما رہے ہیں کہ تمام روئے زمین پر مومن صادق کا وجود نادر ہوگیا ہے تو اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارے طلبہ جو علم دین حاصل کرنے کے لئے مدرسوں میں آتے ہیں وہ دیانت اختیار نہیں کرتے۔ چنانچہ فجر کے بعد کا وقت جو تلاوت قرآن اور اذکار میں مشغول کرنے کا ہے اس وقت کو بھی یہ لوگ چائے پینے میں صرف کر دیتے ہیں اور جب اسی وقت سے انکا یہ حال ہوتا ہے تو آگے چل کر کیا پابند ہونگے۔

عوام الناس سے جو دین رخصت ہو رہا ہے تو اسکی وجہ یہی ہے کہ ہماری بددیانتی کا ان پر اثر پڑ رہا ہے ورنہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ عوام الناس اب بھی دین و دیانت اختیار کرنے کو تیار ہیں۔

اور شریعت پر نہ آنے کی اصل وجہ نفس کا غلبہ ہے اور دوسرے جہل ہے نفس کے غلبہ کی وجہ سے بھی شریعت پر عمل نہیں ہوتا اور علم نہ ہونے کی وجہ سے بھی عمل نہیں ہوتا اسلئے عوام الناس میں علم بھی پہنچانے کی ضرورت ہے۔ سب سے بڑی چیز تو علم ہی ہے لہٰذا علم بھی پہونچانا چاہیئے اور نفس کی بحث بھی کرنا چاہیئے ان چیزوں کا چرچا ضروری ہے اگرچہ سب لوگ درجۂ کمال کو نہ پہونچیں گے تو کچھ لوگ تو ضرور ہی سیکھ لیں گے اور بہت سے اللہ کے بندے علم و عمل میں کامل بھی ہو جائیں گے، کچھ تو ہو ہی جائے گا جس چیز کا چرچا ہوتا ہے تو لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور جب چرچا ہی نہیں ہوگا تو لوگوں کو معلوم ہی نہ ہوسکے گا پھر فائدہ بھلا کیا اٹھائیں گے۔ سب کے ذہن اس سے خالی رہیں گے۔

جس شعبہ میں کچھ بھی باقی ہے وہ اسی وجہ سے کہ اسکا علم باقی ہے اور اسکا چرچا ہوتا رہتا ہے۔ ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اہل فن

اپنے فن کی حفاظت کتابوں سے شغف رکھکر کرتے ہیں انکے یہاں الماریوں میں باقاعدہ کتابیں رکھی رہتی ہیں اور وہ برابر ان کتابوں کی طرف رجوع کرتے رہتے ہیں اسی طرح اگر ہمارے علوم کا بھی چرچا رہے اور اسکے ساتھ لوگ شغف رکھیں تو باقی رہ سکتا ہے ورنہ ختم ہی سمجھئے۔

اور آج یہ حال ہے کہ اگر کسی کی توجہ علم دین کیطرف کچھ ہوتی بھی ہے اور وہ اسکو حاصل کرنے کہیں جاتا بھی ہے تو گھر والے یکسوئی کے ساتھ اسکو کام میں نہیں لگنے دیتے بلکہ چند دنوں بعد ہی اس سے کمانے کا مطالبہ شروع کر دیتے ہیں تو ظاہر ہے کہ جب پڑھنے ہی کے زمانے میں دوسری طرف توجہ ہو جائیگی تو پھر تحصیل علم کیسے کر سکتا ہے اور کوئی کمال کیا حاصل کر سکے گا۔

سیدنا رفاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "شان علم کی ایسی تعظیم کرو کہ اس کے واجبی حقوق ادا ہوتے رہیں" یہ اسلئے فرمایا کہ جب تک علم کی شان اور اسکی تعظیم مستحضر نہ ہوگی اسکے حقوق ادا نہیں ہونگے اور میں کہتا ہوں کہ شان علم کی تعظیم یہ ہے کہ اسکا درجہ کم از کم مال کے برابر تو نہ ہو اور اہل علم کی عظمت مالداروں سے تو کم نہ ہو اب اگر علم کو مال کے اور اہل علم کو مالدار کے برابر کر دیا گیا تو یہ اسکی اہانت ہوئی چہ جائیکہ علم کا اور اہل علم کا مرتبہ مال اور اہل مال سے بھی کم کر دیا جائے اسکے اہانت ہونے میں کیا کلام ہے؟ بزرگان دین علم کی اور اہل علم کی بہت زیادہ تعظیم فرماتے تھے۔

چنانچہ ایک بزرگ تھے جو کچھ وقت کے لئے بیٹھا کرتے تھے جو لوگ ان سے ملاقات کرتے تھے ایک روز جب ان کے بیٹھنے کا وقت ختم ہو چکا اور وہ اٹھکر جانے لگے تو ایک ڈپٹی صاحب آئے ان سے کھڑے ہی کھڑے بات کر لی، اتنے میں ایک طالب علم آ گئے تو وہ بزرگ پھر اپنی جگہ پر بیٹھنے کیلئے جانے لگے ان طالب علم نے کہا کہ آپ کے بیٹھنے کا وقت ختم ہو چکا ہے میں آپ سے اسی طرح کھڑے کھڑے بات کر لیتا ہوں تو ان بزرگ نے فرمایا کہ تم سمجھتے اپنے کو ان ڈپٹی صاحب پر قیاس کیا ہوگا کہ جس طرح ان سے کھڑے کھڑے باتیں کر لیں اسی طرح تم سے بھی کروں گا حالانکہ تم میں اور ان میں بہت

فرق ہے تم نائب رسول ہونے والے ہو لہٰذا تم سے اس طرح کھڑے کھڑے بات نہیں کرونگا چلو وہاں اپنی جگہ بیٹھتا ہوں تم سے باتیں کروں گا، تم اور ہو وہ اور ہیں تم اپنے کو ان پر مت قیاس کرو۔

سبحان اللہ! بزرگان دین شان علم کی کیسی تعظیم فرماتے تھے اور طلبہ کے ساتھ کیسا برتاؤ فرماتے تھے اب طلبہ یہ خیال بھی نہیں کرتے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم لے رہے ہیں اور یہ علم آپ کی میراث ہے کسی کے باپ دادا کی میراث نہیں ہے۔ پہلے لوگ علم کی قدر پہچانتے تھے اور اسکے شایان شان اسکے ساتھ معاملہ کرتے تھے تب انکو عزت و رفعت ملی تھی اور علم اور اسکی شان باقی تھی۔

ایک مرتبہ بادشاہ وقت نے ایک مدرسہ قائم کیا کہ اسمیں علم دین پڑھا پڑھایا جائے اور اس میں پڑھکر اچھے قاضی اور مفتی پیدا ہوں جو قضاء اور افتاء کے کام کو عمدہ طریقہ سے کرسکیں یہ چیز گو اچھی تھی اور علم کی اشاعت مطلوب تھی لیکن جو علماء اس وقت تھے انکو جب یہ بات معلوم ہوئی تو سب کے سب جمع ہوئے اور بہت روئے کہ اب علم ہمارا بادشاہ کے یہاں چلا گیا اب اللہ کے لئے کوئی علم نہ پڑھے گا بلکہ بادشاہ کے لئے اور قضاء و افتاء کے لئے علم حاصل کیا جائے گا، انھوں نے یہ سوچا کہ یہی ایک چیز ہمارے پاس تھی یہ بھی اب بادشاہ کے پاس چلی گئی اور اب علم دین ختم ہو جائے گا اس سے وہ رنجیدہ تھے اور اسی پر ماتم کیا۔

دہلی میں ایک بادشاہ تھا جو دیندار تھا وہاں پر ایک بزرگ تھے ان سے بادشاہ نے عرض کیا کہ حضور اگر آپ ہمارے یہاں آکر نماز پڑھا دیا کریں تو آپ کے طفیل میں ہماری نماز بھی قبول ہو جاتی انھوں نے فرمایا کہ اور کچھ تو ہم سے بکتا نہیں ایک نماز ہی رہ گئی ہے اسکو بھی خرید لو اور کہا کہ نہیں آئیں گے ہماری نماز کو خریدنا چاہتے ہو؟

اسی طرح ایک واقعہ حضرت حافظ کا ہے غالباً بادشاہ نے انکو بلایا تھا اس پر فرمایا کہ ؎

ما آبروئے فقر وقناعت نمی بریم با بادشہ بگوئے کہ روزی مقدر است

یعنی ہم فقر وقناعت کی آبرو برباد نہیں کرینگے بادشاہ سے کہو روزی مقدر ہے، ہمارے حصہ کی جو ہوگی ضرور ملیگی۔ یہ اس لئے فرمایا کہ بادشاہ زیادہ سے زیادہ وظیفہ مقرر کردے گا تو ہوسکتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے وظیفہ میں کمی ہوجائے اسی کو فرمایا کہ فقر وقناعت کی آبرو نہیں برباد کرینگے اور اسکی آبرو تم سے دور ہی رہنے میں ہے۔

اکابر کے ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ انکے نزدیک شان علم کی کتنی عظمت اور کیسی کچھ قدر تھی اور اسکی صیانت وحفاظت کا کسقدر اہتمام تھا کہ اسکے مقابلہ میں بادشاہوں کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے انکی یہ سیرت بعد والوں کے لئے نمونہ ہے تاکہ قیامت تک لوگ اُس سے نصیحت حاصل کرتے رہیں اور انکو سند بنا دیں اسی لئے بزرگان دین برابر فرماتے رہے ہیں کہ اپنے بعد ایسے آثار چھوڑ کر جاؤ جو تمھارے بعد بھی چمکتے رہیں۔

سیدنا رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ "شیخ کی حالت کمال ہو یا نقصان اس کے متبعین اور مریدین میں ظاہر ہوکر رہتی ہے اور پشتوں تک سلسلہ بسلسلہ ظاہر ہوتی ہے اب اگر شیخ میں کوئی حالت کمال ہو تو اس سے کامل کا حال بلند ہوجاتا ہے اور ناقص کا حال ترقی پکڑ جاتا ہے اور اگر نقصان کی حالت ہے تو اس سے کامل کا حال ناقص ہوجاتا ہے اور ناقص کا حال زائل ہوجاتا ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی پر عنایت فرمائیں تو اس میں شیخ کے ناقص احوال کی تاثیر ظاہر نہیں ہوتی۔ پس اپنے بعد کوئی ایسا نشان نہ چھوڑ جاؤ جس سے تمھارے متبعین میں جو کامل ہوں انکا حال تو ناقص ہوجائے اور ناقصوں کا حال زائل ہی ہوجائے بلکہ ایسے آثار چھوڑ کر جاؤ جن سے کامل کو بلندی اور ناقص کو ترقی ہو"۔ اسکے بعد فرماتے ہیں کہ "مرد وہ ہو کہ جس کے آثار اسکے بعد بھی چمکتے رہیں" مردوں کا قول ہے

اِنَّ اٰثَارَنَا تَدُلُّ عَلَیْنَا فَانْظُرُوْا بَعْدَنَا اِلَی الْاٰثَارِ

یعنی ہمارے آثار تم کو ہمارا پتہ دیں گے، ہمارے بعد تم ہمارے آثار میں نظر کرو۔

حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

کچھ جہیز کے بارے میں

میں پچھلے ہفتہ جہیز کے بارے میں کچھ گزارشات لکھ چکا تھا بعد میں ایسن برسٹل (برطانیہ) سے ایک صاحب کا خط مجھے موصول ہوا جس میں وہ لکھتے ہیں :-

" میں آپ کی توجہ ایک اہم مسئلہ کی طرف دلانا چاہتا ہوں جسکی ابتدا کا زمانہ متعین کرنا تو ایک تاریخ داں کا کام ہے مگر اسکی برائی ہر شخص کے سامنے ہے وہ ہے جہیز، جہیز کی رسم چونکہ ہند و پاک میں بسنے والے مسلمانوں میں اپنی پوری چمک دمک کے ساتھ جاری ہے اس لئے جو مسلمان وہاں سے نقل مکانی کرکے مغرب میں آئے تو وہ یہ رسم بھی اپنے ساتھ لائے۔ چنانچہ اب یہ رسم مغرب میں بھی پھیل گئی ہے، آپ سے گزارش ہے کہ ایک تو آپ اسکی شرعی حیثیت بیان فرمائیں تاکہ یورپین مسلمانوں کی نئی نسل اس سے آگاہ ہوسکے اور شاید ان ہزاروں غریب لڑکیوں کی قسمت پر بھی اسکا کچھ اثر پڑے جو صرف جہیز نہ ہونے کی بنا پر دلہن نہیں بن سکتیں ۔ کیا جہیز ضروری ہے ؟ اگر ہے تو اسکی مقدار کیا ہے ؟ کیا جہیز دینے کے بعد ماں باپ کی اپنی وراثت سے حصہ دینا ضروری نہیں رہتا ؟ عموماً عورتیں اپنے حق وراثت سے اسلئے دستبردار ہو جاتی ہیں کہ انکو جہیز مل گیا ہے اور غمی خوشی میں انکی ماں باپ کیطرف سے مدد متوقع ہوتی ہے اور انکی شادی پر بھی

خاصا خرچ ہو چکا ہوتا ہے، مگر یہ ساری باتیں تو لڑکے پر بھی صادق آتی ہیں پھر وہ وراثت کا کیوں حقدار ہوگا؟

دوسرے لڑکی کے والدین برات کو جو کھانا کھلاتے ہیں اسکی شرعی حیثیت کیا ہے؟ عرب ممالک میں لڑکی کے والدین جو خرچ کرتے ہیں اسکی ادائیگی دولہا کرتا ہے مگر ہمارے یہاں یہ تمام اخراجات والدین ہی پر کیوں ڈالے جاتے ہیں؟ تیسرے بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکی کا باپ دولہا سے شادی کے اخراجات کے علاوہ بھی کچھ رقم کا تقاضا کرتا ہے اسکی شرعی حیثیت کیا ہے؟

بلاشبہ آپ کی کتابوں سے بہت سے لوگ فیضیاب ہو رہے ہیں لیکن "جنگ" میں آپ کے مضامین کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے وہ مختصر اور عام فہم ہونے کی وجہ سے زیادہ موثر ہے، اگر آپ میرے مذکورہ سوالات کی وضاحت "جنگ" ہی کے صفحات میں فرمائیں تو اس سے بہت سے لوگوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوگا۔

عبدالمجید الیمن برسٹل (برطانیہ)

مکتوب نگار کے بعض سوالات کا جواب تو میرے پچھلے مضمون میں آچکا ہے مثلاً یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ جہیز ہرگز نکاح کا کوئی ضروری حصہ نہیں ہے اور اسکی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں لڑکی کو بغیر نکاح بٹھائے رکھنا ہرگز جائز نہیں۔ کوئی اپنی بیٹی کو رخصت کرتے وقت اپنی استطاعت کی حدود میں رہتے ہوئے خوشی سے بیٹی کو کوئی تحفہ دینا چاہے تو وہ بیشک دے سکتا ہے لیکن نہ اسکو نکاح کی لازمی شرط سمجھنے کی گنجائش ہے نہ اس میں نام ونمود

کا کوئی پہلو ہونا چاہیئے اور نہ شوہر یا اسکے گھر والوں کے لئے جائز ہے کہ وہ جہیز کا مطالبہ کریں یا اسکی توقعات باندھیں۔

اب مکتوب نگار نے جو نئی بات ذکر کی ہے وہ یہ ہے کہ :-

"کیا جہیز دینے کے بعد ماں باپ کو وراثت سے لڑکی کو حصہ دینا ضروری نہیں رہتا؟" واقعی یہ غلط فہمی بعض حلقوں میں خاصی عام ہے، اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ جہیز کا وراثت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر کسی باپ نے اپنی بیٹی پر جہیز کی صورت میں اپنی پوری کائنات بھی لٹا دی ہو تب بھی لڑکی کا حق وراثت ختم نہیں ہوتا۔ باپ کے انتقال کے بعد وہ اپنے باپ کے ترکے میں ضرور حصہ دار ہوگی اور اسکے بھائیوں کے لئے ہرگز یہ جائز نہیں ہے کہ وہ سارا ترکہ خود لے بیٹھیں اور اپنی بہن کو اس بنیاد پر محروم کر دیں کہ اسے جہیز کی صورت میں بہت کچھ مل چکا ہے۔ لڑکا ہو یا لڑکی ان کے باپ نے اپنی زندگی میں انھیں جو کچھ دے دیا ہو اس سے انکے وراثت کے حصے میں کوئی کمی نہیں آتی، البتہ باپ کو حتی الامکان اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ اپنی زندگی میں وہ اپنی اولاد کو جو کچھ دے وہ قریب برابر ہو اور کسی ایک لڑکے یا لڑکی پر دولت کی بارش برسا کر دوسروں کو محروم نہ کرے لیکن یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ کسی اور موقع پر عرض کروں گا بہرحال یہ طے شدہ بات ہے اور اس میں شرعی اعتبار سے کوئی ادنیٰ شبہہ نہیں کہ لڑکی کو جہیز دینے سے اسکا حق وراثت ختم نہیں ہوتا بلکہ جہیز میں دی ہوئی مالیت کو اسکے حصۂ وراثت سے منہا بھی نہیں کیا جا سکتا اسے بہر صورت ترکہ سے اپنا پورا حصہ ملنا ضروری ہے۔

مکتوب نگار نے دوسرا مسئلہ یہ اٹھایا ہے کہ "لڑکی کے والدین برات کو جو کھانا کھلاتے ہیں اسکی شرعی حیثیت کیا ہے"؟ اس معاملے میں بھی ہمارے معاشرے میں افراط و تفریط پر مبنی تصورات پھیلے ہوئے ہیں، بعض لوگ

یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح لڑکے کے لئے نکاح کے بعد ولیمہ کرنا سنت ہے اسی طرح لڑکی کے باپ کے لئے نکاح کے وقت دعوت کرنا سنت ہے یا کم از کم پسندیدہ ہے حالانکہ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ لڑکی والوں کی طرف سے کسی دعوت کا اہتمام نہ سنت ہے نہ مستحب بلکہ اگر دوسری خرابیاں نہ ہوں تو صرف جائز ہے۔ یہی معاملہ بارات کا ہے نکاح کے وقت دولھا کی طرف سے بارات لیجانا کوئی سنت نہیں نہ نکاح کو شریعت نے اس پر موقوف کیا ہے لیکن اگر کوئی دوسری برائیاں نہ ہوں تو بارات لیجانا کوئی گناہ بھی نہیں ہے لہٰذا بعض حضرات جو بارات لیجانے اور لڑکی والوں کی طرف سے انکی دعوت کو ایسا گناہ سمجھتے ہیں جیسے قرآن وسنت نے اس سے خاص طور پر منع کیا ہو تو یہ انکا تشدد ہے اور مناسب نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ اگر اعتدال کے ساتھ کچھ لوگ نکاح کے موقع پر لڑکی کے گھر چلے جائیں (جس میں لڑکی کے باپ پر کوئی بار نہ ہو) اور لڑکی کے والدین اپنی بچی کے نکاح کے فریضے سے سبکدوش ہونے کی خوشی میں اپنی دلی خوشی سے انکی اور اپنے دوسرے عزیزوں دوستوں کی دعوت کردیں تو اس میں بذات خود کوئی گناہ نہیں لیکن ان تمام چیزوں میں خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ ان تقریبات کو نکاح کا لازمی حصہ سمجھ لیا جاتا ہے اور جو شخص انھیں انجام دینے کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ بھی خواہی نخواہی ان پر مجبور ہوتا ہے اور اس غرض کیلئے بعض اوقات ناجائز ذرائع اختیار کرتا ہے اور بعض اوقات قرض ادھار کا بوجھ اپنے سر لے لیتا ہے اور اگر کوئی شخص اپنی مالی حالت کیوجہ سے یہ کام نہ کرے تو اسے معاشرے میں مطعون کیا جاتا ہے۔

کسی شخص کو کوئی ہدیہ تحفہ دینا یا اسکی دعوت کرنا اگر دل کے تقاضے اور محبت سے ہو تو نہ صرف یہ کہ کوئی گناہ نہیں بلکہ باعث برکت ہے۔ بالخصوص

جب نئے رشتے قائم ہو رہے ہوں تو ایسا کرنے سے باہمی محبت میں اضافہ ہوتا ہے بشرطیکہ یہ سب کچھ خلوص سے ہو اور اپنی استطاعت کی حدود میں رہ کر ہو لیکن جب یہ چیز نام ونمود اور دکھاوے کا ذریعہ بنجائے یا اس میں بدلے کی طلب شامل ہو جائے یا یہ کام خوشدلی کے بجائے معاشرے اور ماحول کے جبر کے تحت انجام دیئے جائیں یعنی اندر سے دل نہ چاہ رہا ہو لیکن ناک کٹنے کے خوف سے زبردستی تحفے دیئے جائیں یا دعوتیں کیجائیں تو یہی کام جو باعث برکت ہو سکتے تھے اسلئے گناہ، بے برکتی اور نحوست کا سبب بن جاتے ہیں اور انکی وجہ سے معاشرہ طرح طرح کی اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ہماری شامت اعمال یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپکو خود ساختہ رسموں میں جکڑ کر اچھے کاموں کو بھی اپنے لئے ایک عذاب بنا لیا ہے اگر یہی کام سادگی بے ساختگی اور بے تکلفی سے کئے جائیں تو ان میں کوئی خرابی نہیں لیکن اگر رسموں کی پابندی نام ونمود اور معاشرتی جبر کے تحت انجام دیئے جائیں تو یہ بہت بڑی برائی ہیں۔

لہٰذا اصل بات یہ ہے کہ اگر کسی لڑکی کا باپ اپنی بیٹی کے نکاح کے وقت اپنی خوش دلی سے اسکی سسرال کے لوگوں کو یا اپنے اعزہ اور احباب کو جمع کرکے انکی دعوت کر دیتا ہے اور اسے نکاح کا لازمی حصہ یا سنت نہیں سمجھتا تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے اور اگر کوئی شخص ایسا نہیں کرتا تو اسمیں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جبکی شکایت کیجائے یا جسکی وجہ سے اسے مطعون کیا جائے بلکہ اسکا عمل سادگی کی سنت کے زیادہ قریب ہے اسلئے اسکی تعریف کرنی چاہئے۔ اسکی مثال یوں سمجھئے کہ بعض لوگ اپنی اولاد کے امتحان میں کامیاب ہونے پر یا انہیں اچھی ملازمت ملنے پر خوشی کے اظہار کیلئے اپنے خاص خاص ملنے والوں کی دعوت کر دیتے ہیں اس دعوت میں ہرگز کوئی حرج نہیں ہے، دوسری طرف بہت سے لوگوں کے بچے امتحان میں پاس ہو رہے ہوتے

ہیں یا انھیں اچھی ملازمتیں ملتی رہتی ہیں لیکن وہ اس خوشی میں کوئی دعوت نہیں کرتے ان لوگوں پر بھی معاشرے کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا نہ انھیں اس بنا پر مطعون کیا جاتا ہے کہ انھوں نے دعوت کیوں نہیں کی اگر یہی طرز عمل نکاح کی دعوت میں بھی اختیار کر لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے ؟ یعنی جس کا دل چاہے دعوت کرے اور جس کا دل نہ چاہے نہ کرے لیکن خرابی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ نکاح میں اگر کوئی دعوت نہ کرے تو سسرال والوں کی طرف سے باقاعدہ یہ مطالبہ ہوتا ہے اور یوں سمجھا جاتا ہے جیسے شادی ہی نہیں ہوئی ہے۔ بعض بزرگوں نے بارات لیجانے اور اسکی دعوت کے اہتمام سے روکا در حقیقت انکے پیش نظر یہی خرابیاں تھیں انھوں نے اس بات کی ترغیب دی کہ کم از کم کچھ بارسوخ افراد ان دعوتوں کے بغیر نکاح کریں گے تو ان لوگوں کو حوصلہ ہوگا جو انکی استطاعت نہیں رکھتے اور صرف معاشرے کی مجبوری سے انھیں یہ کام کرتے پڑتے ہیں۔

مکتوب نگار نے آخری بات یہ پوچھی ہے کہ بعض علاقوں میں لڑکی کا باپ دولہا سے نکاح کے اخراجات کے علاوہ مزید کچھ رقم کا بھی مطالبہ کرتا ہے اور اسکے بغیر اسے اپنی لڑکی کا رشتہ دینے پر تیار نہیں ہوتا بیشک یہ بے بنیاد رسم بھی ہمارے معاشرے کے بعض حصوں میں خاصی رائج ہے اور یہ شرعی اعتبار سے بالکل ناجائز رسم ہے اپنی لڑکی کا رشتہ دینے کیلئے دولہا سے رقم لینے کو ہمارے فقہاء کرام نے رشوت قرار دیا ہے اور اسکا گناہ رشوت لینے کے گناہ کے برابر ہے بلکہ اس میں ایک پہلو بے غیرتی کا بھی ہے اور یہ عمل اپنی لڑکی کو فروخت کرنے کے مشابہ ہے اور بعض جگہ جہاں یہ رسم پائی جاتی ہے اسی وجہ سے شوہر اسکے ساتھ زر خرید کنیز جیسا سلوک کرتا ہے لہٰذا یہ رسم شرعی و اخلاقی لحاظ سے انتہائی غلط رسم ہے جو واجب الترک ہے۔

مکتوبات اصلاحی

(مکتوب نمبر ۳۰۸)

مکرمی جناب ماسٹر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - عرض یہ ہے کہ حضرت والا جب بیمار تھے تو بیماری ہی کی حالت میں یہ طے کرلیا تھا کہ اچھے ہونے پر صحت کے شکریہ میں کام کروں گا لہٰذا حضرت والا نے رمضان سے معاملہ بدل دیا ہے اور اکثر ہم لوگوں سے فرماتے رہتے ہیں کہ اب وقت بدل گیا ہے یعنی اخلاص کے ساتھ نفس کی اصلاح جو کرے گا اسکے لئے یہاں جگہ ہے ورنہ نہیں۔

چونکہ مجھکو آپ سے تعلق ہے اس لئے میں نے اپنے طور پر چاہا کہ آپکو بھی مطلع کردوں اور حضرت والا نے عزیزم قاری صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سے بھی فرمایا ہے کہ میرا کوئی خلیفہ نہیں ہے اسلئے کہ مجھ سے کسی نے اتنا سیکھا ہی نہیں کہ وہ خلیفہ ہوسکے اور واقعی بات بھی یہ ہے کہ خلیفہ تو وہی ہوسکتا ہے کہ جو اپنے شیخ کے پاس دولت ہے اسکو حاصل کرے اور اسکی خو بو اپنے اندر پیدا کرے۔

پہلے بزرگوں میں کہیں یہ بات نہیں پائی جاتی کہ جو اپنے شیخ کی موجودگی میں بیعت وغیرہ کرتے ہوں۔ حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوری زندگی میں صرف آٹھ مرید کئے اور جس کو بیعت کرتے تھے تو فرماتے تھے کہ میں حاجی صاحب کی طرف سے بیعت کرتا ہوں مکہ معظمہ جانا تو حاجی صاحب سے تجدید بیعت کرلینا۔ ہمارے بزرگوں کا یہ حال تھا

اور ہمارا یہ حال ہے کہ اگر شیخ کی طرف سے لوگوں کو کچھ سمجھانے اور سنانے کی اجازت ہے تو اسکو خلافت سمجھکر خلیفہ بن جاتے ہیں اور بیعت وغیرہ تک کرنے لگتے ہیں یہ کس قدر اخلاص و دیانت کے خلاف ہے۔ یہ تو سراسر بد دیانتی اور دنیا داری ہے۔

حضرت والا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اب کوئی بھی میری طرف سے کسی چیز میں مجاز نہیں ہے اب جس کو تعلیم وغیرہ کرنا ہو اپنی طرف سے کرے۔ فقط۔

(مکتوب نمبر ۸۰۴)

حال: عرض یہ ہے کہ احقر بفضلہ الکریم حسب اذن حضرت والا بعد عشاء تہجد ادا کرتا ہوں اور بعد از مغرب تسبیح دوازدہ پڑھتا ہوں اور ادائیگی پر انبساط محسوس کرتا ہوں، خدا کرے قبول ہو، عطائے دوام ہو۔

تحقیق: الحمد للہ کہ تہجد بعد نماز عشاء ادا کر لیتے ہیں اور بعد مغرب دوازدہ تسبیح پڑھ لیتے ہیں اور اس ادائیگی پر انبساط محسوس کرتے ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

حال: دیگر آنکہ بندہ کی دو بیویاں ہیں چونکہ تفاوت اخلاق نوع انسانی میں لابدی چیز ہے جس سے یہ دونوں متاثر ہیں اور یہ تاثر بھی بنی آدم کے اندر پایا جانا ضروری ہے اس لئے ان دونوں کے تفاوت طبع سے بندہ متاثر ہوتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک کے ساتھ رابطہ کا برتاؤ اور دوسری کے ساتھ ضابطہ کا برتاؤ بندہ کی جانب سے صدور میں آتا ہے اگرچہ بفضلہ تعالیٰ حقوق واجبہ میں غالباً کوئی بات عدل کے خلاف ظہور میں نہیں آتی البتہ دیگر معاشرات مستحبہ میں دائرۂ عمل میں تفاوت ہوتا ہے اگرچہ یہ سمجھتا ہوں کہ حقوق واجبہ میں عدل کافی وا

اور معاشرات مستحبہ میں عدل بھی مستحب اور برابری غیر ضروری مگر یہ بات دل میں کھٹکتی رہتی ہے اور بسا اوقات دل چاہتا ہے اسے کاش حقوق مستحبہ میں بھی عدل ہو اور حسن معاشرت نمایاں ہو مگر کیا کروں ان دونوں کے اختلاف طبع اور تفاوت اخلاق سے متاثر ہو کر اس خواہش پر عمل کرنے سے قاصر ہوں۔ کچھ حل فرما دیجئے۔ اور حسن عمل کی دعا کی درخواست کرتا ہوں۔

تحقیق: عدل حقوق واجبہ میں ضروری ہے بس یہی جواب ہے۔ باقی آپ معلم ہیں سب طلبہ میں مساوات کر سکتے ہیں اگرچہ وہ اخلاق اور علم کی تحصیل اور اسکی طلب میں برابر نہ ہوں۔ آدمی اسکا مکلف نہیں بنایا گیا ہے اور نہ ایسی مساوات کا حکم ہے۔ دعا رخیر کرتا ہوں۔ والسلام۔

(مکتوب نمبر ۸۰۵)

(حضرت مصلح الامت قدس سرہٗ کا مکتوب)

مکرمی جناب وکیل انعام الحق صاحب سلکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ الحمد للہ بخیریت ہوں آپ کے تعلق وشغف کا حال معلوم ہوتا رہتا ہے اس بنا پر لکھنے کی جرأت کر رہا ہوں وہ یہ کہ یہ کام جو میں کر رہا ہوں خاصکر تعمیر مسجد و مدرسہ میرا ذاتی کوئی کام نہیں ہے بلکہ جمہور اہل شہر کے لئے ہے بلا تفریق کسی خاص جماعت کے اگر کوئی چیز خلاف رونما ہو تو یہ نہیں کہ صرف میری توہین ہوگی بلکہ سارے اہل محلہ خاصکر وہاں کے رؤسا کی بھی ہوگی بلکہ ترقی کے ساتھ کہتا ہوں کہ تمام اہل شہر کی بلا تفریق دیوبندی اور غیر دیوبندی اور ترقی کرکے کہتا ہوں کہ جمہور اہل اسلام کی ہوگی اس لئے ایسے کام کی ذمہ داری محسوس نہ کرنا اپنی عزت پر دھبہ لگانا ہے۔ کام کرنا آسان ہے مگر اسکے حقوق کی ذمہ داری

محسوس کرنا مشکل ہے۔ میں آپکی سمع خراشی کر رہا ہوں مگر جانتا ہوں کہ آپ میری باتوں کو دل سے پسند کرتے ہیں اسلئے عرض کر رہا ہوں، یہ دن مجھ پر تکلیف کے گذر رہے ہیں۔ میں اپنی تکلیف کا اظہار کر رہا ہوں امید کہ آپ بھی میرے رنج میں شریک ہوں گے۔ چھوٹے میاں صاحب کی خدمت میں باادب سلام مسنون پیش کر کے یہ خط دکھلا دیجئے بلکہ ممکن ہو تو چودھری حامد صاحب کو بھی۔ امید کہ آپ جواب باصواب سے ضرور نوازش فرمائیں گے۔ مولوی عبدالمجید صاحب کی خدمت میں بھی ایک خط جا رہا ہے۔ والسلام، خیر ختام

(مکتوب نمبر ۸۰۶)

(حضرت والا قدس سرہ کا مکتوب)

مولوی عبدالمجید صاحب سلمہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمدللہ میں بخیریت ہوں۔ سمیع اللہ خانصاحب وغیرہ آگئے قدرے اطمینان ہوا۔ اب سنئے میں جو کچھ کام کر رہا ہوں یہاں یا وہاں اپنے ذاتی اغراض اور مفاد کے لئے نہیں کر رہا ہوں، مسلمانوں کی اصلاح اور دین کی خدمت کر رہا ہوں، یہ کھلی آنکھوں مشاہدہ کر رہا ہوں کہ جو اصحاب ذمہ دار یا کسی کام کے سمجھے جاتے ہیں یا ذمہ داری ان کے سپرد کی جاتی ہے وہ بھی اپنے کو ذمہ دار نہیں سمجھتے اس سے کام میں بڑا اختلال پیدا ہو جاتا ہے اگر اسکا جواب آپ نے عنایت فرمایا جیسا کہ دینا چاہیئے تو خیر ورنہ اب اپنی ذمہ داری ہر وقت محسوس کروں گا اور کسی وقت بھی اس سے غافل نہ ہوں گا، اور کسی پر تکیہ نہ کروں گا امید کہ آپ سمجھکر جلد اسکا جواب مرحمت فرمائیں گے آپ غور فرمائیے کہ ہمارے کاموں کے اختلال کی وجہ سوائے اس کے کہ میں نے عرض کیا اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس خط کے مخاطب ڈاکٹر صلاح الدین

صاحب بھی ہیں اور قاری عبد اللطیف صاحب بھی ہیں اور کوئی مخاطب نہیں۔ والسلام۔ دعاگو۔

(مکتوب نمبر ۸۰۷)

حال : عرض ہے کہ معمولات بفضلہ تعالیٰ برابر ادا ہو رہے ہیں۔
تحقیق : ادا کرتے رہو بھائی یہی کام آوے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔
حال : اخیر شب میں تہجد اور ذکر بارہ تسبیح بھی جاری ہے۔
تحقیق : اللہ تعالیٰ تا دم آخر کام میں لگائے رکھے۔
حال : اسکا خیال برابر رہتا ہے کہ کسی کو میرے قول وفعل سے ایذاء نہ ہونے پائے۔ تحقیق : الحمد للہ۔
حال : گفتگو کے وقت بہت نرمی سے کلام کرتا ہوں اور بہت تواضع اور انکسار سے پیش آتا ہوں۔ تحقیق : الحمد للہ۔
حال : آجکل گرمی بہت شدید ہے ضعف کی وجہ سے ہاتھ پاؤں میں دم نہیں ہے ساڑھے چار بجے جب دفتر سے واپس ہوتا ہوں تو برا حال ہو جاتا ہے۔
تحقیق : میں تو آپ کو اس ضعف میں بہت دن سے دیکھ رہا ہوں اللہ تعالیٰ اخیر تک آپکو قوت کے ساتھ رکھے۔
حال : ادھر ایک ماہ سے مسلسل نزلہ وزکام کھانسی میں بھی مبتلا ہوں بدن میں درد اور کمزوری بہت محسوس ہوتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ دن نہ چل سکوں گا۔
تحقیق : یہ کسی قدر صحیح بھی ہے اب ہم لوگوں کا اخیر ہی ہے۔
حال : میرے لئے خاتمہ بخیر کی دعاء فرمادیں۔
تحقیق : دعاء کرتا ہوں۔

سال: جب سے حضرت والا تشریف لے گئے ساری رونق ہی ختم ہو گئی دل کی کیفیت بدلی ہوئی ایک سناٹا سا جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں اللہ تعالیٰ حضرت والا کو صحت و سلامتی کے ساتھ تا دیر زندہ رکھیں۔ اور اپنی خود غرضی کی بنا پر دعا ہے کہ جلد الہ آباد واپس آئیں تحقیق: آمین

سال: یہ تو بالکل صحیح ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی اس بڑی نعمت کی قدر نہ کی اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں اور اب اپنی اس نعمت عظمیٰ کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

تحقیق: آمین۔ دیکھو بھائی میرے ہی لوگوں نے بعض میرے ہی لوگوں کے خلاف قصداً اضرار پہونچانے کی کارروائی کی ہے اور بہت دن سے یہ کارروائی کر رہے ہیں، مجھکو بہت تکلیف ہے اور لوگ انکی بزرگی کے معتقد ہیں اس وجہ سے میرا جی چاہتا ہے کہ الہ آباد نہ آؤں۔ آپ بتائیے کہ یہ حرکت میرے زمرہ میں داخل ہو کر کیسی ہے؟ میں ایسے لوگوں کی صورت دیکھنا گوارا نہیں کرتا جو مسلمانوں کے درپئے آزار بنے رہتے ہوں۔ آپ یہ خط اگر آپ کی مصلحت کے خلاف نہ ہو تو لوگوں کو دکھلا کر اسکا جواب حاصل کر کے جلد روانہ فرمائیے۔

حال: مکہ معظمہ سے عبدالغفار صاحب کا خط میرے نام آیا ہے مگر تمام خط حضور والا کے ذکر سے بھرا ہوا ہے اور اسکی خواہش بھی کی ہے کہ حضور والا تک یہ باتیں پہونچ جائیں اس لئے اس عریضہ کے ساتھ انکا خط بھی روانہ خدمت کر رہا ہوں اگر ملاحظہ فرمالیں تو زہے عز و شرف۔ فقط

تحقیق: ایک ایک حرف پڑھا بڑا لطف آیا وہ بات جو سال بھر کی ہے یاد ہے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے میں دل سے انکے لئے دعا کرتا ہوں۔ میرے لئے اور میرے گھر والوں کے لئے اور سب مقاصد کے لئے دعا کرتے رہیں، انکو لکھئے۔

(مکتوب نمبر ۸۰۸)

سوال: بعالی خدمت فیضدرجت عظیم البرکت حضرت صاحب مدظلہ العالی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضور عالی کا فرستادہ گرامی نامہ آیا ایک عظیم صدمہ پہونچا جس کا بیان الفاظ سے ممکن نہیں، صحت پر بھی اثر پڑا اور دو تین حادثات بھی ایسے پیش آئے جن سے بدن کو شدید اذیت پہونچی، بیحد پریشانی ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کا ظل عاطفت مجھ عاجز پر قائم دائم فرمائے اور حضرت کی خوشنودی مجھے نصیب فرمائے حضور کی توجہ میرے حق میں نعمت غیر مترقبہ ہے حضرت کا قلب مکدر یا میری طرف سے ہٹ جائے تو شدید نقصان اور محرومی اور حرمان کی صورت پیدا ہوجائیگی، حضرت میرے کیا کسی کے حق میں یہ نہیں چاہتے کہ نقصان پہونچے، حضرت کی ذات موجب برکات اور فیوض ہے اگر کسی کو فیض نہو تو نہ سہی ماشاء اللہ ضرر نہیں پہونچے گا

مجھے ضرر ان سے تعلق کی بناء پر پہونچا ہے اور پہونچنا بھی چاہئے۔ اس سلسلہ میں چند معروضات پیش ہیں جناب اگر غور فرمائیں گے تو مجھ عاجز کو قابل التفات پائیں گے اور قابل رحم سمجھکر اپنی دعاؤں میں شامل فرمائینگے عاجز کچھ بے تکلف، کچھ سادہ اور کچھ غیر تربیت یافتہ آدمی ہے، دوری کی وجہ ابھی تک مزاج شناس بھی نہیں لہٰذا کوتاہیاں نظر کرم کی محتاج ہیں، کل ہی پھر ایک خط آیا ہے ایک خواب تحریر کیا ہے جو عریضہ کے ہمراہ مطالعہ سے گذرے گا۔

میرے مخدوم! ایک دل میں اللہ کی محبت، انبیاء کی محبت، ملائکہ اور اولیاء کی محبت حسب مراتب موجود ہوتی ہے اور یہ کثیر اور مختلف رابطے دراصل ایک ہی ہیں اس لئے نہ مضر ہیں نہ قابل ترک۔ صحابہؓ کی محبت کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا مقام اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ اگر نورے

تعلقات کثیر بھی ہوں تو خدا گواہ جیسے جملہ انبیاء کی محبت حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ کی محبت سے کم اور غیر مضر رہتی ہے اسی طرح حضرت والا سے جو تعلق ہے ان سب سے اعلیٰ اور قوی اور بالاتر ہے، کسی کی محبت اس میں نہ رخنہ انداز ہے نہ مضر۔

میرے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا میرے متعلق یہ نظریہ تھا کہ تمہاری طبیعت حضرت انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ٹھوس ہے حضرت پر کوئی شخص اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا خواہ کتنی ہی بہت توجہ صرف کرے۔ یہ صحیح ہے میرے اندر کسی کا اثر پیدا کرنا بیحد مشکل ہے یہ صرف حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کمال تھا اور اب اللہ تعالیٰ نے جناب کا میرے دل پر مکمل تصرف فرمایا ہے۔ الحمد للہ۔

میری صحت بحال نہیں ہوئی، خدارا عاجز کو بدستور نظر کرم سے سرفراز فرمادیں ورنہ مجھے بڑا نقصان پہونچے گا، اور حضرت تو کسی کے نقصان میں بھی خوش نہیں ہیں اور اگر فرمائیں تو میں جملہ تعلقات اور اور خط وکتابت ترک کردوں، کوئی ایسی بات نہیں کہ میں ترک کرسکوں

جواب با صواب سے جلد تر شاد فرماکر ممنون فرمائیں تاکہ مکمل حالت عرض کرسکوں۔

تحقیق: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد تجربات بسیار کے یہ طریق اختیار کرلیا ہے کہ ایسے لوگوں سے تعلق نہیں رکھتا۔ دعاء البتہ کرتا ہوں۔ والسلام۔

کمالاتِ اشرفیہ

(۵۱)

(۹۵) فرمایا کہ اگر کوئی دین کی حاجت لیکر آئے تب تو سبحان اللہ اور جو دنیا کی حاجت لیکر آتا ہے وہ نظروں سے گر جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ امیروں کو جس خاص اکرام کی عادت ہوتی ہے اگر انکا وہ اکرام نہ کیا جاوے تو ان کو رنج ہوتا ہے اس لئے انکے ساتھ معاملہ غرباء سے ذرا ممتاز ہونا مصلحت ہے۔

ف: یہ ملفوظ حضرت والا کے عظمت دین، عقل و تجربہ اور فہم سلیم پر دال ہے۔

(۹۶) فرمایا کہ مولانا احمد حسن صاحب امروہی میں متانت بہت تھی بعض کو خوداری کا شبہ ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا آدھی رات کو استنجے کی ضرورت ہوئی اول شب میں دریافت کرنا یاد نہ رہا بس خدا کی قدرت مولانا خود اندر سے تشریف لے آئے کہ کوئی حاجت ہے؟ میں نے کہا جی ہاں بڑے استنجے کی حاجت ہے مولانا نے فرمایا کہ اس وقت دونوں کو تکلیف نہ ہوگی اندر زنانہ مکان میں چلو، اور خود استنجے کے ڈھیلے اور پانی رکھ آئے۔ میں نے کہا یہ تو آب زمزم ہے اب استنجا کاہے سے کروں۔ اللہ اکبر کیا اخلاق ہیں۔

ف: اس سے حضرت والا کا کمال ادب بزرگوں کا معلوم ہوا۔

(۹۷) فرمایا کہ محبت و تعلق مع اللہ، خدا کا خوف، خدا کا شوق، دنیا سے بے رغبتی یہ اصل دین ہے۔ باقی کھانا کمانا دنیا ہے جو کہ غیر مقصود ہاں بعض اوقات معین دین ہے اور بالعرض مقصود بھی ہو جاتی ہے لیکن بالذات مقصود نہیں۔ پس اگر خدا تعالیٰ کسی کو ایسی کرامت دیں کہ اسے

کھانے کی ضرورت ہی نہ رہے تو ایسا شخص پھر کھانے کمانے کا مکلف نہیں کہیں ایسا ہوتا ہے کہ بلا اکتساب ملتا ہے یا پہاڑوں وغیرہ میں بعض بزرگ رہے ہیں انھوں نے وہاں کے پھل وغیرہ کھا کر ہی گذر کی ہے تو ایسے شخص کو ضرورت نہیں کمانے کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا محض خادم دین ہے اور خادم ہونے کے درجہ میں مرتبۂ تابعیت میں مجازاً اسکو دین کہدیتے ہیں جیسے کوئی شخص کسی سے پوچھے کہ کھانا شہر میں کتنے داموں میں پڑ جاتا ہے اور جواب میں معلوم ہو کہ دس روپئے میں حالانکہ انھیں دس روپئے میں دو روپئے کے کنڈے بھی ہیں بھلا اسے کھانے سے کیا علاقہ مگر طبعاً وہ بھی کھانے کے متعلق ہیں۔ اسی طرح کمانا بال بچوں کے لئے فی نفسہ دین نہیں ہے البتہ معین دین ہے۔ دین خالص تو نام ہے تعلق مع اللہ کا البتہ اگر دین کے موافق بال بچوں کی خدمت کرتا ہے تو ثواب ملتا ہے۔

ف: حضرت والا کی حقائق شناسی اور عقل زریں، فہم سلیم پر بدرجۂ کمال دال ہے

(۹۸) فرمایا کہ شیطان کے پاس شہوت وغضب وغیرہ جداگانہ آلات نہیں ہیں وہ انسان ہی کے ان آلات سے کام لیتا ہے اسی واسطے سالکین کو تعلیم کیجاتی ہے کہ اپنے کو کسی وقت فارغ مت سمجھو۔ پھر فرمایا کہ اپنے سے بھاگنا بہت مشکل ہے جس شخص کی ہستی ہی اسکی دشمن ہو اسے چین کہاں اور ہستی کا مٹانا یہ ہے کہ فنا کردے (اپنے صفات رذیلہ کو اور اپنے وجود کو کالعدم کردے موتوا قبل ان تموتوا (موت سے پہلے موت اختیار کرو یعنی اپنی ہستی اور خودی کو مٹا دو فنا کردو) کا مصداق بنا دے۔ جامع)۔

ف: اس ملفوظ سے بھی حضرت والا کی حقائق شناسی وحکمت ومعرفت عدو نفس اظہر من الشمس ہے۔

(۹۹) ایک صاحب جو تھانہ بھون مستقل طور پر مع بی بی کے قیام

چاہتے تھے حاضر خدمت والا ہوئے فرمایا کہ دو شخصوں کا معاملہ ہے (یعنی ان صاحب کا اور انکی بیوی کا) اسکا مدار ہے تجربہ پر اور تجربہ دونوں کے رہنے سے ہو سکتا ہے، سو عارضی طور پر چند روز یہاں رہیں اس وقت اندازہ ہو جاوے گا اور بدون اس تجربہ کے اگر یہ تعلقات قطع کر کے آویں اور بی بی انکی خبر لیں اور لڑائی بھڑائی ہو تو اسمیں کیا فائدہ اول چند سے رہ کر تجربہ کر لینا چاہئے۔

ف: اس سے کھلی حضرت والا کا تجربہ و عقل و فہم سلیم ثابت ہے۔

(۱۰۰) فرمایا کہ حق تعالیٰ کا باطن اتنا کہ خواہ مَر رہو مگر ظاہر نہ ہوئے اور ظاہر اتنا ہے کہ خواہ مر رہو مگر پوشیدہ نہ ہو۔ آنکھوں سے بالکل پوشیدہ اور دل کے سامنے ظاہر۔

ف: یہ ملفوظ کھلی حقیقت شناسی پر دال ہے۔

(۱۰۱) فرمایا کہ ایک بار علی گڈھ اور ایک بار بریلی میں مجھے خناق کی بیماری ہو گئی تھی شفا خانہ سے دوا منگائی اگرچہ ڈاکٹر نے اطمینان دلایا تھا مگر پھر بھی اسکے استعمال کے زمانہ میں ایک ایسا گندہ خواب دیکھا کہ عمر بھر کبھی نہ دیکھا تھا، بس پھر میں نے وہ دوا پھینک دی لوگوں نے کہا کہ استعمال کر لو میں نے کہا واہ جی حقیقی شفا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، پھر ایک دوست نے ایک جڑی ڈاک کے ذریعہ سے بھیجدی اسکا دھواں لینے سے مرض جاتا رہا۔ پھر فرمایا کہ خمر سے کوئی انتفاع جائز نہیں اسکی طرف دل خوش کرنے کے لئے دیکھنا بھی ناجائز ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے۔

ف: اس سے حضرت اقدس کی احتیاط و تقویٰ اور توکل اظہر من الشمس ہے

(۱۰۲) فرمایا کہ اگر کوئی صاحب ذوق ہو تو سمجھ سکتا ہے کہ ایسا شخص جو تکلف کے ساتھ محبت کا دعویٰ کرے محبت رکھنے والا نہیں ہے محبت تو ایسی چیز ہے کہ ان دعوؤں کو بھی پھونک دیتی ہے۔

ف : یہ بھی حضرت اقدس کے صاحب ذوق اور حقیقت شناس ہونے کی بین دلیل ہے ۔

(۱۰۳) ایک مولوی صاحب کی بھتیجی کا انتقال ہوگیا تھا ان کا خط آیا جس میں کچھ غلو کے ساتھ رنج کا اظہار تھا فرمایا اتنا تعلق بڑھانا بھی نہ چاہیئے۔ عذاب ہے زیادہ محبت ۔

ف : اس سے حضرت والا کا قلت تعلق مع الغیر ظاہر ہے ۔

(۱۰۴) فرمایا کہ ایک مقام پر ایک مدرسہ کے جلسہ میں لوگوں نے مجھے بلایا اور ان لوگوں کے ایک پیر تھے جاہل انکو بھی بلایا وہ پیر ایک مولوی کو پکڑ کر لائے تھے تاکہ اگر ان پیر صاحب کے کسی مصلحت کے خلاف کچھ بیان کروں تو وہ مولوی صاحب مناظرہ کریں، میں نے وعظ میں ظاہراً تو ایسے لوگوں کی کوئی مذمت نہیں کی مگر کلیات ایسے بیان کئے جن میں علماء کی فضیلت اور غیر علماء کی اقتدار نہ کرنے کی تحقیق تھی اسکے بعد میں نے بیان کیا کہ کسی کی مالی خدمت کے لئے تو زیادہ جانچ کی ضرورت نہیں خاندانی سلسلہ والوں کی بھی خدمت کرنی چاہیئے گو وہ قابل اقتدار کے نہوں کیونکہ بوجہ کسی کمال نہ ہونے کے قابل رحم ہیں انکی روزی کیوں بند کی جاوے ۔ برآوردن کار امیدوار (امیدوار کی حاجت برآری کرنا) وہ بزرگوں کی اولاد ہیں خدمت تو انکی کرو مگر باتیں دین کی علماء سے پوچھو انکو ایک پیسہ بھی نہ دو وہ پیر بعد وعظ کے میرے ہاتھ چومتے تھے حالانکہ میں نے انکی جڑ ہی کاٹ دی کہ جب ان سے لوگ پوچھیں گے نہیں تو دیں گے کیوں؟

ف : اس سے حضرت والا کی فراست وحکمت اور معاملہ رسی ظاہر ہے

(۱۰۵) فرمایا کہ واقعی انتظام کے پہلو کی نظر سے دنیا کی طرف توجہ کرنا یہ بھی دنیا ہے، دنیا کو ہیچ سمجھنا تو یہی ہے کہ اسکے انتظام کی فکر بھی نہ کرے

اِلّا بوُجہِ شَرعِیٍّ چنانچہ اگرکوئی ہمارے نام سے ٹھیکرے جمع کرے تو ہم اسکا کچھ انتظام نہ کریں گے ۔ پھر فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں ایک شخص نے چھ ہزار روپئے بھیجے حضرت کو پہلے سے اطلاع تھی کہ فلاں شریف شخص کو کچھ پریشانی ہے حضرت نے فوراً انکو بلاکر یکمشت سب روپئے دیدیئے حضرت کا جب انتقال ہوا ہے تو کچھ بھی نہ تھا۔ پھر فرمایا کہ حضرت اسکا بھی اہتمام رکھتے تھے کہ قرض نہ ہونے پائے۔

ف : حضرت والا کی تحقیر دنیا کی اور نیز شانِ تربیت ثابت ہوئی ۔

(۱۰۶) ایک صاحب انگریزی خواں تشریف لائے انھوں نے بے موقع سوالات کئے اس پر فرمایا کہ انگریزی پڑھنے میں جو بری صحبت رہتی ہے اس سے آزادی اور خود رائی پیدا ہوجاتی ہے۔معلوم ہوا کہ وہ سائل کتابیں بھی دیکھا کرتے ہیں فرمایا کہ کتابوں کے مطالعہ سے حقیقت دین کی نہیں معلوم ہوتی ہے ۔ پھران سے کہا کہ جس حیثیت سے آپ آئے ہیں اس طریقہ کے مناسب یہ ہے کہ سوالات نہ کرنے چاہئیں صرف یہاں کی باتیں سننی چاہیئے ۔ ابھی آپ کا دین ضابطہ کا ہے ابھی آپ کو مناسبت نہیں ہے ۔ پھر جب یہ صاحب چلے گئے تو فرمایا کہ اگر وہ ایک ہفتہ رہتے تو کچھ معلوم ہوتا کہ ہاں دین کچھ چیز ہے ۔ اب تو لوگ اصلاحِ ظاہری اعمال کو دین کہتے ہیں ۔ اس پر ایک مولوی صاحب حاضر مجلس نے کہا کہ صورت دین کی ہوتی ہے حقیقت دین کو سمجھے ہوئے نہیں ہوتے اس پر فرمایا کہ جی ہاں شیفتگی اور فریفتگی دین کے ساتھ بدون صحبت کے نہیں ہوتی بعض عوام الناس کو صورت کی خبر نہیں ہوتی لیکن ان میں یہ جوہر ہوتا ہے ۔ پھر فرمایا کہ یہ بڑی دولت ہے کہ رگ و ریشہ میں دین گھس جاوے یہ بدون صحبت کے نہیں ہوتا یہ امر فطری ہوتا ہے ۔ پھر بطور تفریع فرمایا کہ قدیم الاسلام میں جو جوش ہوتا ہے اکثر نومسلم میں

نہیں ہوتا اسی طرح دین کا فہم جیسا قدیم الاسلام میں ہوتا ہے اکثر ایسا نومسلم میں نہیں ہوتا مگر جہاں کوئی قوی الاثر صحبت میسر ہو جاوے۔

ف: اس سے حضرت والا کی حقیقت شناسی، علم و حکمت و شان تربیت ثابت ہے۔

(۱۰۷) فرمایا کہ میں بچپن سے جانتا تھا کہ زمینداری کے ساتھ دینداری جمع نہیں ہو سکتی۔ میں نے بچپن میں ایک پرچہ لکھدیا تھا کہ اگر کبھی زمین کا مالک ہوں گا تو اپنی ملک میں نہ رکھوں گا۔ چنانچہ اس پر عمل کیا اگر میں خود زمین رکھتا تو اگر کسی گنجائش کی صورت میں جواز کا فتویٰ دیتا تو لوگ یہی کہتے کہ مطلب کے فتوے ہیں جب چاہا جائز کہدیا۔

ف: حضرت والا کا تقویٰ اور احتیاط و توکل بدرجہ کمال ظاہر ہے۔

(۱۰۸) ایک صاحب نے اپنے لڑکے کے نکاح کے متعلق حضرت والا سے مشورہ لیا (وہ لڑکا پڑھنے میں مصروف تھا) ان صاحب نے یہ بھی عرض کیا کہ اب موقع اچھا ہے۔ اس پر فرمایا کہ ہمارا تو مذہب ہے کہ اگر جولاہی مل جاوے تو وہی سہی مرد کو تو ایک عورت چاہیئے اسوقت اسکا پڑھنا کیوں برباد کیا جاوے۔ جن بزرگوں پر ہم کو ناز ہے اکثر انکے گھروں میں کنیزکیں تھیں کوئی فارس سے آئی ہوئی تھی کوئی حبش کی تھی جب مسلمان آئے تو کیا سب عورتیں ان کے ساتھ آئی تھیں۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت والا کی نظر ہمیشہ حقیقت پر رہتی ہے۔

(۱۰۹) خواجہ صاحب کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ تغنی وہ ہے جو قواعد موسیقی کے موافق قصداً ہو، کالتغنی کو منع نہیں کیا گیا، قرآن شریف اچھی آواز سے پڑھنا گانا نہیں ہے۔

ف: اس سے بھی حقیقت شناسی ظاہر ہے

(۱۱۰) دہلی کے ایک جلسہ میں جانے کے لئے ۱۲ یا ۱۵ حضرات تیار تھے، فرمایا کہ

سب لوگ مولانا (حضرت داعی) ہی کے ذمہ جا پڑیں گے اسکا اچھا طریقہ
یہ ہے کہ کھانا یہاں سے تیار کرا کے لے چلیں اور وہاں پہونچکر مولانا سے اجازت
لیں۔

ف: اس سے کھلی ایذار مسلم سے سخت حذر ثابت ہوا۔

(۱۱۱) فرمایا کہ شریعت پر پورا عمل نہ کر سکنے کی وجہ یہ ہے کہ اسکے احکام
آسان زیادہ ہیں اسلئے ان پر عمل دشوار ہے۔

ف: اس سے کھلی حضرت والا کی دقت فہم و حقیقت شناسی ظاہر ہے۔

(۱۱۲) فرمایا کہ میں جب کسی سے کام لیتا ہوں تو مجھے اسکا خیال رہتا
ہے کہ کام کرنے والے کو آسانی ہو۔

ف: سہولت پسندی ظاہر ہوئی۔

(۱۱۳) ایک شخص کچھ پھوٹیں اور لیموں اور آم ہدیہ لایا حضرت والا نے فرمایا
تم غریب آدمی ہو ہمیشہ کچھ نہ کچھ لے آتے ہو بڑا حجاب معلوم ہوتا ہے اسکو
اپنے بال بچوں میں خرچ کرتے یا یوں کرو کہ قیمت لے لیا کرو سبھے یہ فائدہ ہوگا
کہ بلا تلاش کے عمدہ چیز ل جایا کرے گی۔

ف: اس سے ثابت ہے کہ حضرت والا کسی کا احسان اپنے سر نہیں لینا
چاہتے نیز اس میں رعایت مخاطب کھلی کس قدر ملحوظ ہے۔

(۱۱۴) ایک روز آدھی رات کے بعد ایک مریض کو حکیم محمد مصطفیٰ صاحب کی
ضرورت ہوئی جو مولوی مظہر صاحب کے مکان میں مقیم تھے۔ آدمی نے آکر
پھاٹک کے باہر سے آوازیں دیں لیکن باوجود دیر تک چیخنے چلانے کے
اندر سے کچھ جواب نہ ملا حتیٰ کہ حضرت والا جو پھاٹک سے ذرا فصل پر بیرونی مکان
میں آرام فرما تھے اور مولانا احمد حسن صاحب سنبھلی جو دیوان خانہ میں
سوتے تھے بیدار ہوئے مولوی صاحب نے کیواڑ کھولے حضرت والا کو
سخت تعجب ہوا کہ پھاٹک کے متصل طالب علم سوتا ہے وہ کہاں ہے؟

دیکھا تو وہ طالب علم تہجد میں مصروف ہے اور باوجود اتنے غل مچنے کے نہ انھوں نے نماز مختصر کی نہ قطع کی۔ حضرت والا ان پر بہت ناراض ہوئے اور تادیبًا مارا بھی، اور فرمایا کہ اتنے دن یہاں رہ کر تمھیں یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ دین کیا چیز ہے، دین کثرت نوافل یا لمبی لمبی رکعتوں کا نام نہیں ہے دین اور ہی چیز ہے۔ پھر حضرت کو اس سے رنج ہوا کہ ایک نماز پڑھنے والے کو مارا گویا نَہٰی عَنِ الصَّلٰوۃ (نماز روکنے) کی صورت پیدا ہوگئی، بعد نماز فجر ان طالب علم کو بلا کر فرمایا میں نے اس وقت بحالت غصہ جو کچھ کہا سنا وہ اگرچہ تمھارے نفع کے لئے تھا مگر بعد میں مجھکو ندامت ہوئی اللہ کے واسطے معاف کر دو یا بدلہ لے لو، طالب علم نے حضرت والا کے پاؤں پکڑ لئے اور عرض کیا کہ حضرت نے کیا زیادتی کی میرا قصور تھا میں تو گھر بار اسی کے واسطے چھوڑے پڑا ہوں اگر تادیب و تنبیہ نہ ہوگی تو میرے عیب کیسے نکلیں گے؟ فرمایا بھائی عاقبت کے لئے نہ رکھو، وہاں کے بدلہ کا تحمل نہیں۔ عرض کیا حضرت کچھ خیال نہ فرما دیں میں تو اسکو اپنا فخر سمجھتا ہوں فرمایا یاد رکھو دین کثرت نوافل کا نام نہیں ہے تمکو یہ چاہئے تھا کہ جب پکارنے والے نے پکارا تھا تو سبحان اللہ زور سے کہہ دیتے یا قرات زور سے کرنے لگتے تاکہ اسکو معلوم ہو جاتا کہ دروازہ میں کوئی موجود ہے وہ پریشان نہ ہوتا اور پکارے چلا نہ جاتا آس پاس کے لوگ بھی پریشانی سے بچ جاتے محلہ بھر جاگ اٹھا کہ خدا جانے کوئی مرگیا یا کنوئیں میں گر گیا، یا چور آگھسے یہ کاہے کا غل ہے۔ عرض کیا میں نے سورۂ والفجر شروع کر دی تھی جب تک وہ ختم ہوئی یہ تمام غل مچ گیا فرمایا سبحان اللہ یہ اور بڑھکر ہوئی آپ کی تو قرات ہوئی اور مریض اور تمام محلہ کی پریشانی ہوئی چاہیئے یہ تھا کہ بقدر ضرورت قراءت کر کے نماز ختم کر دیتے اور فورًا دروازہ کھول دیتے۔

(جاری)

رفع الموانع

موانع طریق کی تفصیل کے متعلق یہ وعظ جامع مسجد تھانہ بھون میں ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ کو بھوپال سے آئے ہوئے چند مہمانوں کی خواہش پر بیٹھکر فرمایا ۔ ۱۵۰ کے قریب سامعین تھے جنکی اکثریت صلحاء پر مشتمل تھی اور اہل علم کم تھے، مولوی محمد عبداللہ صاحب گنگوہی نے قلمبند کیا

رفع الموانع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ ۔ امابعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ "ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللہ ومن یومن باللہ یھد قلبہ واللہ بکل شیٔ علیم واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولیتم فانما علی رسولنا البلاغ المبین اللہ لا الٰہ الا ھو وعلی اللہ فلیتوکل المومنون یاایھا الذین اٰمنوا ان من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروھم وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا فان اللہ غفور رحیم ۰ انما اموالکم واولادکم فتنۃ واللہ عندہ اجر عظیم فاتقوا اللہ مااستطعتم واسمعوا واطیعوا وانفقوا خیرا لانفسکم ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون ان تقرضوا اللہ قرضا حسنا یضاعفہ لکم ویغفر لکم واللہ شکور حلیم عالم الغیب والشھادۃ العزیز الحکیم ۰"

(کوئی مصیبت بدون خدا کے حکم کے نہیں آتی ، اور جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے قلب کو راہ دکھا دیتا ہے ۔ اور اللہ

ہر چیز کو خوب جانتا ہے اور اللہ کا کہنا مانو اور اسکے رسول کا کہنا مانو اور اگر تم اعراض کرو گے تو ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف پہونچا دینا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر توکل رکھنا چاہیئے۔ اے ایمان والو! تمھاری بعضی بیویاں اور اولاد تمھاری دشمن ہیں سو تم ان سے ہوشیار رہو۔ اور اگر تم معاف کر دو اور درگذر کر جاؤ اور بخش دو تو اللہ تعالےٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

تمھارے اموال اور اولاد بس تمھارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہیں اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے تو جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنو اور مانو، اور خرچ کیا کرو یہ تمھارے لئے بہتر ہوگا، اور جو شخص ایسی نفسانی حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے تو وہ اسکو تمھارے لئے بڑھاتا چلا جاویگا اور تمھارے گناہ بخشدے گا اور اللہ بڑا قدر داں ہے بردبار ہے۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے۔ زبردست حکمت والا ہے)

تمہید یہ سورۂ تغابن کا ایک پورا رکوع ہے ہر چند کہ آیتیں متعدد ہیں لیکن ان سب میں ایک جہتہ جامعہ ہے جس کی وجہ سے تمام آیتیں تلاوت کی گئیں اور گو بیان میں اختصار ہوگا لیکن بوجہ ارتباط آیات و جامعیت بیان کے اس مختصر ہی میں تمام آیتوں کے متعلق بیان ہو جائے گا۔ اب میں پہلے وہ عنوان عرض کر دوں جسکی یہ آیتیں بمنزلہ شرح اور تفسیر کے ہیں تاکہ اسکو تمام بیان میں پیش نظر رکھا جائے اور اس سے یہ بھی اجمالاً معلوم ہوگا کہ آیات قرآنیہ میں کیسا ارتباط ہے لیکن یہ وقت اس مسئلہ پر مفصل گفتگو کرنے کا نہیں ہے اس لئے کہ اگر اسکو بیان کیا جاوے گا تو اصل مضمونِ مقصود رہ جائیگا اسلئے اصل مضمون کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

اس تمام مضمون کے اندر جہتہ جامعہ جو بمنزلہ عنوان کے ہے صرف

ایک شے ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے ان آیتوں میں موانع طریق کو بیان فرمایا ہے یعنی جو چیزیں حق تعالیٰ کے راستہ سے روکنے والی ہیں اور اللہ کی یاد سے غفلت میں ڈالنے والی ہیں یہ انکی فہرست ہے لیکن صرف موانع کے بیان پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ ساتھ ساتھ اسکا علاج بھی مذکور ہے۔ اور یہ حق تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ جہاں کسی مضرت کا وجود ہے وہاں اسکا دفع بھی موجود ہے اور اس حکمت کا ظہور تمام کائنات عالم پر ہوا ہے اور قرآن مجید میں تو خصوصیت کے ساتھ ہوا ہے کہ جہاں امراض کا ذکر ہے وہاں دوا بھی ہے۔ اور جس جگہ معاصی کا بیان ہے وہاں اسکا علاج بھی ہے ۔ یہ ہے حاصل آج کے بیان کا۔

خوشگوار اور ناخوشگوار امور

اسکے بعد سمجھئے کہ وہ موانع چند کلیات ہیں اور انکی بے شمار جزئیات ہیں پھر ان کلیات کے لئے دو کلی جامع ہیں اس طور سے یہ تمام مضمون باہم مُتناسِق اور مُنتَظِم ہیں وہ موانع باوجود تعدد و تکثرِ جزئیات کے صرف دو امر کلی کے اندر منحصر ہیں یعنی صرف دو مانع ہیں اول ضرّا یعنی وہ حالت کہ جس کا عروض (اور پیش آنا) انسان کو ناگوار ہے۔ دوسرے سَرّا یعنی وہ کیفیت جسکا ظہور آدمی کو گوارا ہو، لیکن یہ دونوں حالتیں مطلقاً مانع نہیں بلکہ قید افراط کے ساتھ یعنی ضرا میں وہ حالت جو زیادہ ناگوار ہے اور سَرا کی جہتہ میں وہ حال جو زیادہ گوارا ہے ۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اول یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ طریق جس کے موانع میں ہم کلام کر رہے ہیں اس سے مراد حق تعالیٰ تک پہونچنے کا راستہ ہے اور وہ کوئی محسوس شے نہیں ہے کہ کوئی پَٹیا ہو یا سڑک ہو بلکہ حاصل اسکا شغل مع اللہ ہے اور شغل قلب کا فعل ہے جو کم و بیش ہر مومن کو حاصل ہے ۔ یہ تو حاصل ہوا طریق کا۔ اب سمجھو کہ ہر شخص پر اکثر اوقات ان دو حالتوں یعنی سرا ر یا ضرا،

ہیں سے ایک نہ ایک حالت کا عروض علی سبیل التّعاقب وَالتّناوُب (یعنی باری باری) ضرور رہتا ہے بعض مرتبہ تو ادنیٰ درجہ ان حالتوں کا ہوتا ہے یعنی ناگواری اور خوشگواری کم درجہ کی ہوتی ہے کہ قلب کو اپنی اصلی حالت سے از جارفتہ نہیں کرتی اور بعض مرتبہ زیادہ ہوتی ہے کہ قلب کو اپنی طرف مشغول کرلیتی ہے اور اپنی اصل حقیقت سے دور کردیتی ہے بس یہی حالت مانع طریق ہے باقی اس حالت کی کوئی ایسی تحدید کہ اس فلاں درجہ تک مانع ہے نہیں ہوسکتی، بطور تشکیک کے حسب اختلاف قوت شغل مع اللہ کی ہر فرد کے اعتبار سے اس میں اختلاف ہوگا۔ اور یہ شغل مع اللہ وہ چیز ہے کہ تمام شریعت جس کا ایک جزو طریقت کلی ہے اسی شغل مع اللہ کی کی شرح اور تفصیل ہے۔ اور یہ جو میں نے کہا کہ جس کا ایک جزو طریقت کلی ہے اور طریقت کو شریعت پر عطف نہیں کیا تو وجہ اسکی ہے کہ شریعت اور طریقت میں تباین بمعنی تنافی نہیں ہاں ایسا تباین کہا جا سکتا ہے جیسے کل اور اسکے اجزاء خارجیہ میں تباین ہوتا ہے کہ چھت کو یا دیوار کو بیت یا بیت کو چھت یا دیوار نہیں کہہ سکتے۔ اور اجزاء ذہنیہ میں تو کل کا اسکے اجزاء پر اور اور اجزاء کا اپنے کل پر صادق آنا کلی ضروری ہے۔ اسلئے میں تباین کے لفظ کو کہ موہم ہے چھوڑ کر یہ کہوں گا کہ شریعت اور طریقت میں تنافی نہیں ہے جیسے جہلاء کا خیال ہے کہ شریعت اور شے ہے اور طریقت اور۔ اور کہتے ہیں شریعت میں بہت سی چیزیں حرام ہیں اور طریقت میں حلال ہیں کاش اسکا عکس کرتے تو اس سے تو اچھا تھا یعنی یہ کہتے کہ شریعت میں بہت سی چیزیں حلال ہیں اور طریقت میں حرام تو ہم اسکی یہ تاویل کرلیتے کہ مطلب انکا یہ ہے کہ نرے فتوے پرست رہو اسلئے کہ ہم کو خدا تعالیٰ سے خاص تعلق پیدا کرنا منظور ہے اسلئے ہم کو بہت سی وہ چیزیں جن کو حق تعالیٰ نے شریعت میں بوجہ اپنے بندوں کے ضعف کے بطور رخصت کے جائز کردی ہیں ان کے ساتھ

ہم کو عملاً نا جائز کا سا برتاؤ رکھنا چاہیئے تاکہ عزیمۃ پر عمل فوت نہ ہو لیکن اسکا تو نام ونشان نہیں بلکہ برعکس اسکے جو اعمال شریعت میں حرام ہیں انکے نزدیک جائز ہیں۔ شراب پینا حرام ہے اور انکے نزدیک جائز ہے اور بہت سے صوفی ایسے بھی دیکھے گئے جو امرد پرستی کو سبب قرب کا جانتے ہیں چنانچہ ہم نے خود ان لوگوں کو دیکھا ہے کہ ایک ایک لڑکا ان کے ساتھ ہوتا ہے اور اسکے جواز کے لئے ایک حدیث گڑھی ہے وہ یہ ہے رَأَيْتُ رَبِّي فِي صُوْرَةِ شَابٍ أَمْرَد (میں نے اپنے رب کو ایک بے ریش نوجوان کی شکل میں دیکھا) اول تو یہ حدیث ہی نہیں کسی کی گڑھت ہے اور اگر بالفرض ہو بھی تو توجیہہ اسکی یہ ہوگی کہ مراد اس میں ایک تجلی مثالی ہے جو کہ مخصوص اَمْرَدِ ہی کے ساتھ نہیں ہے بلکہ بزرگوں کو یہ تجلی مختلف صورتوں میں ہوتی ہے اور حاصل اسکا صرف مظہریت ہے یعنی انکو ان صورتوں حق تعالیٰ کے علم وقدرت اور صفات وغیرہ کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور اگر وہ اس حدیث سے قطع نظر کر کے کہیں کہ ہم آثارِ دکو بحیثیت مظہریت ہی کے دیکھتے ہیں کہ ان میں بعض صفات کا مشاہدہ ہوتا ہے سو ایسا مشاہدہ تو جس طرح امرد میں ہے اسی طرح بوڑھے میں بھی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ امرد بے ریش سبب قرب کا ہو اور سو برس کا بوڑھا یا ایک ماہ کا بچہ نہ ہو بقراط کی حکایت شیخ سعدی شیرازی نے لکھی ہے کہ چلا جا رہا تھا ایک شخص کو دیکھا کہ پسینہ پسینہ اور بے خود ہو رہا تھا پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے لوگوں نے کہا کہ ایک بزرگ ہے اس نے ایک حسین لڑکے کو دیکھ لیا ہے اس میں حق تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ بقراط نے کہا کیا حق تعالیٰ نے صرف یہ لڑکا ہی اپنی قدرت کے اظہار کے لئے پیدا کیا ہے اور کوئی نہیں؟ ایک دن کا بچہ بھی تو اسی کا پیدا کیا ہوا ہے اسکو دیکھکر اسکا حال متغیر نہ ہوا؟ حق تعالیٰ کی صنعت دیکھنے کے اندر تو دونوں برابر ہیں بلکہ طفل یک روزہ کے اندر بوجہ زیادہ عجیب ہونے کے قدرت کا ظہور زیادہ ہے۔ یہ تو ایک حکیم یونانی کی حکایت ہے

اسکو سنکر تو شاید لوگ رد کردیں کہ اسکی بات کا کیا اعتبار لیکن شیخ سعدیؒ اسکی تصدیق کرتے ہیں اب تو کوئی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ وہ تو سب کے نزدیک مسلم ہیں، صوفی بھی ہیں اور حکیم بھی وہ فرماتے ہیں کہ ؎

محقق ہماں بیند اندر ابل　　که در خوبرویان چین و چگل

یعنی جو شخص حقیقت بین ہے وہ اونٹ میں بھی وہی دیکھتا ہے جو چین و چگل کے حسینوں میں۔ بلکہ اونٹ کے دیکھنے میں تو نفع محض ہے اور امرد کے دیکھنے میں فتنہ کا احتمال بھی غالب ہے اسی واسطے اونٹ کے دیکھنے کا امر بھی فرمایا ہے ارشاد ہے اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (تو کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے) یہ نہیں فرمایا اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاَمَارِدِ كَيْفَ خُلِقُوْا (تو کیا یہ لوگ امارد و بے ڈاڑھی مونچھ کے لڑکوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کئے گئے)۔

کم علمی کی خرابی

یہ جہلاء صوفیہ کفار قریش سے بھی بڑھ گئے ہیں اس لئے کہ انھوں نے قرآن شریف کی نسبت حضورؐ سے یہ درخواست کی تھی اِئْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ یعنی آپ قرآن کے سوا کوئی دوسرا قرآن (جس میں ہمارے معبودوں کی برائی نہ ہو) لائیے یا اسی میں ترمیم کر دیجئے، جس کا جواب ارشاد ہوا قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ یعنی میرے اختیار میں نہیں ہے کہ میں اسکو اپنی طرف سے بدل دوں، جواب میں صرف تبدیل کی اسلئے نفی فرمائی کہ اس سے ہی تجدید کی بھی نفی ہوگئی اسلئے کہ جب ترمیم بھی اختیار میں نہیں ہے تو نیا قرآن تو لانا بدرجہ اولیٰ منتفی ہوگیا۔ اور ان حضرات نے خود ہی ایک قرآن بنا لیا، حق تعالےٰ تو فرماتے ہیں اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ اور یہ اپنے طرز عمل سے کہہ رہے ہیں اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاَمَارِدِ كَيْفَ خُلِقُوْا انھوں نے تو صرف درخواست کی تھی مگر انھوں نے تو بدل کر دکھلا دیا گویا درپردہ

قرآن مجید کا مقابلہ ہے کہ قرآن میں طریق قرب الٰہی کے مذکور نہیں ہیں ہم نے ایجاد کئے ہیں۔ غرض قائل ہوئے تو ایسے ہوئے کہ طریقت میں بہت سی حرام چیزیں بھی حلال ہیں اور یہ مسلک نیا نہیں ہے پہلے بھی ان کے ہم خیال لوگ ہوئے ہیں چنانچہ ایک فرقہ اباحیہ مشہور ہے کہ انکے نزدیک ہر شے مباح ہے اور اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو اہل بدر کی شان میں وارد ہوئی اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ "جو چاہو عمل کرو میں نے تمھارے لئے مغفرت کر دی" نیم ملا خطرۂ ایمان کا مضمون ہے یہ ادھورے علم کی خرابی ہے حالانکہ خود اس حدیث کے اندر غور کرنے سے جواب ظاہر ہے چنانچہ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ لفظ مغفرت فرمانا خود دال ہے گناہ ہونے پر اگر گناہ نہ ہوتا تو غَفَرْتُ (میں نے معاف کر دیا) اور نہ ہوتا اَبَحْتُ یا اَحْلَلْتُ (مباح کر دیا، حلال کر دیا، فرمایا گیا) ہوتا۔ غرض کمالات میں کوئی مرتبہ ایسا نہیں ہے کہ اس پر پہونچکر احکام شرعی مکلف سے ساقط ہو جاویں۔ الحاصل شریعت و طریقت میں تنافی نہیں ہے اسلئے میں نے طریقت کا شریعت پر عطف نہیں کیا۔ بہرحال تمام شریعت شرح ہے اسی شغل مع اللہ کی۔ یہ تو بیان تھا طریق کا اور مانع کا حاصل ہوگا شغل مع الغیر یعنی قلب کو غیر حق کے ساتھ مشغول کر دینا اس لئے کہ قلب ایسی چیز ہے کہ ایک وقت میں دو طرف اسکو توجہ تام نہیں ہوتی جب غیر کے ساتھ مشغولی ہوگی تو اس سے لامحالہ حق تعالیٰ سے غفلت ہوگی۔

عبادت میں یکسوئی اسی واسطے فلاسفہ نے کہا ہے اَلنَّفْسُ لَا تَتَوَجَّہُ اِلٰی شَیْئَیْنِ فِیْ اٰنٍ وَاحِدٍ (انسان کا ذہن ایک وقت میں دو چیزوں کی طرف کامل طور پر متوجہ نہیں ہو سکتا)۔

(جاری)

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۱۱ - جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ مطابق نومبر ۹۶ء جلد ۱۹

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان ۱۰۰ روپیہ - غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار
الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

S.T.D
code No
0532

پرنٹر - پبلشر - صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسین گنج - الہ آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترتیب

علم کی حقیقت

سنیئے! سیدنا رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ شان علم کی ایسی تعظیم کرو کہ اسکے واجبی حقوق ادا ہوتے رہیں۔ علم نام ہے حقائق اشیار کے دریافت کرنے کا

سیدنا رفاعیؒ کے مریدین علمار بھی تھے اور عوام بھی دونوں طبقوں کی تربیت انکے موافق کرتے تھے یعنی علمار کو ان کے طریقے سے لے چلتے تھے اور عوام کو ان کے طریقے سے۔ یہاں علمار کو خطاب فرمایا ہے کہ شان علم کی ایسی تعظیم کرو کہ اسکے واجبی حقوق ادا ہوتے رہیں اور علم کی حقیقت بیان فرمائی کہ علم نام ہے حقائق اشیار دریافت کرنے کا یعنی اگر اشیار کے حقائق نہیں دریافت ہوئے تو پھر آدمی جاہل ہی ہے، زیادہ سے زیادہ بس یہ کہا جائے گا کہ اسکو الفاظ یاد ہیں لیکن عالم کا اطلاق اس پر صحیح نہیں ہوگا بلکہ حقیقتاً وہ جاہل ہی کہا جائے گا۔ اور جب کسی پر حقائق منکشف نہیں ہیں تو وہ محض الفاظ کے ذریعے سے ہدایت نہیں کرسکتا اسلئے کہ وہ جب کوئی چیز لوگوں سے بیان کریگا تو الفاظ کے ساتھ ساتھ اسکی قلبی حالت بھی یعنی جہل قلبی بھی جائے گا، برخلاف اس شخص کے جس پر حقائق منکشف ہوتے ہیں کہ اس کے الفاظ کے ساتھ ساتھ وہ حقیقت بھی سامعین تک جاتی ہے۔

میں اس وقت سیدنا رفاعیؒ کے کلام کی کچھ شرح کرنا چاہتا ہوں

سنیئے! اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَى
بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ

اور ہم نے موسٰیؑ کو اگلی امتوں کے ہلاک کے بعد کتاب دی تھی جو لوگوں

کے لئے بصائر (یعنی دانشمندیوں کا سبب) تھی اور ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

حضرت مولانا تھانویؒ اس آیت کی تفسیر میں فرما رہے ہیں کہ سب سے پہلا حق کی اول فہم درست ہوتی ہے یہ بصیرت ہے، پھر احکام قبول کرتا ہے یہ ہدایت ہے پھر ہدایت کا ثمرہ یعنی قرب وقبول عنایت ہوتا ہے یہ رحمت ہے۔

سبحان اللہ! حضرتؒ نے کیسی عمدہ بات بیان فرمائی اور کیسی حقیقت کا انکشاف فرمایا ورنہ ہم لوگ زیادہ سے زیادہ الفاظ یاد کر لیتے اور اسکا ترجمہ کر دیتے لیکن اس حقیقت کو نہیں پہونچ سکتے تھے اسلئے کہ الفاظ یاد کر لینا آسان ہے اور حقیقت تک رسائی مشکل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اسکا سمجھنا آسان نہیں ہے، دماغ تھک جاتا ہے۔

حضرتؒ نے بصیرت کی اور ہدایت ورحمت کی کیسی شرح فرمائی کہ بصیرت سے مراد فہم ہے، اور احکام کا قبول کرنا یہ ہدایت ہے اور اسکے جو ثمرات یعنی قرب وقبول عند اللہ مرتب ہوتے ہیں وہ رحمت ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ اب جو ہدایت نہیں ہو رہی ہے تو اسکا سبب یہ ہے کہ فہم و بصیرت نہیں ہے جب آدمی سمجھے گا ہی نہیں تو عمل کیا کرے گا اور جب عمل نہیں کرے گا تو پھر وہ ثمرات جو عمل کرنے پر مرتب ہوتے ہیں کیسے حاصل ہوں گے؟

اور سنئے! سیدنا رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ شریعت اور عقل کے ذریعہ سے ایمان کا حق ادا کرو، یہ اس لئے فرمایا کہ شریعت اللہ تعالیٰ کے احکام کا نام ہے تو جب تک انکو نہیں جانے گا ایمان کا حق کیسے ادا کر سکتا ہے اور شریعت کے ساتھ ساتھ عقل کو بھی لے رہے ہیں کہ عقل کے ذریعہ سے بھی ایمان کا حق ادا ہوتا ہے اسلئے کہ اگر عقل نہ ہوگی تو ایمان کا حق نہ ادا ہوگا۔ عقل ہی ایسی چیز ہے کہ اسکے ذریعہ سے شریعت کو پہچان سکتے ہو۔

اور متبع شریعت کو بھی بغیر عقل کے نہ شریعت کی معرفت ہوگی نہ صاحب شریعت کی اور متبع شریعت کی پھر اسکا حق کیسے ادا ہوسکتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ:۔ "یک من علم را دہ من عقل باید" ایک من علم کیلئے دس من عقل چاہیئے، عقل ہی سے آدمی اپنے کو پہچانتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت بھی اسی عقل ہی سے حاصل کرتا ہے۔

ایک عالم کسی جگہ وعظ کے لئے آئے ہوئے تھے ان کے بارے میں ایک شخص مجھ ہی سے کہتا تھا کہ میں نے غور کیا کہ دیکھیں مسجد سے نکلتے وقت یہ پہلے بایاں پیر نکالتے ہیں یا دایاں اور جوتا پہلے دائیں پیر میں پہنتے ہیں یا بائیں میں تو دیکھا کہ مسجد سے نکلتے وقت پہلے داہنا پیر نکالا اس سے میں سمجھ گیا کہ کچھ نہیں ہیں۔ پھر انھوں نے تقریر کی لیکن اسکا کوئی اثر نہیں ہوا، آجکل ہم لوگوں کا عام طور سے یہی حال ہے الا ماشاء اللہ۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اخیر زمانہ میں لوگوں کی مثال ایسی ہوگی جیسے سو اونٹ ہوں اور اس میں سواری کے قابل ایک بھی نہ ہو اس کا مطلب یہی ہے کہ کام کے لوگ بہت کم ہو جائیں گے خال خال ملیں گے چنانچہ یہ وقت ایسا ہی ہے۔

حضرت مولاناؒ سے سنا ہے کہ دیو بند میں ایک مجذوبہ رہتی تھیں جو کپڑے نہیں پہنتی تھیں لیکن جب حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ کو دیکھتیں جو مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے خلیفہ تھے تو فوراً کپڑے مانگتیں کہ جلدی سے کپڑا دو تاکہ پہن لوں ایک آدمی آگیا ہے گویا وہ سب لوگوں کو آدمی نہیں دیکھتی تھیں اسلئے سمجھتی تھیں کہ ان سے کیا پردہ۔

مسلمان کسے کہتے ہیں

آگے سیدنا رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ اسکی (ایمان کی) حقیقت زبان سے اقرار کرنا اور دل سے یقین کرنا ہے پھر فرماتے ہیں کہ احکام اسلام کی پابندی کرو

اور "اسلام نام ہے شریعت کی پیروی اور تقاضائے طبیعت سے بیرخی کرنے کا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب آدمی شریعت کی پیروی اور تقاضائے طبیعت سے بے رخی برتے گا تب مسلمان کہا جائے گا۔

ان دونوں چیزوں کا الگ الگ بیان تو نص میں موجود ہے ہم اسکو اسی طرح بیان بھی کر دیتے ہیں لیکن یہ حضرات چونکہ کامل ہیں اسلئے انھوں نے دونوں کو ایک جگہ جمع فرما کر اس طرح تعبیر فرما دی۔

قرآن شریف میں ہے ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ یعنی ہم نے آپکو شریعت (اور دین کے ایک خاص طریقہ) پر کیا ہے لہٰذا آپ اسکا اتباع کیجئے اور ان لوگوں کے اہوا (یعنی خواہشات نفسانی) کا اتباع مت کیجئے جو علم نہیں رکھتے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت کی پیروی کا امر ہے اور بالواسطہ آپ کے متبعین کو بھی امر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام امت کے لئے شریعت کا اتباع واجب اور جاہلوں کی خواہشات کا اتباع حرام ہے اتنا تو قرآن اور علم سے مناسبت رکھنے والا بیان کر دیتا ہے اور یہ بھی کہ نفس کے تقاضوں اور اس کی خواہشات پر عمل نہ کیا جائے لیکن دونوں کو جمع کر کے اس طرح کہنا کہ "اسلام نام ہے شریعت کی پیروی اور تقاضائے طبیعت سے بے رخی کرنے کا" یہ میں نے کسی سے نہیں سنا، بڑی عمدہ بات ہے اور دونوں کو اس لئے جمع فرمایا کہ شریعت کی پیروی سے روکنے والے طبعی تقاضے ہی تو ہوتے ہیں اور شریعت پر چلنے سے یہی روکتے ہیں۔

اسکے بعد فرماتے ہیں کہ سچی معرفت حاصل کرو جسکی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو وحدانیت کے ذریعہ سے پہچانو یعنی اسکی ذات کو بھی واحد جانو اور

صفات کو بھی یکتا اور بے نظیر پہچانو مطلوب اور مقصود بھی صرف اسی کو بناؤ، فاعل حقیقی بھی صرف اسی کو سمجھو، یہ ہے معرفت۔

ابن عطاؒ فرماتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ فرماتے تھے کہ ایک شب مجھکو نیند نہ آئی تو سوچا کہ اٹھکر اپنا ورد ہی پورا کرلوں مگر اس میں بھی وہ حلاوت نصیب نہ ہوئی جو اور دنوں میں نصیب ہوتی تھی، میں نے سوچا کہ سو ہی رہوں تو نیند بھی نہیں آئی، اٹھکر بیٹھ گیا تو بیٹھا بھی نہیں گیا، دروازہ کھولکر باہر نکلا اور کچھ دور چلا تو دیکھا کہ ایک شخص چادر اوڑھے راستہ ہی میں پڑا ہوا ہے میری آہٹ سنکر سر اٹھایا اور مجھے دیکھکر کہا اے ابوالقاسم! اس وقت کہاں؟ میں نے پوچھا آپ نے یہ کیسے سمجھا کہ میں ابوالقاسم ہوں درآنحالیکہ آپ کا چہرہ ڈھکا ہوا ہے اس شخص نے کہا کہ میں نے ہی تو آپ کو بلایا ہے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ یا اللہ جنید کو بھیجدیجئے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے کہا کہ اے میرے سید! کیا آپ نے مجھکو یونہی بلا اراده بلا لیا ہے فرمایا کہ نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ میں نے محرک القلوب یعنی اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ آپ کے قلب کو میری جانب متوجہ کردے انھوں نے فرمایا کہ محرک القلوب ہی نے تو میرے قلب کو حرکت دی اسی وجہ سے تو اٹھکر آیا ہوں لیکن اس طرح بلانے کی کیا ضرورت تھی کسی سے کہلا دیا ہوتا میں آجاتا۔ انھوں نے جواب دیا کہ مجھکو ایک مشکل پیش آئی ہے اور وہ آپ ہی حل فرما سکتے تھے اس لئے آپ سے ملاقات ضروری تھی لہٰذا یہ صورت اختیار کی گئی، تو پھر حضرت جنیدؒ نے پوچھا کہ اچھا تو آپ کو کیا ضرورت پیش آئی جس کے لئے آپ نے مجھکو بلایا ہے؟ انھوں نے کہا آپ میرے ایک سوال کا جواب دے دیجئے وہ یہ کہ مَتٰی یَصِیْرُ دَاءُ النَّفْسِ دَوَاهَا یعنی نفس کی بیماری اسکی دوا ہو جائے یہ کب ہوگا؟ حضرت جنیدؒ تو سید الطائفہ تھے ہی فوراً ہی فرمایا کہ اِذَا خَالَفَتِ النَّفْسُ

ـــه حضرت جنیدؒ کی کنیت

هَوَاهَا یعنی جب نفس اپنے ہوا اور خواہش کی مخالفت کرے انھوں نے یہ سنکر اپنے نفس کو مخاطب کرکے کہا کہ اب تو تو نے حضرت جنید سے سن لیا میں نے بھی یہی جواب دیا تھا مگر تو نے نہیں مانا اب تو سید الطائفہ سے سن لیا اب تو مانے گا؟ انکے نفس نے یہی کہا تھا کہ حضرت جنید کہدیں گے تب مانیں گے۔ وہ شخص یہ بات کرکے چلا گیا، حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نہ تو اس پہلے اسکو جانتا تھا نہ بعد میں معلوم ہو سکا کہ وہ کون آدمی تھا۔

جانتے ہیں کہ یہ سب آخر کیوں سنا رہا ہوں اسلئے سنا رہا ہوں تاکہ آپکو معلوم ہو کہ بزرگان دین کے یہاں یہ بھی ایک زبردست بات ہے یعنی نفس اور خواہشات نفس کے چھوڑ دینے پر اللہ تعالےٰ سے ملاقات موقوف ہے تو پھر اسکے لئے انھوں نے سر دھڑ کی بازی لگادی اور اس (نفس) کو ختم کرکے ہی چھوڑا۔

سنیئے! ایک بات کو میں بمبئی میں بھی برابر بیان کرتا تھا اور یہاں بھی بیان کر چکا ہوں وہ یہ کہ بہت زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی نے جو کسی دوسرے بزرگ سے مرید تھا مجھ سے یہ کہا کہ میرے شیخ فرماتے تھے کہ مولوی لوگ جو بزرگ نہیں ہوتے اسکی وجہ یہ ہے کہ شغل نہیں کرتے تو میں نے کہا کہ اولاً تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ مولوی لوگ بزرگ نہیں ہوتے اسلئے کہ یہ بزرگی تو اللہ اور بندے کے درمیان ایک نسبت ہے اسکو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں ہم نہ کسی عامی کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بزرگ نہیں ہے اور نہ خاصی کے بارے میں، جو اللہ تعالےٰ سے تعلق پیدا کرے گا وہ بزرگ ہو جائے گا چاہے وہ عالم ہو یا عامی ہو۔

اور اسکی وجہ جو انھوں نے یہ بتائی کہ شغل نہیں کرتے تو یہ بات

بھی نہیں بلکہ جو نفس کو نہیں مارتا وہ بزرگ نہیں ہوتا اور جو نفس کو مارتا ہے وہ بزرگ ہوتا ہے۔

کوئی مولوی اگر نفس کا اتباع کرے گا تو وہ بزرگ نہیں ہوگا اور اگر کوئی جاہل نفس کا اتباع چھوڑ دے گا تو وہ بزرگ ہو جائے گا کیونکہ اسکو معرفت خدا کی حاصل ہو جائیگی۔

الغرض بزرگی کا مدار محض شغل پر نہیں بلکہ نفس کے مارنے پر ہے جب میں نے یہ بات بیان کی تو وہ علما رجو مجلس میں شریک تھے انھوں نے اسکو بہت پسند کیا۔ اور میں نے یہ بھی کہا کہ اگر تمھارے علمار نہیں ہیں تو تم کہاں سے ہوگئے؟ تم ان مولویوں سے کیوں خفا ہوتے ہو پہلے اپنے سے خفا ہو ورنہ انکی جگہ پر تم ہی ہو جاؤ، دلیل کا اتباع کرو اور شریعت کا اتباع کرو، نفس کی پیروی مت کرو اور جب تک نفس کی پیروی نہیں چھوڑو گے شریعت کی پیروی نہیں ہوسکے گی۔ اسی لئے سیدنا رفاعیؒ نے دونوں کو جمع فرمایا ہے۔

دہلی میں ایک بزرگ تھے وہ برابر یہ کہتے رہتے تھے کہ میں تیرا بندہ نہیں تو میرا خدا نہیں میں تیرا کہنا کیوں مانوں لوگ انکے پاس آتے تھے اور لاحول پڑھکر چلے جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک آدمی نے ان سے پوچھا کہ شاہ صاحب آپ یہ کیا فرماتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ دہلی میں تو ہی تو ایک آدمی ایسا ملا کہ اسکے متعلق سوال کیا، بات یہ ہے کہ میرا نفس ایک خواہش کا تقاضا بار بار کرتا ہے میں اسی سے یہ کہتا ہوں کہ میں تیرا بندہ نہیں تو میرا خدا نہیں، میں تیرا کہنا کیوں مانوں اور دہلی کے سب لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ سے میں اسطرح کہتا ہوں۔ نعوذ باللہ۔

میں کہتا ہوں کہ سب سے زیادہ مخالف اللہ تعالےٰ کے راستہ

ہیں ہوائے نفسانی ہے اور خدا کے مقابلے ہیں جو معبود ہوتا ہے وہ یہی ہوائے نفسانی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں جو مرتبہ ملتا ہے وہ نفس کے تقاضوں کو ختم کرنے ہی سے ملتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى یعنی جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو اسکی خواہشات سے روکا تو جنت میں اسکا ٹھکانا ہے۔

مگر جس نفس کی یہ لوگ بچپن سے پرورش کرتے ہیں اسکے تقاضوں کو چھوڑنا اور اس کو اسکی خواہش سے باز رکھنا ان کے لئے بہت دشوار امر ہے ہاں بس یہ چاہتے ہیں کہ کوئی تعویذ مل جاوے اور وہی اسکے تقاضوں کو بھی ختم کردے اور ہمکو کچھ محنت اور مجاہدہ نہ کرنا پڑے۔ حالانکہ اسی نفس کی وجہ سے سب کے سب ہلاک ہو رہے ہیں اور بہت زیادہ پریشان ہیں۔ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ مجھ سے لوگ آکر کہتے ہیں اور تعویذ مانگتے ہیں تو میں کہہ دیتا ہوں کہ میں تعویذ جانتا ہوں مگر جب تم کو بتاؤں گا تو تم مانوگے نہیں وہ یہ کہ نفس سے پناہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعوذات موجود ہیں مگر اسکو اختیار کرنا آپ کے لئے بہت مشکل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الصَّمَمِ وَالْبَكَمِ وَالْجُنُوْنِ وَالْجُذَامِ وَسَيِّئِ الْاَسْقَامِ یعنی اے اللہ میں آپکی پناہ چاہتا ہوں گونگے پن سے اور بہرا ہونے سے اور جنون سے اور جذام سے اور بری بیماریوں سے۔ اور فرماتے ہیں اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ یا اللہ میں آپکی پناہ چاہتا ہوں اپنے نفس کے شر سے۔ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں مگر باوجود اسکے اپنے نفس کے شر سے پناہ مانگ رہے ہیں تو اسلئے تاکہ امت سیکھے، کیونکہ اُمت نبی کے اتباع کی مکلف ہے اور حضورؐ نے جب اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کردی کہ آپ مجھکو میرے نفس کے شر

سے بچا لیجئے تو جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی حفاظت میں لے لیں پھر نفس کی مجال ہے کہ وہ سرکشی کرے ؟ اللہ تعالیٰ ہی کے بچانے سے آدمی بچ سکتا ہے ورنہ نہیں۔

عُجب کی تباہ کاریاں

ایک آدمی مجھ سے کہتے تھے کہ جب اذان ہوتی تھی تو مجھ کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نفخ صور ہو رہا ہے اور جب نماز پڑھنے جاتا تھا تو اللہ تعالےٰ کے دربار میں حضوری سے ایسا لطف اور مزہ آتا تھا اور مناجات میں ایسی لذت ملتی تھی کہ اسکو بیان نہیں کر سکتا بس اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْن (نماز مومنین کی معراج ہے) کا مشاہدہ ہوتا تھا اور جب میں نماز میں قرآن پڑھتا تھا تو سب لوگ جھوم جاتے تھے اور میں خود تلاوت سے متاثر ہوتا تھا اسی تاثر کا اثر سامعین پر پڑتا تھا ان سب حالات اور کیفیات کو لیکر حضرت شیخ کے یہاں سے آئے تھے اپنے گھر آکر وہاں کے قبرستان میں گئے اور اپنے اہل خاندان کے مزارات پر کھڑے ہو کر اپنے بزرگوں سے خطاب کرتے ہوئے یہ کہا کہ آپ کے خاندان کی جو دولت چلی گئی تھی اسکو لیکر آیا ہوں وہ کہتے تھے کہ اس بات کا زبان سے نکلنا تھا کہ تمام کیفیات اسی وقت سلب ہوگئیں پھر وہ ہمیشہ افسردہ اور غمگین رہتے تھے اگر کوئی تعریف کرتا تو ناگوار ہوتا تھا اور کہتے تھے کہ ہماری کیفیات سب سلب ہوگئیں اور تم تعریف کرتے ہو۔ پھر بعد میں وہ خود کہتے تھے کہ اب میں قرآن پڑھتا ہوں تو میری آواز خود مجھ ہی کو اچھی نہیں معلوم ہوتی دوسروں پر کیا اثر ہوگا اور وجہ اسکی یہ ہوئی کہ انھوں نے اپنے بزرگوں سے جو بات کہی تھی وہ ازراہ عجب کہی تھی، عبادات اور مجاہدات سے بزرگوں کی صحبت کی برکت سے کیفیات پیدا ہوتی ہیں لیکن اسکے ساتھ ہی عجب پیدا ہو کر اسکو گھن کیطرح لگ کر ختم کر دیتا ہے اور جب آدمی کے اندر عجب آتا

ہے تو کبر بھی پیدا ہو جاتا ہے اور وہ دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے اسلئے نفس کو مارنا کوئی آسان کام نہیں بڑے بڑے لوگ اسکو نہیں مار سکے ہیں۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ دشوار گذار گھاٹی یہی عجب کی گھاٹی ہے۔

صاحب ترصیع فرماتے ہیں کہ قَدْ یَکُوْنُ فِیْ زِیَادَۃِ الْمَالِ الطُّغْیَانُ وَفِیْ زِیَادَۃِ الْعَمَلِ الْعُجُبُ یعنی کبھی مال کی زیادتی میں طغیان ہوتا ہے اسی طرح عمل کی زیادتی میں عجب ہوتا ہے۔ مال والے جو طغیان کرتے ہیں اس سے کہیں بڑھکر عمل والوں کا عجب ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ انکو ایسی چیز پیش آتی ہے جو آدمی کو سرنگوں کر دیتی ہے اور وہ کیفیات وغیرہ سب ختم ہو جاتی ہیں جسکی وجہ سے پھر زندگی بھر وہ روتا ہی رہجاتا ہے اور ایسا اللہ تعالیٰ اسلئے کر دیتے ہیں تاکہ اسکو عجب سے نکالدیں کیونکہ اسکو یہی خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ میں بزرگ ہو گیا ہوں اور یہی عجب ہے چنانچہ مولف خود اپنے بارے میں لکھ رہے ہیں کہ مجھکو اثنا سے سلوک میں جب کبھی عجب پیدا ہوتا تھا تو کسی معصیت صغیرہ میں مبتلا کر دیا جاتا تھا اور اسکی وجہ سے میں سرنگوں ہو جاتا تھا اور پھر میں اپنے لئے نہ کوئی مقام دیکھتا تھا نہ شان یعنی یہ سمجھتا تھا کہ جو آدمی معاصی کا مرتکب ہو وہ بھلا بزرگ اور ولی کہاں ہو سکتا ہے اور عاصی کی بھلی کوئی شان ہو سکتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ولایت کا دعوی کرے

اسلئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو معصیت ذلت اور انکسار پیدا کرے وہ اس طاعت سے بہتر ہے جو عزت اور استکبار پیدا کرے یعنی جس عبادت سے غرور و کبر پیدا ہو اس سے بہتر وہ معصیت ہے جس سے انکسار عبدیت اور تواضع پیدا ہو۔ شیطان جو مردود ہوا وہ غرور ہی کی وجہ سے اسلئے کہ کہتا تھا کہ مجھ جیسا کوئی ہے ہی نہیں چنانچہ ذلیل و خوار ہوا س

تکبر عزازیل را خوار کرد بزندانِ لعنت گرفتار کرد

(عزازیل (ابلیس) کو غرور نے رسوا اور ذلیل کیا اور لعنت کے جیل خانہ میں گرفتار کیا)

حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد کی جامع مسجد میں منبر پہ بیٹھکر فرمایا کہ میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے اسکو تمام اولیاء اللہ نے سنا اور کہا کہ بلکہ ہمارے سر آنکھوں پر ہے۔ مگر مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے لکھا ہے کہ اصفہان میں کوئی شخص تھے انھوں نے اسکو تسلیم نہیں کیا جسکی وجہ سے انکا حال ہی سلب ہوگیا۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے بوستاں میں ایک عابد ناپارسا کی حکایت لکھی ہے اس وقت پورا واقعہ بیان کروں تو کئی گھنٹے صرف ہوجائیں گے اسلئے مختصراً بیان کرتا ہوں

فرماتے ہیں کہ میں نے اہل تاریخ سے سنا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص تھا جس نے اپنی زندگی برباد کر رکھی تھی نہایت ہی جری اور بے باک تھا، اعمال نامہ اسکا بالکل سیاہ تھا ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنگل سے تشریف لا رہے تھے آپ کا گذر ایک عابد کے عبادت خانہ پر ہوا آپ کو دیکھکر وہ عابد اپنے بالاخانہ سے نیچے آیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قدموں پر اپنا سر رکھدیا ان دونوں کے معاملے کو دیکھکر وہ بدنصیب گنہگار حیران ہو رہا تھا، شرمندہ ہو رہا تھا اور حسرت کی نگاہوں سے انکو تکتا تھا جیسے کوئی غریب کسی امیر کے ہاتھ کو بہ نظر حسرت دیکھ رہا ہو، اور یہ دعا کر رہا تھا کہ ؎

گناہم بہ بخش اے جہاں آفریں کہ گر بامن آید فبئس القریں

دریں گوشہ نالاں گنہگار پیر کہ فریاد عالم رس اے دستگیر

"یعنی یہ کہتا تھا کہ اے پروردگار میرے گناہ بخش دے کیونکہ قیامت میں بھی اگر یہ گناہ میرے ساتھ رہا تو نہایت ہی برا ساتھی ہوگا اور ہر تو اس گوشہ میں یہ بڑھا گنہگار رو رہا تھا اور کہتا تھا کہ اے خدا اے دستگیر میری فریاد رسی فرما" اور اس جانب وہ عابد جس کا سر غرور سے پر تھا دور ہی سے اس غریب گنہگار کو دیکھ دیکھ کر چین بجبیں ہو رہا تھا حتیٰ کہ اس نے یہ بدعا رکی ؂

بہ محشر کہ حاضر شود انجمن

خدایا تو با او مکن حشر من

"یعنی اے خدا قیامت کے روز جبکہ محشر میں ساری دنیا حساب و کتاب کے لئے جمع ہوگی تو میرا حشر اس کے ساتھ نہ کیجیو"۔

دریں بُد کہ وحی از جلیل الصفا — درآمد بہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ

کہ گر عالم است آں وگر وے جہول — مرا دعوت ہر دو آمد قبول

عفو کردم از وے عملہائے زشت — درآرم بفضل خودش در بہشت

وگر عار دارد عبادت پرست — کہ در خلد با وے بود ہم نشست

بگو ننگ از و در قیامت مدار — کہ آں را بہ جنت برند ایں بہ نار

یعنی وہ اپنے غرور ہی میں مست تھا کہ حق تعالیٰ کی جانب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی آگئی کہ اگر یہ عالم ہے تو کیا اور وہ جاہل ہے تو کیا میں نے دونوں کی دعا رقبول کرلی اور اس گنہگار سے اسکے برے اعمال کو معاف کردیا اور اسکو محض اپنے فضل و کرم سے جنت میں داخل کردیا اور ان عابد صاحب کو اگر اس سے عار ہے کہ اسکے ساتھ جنت میں رہیں تو ان سے کہدو کہ قیامت میں اسکی وجہ سے عار کا بالکل اندیشہ نہ کریں کیونکہ اسکو جنت میں لے جائیں گے اور تم کو جہنم میں۔ اسلئے کہ اس غریب کا دل تو پارہ پارہ اور جگر بالکل خون ہوگیا۔

شیخ سعدیؒ اخیر میں فرماتے ہیں ؂

زسعدی ہمیں یک سخن یاد دار سخن ماند از عاقلاں یادگار
بہ از پارسائے عبادت نمائے گنہگار اندیشناک از خدائے

یعنی عام طور پر دستور یہ ہے کہ عاقلوں کی باتیں یاد رکھی جاتی ہیں لہذا تم بھی سعدی کی یہ بات یاد رکھ لو کہ جس گنہگار کو خدا کا خوف ہو اور وہ اپنے معاصی کی وجہ سے لرزاں و ترساں ہو اور مغفرت کے باب میں صرف خدا پر اسکی نظر ہو وہ گنہگار اس پارسا سے بہتر ہے جسکو اپنی عبادت پر ناز ہو۔ خوب سمجھ لیجئے۔

عِلم کی فضیلت

فرمایا کہ شامی میں ہے فَفُزْ بِعِلْمٍ وَلَا تَجْهَلْ بِهٖ اَبَدًا اَلنَّاسُ مَوْتٰی وَاَهْلُ الْعِلْمِ اَحْيَاءٗ علم حاصل کرکے کامیابی حاصل کرو اور خبردار جاہل نہ رہنا اسلئے کہ تمام لوگ مانند مردوں کے ہیں اور اہل علم ہی زندہ کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ احیاء العلوم میں اس شعر میں بجائے وَلَا تَجْهَلْ بِهٖ اَبَدًا کے وَلَا تَبْتَغِيْ بِهٖ بَدَلًا آیا ہے یعنی علم سے دنیا کمانے کو مقصود نہ بناؤ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ تمام لوگ مردہ ہیں تو مطلب یہ ہے کہ حکماً مردہ ہیں بے فیض ہونے کے اعتبار سے نہ مردہ سے کچھ نفع نہ اُنسے کوئی فائدہ جیسے مردہ اور مری ہوئی زمین وہ کہلاتی ہے جس میں سے کوئی شے اُگے نہیں یعنی محض ردی اور بیکار ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَفَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ یعنی اس انسان ہی کو دیکھو کہ جو مردہ تھا پھر ہم نے اسکو زندہ کیا یعنی جاہل تھا پس ہم نے اسکو علم سکھلایا (اسمیں بھی جاہل کو مردہ ہی فرمایا ہے) وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ اور ہم نے اسکو نور دیا جسے لیکر وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اور نور سے مراد یہی علم ہے كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ (کیا وہ زندہ اور نور والا انسان) اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو کہ گویا تو ظلمات جہل میں گھرا ہوا ہو (یہاں بھی جاہل کو مردہ اور اسکے جہل کو تاریکی فرمایا ہے) یا مردہ ہیں سے مراد یہ ہے کہ دل کے اندھے ہیں چنانچہ احیاء العلوم میں ہے کہ فتح موصلیؒ نے فرمایا کہ مریض

کو نکھانا دیا جائے نہ پانی نہ دوا تو کیا وہ مر نہ جائیگا لوگوں نے کہا ضرور مر جائیگا فرمایا کہ اسی طرح سے قلوب کا معاملہ ہے کہ اس سے حکمت اور علم کو تین دن تک روک لیا جائے تو اسکی باطنی موت ہو جائیگی اور حضرت موصلیؒ نے یہ بالکل صحیح فرمایا کہ قلب کی غذا علم و حکمت ہے اور اسی سے اسکی حیات وابستہ ہے جسطرح سے جسم کی غذا کھانا وغیرہ ہے لہٰذا جسکو علم نہیں اسکا قلب مریض ہے اور اسکے لئے موت لازم ہے کسی شاعر نے خوب ہی کہا ہے

أَخُو الْعِلْمِ حَيٌّ خَالِدٌ بَعْدَ مَوْتِهِ وَأَوْصَالُهُ تَحْتَ التُّرَابِ رَمِيْمُ
وَذُو الْجَهْلِ مَيِّتٌ وَهُوَ مَاشٍ عَلَى الثَّرىٰ يُظَنُّ مِنَ الْأَحْيَاءِ وَهُوَ عَدِيْمُ

علم والا زندہ ہے اور مرنے کے بعد اسکو حیات جاوید نصیب ہوتی ہے حالانکہ اسکی ہڈیاں مٹی میں ملکر ریزہ ریزہ ہو گئی ہوتی اور جہل والا انسان مردہ ہے اگرچہ وہ زمین پر چلتا پھرتا نظر آئے بس وہ بظاہر زندوں میں شمار ہوتا ہو فی الحقیقت وہ معدوم اور لاشئے کے برابر ہو۔ کہا گیا ہے کہ علم ہر فضیلت کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے چنانچہ مملوک (یعنی غلام) کو ملوک (یعنی بادشاہوں) کی مجالس میں پہونچا دیتا ہے (بلکہ صدر مجلس تک بنا دیتا ہے۔ چنانچہ اگر علماء کا وجود نہو تو یہ امراء نیست و نابود ہو جائیں (اور یہ علم کبھی صاحب علم کے لئے ایک ایسی حکمرانی ہے جس میں معزولی کا کوئی خطرہ نہیں اور دنیوی امارت کا حال تو یہ ہے کہ معزولی کے بعد کوئی امیر امیر نہیں رہ جاتا اور کسی عالم کو اگر دنیا والے معزول کر دیں اور چھوڑ دیں تب بھی وہ اپنے علم کی بادشاہت میں سرشار اور مست رہتا ہے (مخلوق کی جدائی سے اسکا کچھ نفع ہی ہے نقصان نہیں ہے)

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ علم مملوک کو ملوک کے برابر کر دیتا ہے غلام کو بادشاہ بنا دیتا ہے اسپر یہ واقعہ سنو! احیاء العلوم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علم و حکمت ایک شریف کے شرف کو اور دوبالا کر دیتی ہے اور مملوک کا درجہ بڑھا کر اسکو ملوک کی مجالس میں پہونچا دیتی ہے یہ تو آپنے اسکے شرف دنیوی کو فرمایا اور آخرت تو بہرحال خیر و ابقیٰ ہے ہی وہاں کے ثواب کا تو پوچھنا ہی کیا! حضرت سالم بن ابی جعد سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھکو میرے مولا نے تین سو درہم میں خریدا تھا اور پھر آزاد کر دیا آزادی کے بعد میں نے سوچا کہ میں کس شغل اختیار کروں چنانچہ میں نے علم سیکھا جسکا انجام یہ ہوا کہ ابھی سال بھر بھی نہ گذرا تھا کہ خود میرے گھر امیر مدینہ آیا مجھ سے ملاقات کی غرض سے اور میں نے (اپنے مشاغل علمیہ کی وجہ سے) کہلا بھیجا کہ مجھے اس وقت ملنے کی فرصت نہیں ہے۔ (شامی ص ۳۰ ج ۱)

مکتوبات اصلاحی

(مکتوب نمبر ۸۰۹)

تحقیق: مولوی ۔۔۔۔ صاحب سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
یہ خط جو آیا ہے مولوی صاحب کا بہت سی باتیں تو منقول از مشائخ ہیں اور بعض باتیں میری طرف منسوب ہیں مثلاً یہ کہ میں ناراض نہیں ہوں اسکا علم ان کو کیونکر ہوا خط میں میں ایسا لکھ دیا کرتا ہوں تو وہ میں خود لکھتا ہوں دوسرے شخص کو دربارہٗ تربیت یہ حق کیسے پہونچتا ہے یہ جسارت نہیں تو کیا ہے؟ ابھی تک یہ بزرگ نہیں سمجھے اور انکو نہیں معلوم ہوا کہ میری راہ اسی تقلید بیجا نے ماری ہے تم خود سمجھو اور انکو سمجھاؤ بلکہ مولوی محمد حنیف صاحب کو بھی شامل کرلو اور لکھو کہ سمجھ گئے کہ نہیں اور سمجھے تو کیا سمجھے۔

(مکتوب نمبر ۸۱۰)

حال: معروض خدمت ہوں کہ مجھے بے انتہا خوشی ہوئی کہ حضرت والا اپنے وطن تشریف لے گئے اور اس دیار کی قسمت جاگ اٹھی۔

تحقیق: آپ سے مطلب جاگے یا سوئے۔

حال: اپنے عدم موجودگی کا افسوس و ملال بھی ہے۔

تحقیق: اسکا کیا مطلب؟

حال: چند مجبوریاں ایسی ہیں کہ جسکی وجہ سے حاضری میں تاخیر ہورہی ہے ورنہ جی چاہتا ہے گھر ہی رہا جائے۔ ایک روٹی کم ملے لیکن دین کا جو سب سے بڑا نقصان ہے جسکی تلافی مشکل ہے، کوئی لطف زندگی نہیں

معمولات کسی طرح ادا ہو پاتے ہیں، ناغہ اکثر ہو جاتا ہے
تحقیق: اب ان باتوں کا وقت نہیں رہا ہے دنیا دار لوگ ہم لوگوں کو ایسا ہی چکمہ دیتے رہتے ہیں۔
حال: میرے ذمہ تقریباً پندرہ سو روپیہ قرض ہوگیا ہے اسکی فکر زیادہ ہے دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالےٰ اس سے نجات عطا فرما دیں
تحقیق: اللہ تعالےٰ تمھارے حال پر رحم کرے۔
حال: میں نے محترم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے مرید کے شرکت میں کچھ کام شروع کر دیا ہے برکت کے لئے دعا فرما دیجئے۔
تحقیق: اللہ تعالےٰ تمھارے حال پر رحم کرے۔
حال: ایک جگہ چھوٹی سی مسجد میں امامت کلی کرتا ہوں جس سے خرچہ نکل جاتا ہے۔ دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ میرے کاروبار میں برکت عطا فرما دیں
تحقیق: تمھارے حال پر اللہ تعالےٰ رحم کرے۔
حال: اور میرے دین کی حفاظت فرما دیں، اپنے نفس کا کوئی اعتبار نہیں ہر وقت ڈر لگتا ہے کہ سارے اسباب معصیت موجود ہیں، اللہ تعالےٰ اپنے امان میں رکھیں۔
تحقیق: یہ سب باتیں، یہ چکمے ہمیں کرنے کے لئے ہیں۔

(مکتوب نمبر ۸۱۱)

حال: حاجی ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب سے ملاقات ہوئی حضرت والا کا ارشاد گرامی سر آنکھوں پر غلام ہمہ وقت حضرت والا کی مسجد اور مدرسہ کے لئے بڑی کچھ دعائیں کر رہا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ۔
حال: اللہ تعالیٰ بلا خوشامد غیرے محض اپنے فضل سے نہایت عالیشان عمارت تعمیر فرما کر کامیاب دینی مدرسہ جاری فرما دیں۔ تحقیق: آمین۔

اسی سلسلہ میں حسب ارشاد حضرت والا مدینہ منورہ میں ایک صاحب کو خط لکھا تھا جنھوں نے حسب ذیل جواب دیا ہے جو ہو بہو نقل ہے۔

نی بلغت سلام شیخکم (وصی اللہ) - للرسول و صاحبیہ وطلبت من اللہ بان یسھل لہ ارضا لاتساع مدرستہ وان یعینہ ویوفقہ لنشرالدین والعلم وان یجعلہ خالصا لوجھہ الکریم وان شآء اللہ سیتم ذلک -

غیرانی اطلب منکم طلبا خاصا وھوانکم تکتبوالمولانا کتابا وتطلبولی منہ الدعاء بان اللہ یفتح علی فتوح العارفین۔

ھذالطلب الذی ارجوہ منکم (ات کان)
شیخ .....شادلی)

تحقیق: بعد سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ - ادعولہ ان یفتح اللہ علیہ فتوح العارفین آمین یارب العلمین

حال: دوسرا خط مولانا ..... مہاجر مدنی کو لکھا تھا اور دعاء کی درخواست کی تھی انھوں نے بھی تکمیل مسجد اور مدرسہ کے لئے دعاء کی اور خود عرق النسار کے مریض ہیں حضرت والا سے دعاء کے طالب ہیں اور سلام عرض کیا ہے۔

تحقیق: سلام کے بعد لکھدیا ہے کہ دعاء فتوحات کی کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۸۱۲)

حال: کل کرامت نامہ شرف صدور ہو کر ابر رحمت کا کام کیا اور کئی ہفتہ کے بعد ڈھارس اور امید کا نور نصیب ہوا۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: خدا کرے اس نور سے فہم واعتقاد کے ساتھ اپنے گندے دل و دماغ کو ہمیشہ جلا اور صیقل کرنے کی توفیق الٰہی میسر ہوتی رہے اور حیات تو حیات ممات کے بعد بھی اسکا نور وضیا باقی رہے اور اس نالائق کا حضرت کے طفیل بیڑا پار ہو جائے۔ تحقیق: آمین۔

حال: نہایت ہی عاجزانہ ومؤدبانہ التماس ہے کہ فہم صحیح اور اعتقاد کامل کے لئے دعا فرمائیں کہ بندہ کو نصیب ہو اور اسکے حصول کے لئے جو کسب کے ذرائع ہوں اس سے مطلع فرمائیں تاکہ اپنے حتی المقدور سعی و کوشش سے بھی کام لے۔

تحقیق: اپنے عقل وعلم پر اعتماد کا ترک یہ سب سے بڑا ذریعہ ہے

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافریست
راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

(طریقت اور راہ سلوک کے اندر اپنے تقویٰ اور علم پر اعتماد کرنا کفر کا کام ہے اس راہ کا چلنے والا اگر سیکڑوں کمال و ہنر رکھتا ہو تب بھی اسے اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے)

حال: یہ بات اب سمجھ میں آرہی ہے کہ یہ دونوں چیزیں اگر نہ ہوں تو لاکھ کسی بڑے سے بڑے ولی اور کامل کے پاس جاؤ کچھ پلے پڑنا دشوار اور مشکل ہی ہے اور جسے یہ چیزیں حاصل ہوں وہ انشاء اللہ ایک ہی صحبت میں اتنی بڑی دولت حاصل کرلے گا جس کو وہ عمر خضر میں بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

تحقیق: یہ صحیح ہے۔

حال: خدا کرے یہ نعمتیں مجھکو اور سب کو ملیں اور انکی قدردانی کرکے ان سے کام لینے کی ہمت ہو۔ تحقیق: آمین

حال: گرامی نامہ ملنے کے تھوڑی دیر کے بعد مکرمی مولوی۔۔۔۔صاحب تشریف لائے انکے آنے سے ایک عجیب قلبی مسرت ہوئی انکی زبانی حضرت کی خیریت معلوم کرکے عید کے پہلے ہی گویا عید حاصل ہوگئی ؎

عید و عید و عید صرن مجتمعہ
وجہ الحبیب ویوم العید والجمعہ

(ایک عید، ایک اور عید اور پھر عید یہ سب عیدیں اکٹھا ہوگئیں، یعنی محبوب کا رُخ زیبا، روز عید اور یوم جمعہ)

پہلے ہی سے خیال کئے ہوئے تھا کہ بقر عید بعد جلد ہی حاضر خدمت ہوں اور بچوں کو بھی مکان سے یہاں لوا آؤں اب تو حاضر ہونا اور ضروری ہوگیا انشاء اللہ جس قدر ہو سکے گا جلد ہی حاضر ہو جائے گا۔

بندہ خود اپنے اور اپنے اہل و خاندان اور سب کے لئے صلاحِ دین و دنیا کے لئے دل سے دعاء و توجہ کا خواستگار رہے۔ والسلام

تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

مکتوب نمبر (۱۳۸)

حال: حضور والا اس ناکارہ کا مرض معلوم ہوگیا جب آنجناب نے تشخیص مرض فرمایا ہے تو پھر علاج بھی کر دیں کہ جاہل، بے اعتقاد صحیح اعتقاد پیدا کرے ورنہ ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

تحقیق: آپ جاہل کیسے ہیں؟

حال: اتنا عرض کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ دینی نفع جسقدر بھی ہوا وہ سب آنجناب کے ذریعہ ہوا اب تک جو راستہ پر لگا ہے وہ بھی آنجناب والا شان ہی کی وجہ سے۔ تحقیق: کہاں راستہ پر لگے ہیں۔

حال: کسی کی طرف دل رجوع نہیں ہوا اور نہ ابتک ہو رہا ہے اور آئندہ امید ہے۔ اتنا خیال پختہ دل میں جمع ہے کہ نفع ہو سکتا ہے تو آنجناب کی ذات گرامی ہی سے ہو سکتا ہے یہ ناکارہ نہایت درجہ کا بد دین تھا کسی چیز میں دینی کھٹک تک پیدا نہیں ہوئی تھی بحمد اللہ آنجناب کی برکت سے

ہر چیز میں وہی کھٹک پہلے پیدا ہوتی ہے اور بہت سے رذیلے جن کو رذیلہ نہیں سمجھتا تھا آنجناب ہی کی تعلیم سے رذیلے کو رذیلہ سمجھا اور اسکے ترک میں نفع ہوا اور برابر نفع ہو رہا ہے، بے شمار نفع مند ہوا ہے اب تو ایسی تجویز فرمادیں کہ یہ ناکارہ ان مولویوں میں داخل نہ ہو بلکہ آنجناب اپنی خاص شفقت و مہربانی سے صحیح الاعتقاد بنا دیں تاکہ یہ ناکارہ خرابی و ہلاکت سے بچ سکے آنجناب والا کے خط سے امید ہوگئی ہے کہ علاج مرض ہو جائے گا۔ عاصی کی پچھلی تحریریں جو آنجناب سے دربارۂ اصلاح ہو چکی ہیں دوبارہ غور کر رہا ہے نیز تمام فضائلِ آنحضور والا سامنے لا رہا ہے، آنجناب ہی کے فیض سے یہ جاہل کام کا ہو سکتا ہے ورنہ یہ تو کہیں کا نہ ہوگا۔

تحقیق: مجھکو تو آپ لوگوں کے برابر کبھی سمجھ نہیں آپ کے کُل خط جواب ہے اب ایک بات اور سنیئے، آپ کی طرف سے اپنے سے میں اعتقاد کیسے پیدا کرلوں، بہت کچھ بتلا چکا ہوں اب بتلانے کو کچھ باقی نہیں رہ گیا ہے

(مکتوب نمبر ۸۱۴)

سوال: حق تعالےٰ کو حاضر و ناظر سمجھکر لکھ رہا ہوں کہ اس ناکارہ نے ہرگز ہرگز کسی صاحب سے کبھی اپنے کو حضور والا کا خلیفہ ہونا نہ ظاہر کیا ہے اور نہ پسند کیا ہے اور تخمیناً چودہ سال کی مدت میں نہ کسی صاحب سے بیعت لی ہے یہ تو ان صاحب کا بہتان صریح ہے، یہ امر حق تعالےٰ کے حوالے کرتا ہوں یوں بدون بیعت کوئی صاحب اپنے کو اس ناکارہ سے اس رشتہ بیعت سے منسلک سمجھ لیں یہ انکا فعل ہے۔ البتہ ابتداءً اپنے جہل میں وطن میں اپنے کو معذوریوں میں مبتلا دیکھکر اس حرکت کا مرتکب ہو چکا ہوں اور اُس وقت خدمت والا میں حاضری کے وقت حضور والا سے ظاہر کبھی

کردیا تھا، حضور والا نے ناپسندیدگی کے لہجہ میں فرمایا تھا کہ یہ بے ادبی ہے اس دن سے آج تک خواہ کچھ کلفت ہو اس ناکارہ نے اتنی طویل مدت میں کسی متنفس سے خواہ وطن کا باشندہ ہو یا غیر جگہ کا بیعت نہیں لی ہے اور نہ اپنے کو الحمد للہ اسکا اہل سمجھتا ہوں۔

البتہ حضرت والا کا حکم سمجھکر اگر کوئی صاحب کبھی میرے پاس آجاتے ہیں تو سمجھی ہوئی باتوں کو سمجھانے اور تعلیم و تربیت کا کام ضرور کرتا ہوں اور بس۔

تحقیق: تربیت کا کام کیا آسان ہے؟ بیعت کرلینا بلکہ آسان ہے، چھوٹی چیز کا انکار ہے اور بڑی چیز کا اقرار

حال: اللہ بھلا کرے ان حضرات کا جو بلاوجہ اس ناکارہ کو وقتاً فوقتاً کانٹوں میں گھسیٹ کر حضرت والا کے قلب مطہر کو میری طرف سے مکدر کرتے رہتے ہیں اور میری صلاح و فلاح میں میرے لئے حرمان کا موجب بن جاتے ہیں پے در پے واقعات نے اس ناکارہ کو بالکل مجروح کردیا اور واقعۂ مخصوص نے تو اس ناکارہ کو کمر کے بل بٹھلا دیا ہے۔

تحقیق: میں تو بہت دفعہ نرمی سے مع واقعات اور سال بھر سے سمجھا رہا ہوں، آپ کے پاس بیٹھنے والوں نے آکر مجھکو ایسا ذلیل کیا کہ کسی نے نہیں کیا ہوگا۔ ان باتوں سے اچھی طرح محقق ہوگیا کہ تربیت سے آپ کو مس نہیں ہے اور یہ میں نے آپ پر ظلم نہیں کیا ہے آپکی سمجھ اور عقل نے کیا ہے اور میں نے ہمیشہ بتلایا ہے اور حوالہ دیا ہے کہ یہ شخص یہ کہہ رہا ہے اور یہ کر رہا ہے، اب میرا قصور کیا ہے۔

حال: اب یہ ناکارہ کیا کرے اس منزل پر رہی سہی سمجھ بھی ماؤف ہے

تحقیق: اسی لئے میں نے بلایا تھا کہ زبانی افہام و تفہیم اچھی ہوگی مگر آپ معذوری ظاہر کرتے ہیں تو بہتر ہے۔

حال : اگر یہ ناکارہ اپنے بیان میں تاویل یا کذب سے کام لے رہا ہے تو ایسی صورت میں اس ناکارہ کی جو سزا حضور والا کریں کم ہے ۔ اور اس ناکارہ کو اپنے کردار کی سزا بھی بھگتنی ضروری ہے البتہ اس ہجر میں بھی حق تعالےٰ سے یہی درخواست ہے کہ غفور الرحیم اپنے اس تعلق کو تا دم آخر قائم رکھے ۔ آمین ۔

ارشاد سامی کے بموجب اپنی برارت خدمت بابرکت میں فوری حاضری دیگر کرنی اشد ضروری ہے لیکن اپنی صحت اور اعصابی تکالیف میں بدون رفیق سفر، سفر قطع کرنے اور اپنی معذوری و مالی مشکلات اس ناکارہ کی راہ میں سد باب ہیں اگر فضل الٰہی شامل حال رہا اور انشار اللہ ضرور رہے گا تو حضور والا کا قلب مطہران تکدرات سے ہمیشہ کے لئے کافور ہوکر رہے گا اور اس ناکارہ کی جملہ مشکلات آسانیوں میں مبدل ہوجائیں گی ۔ اور اپنی اصلاح میں نصرت الٰہیہ سے نواز دیا جائے گا اور مسدود راستہ ضرور کھل جائے گا ۔

تحقیق : زبانی اسکا جواب دے سکتا تھا تحریرًا اسکی متحمل نہیں ۔

اطلاع

ناظرین کرام کی خدمت بابرکت میں اطلاعًا عرض ہے کہ سیدنا ومرشدنا عارف باللہ حضرت اقدس مولانا قاری محمد مبین صاحب دامت برکاتہم ۱۱ ستمبر کو بمبئی سے الہ آباد تشریف لے آئے اور اس وقت قیام الہ آباد ہی میں ہے، کچھ عوارض تو ضرور لگے ہوئے ہیں مگر بفضلہ تعالیٰ نسبتًا صحت اچھی ہے آپ حضرات سے گذارش ہے کہ دعا فرماویں اللہ تعالیٰ صحت وقوت کے ساتھ حضرت والا کا ظلِ ہمایوں تا دیر قائم رکھیں اور ہم لوگوں کو استفاضہ و استفادہ کی توفیق عطا فرماویں ۔

کمالات اشرفیہ

(۵۲)

مریض مضطر ہوتا ہے اور اس دیر کرنے میں اسکی ایذاء ہے اور حدیث میں ہے اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَ یَدِہٖ (مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں) جس فعل سے مسلمان کو ایذار ہو وہ دین نہیں ہے ترک دین ہے بعض موقعوں پر نماز قطع کرنا اور توڑ دینا واجب ہے مثلاً تمھارے سامنے کوئی کنوئیں میں گرا جاتا ہو اور تم نماز میں ہو تو واجب ہے کہ نماز توڑ کر اسکو بچاؤ ورنہ بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔

اسکے بعد فرمایا آج سے تم دروازہ پر نہ سویا کرو۔ میں کسی طالب علم سے خدمت نہیں لیتا ہوں طالب علم اس واسطے نہیں ہیں، انکو اپنا ہی کام بہت ہے کسی کی خدمت کریں گے یا پڑھیں گے ۔ نیز اس وجہ سے کہ خدمت کرانے سے مجھ پر انکا ایک قسم کا دباؤ اور لحاظ ہو جائے گا پھر اگر تادیب کی ضرورت ہوگی تو میں نہ کرسکوں گا۔ نیز اس خیال سے کہ خدمت کر کے کوئی اپنے کو مقرب نہ خیال کرے اور لوگ اسکو بیچ میں نہ ڈالیں، اس پر بہت سے مفاسد مبنی ہوتے ہیں جیسا اکثر مشائخ کے یہاں موجود ہے اور ذاکرین کو تو اس قاعدہ کے ساتھ اور زیادہ خاص کر رکھا ہے۔ اگر کوئی طالب علم خود کوئی کام میرا کردے تو میں منع بکلی نہیں کرتا ہوں لیکن ذاکرین کو اس سے بکلی روکتا ہوں ایک تو ذکر کا ادب اور دوسرے اس وجہ سے کہ کوئی ان میں سے میرے اوپر کسی بات پر اصرار کی جرأت نہ کرنے لگے نیز کسی کو یہ خیال نہ ہو جائے کہ میں مقرب ہو گیا اس سے ذکر و شغل میں کمی کرنے لگے۔

ف: اس سے حضرت اقدس کی تواضع، خشیت، حفظ از ایذار دیگر و

شان تربیت صاف ظاہر ہے

(۱۱۵) فرمایا کہ سمجھ دار اور تحقیق پسند لوگوں سے دلیل بیان کرنا اور تشفی کر دینا مناسب ہے واجب یہ کبھی نہیں الاّ آنکہ معلم تنخواہ اسی کی پاتا ہو۔

حضرت والا کے پاس ایک سوال آیا کہ عوج بن عنق اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کا عصا کتنے کتنے لمبے تھے جواب لکھا کہ جیسا یہ سوال غیر ضروری ہے اسی طرح جواب کی کبھی ضرورت نہیں۔ کسی سوال لایعنی کے جواب میں فرماتے ہیں مجھے فرصت نہیں، کسی کو کہد یتے ہیں کسی اور عالم سے پوچھ لو، کسی کا جواب نہیں دیتے اور اگر جواب کے لئے ٹکٹ بھیجا ہو تو اسکو واپس کر دیتے ہیں، کسی کو لکھ دیتے ہیں کہ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق منظور نہیں لہٰذا تضیع وقت سمجھکر سکوت کیا جاتا ہے۔ کسی سے ایک دفعہ اصل مسئلہ کی تقریر کر کے فرمایا اس سے زیادہ مجھکو معلوم نہیں آپ کی تشفی مجھ سے نہیں ہو سکتی

ف: اس سے عذر لایعنی جو اسلام کا حسن ہے صاف ظاہر ہے۔

(۱۱۶) ایک روز اخباری قصے کچھ دیر تک حاضرین مجلس میں ذکر ہوتے رہے ایک صاحب نے غَیبت میں اعتراض کیا کہ مشائخ کی شان کے خلاف ہے کہ زائد از کار باتیں سنیں مشائخ کے یہاں تو سوائے حقائق و معارف کچھ کبھی نہ چاہیئے کسی نے یہ اعتراض حضرت والا کے کان تک پہونچا دیا تو فرمایا ہاں یہ اعتراض صحیح ہے میں جو ایسی باتوں میں لوگوں کے ساتھ ہو جاتا ہوں تو اسکی وجہ مدارات مخاطب ہے کوئی میرے پاس آکر بات کرے اور میں منہ موڑوں تو اسکو صدمہ ہوگا بالخصوص مہمان جو دور سے آتے ہیں انکی دل شکنی بہت زیادہ بری معلوم ہوتی ہے زائد از کار باتوں کی برائی میرے نزدیک دل شکنی سے کم ہے ورنہ میرا دل ان باتوں سے بہت الجھتا ہے مگر کیا کروں اس ضرورت سے صبر کرتا ہوں۔

ف: مدارات مخاطب ظاہر ہے۔

(۱۱۷) فرمایا کہ ریاست بہاولپور علم کی قدردان ہے، اکثر علماء جاتے آتے رہتے ہیں مجھے گو اس قسم کا شوق نہیں مگر ایک مرتبہ مولوی رحیم بخش صاحب مدارالمہام کے اصرار سے جانا پڑا مولوی صاحب اہل علم سے نہایت محبت رکھتے تھے بڑی خاطر سے پیش آئے، مولوی صاحب نے نواب صاحب سے ملایا ریاست کا دستور ہے کہ جب کوئی نواب صاحب سے ملے تو خلعت اور دعوت ملتی ہے مجھے بھی ڈیڑھ سو روپئے خلعت کے اور اکیس ۲۱ روپئے دعوت کے دیئے گئے اور مولوی صاحب نے مجمع عام میں دیئے اور یہ بھی کہا کہ آئندہ کے لئے انتظام کر دیا ہے کہ جب آپ تشریف لاویں یہ روپیہ ملا کریگا۔ میں نے بایں خیال کہ واپس کرنے میں ریاست کی توہین ہوگی وہ روپیہ لے لیا، کہا گیا کہ رسید لکھنی پڑے گی میں نے رسید بھی لکھدی، بعد ازاں تنہائی کے وقت ایک صاحب کے ہاتھ جو وہاں سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے وہ روپیہ مولوی صاحب کے پاس بھیجا نہایت شرمندہ ہوئے اور لے لینے کے واسطے اصرار کیا مگر میں نے نہ مانا فرمایا پھر جناب نے اسی وقت کیوں نہ واپس کر دیا تھا۔ میں نے کہا اس کو میں نے ریاست کے لئے باعث توہین سمجھا، فرمایا یہ تو آپ کی توہین ہوئی اور یہ ہم کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے میں نے کہا میری توہین تو جو کچھ ہونا تھی ہو چکی ریاست کی توہین تو نہ ہوئی اور میری توہین کیا ہے توہین تو اسکی ہو جو شاندار آدمی ہو اذالۂ شان کا نام توہین ہے جب شان ہی نہیں ازالہ کس چیز کا ہوگا اسوقت واپس نہیں کیا اب واپس لے لیجئے میں اسکو اپنے لئے جائز نہیں سمجھتا ریاست کا خزانہ بیت المال ہے اسمیں مساکین کا حق ہے یا قریب کے علماء کا جو یہاں کے لوگوں کو نفع پہنچا سکتے ہیں ف: اس سے حضرت والا کا کمال استغنا اور ایثار ظاہر ہے۔

(۱۱۸) فرمایا کہ ایک دفعہ ملکہ وکٹوریہ کو اسکی حیات کے زمانہ میں خواب میں دیکھا کہ ایسی گاڑی پر سوار ہے کہ نہ اسمیں گھوڑا ہے نہ آگ نظر آتی ہے یونہی خود بخود چلتی ہے (اسوقت تک موٹر کار جاری نہیں ہوئی تھیں) مجھ سے ملکہ کی ملاقات

ہوئی اور اس نے کہا ہم کو اسلام ہی حق معلوم ہوتا ہے صرف ایک شبہہ باقی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ مزاح فرماتے تھے یہ بات عقل وتہذیب سے بھی بعید ہے چہ جائیکہ نبوت ۔ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کو غور سے پڑھئے کہ ہر بات میں حق تعالیٰ نے ایسا کمال آپکو عطا فرمایا تھا کہ کسی کو بھی نہیں دیا اور منجملہ دیگر کمالات کے مہابت و رعب بھی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت ایسی تھی کہ کوئی آپ کے سامنے بات نہیں کر سکتا تھا اور نبوت کا فائدہ اور غرض ہے تعلیم، تو اس صورت میں اسکے پورا ہونے کی کیا صورت ہے ؟ جب تک کہ لوگوں کو انس نہ ہو۔ اس اُنس کو پیدا کرنے کے واسطے آپ قصداً اپنی ہیبت گھٹاتے اور کبھی کبھی مزاح فرماتے تھے تاکہ لوگ دل کھول کر اپنی ضمیر ظاہر کرسکیں اور جو پوچھنا ہو بلا تامل پوچھ سکیں ۔ اس جواب کو ملکہ نے بہت پسند کیا اور کہا کہ اب کوئی شبہہ اسلام کے متعلق باقی نہیں رہا۔

ف : اس سے حضرت والا کا رویا رصیحہ ثابت ہوا۔

(۱۱۹) ایک طالب علم کو اجرت پر نقل خطوط کا کام دیا ہوا تھا اس نے بہت غلطیاں کیں حضرت والا نے ان پر تشدد فرمایا انھوں نے معذرت کی، فرمایا کہ کتاب کا ناس کرانا منظور نہیں کہاں تک یہ غلطیاں بنائی جاویں، اور ایک رقعہ انکو لکھا کہ کئی روز سے غلطیاں بہت زیادہ اور فاش دیکھی جاتی ہیں مجھے احساس ہوا ہے کہ میری خاطر سے یہ کام کیا جاتا ہے دلچسپی سے اور مزدوری سمجھکر نہیں کیا جاتا اگر میرا خیال ٹھیک ہے تو صاف ظاہر کردو، کتاب کے خراب کرنے سے کیا فائدہ مجھے صاف جواب مل جانے میں کلفت نہ ہوگی اور کام خراب ہونے سے کلفت ہے۔ انھوں نے جواب میں لکھا درحقیقت یہی بات ہے مجھکو اس کام سے دلچسپی نہیں کسی اور کے سپرد فرمایا جادے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا پھر حضرت والا نے فرمایا لوگ مجھکو متشدد کہتے ہیں حالانکہ ایسے لوگ موجود ہیں جو دس دس برس میرے پاس رہے اور کبھی اف کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ یہ غلطیاں وہ ہیں

جسکی وجہ تغافل ہے جو آجکل عام طور سے طبائع میں ہے۔ میں کسی سے بلا اجرت کام نہیں لیتا ہوں حالانکہ رواجاً اور قانوناً ہر طرح مجھے حق ہے کہ کام لوں کیونکہ کوئی مجھ سے بیعت ہے کوئی شاگرد ہے لیکن میں اس کو حرام شرعی سمجھتا ہوں، میں اسکو داخل تکبر سمجھتا ہوں جیساکہ رؤسا راہگیروں سے کام لیا کرتے ہیں کہ ارے فلانے بازار میں فلانے سے یہ کہتے جانا ایسا مذاق بگڑا ہے کہ لوگ اسکو کچھ بھی نہیں سمجھتے ہیں وہ راہگیر نہ انکی رعیت ہے نہ شناسا بر تیرہ دوستی، مگر ابتدار سے عادت حکومت کی پڑی ہوئی ہے ہر شخص سے کام لینے کو اپنا حق سمجھتے ہیں اس حق کی حقیقت جب معلوم ہو کہ انکے اوپر جو حاکم ہو وہ انکو پکڑ پکڑ کر کسی ناگوار کام پر بھیجدے۔ ہم بھاولپور گئے گرمی کا موسم تھا پنکھا کھینچنے کے لئے قیدی بلائے گئے مجھے سخت ناگوار ہوا اور چاہا کہ انکو واپس کردوں لیکن معاً خیال ہوا کہ جیل خانہ سے تو یہاں اچھے رہیں گے خدا جانے وہاں کیا کیا مشقت لی جاتی ہوگی اسوا سطے واپس نہ کیا اور جب سب لوگ چلے گئے تو ان سے کہدیا پنکھا بند کرو خالی بیٹھے رہو، سو جاؤ کیونکہ بیگار لینا جائز نہیں، پھر کھانا آیا تو انکو بھی دلوادیا۔ قیدیوں کی یہ حالت تھی کہ اس قدر خوش تھے کہ وہ کہتا تھا میں بلایا جاؤں وہ کہتا تھا میں بلایا جاؤں ایسا کھانا انھوں نے کہاں کھایا ہوگا؟

ف: اس سے حضرت والا کا صفائی معاملہ ترحم ومراعات مع الخلق وفراست وتواضع اظہر من الشمس ہے۔

(۱۲۰) نقل فرمایا کہ اہل خانہ کا ارادہ قریب ایک سال سے بمقام جہانسی میرے بھائی منشی مظہر کے یہاں جانے کا تھا اور اب اسکا یہ بھی موقع ہوا کہ منشی مظہر کی والدہ کا انتقال ہوگیا اور انکے گھر میں تنہا ہیں کوئی بال بچہ ہے ہی نہیں جو اسی سے ذرا دلبستگی رہتی میں نے اس سے کبھی منع نہیں کیا کیونکہ دل شکنی تھی، اب بالکل تیار تھیں، رات تک بات طے ہوچکی تھی اور تمام

انتظامات ہو گئے تھے اس وقت صبح میں نے ایک تقریر کی اس سے وہ تمام رائیں پلٹ گئیں وہ تقریر یہ تھی کہ یہ غور کرلینا چاہئے کہ اس سفر میں (ارادہ انکا بریلی، کانپور، جھانسی کا تھا) مصالح زیادہ ہیں یا مضار؟ مصلحت تو صرف یہ ہے کہ مظہر کے گھر میں تنہا ہیں ذرا تقلیل وحشت ہوگی، اور مضار یہ ہیں صعوبات سفر، مہمان عورتوں کی دل شکنی گو ادنیٰ درجہ کی ہو روپیہ کی اضاعت کم از کم سو روپیہ کا خرچ ہے، ریل کا کرایہ جگہ جگہ اترنا، دینا کانپور میں ایک دوست کی حالت نازک ہے انکے یہاں جس بہانے سے بھی کچھ پہونچ جاوے بہتر ہے۔ تو منفعت تو ایک ہے اور مضرتیں کئی دیکھو تو ترجیح کس کو ہونی چاہیئے؟ انھوں نے کہا اس تقریر سے تو ظاہر ہے کہ سفر نہ کرنا چاہیئے مگر آج سے پہلے تو آپکی بھی رائے تھی میں نے کہا رائے نہیں بلکہ اجازت تھی اجازت اور چیز ہے اور رائے اور چیز ہے۔ اجازت کے معنی ہیں کسی کام سے منع نہ کرنا رائے کے معنی ہیں کسی درجہ میں اس کام کا امر کرنا۔ کہا خیر آپ منع تو نہیں کرتے ہیں؟ کہا نہیں منع تو اب بھی نہیں کرتا مگر عقل کی بات بتاتا ہوں ہر کام میں آدمی کو سوچ لینا چاہیئے کہ نفع زیادہ ہے یا نقصان، بجز ایک فائدہ کے اگر کام کیا جاوے تو کوئی کام بھی فائدہ سے خالی نہیں، اچھے برے کی تمیز کا کوئی معیار ہی نہ رہے گا۔ آخر میں میں نے کہا کہ میں نتیجہ ابھی سے بتائے دیتا ہوں کہ جاؤ گی خوشی خوشی اور آؤ گی پچھتاتی ہوئی، کہا آپ مجھے کوستے ہیں میں نے کہا اگر یہ کوسنا ہے تو طبیب تو دن رات مریضوں کو کوستے ہیں کہتے ہیں کہ اگر تم گائے کا گوشت کھاؤ گے تو بخار آجاوے گا، علاج نہ کروگے تو مر جاؤ گے تو کیا اس کے یہ معنی کہ طبیب اسکو بخار آنا یا اسکا مرجانا چاہتا ہے۔

ف: اس سے حضرت والا کی حسن معاشرت اہلیہ کے ساتھ، عقل کامل احسان سیاسی صاف ظاہر ہے۔

(۱۲۱) فرمایا کہ مجھکو نواب صاحب ڈھاکہ نے بلایا اور صرف سفر خرچ کے سو روپئے بھیجے، میں نے تیسرے درجہ میں سفر کیا جب وہاں پہونچا تو صرف چالیس روپئے خرچ ہوئے تھے باقی واپسی کے لئے رکھے نواب صاحب نے واپسی کے لئے خرچ دینا چاہا کیونکہ انکو یقین نہیں آیا کہ کل اتنا ہی خرچ ہوا ہے میں نے مفصل حساب لکھکر دکھلا دیا اور وجہ اس کمی کی یہ تھی کہ میں نے تیسرے درجہ میں اکثر حصہ سفر کا قطع کیا، نواب صاحب حیرت میں تھے۔ پھر جب وطن واپس آچکا تو پھر بھی چالیس ہی روپئے خرچ ہوئے اور بیس بچ گئے میں نے واپسی کو نواب صاحب کی امانت سمجھا اسلئے بعد میں خرچ کرکے انکو اطلاع دیدی۔

پھر فرمایا کہ ایک بار مجھ سے بھائی اکبر علی نے کہا کہ تم بڑے آدمی سمجھے جاتے ہو معمولی آدمی نہیں رہے کم سے کم سکنڈ کلاس میں سفر کیا کرو۔ میں نے کہا کیا کروں میری طبیعت کے خلاف ہے میں ریل میں گنواروں اور بھنگی چماروں کے ساتھ بیٹھتا ہوں شان کیا چیز ہے دو دن کے بعد بھنگی چمار بھی مٹی ہونگے اور میں بھی۔

ف: اس سے حضرت والا کی کس قدر شان تواضع و انکسار، افتقار و عبدیت اور دوسرے کی عدم اہانت و دلشکنی کا خیال ظاہر ہے۔

(۱۲۲) فرمایا کہ ایک سفر میں میرے ایک ملنے والے جن کے پاس تیسرے درجے کا ٹکٹ تھا تھوڑی دیر کے لئے اونچے درجے میں جا بیٹھے تو میں نے کہا اتنی دور کا جو کرایہ زائد ہوا ہے حساب کرکے ادا کردینا برابر میں ایک عالم بھی بیٹھے تھے بولے اسکا کرایہ انکے ذمہ واجب نہیں کیونکہ یہ اس میں غاصب ہیں اور منافع مغصوب کے عدم ضمان کی تصریح فقہ میں موجود ہے مثلاً کسی کا گھوڑا کوئی چھین لے اور دن بھر چڑھا پھرے تو اس چڑھنے کا کرایہ واجب نہوگا۔ مجھے افسوس ہوا کہ قطع نظر صحیح ہونے نہونے کے

یہ فتویٰ بے محل دیا گیا اس سے بڑی بڑی گنجائشیں نکالی جائیں گی۔ میں نے ان عالم سے کہا کہ مجھکو یاد ہے کہ فقہ میں مُعَدُّ لِلْاِجَارَۃ (جو چیز کرایہ کے لئے بنائی گئی ہو) کو مستثنیٰ کیا ہے مثلاً اگر سواری کا گھوڑا چرایا اور سواری لی تو کرایہ دینا نہ ہوگا اور اگر کرایہ کا گھوڑا چرایا اور سواری لی تو کرایہ دینا ہوگا ریل مُعَدُّ لِلْکِراء یعنی کرایہ ہی کے لئے بنائی گئی ہے۔ پھر فرمایا کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ فی نفسہ گو صحیح ہوں مگر مفضی ہو جاتے ہیں مفاسد کی طرف عوام کو انکی اطلاع ہوئی اور آفتیں کھڑی ہوئیں میں نے بہت دفعہ بیان کیا ہے کہ علم دین بعض لوگوں کو مضر ہوتا ہے۔ اور فرمایا کہ علماء کو نہ چاہئے کہ اپنے یا اپنے متعلقین کے لئے تو کتابوں میں سے روایتیں چھانٹ کر آسانی نکال لیں اور دوسروں پر جن سے کہ تعلق نہیں ہے دین کو تنگ کریں بلکہ علماء کو مناسب ہے کہ اسکے برعکس عمل کریں یعنی دوسرے کے عیب میں تو حتی الامکان فقہ سے گنجائش نکالیں اور اپنے نفس پر تنگی کریں خصوصاً ان کاموں میں جن میں دین کا یا دنیا کا کوئی مفسدہ مرتب ہو جانے کا اندیشہ ہو اسی وجہ سے بدعات مروجہ سے مطلقاً اہل علم کو روکا جاتا ہے کہ اس میں دوسروں کے بگڑنے کا اندیشہ ہے گو فی نفسہٖ انکو ضرر نہو اور اسی جنس سے یہ ہے کہ میں خطوط کے بارے میں بہت احتیاط کرتا ہوں کوئی بات خلاف قواعد ڈاک نہیں کرتا ہوں بہت سوں میں تو حقوق اللہ میں اور بہت سوں میں دنیاوی فتنہ کا احتمال ہے مثلاً ٹکٹ ذرا سا مشکوک ہو جاتا ہے تو میں نہیں لگاتا ہوں یا بہت سے لفافے کارڈ ایسے آجاتے ہیں کہ انپر ڈاکخانہ کی مہر نہیں لگی ہوتی ہے میرا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ انکو چاک کردیتا ہوں گو میں انکو اگر دوبارہ استعمال کروں تو کسی ثبوت سے کوئی گرفت نہیں ہوسکتی لیکن اسکی دیانۃً اجازت نہیں ہے علماء کو چاہیئے کہ خود دین و دنیا دونوں کی آفات سے بچیں بعض اوقات گنجائش پر عمل کرنے سے دین کی یا دنیا کی بڑی آفت کھڑی ہو جاتی ہے

ف: اس سے حضرت والا کی احتیاط و تقویٰ و دور اندیشی، عاقبت بینی، عقل و تجربہ ثابت ہوا۔

رفع الموانع

(۲)

اور یہاں سے ایک کام کی بات مستنبط ہوتی ہے وہ یہ کہ اکثر لوگ اسکی شکایت کیا کرتے ہیں کہ ہم کو نماز میں وسوسے آتے ہیں اور اسکے مختلف علاج کرتے ہیں چنانچہ مشائخ زمانہ تو اسکے لئے وظیفے بتلاتے ہیں کہ یہ وظیفہ پڑھو وسوسے نہ آئیں گے اور اس میں یہ قید لگادی کہ جی لگاکر پڑھنا اس بیچارہ نے پڑھنا شروع کیا تو وسوسے وہاں بھی موجود پھر شیخ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت وسوسے آتے ہیں انھوں نے اسکے لئے بھی ایک وظیفہ اور بتادیا اب اس میں بھی وسوسے ہیں، پھر اسکے لئے بھی تیسرا وظیفہ بتادیا تسلسل محال لازم آگیا اور ان حضرات نے یہ ثابت کردیا کہ نماز میں جی لگنا اور وساوس کا قطع ہوجانا محال ہے اسلئے کہ تسلسل کو مستلزم ہے اور جو مستلزم محال کو ہو وہ خود محال ہے اب وہ بیچارہ پریشان ہوکر سمجھ جاتا ہے کہ بس جی نماز میں جی لگنا میرے لئے تو بہت مشکل ہے اور وظیفے پڑھتا پڑھتا تھک جاتا ہے۔ بعض مرتبہ اسکا انجام یہ ہوتا ہے کہ نماز بھی چھوڑ دیتا ہے۔ صاحبو! کوئی ان شیخ سے پوچھے کہ وظیفہ پڑھنے اور وساوس کے قطع ہونے میں کیا مناسبت ہے؟ آخر مرض اور دوا میں کوئی تناسب تو ہونا چاہیئے، خوب سمجھ لو کہ وساوس کا حاصل شغل بالغیر ہے اسکا بجز اسکے کچھ علاج نہیں ہے کہ اپنے قصد اور اختیار سے خدا کے ساتھ مشغول ہو وساوس خود بخود منقطع ہوجائیں گے اسکی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص ٹکٹکی باندھکر ایک شئے کیطرف دیکھ رہا ہے اگر اسکی نگاہ بشراشرہ (یعنی پورے طور سے) اسکی طرف ہے تو دوسری شئے اسکو ہرگز نظر نہ آئے گی اور اگر اسمیں کمی ہے تو آنکھ کی شعاعیں

دوسری طرف بکلی جائیں گی اور دوسری چیز بکلی نظر آئیگی تو جس طرح ظاہری آنکھیں ہیں اسی طرح قلب کی بکلی آنکھ ہے اگر قلب کو ہمہ تن شئے واحد کی طرف متوجہ کردیا جائے گا تو قلب کی شعاعیں دوسری طرف منتقل نہ ہوں گی پس کسی شئے کا خیال نہ آئے گا اور اگر توجہ میں کمی ہے تو ضرور دوسری چیزیں بکلی اس میں آئیں گی۔ پس علاج یہ ہے کہ جب وساوس آئیں تو فوراً متوجہ الی الحق ہو جاؤ اور پھر اگر آئیں تو پھر اس توجہ کو تازہ کرلو لیکن یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ توجہ الی الحق کے انحاء (اور اقسام) مختلف ہیں جن پر توحید اور تنزیہ کی شان غالب ہے انکو تو براہ راست بلا واسطہ توجہ الیٰ حضرتِ الحق حاصل ہو جاتی ہے۔ غائب کی طرف متوجہ ہونے میں انکو کوئی شئے انکو مانع نہیں ہوتی اور جنکو یہ دولت حاصل نہیں ہے انکے لئے توجہ الی الحق یہ ہے کہ حق تعالےٰ کے نام پاک کی طرف توجہ کرے اور نماز کے اندر خصوصیت کے ساتھ یہ طریق اختیار کریں کہ جو کچھ زبان سے کلمات اداکریں اور جوارح سے جو افعال کریں انکی طرف توجہ کریں اور اول انکا قصد کرلیں اور ان کلمات اور افعال کی طرف توجہ کرنا توجہ الی الغیر نہ کہلائے گا اسلئے کہ غیر وہ ہے جو حق سے حاجب اور مانع ہو اور جو موصل ہو اسکی طرف توجہ کرنا عین توجہ الی الحق ہے اور یہ طریق میرا ایجاد کیا ہوا نہیں بلکہ اسکی دلیل موجود ہے دیکھو حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص دو رکعتیں پڑھے اور انکی صفت یہ ہو کہ مُقْبِلاً عَلَيْهِمَا بِقَلْبِهٖ یعنی ان دو رکعتوں پر اپنے دل سے متوجہ ہو اب دیکھ لیجئے کہ رَکْعَتَیْن کی حقیقت کیا ہے رکعت نام ہے قیام، قراءۃ، رکوع سجود کا پس حاصل مُقْبِلاً عَلَيْهِمَا کا یہ ہوا مُقْبِلاً عَلَى الْقِرَاءَةِ وَالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ (یعنی قراءۃ، رکوع اور سجود کی طرف دل سے متوجہ ہو) پس عبادت کے اجزاءِ خارجیہ اور ذکر اللہ کی طرف دل سے متوجہ ہونا مامور بہ اور مطلوب ہوا

اور یہ ہی عین توجہ الی اللہ ہے اسلئے کہ موصل الی اللہ ہے پس اس کو موصل الی غیر الحق نہ کہیں گے اور جنکی چشم عبرت حق تعالے نے کھول دی ہے انکے لئے ہر شے موصل الی الحق ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہر چہ بینم در جہاں غیر تو نیست یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

(جو کچھ دنیا میں دیکھتا ہوں تیرا غیر نہیں ہے یا تو ہی ہے یا تیری خُو ہے یا تیری بُو ہے بس تیری ہی تجلی کا ظہور ہے)

بس جب نماز میں وسوسے آئیں ذکر کی طرف متوجہ ہو جاؤ، ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تسبیح و قراءۃ یاد سے نہ پڑھو ارادہ سے پڑھو مولانا اسکی مثال دیا کرتے تھے کہ میاں ہماری نماز تو ایسی ہے کہ جیسے گھڑی کہ جب اسکو کوک دیتے ہیں تو برابر چوبیس گھنٹہ تک چلتی رہتی ہے اسی طرح جب ہم نماز شروع کرتے ہیں تو ہم کو کچھ خبر نہیں ہوتی رکوع، سجود، قیام قراءۃ سب آپ سے آپ ادا ہوتے رہتے ہیں نماز بھی ادا ہوتی ہے اور دکان اور بازار کے کام بھی ہوتے رہتے ہیں جب سلام پھیرتے ہیں اسوقت خبر ہوتی ہے کہ ہم نے نماز پڑھی ہے وجہ اسکی صرف یہ ہے کہ ہم نماز محض یاد پر پڑھتے ہیں علاج اسکا یہ ہے کہ نماز یاد سے نہ پڑھو ارادہ سے پڑھو یعنی ہر فعل کے کرنے اور ہر کلمہ کہنے کے وقت مستقل ارادہ کرو، اسی شان سے تمام نماز ختم کرو دیکھیں کیسے وسوسے آتے ہیں؟ البتہ نفس کو تھوڑی سی دشواری اور مشقت ضرور ہو گی کہ اسکو جو عادت تھی کہ شتر بے مہار کی طرح جہاں چاہتا تھا پھرتا تھا اسکو مقید کرنا پڑے گا سوا تنی دشواری اور مشقت کوئی مشقت نہیں ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ نفس کو اتنی محنت بھی نہ کرنی پڑے۔ صاحبو! اگر جان بھی اس راہ میں جا کر کچھ مل جائے تو ارزاں ہے۔ ؏

متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے

اور یہاں جان دی بھی نہیں گئی بلکہ جان لی گئی ہے کہ اِدھر اُدھر جو نفس مارا مارا پھرتا ہے اسکو ایک جگہ آرام دینا ہے اگر اتنی مشقت بھی گوارا نہیں تو یہ احدی بننا ہے۔ واجد علی شاہ کے یہاں دو احدی تھے؟ باری باری سے ایک دن ایک لیٹا رہتا تھا اور دوسرا بیٹھا رہتا تھا ایک روز کا قصہ ہے کہ ایک سوار جا رہا تھا اس لیٹے ہوئے نے کہا کہ میاں سوار میرے سینے پر جو یہ بیر رکھا ہے ذرا تکلیف کر کے یہ میرے منہ میں ڈال دو اس نے کہا کہ یہ جو تیرے پاس بیٹھا ہے یہ ڈال دے گا وہ بیٹھا ہوا بولا کہ جناب بس رہنے دیجئے ایک روز میں لیٹا تھا اور میرے منھ میں کتا موت رہا تھا اس نے اسکو ہٹایا نہیں میں اسکے منہ میں بیر ڈالوں گا۔ اے صاحبو! خدا کی طلب کا دعویٰ اور پھر اسقدر سستی اور آرام طلبی؟ آپ چاہتے کہ ہم کو اتنا بھی کام کرنا نہ پڑے مفت سفت مل جائے اتنا آسان طریق اور وہ بھی آپ نہ کریں تو بس نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ بزرگان دین یہ فرماتے ہیں ؎

صوفی نہ شود صافی تادر نکشد جامے
بسیار شود باید تا پختہ شود خامے

(صوفی باصفا نہیں ہوتا جب تک جام وحدت نہ پئے بہت مجاہدہ درکار ہے کہ ایک خام اور (ناقص آدمی) پختہ ہو جائے (اور مرد کامل بنے)

یہاں تو بسیار سفر بھی نہیں ہے نہایت ہلکا کام ہے۔ غرض یہ طریقہ ہے نماز میں جی لگانے کا جو بطور تفریع کے یہاں بیان کیا گیا لیکن یہ طریقہ محض جاننے کے لئے نہیں ہے بلکہ عمل کرنے کے واسطے ہے علوم اگر بہت سے حاصل کر لئے جائیں اور عمل نہ کیا تو وہ علوم کسی کام کے نہیں ہیں۔

علم کے عملی فوائد

امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جس شخص کو علوم بہت سے حاصل ہوں اور عمل نہ کرے اسکی مثال ایسی ہے جیسے ایک سپاہی ہو اسکے پاس بہت سے ہتھیار ہوں اسکو راہ میں دشمن ملا

اور مقابل ہوا لیکن وہ ان اسلحہ کا استعمال نہیں کرتا تو کیا دشمن پر غالب ہوگا؟ یہ علوم بمنزلہ ہتھیاروں کے ہیں شیطان کے دفع کرنے کے لئے ہتھیار بھی کیسے؟ بلا لائسنس کے، مگر صرف ہتھیاروں کے لگانے سے خوش نہ ہونا چاہئے اکثر لوگ بزرگوں سے سنکر یا کتابیں دیکھکر کچھ طریقے وصول الی اللہ کے یاد کر لیتے ہیں اور ان پر انکو ناز ہے لیکن جب ان پر عمل ہی نہ کیا تو کیا فائدہ، ایسے ہی لوگوں کے لئے ارشاد ہے فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ (وہ لوگ اپنے علم پر بڑے نازاں ہوئے اور اترانے لگے) اگر کوئی خارش والا خارش کے بہت سے نسخے یاد کرلے تو اس سے کیا نفع جب تک کہ انکو کوٹ پیس کر کام میں نہ لایا جائے پس جب آپ کو یہ طریقہ نماز میں دل لگانے کا معلوم ہو گیا تو آج عصر ہی کے وقت سے اس پر عمل شروع کردو۔ الحاصل یہ ایک تفریع مفید تھی اس پر کہ اَلنَّفْسُ لَا تَتَوَجَّهُ اِلٰى شَيْئَيْنِ فِيْ اٰنٍ وَّاحِدٍ اور مقصود مقام یہ ہے کہ شغل مع غیر اللہ مانع طریق ہے۔ پس اس رکوع میں ان موانع کی فہرست ہے اور وہ دو کلیوں میں منحصر ہے ایک وہ حالت جو بہت ناگوار ہو دوسری وہ کیفیت جو زیادہ گوارا ہو اسلئے کہ جو تے کم گوارا ہو یا کم ناگوار ہو وہ قلب کو زیادہ مشغول نہیں کرتی مثلاً آپ کچھ کام کر رہے ہیں عین مشغول حالت میں کسی مچھر نے کاٹ لیا یا عین کام کے وقت آپ نے ایک چنے کا دانہ اٹھا کر کھا لیا تو یہ دونوں حالتیں کام کی مانع نہ ہونگی مانع وہ حالت ہے جو زیادہ ناگوار ہو یا وہ حالت جو زیادہ گوارا ہو۔ جو زیادہ ناگوار ہو وہ مصیبت کہلاتی ہے اور جو زیادہ گوارا ہو وہ نعمت ہے۔ پس قلب کو مشغول کرنے والی دو چیزیں ہوئیں مصیبت اور نعمت لیکن انکی ذات مانع نہیں ہے بلکہ مانع اس وقت ہے جبکہ قلب ان سے متاثر ہو، پس مصیبت اور نعمت کا ہر درجہ مانع نہیں ہے۔ یہاں سے ایک اشکال

دفع ہوگیا، تقریر اشکال کی یہ ہے کہ جب نعمت اور مصیبت مانع ہیں تو مصائب تو صلحاء اور اولیاء اور انبیاء پر بہت آئے چنانچہ ارشاد ہے اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ (بلا کے اعتبار سے لوگوں میں زیادہ سخت انبیاء ہیں پھر جو ان کے جیسے ہیں) اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام پر دنیوی نعمتیں بھی بہت فائض ہوئی ہیں چنانچہ ارشاد ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً (اور ہم نے یقیناً آپ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے اور ہم نے انکو بیویاں اور بچے بھی دیئے) تو اگر مصیبت اور نعمت شاغل ہیں تو انبیاء کے لئے بھی شاغل ہونگی، جواب یہ ہے کہ نعمت اور مصیبت کی ذات شاغل نہیں ہے بلکہ ان سے متاثر ہونا مانع ہے۔

مصیبت و رحمت

انبیاء علیہم السلام کو تاثر اس درجہ کا نہ ہوتا تھا کہ مصیبت اور نعمت انکو خدا تعالیٰ سے مشغول کردے یہ نہ تھا کہ انکو مصیبت سے تالم اور نعمت سے تلذذ نہ ہوتا تھا بلکہ انکو ہم سے بھی زیادہ ہوتا تھا لیکن خدا تعالیٰ کی یاد سے انکو غفلت نہ ہوتی تھی ہم لوگوں کو ہوجاتی ہے۔ اولاد کے ساتھ ان لوگوں کو ہم سے زیادہ انس تھا چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما بچے سے تھے بڑے بڑے کرتے پہنے ہوئے تھے کہ حضور نے ممبر پر سے دیکھا کہ الجھتے پلجھتے گرتے پڑتے آرہے ہیں حضور نے خطبہ چھوڑ کر انکو اٹھا کر گود میں لے لیا اور یہ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (تمھارے اموال اور اولاد بس تمھارے لئے ایک آزمائش کی چیز ہیں)۔

مجھکو دیکھکر صبر نہ آیا۔ ایک مرتبہ ایک رئیس نجد کے حضور کی خدمت میں بیٹھے تھے آپ حضرت حسنؓ کو یا حضرت حسینؓ کو پیار کر رہے تھے اس رئیس نے کہا یا رسول اللہ میرے تو دس بیٹے ہیں میں تو ایک کو بھی پیار نہیں کرتا

حضور نے فرمایا میں کیا کروں اگر حق تعالیٰ نے تمہارے دل سے رحمت ہی نکال لی ہے۔ حضورؐ نے ایسے استغنار کو پسند نہیں فرمایا، آج اگر کوئی مولوی ملا ممبر سے اتر کر کسی بچے کو لے لے تو لوگ بدنام کردیں۔

شان بزرگاں

میں اس وقت دیکھتا ہوں کہ جو چیزیں شریعت میں ناجائز ہیں لوگ اسکو بکثرت جائز سمجھتے ہیں اور جو جائز ہیں انکو ناجائز سمجھتے ہیں وظیفہ پڑھنے کی حالت میں بولنا حرام سمجھتے ہیں خواہ شرعاً کتنا ہی ضروری کام بولنے کا ہو لیکن بولتے نہیں اگر کوئی کچھ کہیگا تو ہوں ہوں کریں گے لیکن زبان سے بولنا حرام ہے، وظائف بہت پڑھتے ہیں، لیکن لوگوں کو ستاتے ہیں، اپنی وجاہت سے دباؤ ڈال کر لوگوں سے کام لیتے ہیں، دعوتیں کھاتے ہیں اگرچہ اس غریب کے ہاں کھانے کو کبھی نہ ہو۔ مناسب تو یہ ہے کہ ایسے غریب آدمی کی دعوت منظور بھی نہ کرے اودھ میں ایک بزرگ تھے کسی تعلقہ دار کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے ایک غریب آدمی انکا معتقد تھا اس نے عرض کیا کہ حضرت آج مستی کستی روٹی میرے یہاں کھا لیجئے، ان بزرگ نے منظور فرمالیا وہ شخص پانچ روپیہ ماہوار کا نوکر تھا وہ ایک مرغ لایا اور چاول وغیرہ خرید کئے پانچ روپیہ ایک دن میں خرچ کر ڈالے ان بزرگ کو خبر ہوئی اسکو بلایا اور فرمایا بھائی تم سے ہماری مستی کی روٹی کی ٹھہری تھی یہ تکلفات تم نے کیوں کئے؟ اس نے کہا حضرت جی یونہی کہدیا کرتے ہیں، فرمایا کہ بھائی ہم نہ کھائیں گے ہمکو مستی روٹی کھلاؤ گے تو کھائیں گے یہ سب چیزیں ابھی واپس کر آئیں چنانچہ واپس کرایا اور مسی روٹی پکوائی۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت آپکا کیا حرج تھا کیوں واپس کرادی، فرمایا کہ بیچارے کی کل پانچ روپیہ تو تنخواہ ہے اگر آج ہی صرف کردیتا تو مہینہ بھر اسکے بال بچے بھوکے رہتے میری جان کو کوستے۔ شب کو وہ غریب حسب الحکم مستی روٹی لایا اتنا اس نے اضافہ کردیا کہ گھی سے چپڑ دی اس پر

شاہ صاحب نے کچھ انکار نہیں کیا جب ان تعلقدار صاحب کے یہاں دسترخوان پر قسم قسم کے کھانے آئے اور سب دوست احباب جمع ہو گئے لوگوں نے چاہا شاہ صاحب کو یہ روٹی نہ کھانے دیں اور عمدہ کھانا کھلا دیں اول ایک نے کہنا شروع کیا کہ حضرت کچھ تبرک ہمکو بھی عطا ہو، دوسرا بولا حضرت میرا بھی بہت جی چاہتا ہے بزرگوں کو حق تعالےٰ نے فراست صحیحہ عطا فرمائی ہے سمجھ گئے یہ مل کر میری روٹی اڑانا چاہتے ہیں انھوں نے اس میں سے ایک روٹی دیکر فرمایا کہ اسکو بانٹ لو زیادہ کسی کو ایک ٹکڑا بھی نہ دونگا، غرض انھوں وہی روٹی اس جگہ بیٹھکر کھائی بزرگوں کی یہ شان ہوتی ہے۔

آجکل کے بزرگ

آجکل کے بعضے بزرگ اور مولوی صاحب کھانے کے بزرگ اور مولوی ہیں، مولوی ہوجانا گویا اپاہج ہوجانا ہے گھر کے کام کاج کو ہاتھ نہیں لگاتے اسلئے کہ حضرت بن گئے ہیں اگر گھر کا سودا سلف خرید کر دینگے تو انکی بزرگی میں فرق آجائے گا حالانکہ صحابہؓ کی شان یہ تھی نُیُوْثُ النَّھَارِ وَرُھْبَانُ اللَّیْلِ یعنی دن کو اگر کوئی صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھتا تھا تو سمجھتا تھا شیر ہیں اور رات کو راہب (اور عبادت گذار) نباتے تھے کہ شب بیداری میں گذارتے تھے۔ اب تو یہ حالت ہے کہ ذرا کوئی تہجد پڑھنے لگے تو پیر بننے کے مدعی ہوجاتے ہیں اور اگر دو چار مرید ہو گئے تو وہ بنانا شروع کر دیتے ہیں اور کاروبار سے تو بالکل ہی معطل ہو جاتے ہیں اگر پیاس ہو تو پیاسے بیٹھے رہیں گے یہ نہیں کہ خود اٹھکر پانی پی لیں کہیں گے کوئی ہے! یہ خدام حضرت جی حضرت جی کہکر مزاج بگاڑ دیتے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں ؎

نفس از بس مدحہا فرعون شد　　کن ذَلِیْلَ النَّفْسِ ھُوْنًا لَا تَسُدْ

(نفس زیادہ تعریف کی وجہ سے فرعون ہوگیا نفس کو پامال اور حقیر کر سردار مت بن)

مہر شرعی کی حقیقت

پچھلے دنوں ایک نکاح نامہ میری نظر سے گذرا جس میں " مہر " کے خانے میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی " مبلغ بتیس روپیہ مہر شرعی " اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ لوگوں سے بات چیت کے دوران یہ اندازہ ہوا کہ وہ خدا جانے کس وجہ سے بتیس روپیہ کو مہر شرعی سمجھتے ہیں اور یہ تاثر تو بہت زیادہ پھیلا ہوا ہے کہ مہر جتنا کم سے کم رکھا جائے شریعت کی نگاہ میں اتنا ہی مستحسن ہے اسکے علاوہ بھی مہر کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں لوگوں میں پائی جاتی ہیں جنکا ازالہ ضروری ہے۔

مہر دراصل ایک اعزازیہ (Honorarium) ہے جو ایک شوہر اپنی بیوی کو پیش کرتا ہے اور اسکا مقصد عورت کا اعزاز و اکرام ہے نہ تو یہ عورت کی قیمت ہے جسے ادا کرکے یہ سمجھا جائے کہ عورت مرد کے ہاتھ بک گئی ہے اور اب اسکی حیثیت ایک کنیز کی ہے اور نہ یہ محض ایک فرضی کاروائی ہے جسکے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ اسے عملاً ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ شوہر کے ذمہ بیوی کا مہر لازم کرنے سے شریعت کا منشا، یہ ہے کہ جب کوئی شخص بیوی کو اپنے گھر میں لائے تو اسکا مناسب اکرام کرے اور اسے ایک ایسا ہدیہ پیش کرے جو اسکے اعزاز اور اکرام کے مناسب ہو، لہٰذا شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ مہر کی رقم نہ تو اتنی کم رکھی جائے جس میں اعزاز و اکرام کا یہ پہلو بالکل مفقود ہو اور نہ اتنی زیادہ رکھی جائے کہ شوہر اسے ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور بالآخر یا تو مہر ادا کئے بغیر دنیا سے رخصت ہو جائے یا آخر میں بیوی سے معاف کرانے پر مجبور ہو۔

شرعی نقطۂ نظر سے ہر عورت کا یہ حق ہے کہ اسے " مہر مثل " ادا کیا جائے " مہر مثل " کا مطلب مہر کی وہ مقدار ہے جو اس عورت

سکے خاندان میں عام طور سے اس جیسی خواتین کے نکاح کے وقت مقرر کی جاتی ہو اور اگر اس عورت کے خاندان میں دوسری کوئی عورت نہو تو خاندان سے باہر اسکے ہم پلہ خواتین کا جو مہر عام طور سے مقرر کیا جاتا ہو وہ اس عورت کا مہر مثل ہوگا اور شرعی اعتبار سے بیوی حق مہر وصول کرنے کی حقدار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت باہمی رضامندی سے مہر کا تعین نہ کیا گیا ہو یا مہر کا ذکر کئے بغیر نکاح کر لیا گیا ہو تو مہر مثل خود بخود لازم سمجھا جاتا ہے اور شوہر کے ذمہ شرعاً لازم ہو جاتا ہے کہ وہ بیوی کو اسکا مہر مثل ادا کرے۔ البتہ اگر بیوی خود مہر مثل سے کم پر خوشدلی سے راضی ہو جائے یا شوہر خوشدلی سے مہر مثل سے زیادہ مقرر کرلے تو باہمی رضامندی سے مہر مثل سے کم یا زیادہ مہر مقرر کرلینا بھی شرعاً جائز ہے لیکن یہاں بھی شریعت نے زیادہ سے زیادہ مہر کی تو کوئی حد مقرر نہیں کی البتہ کم سے کم مہر کی حد مقرر کردی ہے اور وہ حد (حنفی موقف کے مطابق) دس درہم ہے۔ دس درہم کا مطلب دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے۔ جو آجکل کی قیمتوں کے لحاظ سے دوسو روپئے کے لگ بھگ بنتی ہے۔ اس کم سے کم مقدار کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اتنا مہر رکھنا شرعاً پسندیدہ ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر اس سے کم مہر پر عورت خود بھی راضی ہو جائے تو شریعت راضی نہیں ہے کیونکہ اس سے مہر کا مقصد یعنی عورت کا اکرام پورا نہیں ہوتا۔ یہ کم سے کم حد بھی ان لوگوں کا خیال رکھکر رکھی گئی ہے جو مالی اعتبار سے کمزور ہیں اور زیادہ خرچ کرنے کے متحمل نہیں ان کے لئے یہ گنجائش پیدا کردی گئی ہے کہ اگر عورت راضی ہو تو کم از کم اس مقدار پر نکاح ہو سکتا ہے لیکن اسکا یہ مطلب لینا کسی طرح درست نہیں کہ شریعت کو منظور ہی یہی ہے کہ مہر کی مقدار دوسو روپئے رکھی جائے اور اسے اس معنی میں مہر شرعی قرار دیا جائے۔

جن لوگوں نے آج کے دور میں تبیس ۳۲ روپیہ مہر باندھکر اسے "مہر شرعی" قرار دے رکھا ہے انھوں نے دو غلطیاں کی ہیں ایک غلطی تو یہ کہ دس درہم کی قیمت کسی زمانے میں تبیس ۳۲ روپیہ رہی ہوگی اسے ہمیشہ کیلئے تبیس روپیہ سمجھ لیا اور دوسری غلطی یہ کہ شریعت نے مہر کی جو کم سے کم مقدار مقرر کی تھی اسکا مطلب یہ سمجھ لیا کہ شرعًا پسندیدہ ہی یہ ہے کہ اس سے زیادہ مہر نہ مقرر کیا جائے، حالانکہ یہ تصور قطعی طور پر بے بنیاد ہے۔

اسکا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود آنحضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر پانچ سو درہم مقرر فرمایا تھا جو ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی کے برابر ہوتا ہے اور آجکل کے لحاظ سے اسکی قیمت نو دس ہزار بنتی ہے۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی متعدد ازواج مطہرات کا مہر بھی اسکے قریب قریب ہی مقرر فرمایا جو اوسط درجے کے اعتبار سے ایک قابل لحاظ مقدار ہے۔

بعض لوگ اس مہر فاطمی ہی کو مہر شرعی کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں اور غالبًا انکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شرعی اعتبار سے اس سے کم یا زیادہ مہر مقرر کرنا پسندیدہ نہیں، یہ تصور بھی صحیح نہیں ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر فریقین مہر فاطمی کے برابر مہر مقرر کریں اور نیت یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ مقدار بابرکت اور معتدل ہوگی نیز یہ کہ اس سے اتباع سنت کا اجر ملنے کی توقع ہے تو یقینًا یہ جذبہ بہت مبارک اور مستحسن ہے لیکن یہ سمجھنا درست نہیں کہ یہ مقدار اس معنی میں "مہر شرعی" ہے اور اس سے کم یا زیادہ مقرر کرنا شرعًا ناپسندیدہ ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس سے کم یا زیادہ مہر مقرر کرنے میں بھی شرعًا کوئی قباحت نہیں ہے۔ ہاں یہ اصول مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ مہر اتنا ہو جس سے بیوی کا اعزاز و اکرام بھی ہو اور شوہر کی استطاعت سے باہر بھی نہ ہو۔ جن بزرگوں نے بہت زیادہ مہر

باندھنے سے منع کیا ہے انکا مقصد یہی تھا کہ اگر استطاعت سے زیادہ مہر مقرر کر لیا جائے تو وہ محض ایک کاغذی کارروائی ہو کر رہ جاتی ہے حقیقت میں اسے دینے کی کبھی نوبت ہی نہیں آتی اور مہر ادا نہ کرنے کا گناہ شوہر کی گردن پر رہ جاتا ہے دوسرے بعض اوقات بہت زیادہ مہر مقرر کرنے کے پیچھے دکھاوے کا جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے اور لوگ محض اپنی شان و شوکت کے اظہار کے لئے غیر معمولی مہر مقرر کر لیتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں اسلام کے مزاج کے بالکل خلاف ہیں اسلئے متعدد بزرگوں نے غیر معمولی مہر مقرر کرنے سے منع فرمایا ہے لیکن اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ یاد رکھنے کے لائق ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں ایک مرتبہ تقریر کے دوران لوگوں سے کہا کہ وہ نکاحوں میں بہت زیادہ مہر نہ باندھا کریں اس پر ایک خاتون نے اعتراض کیا کہ قرآن مجید نے ایک جگہ مہر کیلئے قِنطَار (سونے چاندی کا ڈھیر) کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ چاندی کا ڈھیر بھی مہر ہو سکتا ہے پھر آپ زیادہ مہر مقرر کرنے سے کیوں روکتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خاتون کی بات سنکر فرمایا کہ واقعی خاتون کا استدلال درست ہے اور زیادہ مہر باندھنے سے کلی طور پر منع کرنا درست نہیں مطلب یہی تھا کہ اگر دکھاوا مقصود نہو اور ادائیگی کی نیت بھی ہو اور استطاعت بھی ہو تو زیادہ مہر مقرر کرنا بھی جائز ہے البتہ اگر ان میں سے کوئی بات مفقود ہو تو ناجائز۔

جب مہر کا ذکر چلا ہے تو ایک اور نکتے کی وضاحت بھی ہو جائے مہر کی دو قسمیں مشہور ہیں مہر مُعَجَّل اور مہر مُؤَجَّل یہ الفاظ چونکہ نکاح کی مجلس ہی میں سنائی دیتے ہیں اسلئے بہت سے لوگوں کو انکا مطلب معلوم نہیں ہوتا۔ شرعی اعتبار سے مہر مُعجَّل اس مہر کو کہتے ہیں جو نکاح ہوتے ہی شوہر کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے اور یہ اسکا فریضہ ہے کہ یا تو نکاح

سکے وقت ہی بیوی کو ادا کردے یا اسکے بعد جتنی جلد ممکن ہوسکے اور عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے اسکا مطالبہ کرے چونکہ ہمارے معاشرے میں خواتین عام طور سے مطالبہ نہیں کرتیں اس لئے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اسکی ادائیگی ہی ہمارے لئے ضروری نہیں بلکہ شوہر کا یہ فرض ہے کہ وہ عورت کے مطالبے کا انتظار کیئے بغیر بھی جس قدر جلد ممکن ہو اس فرض سے سبکدوش ہوجائے۔

"مہرِ مؤجل" اس مہر کو کہتے ہیں جس کی ادائیگی کے لئے فریقین نے آئندہ کی کوئی تاریخ متعین کرلی ہو جو تاریخ اس طرح متعین کرلی جائے اس سے پہلے اسکی ادائیگی شوہر کے ذمہ لازم نہیں ہوتی نہ بیوی اس سے پہلے مطالبہ کرسکتی ہے لہٰذا مہر کے موجل ہونے کا اصلی مطلب تو یہی تھا کہ اسکی ادائیگی کیلئے کوئی تاریخ نکاح کے وقت ہی مقرر کرلی جائے لیکن ہمارے معاشرے میں عام طور سے کوئی تاریخ مقرر کیئے بغیر صرف یہ کہدیا جاتا ہے کہ اتنا مہر موجل ہے اور ہمارے معاشرے کے رواج کے مطابق یہ سمجھا جاتا ہے کہ مہر کی یہ مقدار اس وقت ادا ہوگی جب نکاح ختم ہوگا۔ چنانچہ اگر طلاق ہوجائے تب مہر موجل کی ادائیگی لازم ہوگی یا میاں بیوی میں سے کسی کا انتقال ہوجائے تب اسکی ادائیگی لازمی سمجھی جاتی ہے۔

ایک اور نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ ہمارے معاشرے میں شوہر کی طرف سے دلہن کو جو زیور چڑھایا جاتا ہے اسکا بذات خود مہر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہمارے معاشرے کے رواج کے مطابق یہ زیور دلہن کی ملکیت نہیں ہوتا بلکہ اسے عارضی استعمال کے لئے دیا جاتا ہے چنانچہ بیوی اسے شوہر کی اجازت کے بغیر نہ فروخت کرسکتی ہے اور نہ کسیکو تحفہ میں دے سکتی ہے نہ کسی اور کام میں لگا سکتی ہے۔ نیز یہی وجہ ہے کہ اگر خدانخواستہ طلاق کی نوبت آجائے تو شوہر یہ زیور واپس لے لیتا ہے لہٰذا اس زیور سے مہر ادا

نہیں ہوتا ہاں اگر شوہر بیوی سے صراحتاً یہ کہدے کہ یہ زیور میں نے تمھیں بطور مہر تمھاری ملکیت میں دید یا تو پھر اسے مہر میں شمار کر سکتے ہیں۔ اس صورت میں بیوی اس زیور کی مالک بن کر اس میں ہر طرح کا تصرف کر سکتی ہے اور اسے کسی بھی حالت میں اس سے واپس نہیں لیا جا سکتا۔

بہرصورت یہ بات واضح رہنی چاہیئے کہ مہر کا تعین محض ایک فرضی یا رسمی کارروائی نہیں ہے جو سوچے سمجھے بغیر کرلی جائے بلکہ یہ ایک دینی فریضہ ہے جو پوری سنجیدگی کا متقاضی ہے یہ ایک معاملے کی بات ہے شرعاً اسکے تمام پہلو صاف اور واضح ہونے چاہئیں اور اسکی معاملے کے مطابق ادائیگی کی فکر کرنی چاہیئے یہ بڑی ناانصافی کی بات ہے کہ اس حق کی ادائیگی سے ساری عمر بے فکر رہنے کے بعد بستر مرگ پر بیوی سے معافی حاصل کرلی جائے۔ جب ماحول کے جبر اسکے پاس معاف کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے۔

نماز اور انفرادی اصلاح

نماز کے بارے میں اتنی بات تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ وہ دینی فرائض میں سے ایک اہم ترین فریضہ ہے، ایک عظیم الشان عبادت ہے اور دین کا ستون ہے، لیکن اسی کے ساتھ نماز کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ انسان کی انفرادی اصلاح اور اخلاقی تربیت کے لئے نسخہ اکسیر کی حیثیت رکھتی ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ۔
اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔

جو کتاب آپ پر بذریعہ وحی نازل کی گئی ہے آپ
اسکو پڑھا کیجئے اور نماز کو قائم کیجئے بیشک نماز
بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی ہے

اس آیت میں بڑے واضح انداز میں نماز کی یہ خاصیت بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ انسان کو ہر بدی اور ناشائستگی سے روک کر اخلاقی طور پر اسکی اصلاح کرتی ہے متعدد مستند احادیث کی رو سے اس کا مطلب یہ ہے کہ اقامت صلوٰۃ میں بالخاصہ یہ تاثیر ہے کہ جو اسکو ادا کرتا ہے اس سے گناہ اور بری عادتیں رفتہ رفتہ چھوٹتی جاتی ہیں ہاں شرط یہ ہے کہ نماز کو محض ایک بوجھ سمجھ کر ٹالا نہ جائے بلکہ قرآن کے الفاظ میں اقامت صلوٰۃ کی جائے اقامت صلوٰۃ کے لفظی معنی نماز کو سیدھا کرنے کے ہیں اور مراد یہ ہے کہ اسکے تمام ظاہری و باطنی آداب ٹھیک اسی طرح ادا کرنے کی کوشش کی جائے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائے۔ مثلاً ایک تو نماز کی تمام شرائط سنتوں اور آداب کا صحیح علم حاصل کر کے ان سب کی حتی الوسع رعایت کیجائے دوسرے یہ کہ جسقدر خشوع و خضوع پیدا کرنا انسان کے بس میں ہے وہ پیدا کر کے اسطرح نماز میں کھڑا ہو کہ گویا اللہ تعالےٰ سے عرض و معروض کر رہا ہے اس طرح نماز قائم کرنے والے کو منجانب اللہ خود بخود نیک کاموں کی توفیق ہوتی ہے اور بدی سے بچنے کا جذبہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور جو شخص نماز پڑھنے کے باوجود بداخلاقیوں اور بداعمالیوں میں مبتلا ہے تو اسکو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اسکی نماز ہی میں قصور ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

مَنْ لَمْ تَنْهَهُ صَلَاتُهُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ فَلَا صَلٰوةَ لَهُ

جس شخص کی نماز نے اسے بے حیائی اور بدی سے نہ روکا تو اسکی نماز کچھ نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب نماز اپنے آداب و شرائط کے ساتھ ادا کی جائے تو وہ نمازی کا اللہ تعالےٰ سے ایک خاص تعلق پیدا کر دیتی ہے اور جس شخص کو یہ تعلق حاصل ہوگیا اسکے لئے ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ رفتہ رفتہ دوسرے گناہوں سے باز نہ رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ رات کو تہجد پڑھتا ہے اور جب صبح ہوتی ہے تو چوری کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ عنقریب نماز اسکو چوری سے روک دے گی چنانچہ کچھ ہی عرصہ کے بعد وہ شخص چوری سے تائب ہوگیا (ابن کثیر)

آجکل ہم میں سے بعض لوگ بظاہر پابند نماز ہونے کے باوجود طرح طرح کے گناہوں یا بداعمالیوں میں مبتلا رہتے ہیں تو حدیث نبوی کے مطابق انکی نماز میں کہیں نہ کہیں نقص ہے۔ اگر اس نقص کو دور کر لیا جائے تو اللہ تعالےٰ کے اس وعدے کے مطابق نماز یقیناً برائیوں سے روکے گی اور اسطرح عبادت اسکی اخلاقی اصلاح کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ نماز کو اسکے تمام ظاہری و باطنی آداب کے ساتھ ادا کریں اور دنیا و آخرت میں اسکے بہترین ثمرات سے مستفید ہوں۔ آمین

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۱۲ ۔ رجب المرجب ۱۴۱۷ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۶ء جلد ۱۹

قیمت فی پرچہ سات روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی چالیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک: پاکستان نوّے روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین ۔ ۲۵/۲۳ ۔ بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسین گنج، الہ آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترتیب

(یہ ضرور پڑھ لیجئے)

افسوس کی بات ہے کہ ایک دینی اور اصلاحی رسالہ کے پڑھنے والے ایسا تغافل برتیں کہ پورا سال گذر جائے اور اپنا واجبی زرتعاون خود ارسال کرنے کا خیال تک نہ آئے بہت سے احباب نے ابتک ۹۶ء کا زرتعاون بھی ارسال نہیں فرمایا ایسے حضرات کو فوری طور پر اپنا زرتعاون ارسال فرماکر اپنی دینی ذمہ داری پوری کرنی چاہئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ :

شکر نعمتہائے تو چنداں کہ نعمتہائے تو
عذر تقصیرات ما چنداں کہ تقصیرات ما

الحمد للہ پیش نظر شمارہ سال رواں کے آخری ماہ کا شمارہ ہے، رسالہ "وصیۃ العرفان" ماہ بماہ اپنے مقررہ وقت پر شائع ہوتا رہا تا آنکہ سال رواں ۹۶ء اپنے اختتام کو پہنچا اس طرح وصیۃ العرفان نے اپنی عمر کی انیسویں منزل پوری کی اور باوجود گوناگوں موانع کے اس عرصہ میں پابندی کے ساتھ شایع ہوتا رہا یہ حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ کی روحانی کرامت اور حضرت اقدس قاری صاحب دامت برکاتہم کی توجہ کا ثمرہ ہے کہ رسالہ خواص وعوام میں مقبول ہے اسکے مضامین عالیہ سے بہت سے نیک بندے نفع حاصل کر رہے ہیں اور اپنی دنیا وعقبیٰ سنوار رہے ہیں۔

بلاشبہ اللہ نے اپنے دین کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ لہٰذا خدا کا دین کسی کی سعی وکاوش کا رہین منت نہیں ہے، یہ بھی فضل خداوندی ہے کہ کبھی ہم جیسے بے مایہ، تہی دامانِ علم وفضل کو بھی اس کا ذریعہ بننے کا شرف عطا فرما دیتے ہیں، فلہ الحمد ولہ الشکر۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اخلاص کامل کی دولت سے نوازیں اور ارشادات عالیہ اور تعلیمات الٰہیہ پر عمل پیرا ہونے کی سعادت نصیب فرمائے اور ہمارے قصور اور کوتاہیوں کو معاف اور درگذر فرمائے نیز جملہ اہل اسلام کو اپنے حفظ وامان میں رکھے، ہر طرح کے شر وضرر سے محفوظ رکھے۔

علم، اخلاص اور تصحیحِ نیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

اما بعد! میں کئی دن سے ایک آیت کے متعلق بیان کر رہا ہوں جسے آپ نے سنا ہوگا اسی سلسلہ میں آج بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں سنئے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْہُ اثْنَتَا عَشْرَۃَ عَیْنًا قَدْ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَھُمْ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰہِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ یعنی وہ زمانہ یاد کرو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانی کی دعا مانگی اپنی قوم کے واسطے اس پر ہم نے حکم دیا کہ اپنے اس عصا کو فلاں پتھر پر مارو بس اس سے فوراً پھوٹ نکلے بارہ ۱۲ چشمے (بارہ ۱۲ ہی خاندان تھے بنی اسرائیل کے چنانچہ) معلوم کر لیا ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع (اور ہم نے یہ نصیحت کی کہ) کھاؤ اور پیو اللہ تعالیٰ کے رزق سے اور حد سے مت نکلو فساد کرتے ہوئے سرزمین میں۔

چونکہ بنی اسرائیل کے بارہ ۱۲ خاندان تھے اور احتمال تھا کہ پانی پینے

کے بارے میں وہ آپس میں لڑ جائیں اسلئے اللہ تعالیٰ نے بارہ چشمے جاری کر دیئے تاکہ ہر قبیلہ کے لئے ایک چشمہ ہو جائے اور اسی پر بس نہ فرمایا بلکہ ہر قبیلہ کے لئے چشمہ الگ الگ تقسیم فرما دیا تاکہ ہر ایک اپنا مشرب (پانی پینے کی جگہ) جان لے اور آپس میں منازعت نہ ہو۔

مجھکو دوسرا مضمون بیان کرنا ہے مگر یہ آیتیں سامنے آگئی ہیں تو ان پر بھی کچھ کلام کرتا ہوں۔ بنی اسرائیل نے یہ بھی کہا تھا جس کو اللہ تعالےٰ اسکے بعد فرما رہے ہیں۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا یعنی وہ زمانہ یاد کرو جب تم لوگوں نے یوں کہا کہ اے موسیٰ (روز کے روز) ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر کبھی نہ رہینگے (یعنی من وسلویٰ پر) آپ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ ہمارے لئے ایسی چیزیں پیدا کریں جو زمین میں اگا کرتی ہیں۔ ساگ ہوا، ککڑی ہوئی، گیہوں ہوا، مسور ہوئی، پیاز ہوئی قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ ھُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ ھُوَ خَيْرٌ ط یعنی آپ نے فرمایا کیا تم عوض میں لینا چاہتے ہو ادنیٰ درجہ کی چیزوں کو ایسی چیز کے مقابلہ میں جو اعلیٰ درجہ کی ہے۔

علم کی شان

اس موقع پر ایک بات ذہن میں آگئی وہ یہ کہ علم کی مثال ایسی ہے جیسے من وسلویٰ اسلئے کہ علم بھی آسمان ہی سے نازل ہوا ہے اور من وسلویٰ بھی آسمان ہی سے اترتا تھا پس جس طرح کہ من وسلویٰ کی تبدیل لہسن پیاز سے مذموم اور نہایت ناپسند ہوئی اسی طرح علم جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب اور مراتب عالیہ کی تحصیل کیلئے ہے اب اگر اسکو مال وجاہ کا ذریعہ بنایا جائے تو نہایت مذموم وقبیح شے ہے اور اللہ تعالےٰ کی ناراضی کا موجب ہے اس لئے کہ ایک اعلیٰ وارفع شے سے ادنیٰ چیز حاصل

کی جا رہی ہے یہ برابر بیان کرتا ہوں مگر اسکو سنتا کون ہے اور اسی نہ سننے کا نتیجہ یہ ہے کہ آپس میں فساد اور تصادم ہے جتنا تصادم ہملوگوں میں ہے یعنی علماء میں ہے عوام میں نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ فتنہ انھیں سے اٹھے گا اور انھیں میں لوٹے گا۔ عوام گھبرا کر چھوڑ دینگے مگر یہ لوگ فتنہ و فساد اور اختلاف کو نہیں چھوڑیں گے اسی پر متنبہ کرنے کے لئے کہا کرتا ہوں کہ جب تک گرم جگہ نہیں جاؤ گے تمھاری سمجھ میں اسکی مذمت اور برائی پوری طرح آوے گی نہیں وہاں چلو گے تب پتہ چلے گا۔

نیت کی تصحیح

مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث آئی ہے:-

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ النَّاسِ یُقْضٰی عَلَیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ رَجُلٌ اُسْتُشْهِدَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعْمَتَهٗ فَعَرَفَهَا فَقَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِیْهَا قَالَ قَاتَلْتُ فِیْكَ حَتّٰی اُسْتُشْهِدْتُّ قَالَ كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ یُّقَالَ جَرِیْءٌ فَقَدْ قِیْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰی وَجْهِهٖ حَتّٰی اُلْقِیَ فِی النَّارِ وَرَجُلٌ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ وَعَلَّمَهٗ وَقَرَأَ الْقُرْاٰنَ فَاُتِیَ بِهٖ فَعَرَّفَهٗ نِعَمَهٗ فَعَرَفَهَا

حضرت ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلا شخص جسکا قیامت کے دن فیصلہ کیا جائیگا وہ ہوگا جو شہید کیا گیا ہوگا پس وہ لایا جائیگا تو اللہ تعالیٰ اسکو اپنی نعمت یاد دلائینگے وہ اسکا اقرار کریگا پھر اللہ تعالیٰ اس سے سوال فرمائیں گے کہ تونے اس نعمت کا کیا حق ادا کیا؟ وہ کہیگا کہ یا اللہ تعالیٰ میں نے آپکی راہ میں جہاد کیا حتیٰ کہ شہید کردیا گیا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹا ہے تونے تو اسلئے قتال کیا تھا کہ تجھکو بہادر کہا جائے چنانچہ تجھکو دنیا میں بہادر کہا جا چکا پھر اسکے بارہ میں حکم دیدیا جائیگا اور وہ چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈالدیا جائیگا اور دوسرا شخص جسکا قیامت میں فیصلہ کیا جائیگا وہ ہوگا جس نے علم حاصل کیا ہوگا اور دوسرے کو علم سکھایا ہوگا اور قرآن بھی پڑھا ہوگا چنانچہ وہ دربار خداوندی میں لایا جائیگا پس اللہ تعالیٰ اپنی نعمت اسکو

قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا قَالَ
تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ
فِيكَ الْقُرْآنَ قَالَ كَذَبْتَ وَ
لٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ
إِنَّكَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ
لِيُقَالَ هُوَ قَارِئٌ فَقَدْ قِيلَ
ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلَى وَجْهِهِ
حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ
وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَعْطَاهُ
مِنْ أَصْنَافِ الْمَالِ كُلِّهِ فَأُتِيَ
بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا
قَالَ فَمَا عَمِلْتَ فِيهَا قَالَ
مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ
أَنْ يُنْفَقَ فِيهَا إِلَّا أَنْفَقْتُ
فِيهَا لَكَ قَالَ كَذَبْتَ
وَلٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ
جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ
فَسُحِبَ بِهِ عَلَى وَجْهِهِ
ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ۔

رواہ مسلم (مشکوٰۃ کتاب العلم)

یاد دلائیں گے وہ اسکا اقرار کریگا تو اللہ تعالیٰ اس سے سوال فرمائیں گے کہ تم نے اسکا کیا حق ادا کیا وہ جواب دیگا کہ میں نے خود علم حاصل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور آپکے لئے قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائینگے کہ تم جھوٹے ہو بلکہ تم نے تو علم اسلئے حاصل کیا تھا تاکہ تمکو عالم کہا جائے اور قرآن اسلئے پڑھا تھا تاکہ تمکو قاری کہا جائے سو دنیا میں تمکو عالم قاری وغیرہ کہا جا چکا پھر اسکے حق میں کلی حکم دیدیا جائیگا اور وہ چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈالدیا جائیگا اور تیسرا شخص جو فیصلہ کیلئے قیامت میں پیش ہوگا وہ وہ شخص ہوگا جسکو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مال کثیر عطا فرمایا ہوگا اور مال کی ہر نوع سے اسکو حصہ دیا ہوگا، جب وہ لایا جائیگا تو اللہ تعالیٰ اسکو اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے وہ اقرار کریگا پھر سوال فرمائیں گے کہ تم نے ان نعمتوں کا کیا حق ادا کیا وہ جواب دیگا کہ میں نے آپکے لئے ہر اس راستہ میں خرچ کیا جس میں خرچ کرنے کو آپ پسند فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم جھوٹ کہتے ہو بلکہ تم نے تو اسلئے خرچ کیا تھا تاکہ تمکو سخی کہا جائے سو تمکو دنیا میں کہا جا چکا پھر اسکے بارہ میں حکم صادر ہو جائیگا اور وہ بھی چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈالدیا جائیگا۔

(اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے)

اس حدیث میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے یہ منجملہ اخبار بالغیب کے ہے اور مقصود بالبیان یہ ہے کہ کچھ لوگ اپنی نیات فاسدہ کی وجہ سے معتوب و مغضوب ہوں گے لہٰذا اس سے سب کو خوف پیدا ہونا چاہیئے کہ ہم جو مقالہ

یا تعلیم و تعلم یا انفاق فی الخیر کر رہے ہیں اس میں اپنی نیات فاسدہ کی وجہ سے کہیں عذاب خداوندی میں گرفتار نہ ہو جائیں اس سے نیت کی تصحیح کا مسئلہ ثابت ہوا نیز یہ کہ علم میں بھی نیت کی تصحیح ضروری ہوئی جیسا کہ اور عبادات میں ضروری ہے

مشائخ حقانی کی شان

سنئے! میں آپ کے شہر میں اس لئے نہیں آیا ہوں کہ آپکی بیجا رعایت کروں اور محض آپکی یا اپنی رعایت کی بنا پر حق بات نہ کہوں لہذا صاف صاف کہتا ہوں کہ جن کے پاس دولت ہے وہ زبان حال سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو علماء کو خرید لیا ہے تو میں ان سے یہ کہتا ہوں کہ بس اب یہ لوگ باقی رہ گئے ہیں انکو بھی خرید لو لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ جن کو خرید سکتے تھے انکو تو خرید ہی لیا ہے ہر ایک کو نہیں خرید سکتے ہو

دہلی میں ایک بزرگ تھے بادشاہ وقت انکی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اگر آپ ہمارے وہاں آکر نماز پڑھا دیا کریں تو بڑی عنایت ہو ان بزرگ کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی اور فرمایا کہ ہم سے اور کچھ عمل تو ہوتا نہیں بس ایک نماز ہی باقی رہ گئی ہے اب اسکو بھی خرید لو جاؤ ہم نہیں جاتے۔

دیکھا آپ نے کسی زمانہ میں ایسے لوگ بھی موجود تھے اگر ان میں کا ایک بھی اسوقت موجود ہوتا تو آپ سب کو راہ راست پر کر دیتا اب ہم لوگ چونکہ اس درجہ کے نہیں ہیں اور اسکو آپ بھی خوب پہچانتے ہیں کہ ہم کتنے پانی میں ہیں اسلئے ہم کو خریدنے کی جرأت کی ہے بلکہ خرید ہی لیا ہے

بھائی سنو! دین بڑی مشکل چیز ہے اسکو چلانے والے اور پھیلانے والے دوسرے قسم کے لوگ ہوتے ہیں انکو مطامع دنیا لبھا نہیں سکتا وہ لوگ اس دار دنیا میں روز بروز اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب

اور طاعت کے لطف و ثمرات سے واقف ہوتے چلے جاتے ہیں اور دنیا میں رہتے ہوئے بھی وہ دنیا سے بالکل نکل چکے ہوتے ہیں گویا وہ دنیا کو قے کر چکے ہوتے ہیں تو پھر آپ کے لالچ دلانے کی وجہ سے وہ جس چیز کو قے کر چکے ہیں اسکی طرف رجوع نہیں ہو سکتے اللہ والوں کی معرفت کے لئے طلب اور دیدۂ بصیرت شرط ہے۔ اور یہ مت سمجھئے گا کہ اب ایسے لوگ کہاں ہو سکتے ہیں یہ بات نہیں ہے ایسے لوگوں سے دنیا کبھی خالی نہیں ہوسکتی مگر آپ نہ انکو پہچانتے ہیں اور نہ انکو تلاش ہی کرتے ہیں اسلئے کہ جو چیز اس پر مجبور کرتی ہے وہ خدا کی طلب ہے اور اس زمانہ میں اسی کا فقدان ہو رہا ہے نیز ان کو پہچاننے کے لئے دوسری نظر ہونی چاہیئے کیونکہ ایک ہی شخص کسی کی نظر میں انتہائی محبوب ہوتا اور وہی شخص دوسروں کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اسکی مثال سنئے

مثنوی شریف میں مولانا روم یہ واقعہ لا رہے ہیں کہ خلیفۂ وقت نے ایک مرتبہ لیلیٰ کو دیکھا تو وہ کچھ زیادہ حسین وجمیل نہیں تھی اسکو بہت تعجب ہوا کہ آخر کس وجہ سے مجنوں اس پر عاشق ہے یہ تو کوئی ایسی خوبصورت بھی نہیں چنانچہ ازراہ تعجب اس سے کہا کہ تیری ہی وجہ سے مجنوں اس قدر حیران وسرگرداں ہے؟ - جیسا کہ مولانا رومؒ فرمارہے ہیں کہ ؎

گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی   کز تو مجنوں شد پریشان وغوی

لیلیٰ سے خلیفۂ وقت نے کہا کہ کیا تو ہی وہ لیلیٰ ہے جس کی وجہ سے مجنوں حیران و پریشان ہوگیا ہے

از دگر خوباں تو افزوں نیستی   گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

دوسرے خوبصورت لوگوں سے تو زیادہ اچھی تو نہیں ہے لیلیٰ نے اسکی اس بات کے جواب میں کہا کہ جب تم مجنوں نہیں ہو تو خاموش رہو۔

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا   ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

اگر مجنوں کی آنکھ تمکو ہوتی تو میرے مقابل میں دونوں عالم تمھاری نظر میں ہیچ معلوم ہوتے۔

باخودی تو لیک مجنوں بیخود است در طریق عشق بیداری بد است

تم خودی میں ہو لیکن مجنوں بیخود ہے (اپنی ہستی کو فنا کر چکا ہے اور مٹا چکا ہے اسلئے کہ طریق عشق میں بیداری (اور خودی) بُری چیز سمجھی جاتی ہے محبت عقل وخرد کے تابع نہیں ہوا کرتی

اس واقعہ کو مولانا رُوم اس پر لا رہے ہیں کہ ہر طالب اپنے مطلوب کو پہچانتا ہے اور اسکی قدر جانتا ہے نیز اسکے پہچاننے کے لئے یہ آنکھ نہیں ہوتی بلکہ دیدۂ بصیرت ہونا چاہیئے اور جو اللہ کا طالب ہوتا ہے اسکو دیدۂ بصیرت حاصل ہوتا ہے تب ہی آدمی کسی اللہ والے کو بھی پہچانتا ہے جو کسی کا طالب ہوتا ہے جس طرح وہ اپنے مطلوب کی قدر جانتا ہے اسی طرح مطلوب بھی اپنے طالب کی قدر پہچانتا ہے طالب کی طلب اسکو مجبور کر دیتی ہے اس پر ایک واقعہ سنیئے:۔

ایک بزرگ کی خدمت میں ایک شخص گئے انھوں نے ان سے فرمایا کہ ابھی یہاں سے چلے جاؤ چنانچہ وہ فوراً واپس چلے آئے کچھ دنوں بعد وہ پھر انکی خدمت میں گئے تو فرمایا کچھ دیر ٹھہر جاؤ اور پھر واپس چلے جاؤ چنانچہ کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد وہ حکم کے مطابق چلے گئے اور پھر کچھ دنوں کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو کچھ نہیں فرمایا اسکے بعد ان سے فرمایا کہ میں اس مرتبہ بھی چاہتا تھا کہ تم سے کہدوں کہ چلے جاؤ مگر میری زبان میرے اختیار میں نہیں تھی ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے زبان کو پکڑ لیا اور میں کہہ نہ سکا اس سے میں نے سمجھا کہ تم طالب ہو اور اللہ تعالےٰ کے بھیجے ہوئے ہو، مجھ سے تم کو نفع پہونچے گا اور تمھارا حصہ یہیں ہے۔

دیکھا آپ نے وہ بزرگ انکو نکالنا چاہتے تھے مگر نکال نہیں سکے انکی زبان پکڑ لی گئی اسلئے کہ وہ شخص خدا کا طالب تھا اور اپنی طلب میں

صادق تھا اسی لیئے بار بار انکی خدمت میں باوجود نکالنے کے جاتا رہا بالآخر اسکی صدق طلب نے انکے دل پر اثر ڈالا۔ اسی کو میں نے کہا تھا کہ طلب مجبور کرتی ہے جب آدمی صدق طلب اور حسن عقیدت کے ساتھ کسی اللہ والے پاس جاتا ہے تو اسکو ضرور نفع پہونچتا ہے۔

ابتدا میں حضرت مولانا تھانویؒ مولانا فضل الرحمن صاحبؒ گنج مرادآبادی کی خدمت میں تشریف لے گئے مگر چونکہ عقیدت سے گئے تھے اس لیئے مولانا گنج مرادآبادیؒ نے جو کچھ فرمایا اسکا بالکل برا نہیں مانا پھر اس کے بعد مولاناؒ نے حضرتؒ کے ساتھ بڑی مہربانی اور لطف کا معاملہ فرمایا اور لوگوں سے فرماتے تھے کہ یہ شخص ایسا ایسا ہونے والا ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی صاحبؒ کہتے تھے کہ میں نے مولانا تھانویؒ کے پاس جانے میں عجلت نہیں کی بلکہ انکی تقریباً ایک ہزار کتابیں دیکھیں میں نے کسی سے یہ بات سنی نہیں کہ کسی کے پاس جانے کے لیئے فہم کی ضرورت ہے کہ پہلے آدمی کہیں جائے تو سمجھ بوجھ کر جائے وہ ہی فرماتے تھے کہ کسی بزرگ کے پاس جانے سے پہلے خوب اچھی طرح تحقیق کر لینا چاہیئے کہ بزرگ ہیں یا نہیں اور جب تحقیق کو پہونچ جائے اور بزرگوں کی خدمت میں چلا جائے تو اسکے بعد پھر چون چرا نہیں کرنا چاہیئے اسلیئے میں نے تاخیر کی مگر جب میری سمجھ میں بات آگئی تو اب جو کچھ فرمادیں بجا ہے بے چون وچرا قبول کروں گا۔

سبحان اللہ بہت عمدہ بات ہے طالب کی شان ایسی ہی ہوتی ہے بلاشبہ بعد تحقیق ہی کے کہیں جانا چاہیئے اور جب کہیں جائے تو تصحیح نیت کرلے تب جائے الخ کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلٰى دُنْيَا يُصِيْبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلٰى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ یعنی عمل کا دارومدار نیت پر ہے اور آدمی کے لیئے وہی ہے جسکی وہ نیت

کرے پس جس کی ہجرت اللہ اور اسکے رسولؐ کی طرف ہے اسکی ہجرت تو اللہ اور اسکے رسولؐ ہی کیطرف ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کے لئے ہو کہ وہ حاصل ہو جائے یا کسی عورت کے لئے ہو کہ اس سے نکاح ہو جائے تو اسکی ہجرت ایسی چیز کی طرف سمجھی جائیگی جس کی اس نے نیت کی ہو۔

شراح حدیث فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کتب حدیث کا طلیعۃ [۵] ہے اور ابتدائے کتاب میں تصحیح نیت کے لئے لائی جاتی ہے لیکن اب ہمارے طلبار کو سمجھایا جاتا ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آخر تک انکی نیت صحیح نہیں ہوتی اسکی اصل وجہ میرے نزدیک یہ معلوم ہوتی ہے کہ نیت کا مفہوم ہی واضح نہیں ہوتا یہ لوگ نیت کو لسان کا فعل سمجھتے ہیں حالانکہ نیت فعل ہے قلب کا اور اسکی تصحیح میں اور نیت کے سمجھنے اور سمجھانے میں بہت دیر لگتی ہے یہ آسان کام نہیں ہے بہت مشکل ہے بزرگوں نے اس پر زبردست بحث کی ہے۔ حضرت مولاناؒ طلبار کے لئے فرماتے تھے کہ اگر کوئی تحصیل علم میں استعداد کی نیت کرے گا تو اسکو استعداد حاصل ہو جائیگی لیکن علم سے جو اصل مقصود ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضار و قرب وہ نہیں حاصل ہوگا۔ اور اگر یہ نیت کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رضار اور انکا قرب علم کے ذریعہ سے حاصل کرے تو استعداد بھی ہو جائیگی اور رضا و قرب بھی حاصل ہوگا

اس سلسلہ میں امام غزالیؒ کے ابتدائے تعلیم کا ایک واقعہ یاد آیا کہ ایک مرتبہ بادشاہ وقت بھیس بدل کر مدرسہ نظامیہ میں گیا تاکہ کوئی پہچان نہ سکے (اسی مدرسہ میں امام غزالی بھی پڑھتے تھے) اور الگ الگ طلبہ سے دریافت کرنا شروع کیا کہ علم سے تمھارا کیا مقصود ہے سب نے مختلف جوابات دیئے کسی نے منصب قضا اور کسی نے منصب افتار کے لئے اپنی نیت بتائی، جب امام غزالیؒ سے پوچھا تو انھوں نے

۵۔ ہراول۔ مقدمۃ الجیش۔

اللہ تعالیٰ کا وجود اور وحدانیت بدلیل عقل ونقل ثابت کیا اس لئے کہ سوچا ہوگا کہ یہ شخص کہیں منکر نہ ہو، پھر اسکے بعد فرمایا کہ "میں علم اسلئے پڑھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات معلوم کروں اور مرضیٔ الٰہی کے مطابق عمل کروں" بادشاہ انکے اس جواب سے بہت خوش ہوا اور اس نے ظاہر کردیا کہ میں بادشاہ ہوں اور میں نے اور لوگوں کے جوابات سنکے ارادہ کرلیا تھا کہ آج سے اس مدرسہ ہی کو بند کردوں اسلئے کہ کوئی بھی اللہ کے لئے علم حاصل کرنے والا نہیں، روپیہ فضول ضائع ہو رہا ہے مگر آپ جیسے طالب علم جب اس مدرسہ میں موجود ہیں تو میری محنت وصول ہوگئی اب آپ کی وجہ سے اس مدرسہ کو باقی رکھوں گا۔

دیکھئے امام غزالیؒ کے اس واقعہ سے تحصیل علم کے باب میں نیت کی تصحیح کا مسئلہ کیسا واضح ہوا اور انکے حسن نیت کی برکت کیسی ظاہر ہوئی کہ انھیں کی وجہ سے بادشاہ نے مدرسہ کو باقی رکھا ورنہ اس نے طے کرلیا تھا کہ مدرسہ ہی کو بند کردے یہاں یہ بات بھی ظاہر ہے کہ امام غزالیؒ کا وہ زمانہ ابتدائے تعلیم کا تھا کہ انکو اس وقت کوئی بھی نظر میں نہیں لاتا ہوگا لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انکی شخصیت کو تمام عالم نے تسلیم کیا اور اتنے بڑے شہرۂ آفاق امام ہوئے۔

اسی طرح ہم بھی جب مدرسہ میں پڑھتے تھے تو ایک طالب علم ہم لوگوں کا مذاق اڑاتا تھا اسکی یہ عادت تھی کہ صوفیوں کا بھی مذاق اڑاتا تھا اور علماء کا بھی مذاق اڑایا کرتا تھا تو ہم اپنے دل میں یہ کہتے تھے کہ ہم لوگ جب ایسے ہیں تب ہی تو ایسا کر رہے ہو مگر ہو سکتا ہے کہ اسی میں کوئی شخص ایسا بھی نکل آئے جس طرح اُس پورے مدرسہ میں امام غزالیؒ نکل آئے۔ چنانچہ آپ یہ جانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام تمام

ارق سے افضل اور سب انبیاء میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم افضل
ں اور باوجود اسکے بشر بھی ہیں اور مخلوق ہی میں رہتے ہیں اسی طرح کوئی
للہ کا بندہ جو اللہ کا دوست اور ولی ہو وہ بھی انہی لوگوں میں رہتا ہوگا
ی لئے کہا گیا ہے ؎

خاکساران جہاں را بحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یعنی خاکساروں کو بہ نظر حقارت مت دیکھو تمکو کیا معلوم کہ اس گرد میں
ئی سوار ہو۔

چنانچہ جو لوگ کہ ہنستے تھے انکا حال بعد میں کچھ اچھا نہیں دیکھا
ملوم نہیں اب وہ بیچارہ کہاں ہے ورنہ اس سے پوچھتے کہ اب کیا رائے
ہے؟ ایک طالب جو ہمارے ساتھی تھے اس شخص کے بارے میں
کہنے لگے کہ فلاں آدمی کو میں نے دیکھا نماز بھی ٹھیک سے نہیں پڑھتا
یں نے کہا تم کو یاد نہیں وہ ہم لوگوں پر ہنستا تھا اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ
ہی حال مل گیا اور عمل کی توفیق نہیں ہوئی۔

یہ استہزاء و مذاق اڑانا کفار و منافقین کی صفت ہے وہ
نبیاء علیہم السلام کے ساتھ اسی طرح پیش آتے تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ
رشاد فرماتے ہیں کہ یٰحَسۡرَةً عَلَى الۡعِبَادِ مَا يَأۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ
لَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ٥ افسوس بندوں کے حال پر کبھی انکے پاس
ئی رسول نہیں آیا جس کی انھوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو۔

ایسے لوگ اسی خصلت بد کی وجہ سے کامیاب نہیں ہوتے
م نے بزرگوں کے یہاں خود دیکھا ہے کہ انکی خدمت میں بہت لوگ
تے ہیں مگر جو آدمی ان میں سے کچھ ہونے والا ہوتا ہے اسی کو ذلیل
حقیر سمجھتے ہیں بولنا اور خاموش رہنا اپنے اپنے موقع پر پسندیدہ ہے

بعضے لوگ مجھ سے کہتے تھے کہ آپ تھانہ بھون میں بولتے نہیں تھے؟ میں نے کہا بھائی میں وہاں سننے کے لئے گیا تھا بولنے کے لئے نہیں۔ جب کوئی قرات کرے تو سامعین کو چاہیئے کہ سنیں، اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ٥ یعنی جب قرآن کی قرات کیجائے تو اسکی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو امید کہ تم پر رحم کیا جاوے گا۔

اس آیت سے یہ مسئلہ ثابت کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص مقتدی ہو تو اسکو ساکت و صامت رہنا چاہیئے پھر وہی مقتدی جب بمقتدا اور امام ہو جائے گا تب قرات کرے گا جب تک مقتدی ہے اس وقت تک اسکے لئے استماع اور انصات (سننا اور خاموش رہنا) لازم ہے اسی کو مولانا رومؒ فرما رہے ہیں کہ جو حالت مقتدی کی امام کے پیچھے ہوتی ہے بالکل اسی طرح ان لوگوں کی حالت ہونی چاہیئے جو بزرگوں کے پاس رہتے ہیں یعنی انکو چاہیئے کہ باتوں کو سنیں اور بولیں نہیں پھر جب یہ کام خود اسکو سپرد ہوگا اور اصلاح و ارشاد کے لئے خود وہ بیٹھے گا اس وقت اسکے لئے بولنا ضروری ہوگا اور اگر اب نہیں بولیگا تو اس میں نقص سمجھا جائے گا۔ چنانچہ ایک بزرگ تھے جو بولتے نہیں تھے ان کے مریدوں نے حضرت حاجی صاحبؒ سے شکایت کی کہ ہمارے پیر بولتے نہیں ہیں حضرت حاجی صاحبؒ ان کے پاس تشریف لائے اور انکا سر پکڑ کر فرمایا پیر کو لسان ہونا چاہیئے اور مرید کو کان، اور یہ بھی فرمایا کہ بھائی بولو تمھارے مرید تمھارے بولنے کے مشتاق ہیں۔

سبحان اللہ! حضرت حاجی صاحب نے کیسی عمدہ بات ارشاد فرمائی کہ شیخ کو لسان ہونا چاہیئے اور مرید کو کان، اس لئے کہ شیخ ایسے مقام میں ہوتا ہے کہ اسکے لئے تکلم ضروری ہے اگر نہیں بولے گا تو

طریق واضح نہیں ہوگا لہٰذا نہ بولنا گویا شیخ کے لئے عیب ہے اور مرید کیلئے سکوت لازم ہے اس لئے کہ اگر وہ خاموش نہیں رہیگا تو پھر شیخ کی باتوں کو نہ سن سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے ویسے ہی بالکل کورا رہ جائیگا لہٰذا مرید کے لئے شیخ کے سامنے بولنا عیب کی بات ہے

اس سے معلوم ہوا کہ تکلم اور سکوت کے مواقع ہوتے ہیں ہر ایک اپنے موقع و محل میں مناسب اور بے محل نامناسب ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ قشیریؒ جو تصوف کے امام سمجھے جاتے ہیں فرماتے ہیں کہ اَلسُّکُوْتُ فِیْ وَقْتِہٖ صِفَۃُ الرِّجَالِ کَمَا اَنَّ النُّطْقَ فِیْ مَوْضِعِہٖ اَشْرَفُ الْخِصَالِ یعنی سکوت و خاموشی اپنے وقت میں رجال کی صفت ہے جیسے کہ نطق (بولنا) اپنے محل میں اشرف الخصال (بہترین عادت) ہے۔ جو بات علامہ قشیریؒ نے فرمائی ہے یہی بات حاجی صاحبؒ نے بھی فرمائی اور اس میں شک نہیں کہ یہ طریق کا نچوڑ ہے۔

جب کوئی شخص خطاب کرے تو مخاطب کو خاموش ہی رہنا اور اسکی طرف کان لگائے رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام وحی لیکر آتے تھے اور اسکی تلاوت حضورؐ کے سامنے شروع کرتے تو حضور بھی ساتھ ساتھ پڑھتے تھے جسکی وجہ سے دوہرا تعب ہوتا تھا ایک تو سننے کا دوسرا یاد رکھنے کا تو آیت نازل ہوئی کہ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ یعنی اے پیغمبر آپ (قبل وحی کے ختم ہو چکنے کے) قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اسکو جلدی جلدی لیں کیونکہ ہمارے ذمہ ہے (آپ کے قلب میں) اسکا جمع کر دینا اور (آپ کی زبان سے) اسکا پڑھوا دینا۔ تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں (یعنی ہمارا فرشتہ پڑھنے لگا کرے) تو آپ اپنے

ذہن سے اور فکر سے ہمہ تن) اسکے تابع ہوجایا کیجئے پھر آپ کی زبان سے لوگوں کے سامنے اسکا بیان کرادینا بھی ہمارے ذمہ ہے یعنی آپ کو یاد کرادینا اور آپ کی زبان پر جاری کرادینا پھر تبلیغ کے وقت بھی اس کا یاد رکھوانا اور لوگوں کے سامنے پڑھوادینا یہ سب ہمارے ذمہ ہے۔

تحصیل علم میں تصحیح نیت

یہ مضمون استطراداً اور ضمناً آگیا تھا بات اس پر چلی تھی کہ حضرت مولانا تھانویؒ نے فرمایا تھا کہ جب استعداد کی نیت سے علم حاصل کرے گا تو استعداد ہوجائیگی مگر یہ ضروری نہیں کہ اگر وہ نیت نہ بدلے تو اللہ تعالیٰ کی رضا ر حاصل ہوجائے۔ بلکہ رضا فوت رہے گی اور اگر کوئی شخص رضار کا طالب ہو تو استعداد بھی ہوگی اور رضار بھی حاصل ہوگی لہٰذا علم سے رضار الٰہی مطلوب ہونا چاہیئے اور مقصود اصلی اسی کو بنانا چاہیئے جب اللہ تعالیٰ راضی ہوجائیں گے تو علم بھی دیدینگے مگر ابنائے زمانہ کو معلوم نہیں کیا ہوگیا ہے کہ انکی نیت درست ہی نہیں ہوتی اور بعضے تو اخیر وقت تک اسی بدنیتی میں رہ جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ میں حضرت مولاناؒ کے یہاں جارہا تھا ایک آدمی میرے ساتھ ہوگیا راستہ بھر میری خدمت کرتا رہا جب کوئی اسٹیشن آتا تو وہ فوراً اترکر پانی لاتا اور مجھے وضو کراتا اسی طرح راستہ بھر معاملہ رہا جب سہارن پور پہنچا اور وہ مجھ سے رخصت ہونے لگا اسکو معلوم ہوا تھا کہ میں حج کو جارہا ہوں تو کہا کہ آپ وہاں جارہے ہیں میرے لیئے دعار کیجئے گا کہ میں مقرر ہوجاؤں میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اگر اس کو دعار ہی کرانی تھی تو اس بات کی دعار کراتا کہ "علم آجائے اس پر عمل کی توفیق ہو، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو" خیر چونکہ اس نے میرے ساتھ احسان کیا تھا اس سلئے میں چپ رہا اور وہاں پہونچکر اسکے لئے دعار کردی

پھر بعد میں معلوم ہوا کہ تھوڑے سے ہی دنوں بعد مقرر ہونے سے پہلے اسکا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بدنیتی کا ایک بڑا سبب

اصل میں فتور نیت کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ عام طور پر یہ لوگ دیکھتے ہیں کہ جو شخص مقرر ہوتا ہے اور اسکو بولنے کی مشق ہو جاتی ہے وہ بہت سے لوگوں کو اپنی تقریر سے گھیر لیتا ہے بس اسی کو مقصود سمجھ لیتے ہیں حالانکہ احادیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں چنانچہ ابن ماجہ میں ہے عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ اَوْ لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِيَصْرِفَ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ فَهُوَ فِي النَّارِ یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص علم اس لئے حاصل کرے کہ سفہاء اور جہلاء سے جدال کریگا یا علماء کے ساتھ مباہات اور تفاخر کرے گا یا لوگوں کے چہروں کو اپنی طرف پھیرے گا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

اسی طرح دوسری روایت میں ہے کہ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ لِتُبَاهُوْا بِهِ الْعُلَمَاءَ وَلَا لِتُمَارُوْا بِهِ السُّفَهَاءَ وَلَا تَخَيَّرُوْا بِهِ الْمَجَالِسَ فَمَنْ فَعَلَ ذَالِكَ فَالنَّارُ النَّارُ (ابن ماجہ)

یعنی حضرت جابر ابن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علم اس لئے مت سیکھو تاکہ علماء سے تفاخر کرو اور نہ اس لئے تاکہ سفہاء اور جہلاء سے جدال کرو اور نہ اسلئے تاکہ اسکے ذریعہ مجالس کو جمع کرو پس جو شخص ایسا کرے کا اسکا ٹھکانہ جہنم ہے اور میں پھر کہتا ہوں کہ اسکا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اب چونکہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کو چھوڑ دیا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ناراض ہوکر انکے رخ کو بدل دیا ہے اور ہم لوگوں کی برائی آپ کے دلوں میں ڈالدی ہے چنانچہ عالموں کی اور پیروں کی سب سے زیادہ برائی میں نے اپنے کانوں سے سنی ہے اس سے ہم یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب ہم نے اللہ تعالیٰ کی ناراضی اختیار کی ہے تب ہی تو تم کہہ رہے ہو اور ہمارا مطمح نظر جب آپ لوگ ہیں تب ہی تو آپ کا رخ بدل گیا ہے؟ ورنہ لوگوں نے بادشاہوں کی بھی پروا نہیں کی بلکہ انکو ڈانٹ تک دیا ہے تم کو کیا سمجھتے کہ تم کس کھیت کے تھوے ہو؟ اور تمھاری کیا مجال تھی کہ تم ذرا بھی لب کشائی کرسکتے لیکن بات یہ ہے کہ چونکہ مخلوق کے لئے ہم نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا اس وجہ سے اللہ تعالےٰ نے ہم سے مخلوق کو ناراض کردیا اور یہ شعر بالکل صادق آرہا ہے ؎

سارى دنيا كے ہوئے ميرے سوا ميں نے دنيا چھوڑدى جنكے لئے

امت مسلمہ محمدیہ ﷺ المشرب ہے

یہ گفتگو درمیان میں طویل ہوگئی اور یہ مضمون استطرادی (اور ضمنی تھا) اب مضمون سابق کی طرف عود کرتا ہوں جو آیتیں اسوقت میں نے آپکے سامنے پڑھی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لئے پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے کوئی بڑا پتھر رہا ہوگا اس میں بارہ گھاٹ ہوگئے، اس آیت میں مشرب کا ذکر ہے اسی پر کچھ کہنا چاہتا ہوں اور اس وقت ایک گھاٹ سے پانی پلانا چاہتا ہوں۔

سنئے قرآن میں مشرب کا ذکر بھی آیا ہے اور اسکی جمع مشارب آئی ہے اسکا بھی ذکر آیا ہے چنانچہ جہاں اللہ تعالیٰ نے جانوروں کا ذکر فرمایا ہے اسکے بعد فرماتے ہیں کہ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ یعنی جس طرح

جانوروں سے بہت سے منافع ہیں مثلاً گوشت، کھال، اون اور اسی قسم کے دیگر منافع، اسی طرح مشارب یعنی پینے کی چیز جو ان سے حاصل ہوتی ہے جیسے دودھ، گھی وغیرہ یہ بھی ایک خاص منفعت ہے اور مشرب کے لغت میں یہی معنی ہیں یعنی پینے کی جگہ اور ایک معنی مشرب کے وہ بھی ہیں جس کو عرف میں مشرب سے تعبیر کرتے ہیں مثلاً یہ کہ فلاں حنفی المشرب ہے یا شافعی المشرب، تو آپ بس اتنا ہی جانتے ہونگے لیکن صوفیاء کرام بھی ایک مشرب رکھتے ہیں اور اسی سے اللہ و اسکے معرفت کا پانی پیتے ہیں میں اس وقت آپکو اسی کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ جس طرح بنی اسرائیل کے لئے بارہ مشارب تھے اور انکے بارہ قبیلوں کے سرداروں نے اپنے لوگوں کو اپنا اپنا مشرب بتلا دیا تھا جس سے ہر آدمی نے اپنا اپنا مشرب جان لیا اس سے میں یہ استدلال کر رہا ہوں کہ وہاں تو بارہ گھاٹ تھے اور ان کے مختلف مشرب تھے اس لئے ان میں بہت اختلاف ہوا لیکن ہمارا مشرب ایک ہے ہم سب کے سب محمدی المشرب ہیں ہم ایک گھاٹ سے پانی پی رہے ہیں اور وہ مشرب وہی ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیتے ہیں یعنی توحید کا مشرب، سب سے بڑی توحید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور اسی سے آپ سیراب ہیں تو پھر جب ہم حضورؐ کے مشرب سے سیکھیں گے تو وہی مشرب ہمارا بھی ہوگا یعنی ہمکو بھی توحید حاصل ہوگی اور چونکہ وہی آپ کا مشرب ہے لہٰذا رسالت بھی اسی میں آگئی یعنی ہمارا مشرب توحید و رسالت دونوں ہی ہیں اور یہی دونوں اصل ہیں جب ان دونوں کو چھوڑ دوگے تو دین بس نام ہی نام کو رہ جائے گا جیسا کہ اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ شریعت موجود اور پھر اختلافات موجود آخر یہ اختلاف کہاں سے آیا؟ اس کا اصل سبب یہی ہے کہ قوم اپنے مشرب (اور اصل گھاٹ)

ہٹی ہوئی ہے اور جب سب کا ایک گھاٹ نہیں رہے گا تو اختلاف
را ہوا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا
یَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ
ا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ یعنی بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا
گروہ گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں بس انکا معاملہ
رکے حوالہ ہے، پھر انکو انکا کیا ہوا جتلا دیں گے۔

جب ساری امت محمدی المشرب ہے تو سب کو ایک ہی گھاٹ
سے پینا چاہیئے۔ جب مختلف مشارب ہوں گے تو اسکا لازمی نتیجہ
لاف ہونا ہے یہ کہہ رہا ہوں کہ حضورؐ نے تو ایک مشرب بنایا ہے لیکن
س پر آنا نہیں چاہتے ہوا سلئے کہ یہ مشکل ہے کیونکہ اسکے سلئے بڑی
ب کی ضرورت ہے اور اسکے ساتھ سمجھ کی ضرورت ہے اور سب سے
کر مرشد کامل کی رہبری کی ضرورت ہے۔ بات تو صاف ہے مگر چونکہ
ں بدل گئی ہے اسلئے سمجھ میں آنا مشکل ہے جب کام بگڑ جاتا
ہے اور مختلف طریقے ہو جاتے ہیں اور قوم اپنے مرکز سے دور
چکی ہوتی ہے تو پھر سب کو ایک مرکز پر لانا دشوار ہو جاتا ہے جب تک
لد تعالیٰ کی تائید شامل حال نہ ہو اس وقت تک سب کو ایک مرکز پر
مع کرنا بڑا مشکل ہے یہ کام نہ تو عقل سے ہو سکتا ہے اور نہ فہم اور
ہری تدبیر سے، دنیا میں محض اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور توفیق ہی سے
نہ ملتا ہے ورنہ جب تک اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور توفیق شامل حال نہ ہو تو طغیان میں بھٹکتے ہی
ہتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَفِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ یعنی
گ اپنے طغیان میں بھٹکتے ہی رہتے ہیں۔ اسلئے اللہ تعالیٰ ہی سے
یت اور توفیق کبلی طلب کرنا چاہیے اور صحیح راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔

مکتوبات اصلاحی

(مکتوب نمبر ۱۵۸)

حال: حضرت والا کے فتحپور نہایت فاتحانہ انداز سے تشریف لیجانے کے مژدہ سے بہت ہی خوشی حاصل ہوئی تھی اور اب تک باقی ہے اور انشاء اللہ اس قسم کی خوشیاں تادم آخر باقی رہینگی ؎

بازگو از نجد و از یاران نجد تا در و دیوار را آرے بہ وجد

(ذرا نجد و یاران نجد کے حالات پھر سے بیان کرو تاکہ در و دیوار کو وجد و کیف میں لاؤں)

یادِ یاراں یار را میموں بود خاصہ کاں لیلیٰ وایں مجنوں بود

(دوستوں کی یاد ایک دوست کے لئے بڑی مبارک ہوتی ہے بالخصوص جبکہ وہ دوست لیلیٰ یعنی محبوب ہو اور یہ یاد کرنے والا مجنوں یعنی عاشق و محب ہو)

مولانا جامی صاحب سے درخواست کی تھی کہ دلی اشتیاق ہے کہ اس سلسلہ کی تفصیل معلوم کروں تو انھوں نے جواب دیا کہ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ یہ نظارہ بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ کبھی کسی وقت خود تفصیلات معلوم کرلوں تو تجھے بھی لکھوں گا دل چاہتا ہے کہ وہاں کے فتحپوراسے متعلق تفصیلات معلوم کرلوں۔ حضرت والا میرے حال کے مناسب خیال فرماتے ہوں تو محترمی قاری صاحب کو فرما دیجئے تو بندہ نوازی ہوگی۔

تحقیق: تفصیل معلوم کر کے کیا کیجئے گا جتنا سمجھ میں آگیا وہ کیا کم ہے؟

حال: وسوسے فتح مکہ معظمہ سے بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کے قلوب میں جو ہونے لگے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس قسم کے

ہوتے ہیں ان سے پریشان رہتا ہوں۔

تحقیق: التفات نہ کیجئے ذاک صریح الایمان (یہ تو صریح ایمان ہے) وارد ہے

حال: حق تعالیٰ سے دلی دعاء ہے کہ ؎

ساعدش مسکن ایں باز باد

تا ابد بر خلق ایں در باز باد

(بادشاہ کی کلائی اس باز کا جائے قیام رہے ہمیشہ یہ دروازہ (بابِ فیوض و برکات) مخلوق خدا پر کھلا رہے)

حضرت والا دعاء فرماویں کہ حق تعالیٰ ہم ناکاروں کے حال پر رحم فرمادیں۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

حال: حضرت والا نے ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب (انگریزی بی اے کے طالبعلم) کے متعلق جو کچھ فرمایا اس سے میں نے یہی سمجھا ہے کہ حضرت والا انکے اندر فکر پیدا کرنے اور ماضی کی پوری طرح تلافی کہ پھر اس قسم کی بیفکری اور بے توجہی نہ ہونے پاوے اسکے لئے یہ حکمت اور مصالح آمیز فرمان جاری فرماتے ہیں کہ اب بھی اگر طلب صادق ہے تو کسی طرح سے نہیں ہٹیں گے اور آئندہ کے لئے بصیرت کے ساتھ رہیں گے پھر ایسا نہ کرینگے ورنہ یہ بھی ایک قسم کا کھیل اور مذاق ہوگا کہ چار دن جوش ہوا تو کچھ لکھ لیا پھر جوش نہ رہا تو اسی پرانے طریقے کی طرف چلدیئے۔

تحقیق: اور کیا۔

حال: چار پانچ دن ہوئے انھوں نے حضرت والا کی خدمت میں، ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ خط روانہ کردیا ہے والانامہ تو مجھے کل ہی ملا، حضرت کی طرف سے جو ارشاد انکے خط کے جواب میں ہوگا اسکو دیکھکر مذکورہ بالا باتیں مناسب معلوم ہوں تو حضرت والا ارشاد فرماویں انکو سمجھاؤں گا۔

تحقیق: بھائی سمجھائیے مجھکو معاف کیجئے، فرصت نہیں ہے۔

(مکتوب نمبر ۸۱۶)

حال: بعد سلام مسنون کے عرض ہے کہ بندہ حضرت مولانا تھانویؒ کے عقیدت مندوں میں سے ہے۔ تحقیق: مبارک ہو۔

حال: کچھ عرصہ قبل ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تھانہ بھون حضرت کی خدمت میں بیعت کی غرض سے گیا ہوں اور اسکا افسوس ہے کہ اب تک کیوں نہیں گیا۔ اتنی دیر کیوں کی؟ اسکے بعد کیا ہوا کچھ واضح طور پر یاد نہیں رہا۔

بہرحال اسی وقت سے ارادہ تھا کہ آپ کی خدمت میں رجوع کروں گا مگر مصروفیات کی وجہ سے موقع نہ مل سکا۔

تحقیق: خواب منجانب اللہ ہدایت ہے کہ آپ کو حضرتؒ کے طریق سے مناسبت ہے اور اس سے فیض ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

حال: میرا تعلق جماعت اسلامی ہند سے بھی ہے اور دین کے تقاضوں کے تحت اس تعلق کو قائم رکھنا ضروری بھی سمجھتا ہوں۔ البتہ جہاں تک تزکیۂ نفس کا تعلق ہے میرا خیال اور اب تک کا تجربہ یہ ہے کہ میں خود یہ کام نہیں کرسکتا اور مقامی جماعتی رفقاء میں سے کسی رفیق کو اپنے لئے نمونہ بھی بنا کر یا اسکی ہدایات پر عمل کر کے بھی اس کام کو انجام نہیں دیسکتا اسی وجہ سے بار بار نگاہ جاتی ہے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء پر۔

تحقیق: آپ کے خلوص سے بہت خوش ہوا۔ اب عرض کرتا ہوں کہ تزکیہ نفس کا رذائل اخلاق سے ہوتا ہے یعنی انکو دور کیا جاتا ہے اور رذائل اخلاق بہت ہیں ان میں سب سے بڑا حُبِّ غیر اللہ ہے اگر اس سے تزکیہ ہوجائے اور اسکا طریق حب اللہ پیدا کرنا ہے تو پھر اور رذائل سے

بسہولت نجات ہوجاتی ہے ؎

ہر اکرا جامہ زعشقے چاک شد   او زحرص وعیب کلی پاک شد

(جس کا جامہ عشق کے غلبہ سے چاک ہوگیا وہ حرص وطمع اور تمام عیوب باطنی سے بالکل پاک و صاف ہوگیا)

مشائخ کے یہاں اللہ تعالیٰ سے محبت کے طریقے بیان کئے جاتے ہیں طالبین کا کام ہے ان کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا امید ہے کہ آپ سمجھ گئے ہوں گے۔

(مکتوب نمبر ۸۱۷)

حال: حضرت والا کی خدمت سے واپسی کے بعد خیال یہ تھا کہ عید اضحیٰ کی تعطیل فتحپور میں گذاروں گا لیکن اس وقت محلہ کی مسجد کی تعمیر ہورہی ہے جس کی زیادہ تر ذمہ داری میرے اوپر ہے اسلئے حاضر نہ ہوسکا جسکا انتہائی قلق ہے پھر لبعض اور عوائق اور موانع ہیں جنکی وجہ سے ہفتہ عشرہ حاضری میں تاخیر ہوگی جناب والا سے گذارش ہے کہ زحمت فرماکر مجھے اطلاع فرمائیں کہ فتحپور میں کب تک قیام کا ارادہ ہے۔ دوسری گذارش یہ ہے کہ تشویش قلب و دماغ کے لئے کوئی روحانی تدبیر تجویز فرمائیں۔ میری طبیعت میں غصہ کبھی بہت ہے خاص طور پر شرعی معاملات میں غصہ اپنی حد سے زیادہ تجاوز کر جاتا ہے اور یہ کبھی میرے دل و دماغ کی تشویش کا باعث بنتا ہے۔ ادھر دو سال سے ہر روز یہ خیال ہوتا ہے کہ ملازمت ترک کرکے اپنے گاؤں غازی پور میں چلا جاؤں اور وہاں دال روٹی جو میسر آسکے اسی پر زندگی گذاروں مگر صرف دیہات کی جہالت مانع ہوتی ہے ورنہ خدا کا شکر ہے کہ دنیا کی ایک پرکاہ کے برابر کبھی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ میں اپنے قلب و ذہن کے خلفشار کا بیان بالکل نہیں کرسکتا یوں تصور فرمائیں

کہ دنیا کی کسی چیز سے نہ تو کوئی دلچسپی معلوم ہوتی ہے نہ کوئی خواہش ہے
جناب والا سے گذارش ہے کہ اس تشویش و خلفشار میں توازن پیدا کرنے
کی کوئی سبیل نکالیں۔

تحقیق: آپ نے لکھا ہے کہ خیال تھا کہ عید اضحیٰ کی تعطیل فتحپور گذاروں لیکن محلہ کی مسجد تعمیر ہو رہی ہے اسلئے آ نہ سکا، یہ کلی دریافت فرمایا ہے کہ فتحپور کب تک قیام رہے گا، دوسری گذارش ہے کہ تشویش قلب و دماغ کیلئے کوئی روحانی تدبیر تجویز فرمائیں تحریر ان مسائل کے لئے حاوی و کافی نہیں ہو گی زبانی کسی موقع پر کچھ عرض کر سکتا ہوں، صرف اتنا کہتا ہوں کہ اخلاق رذیلہ باطنہ کی اصلاح، فلاح دارین کا موجب ہے مَنْ شَاءَ فَلْيُجَرِّبْ (جسکا جی چاہے تجربہ کرلے) فتحپور قیام گرمی بھر تو ضرور رہیگا۔ فقط۔ والسلام

(مکتوب نمبر ۸۱۸)

حال: آپ کی غیر موجودگی سے ہم لوگ یہاں ایک بہت بڑی کمی محسوس کرتے ہیں لیکن "صاحب امر" کی حیثیت سے آپ کو کلی اختیار ہے کہ آپ جہاں چاہیں رہیں لیکن الہ آباد کو فراموش نہ فرمائیں۔

جو دینی ماحول آپکی موجودگی سے الہ آباد میں پیدا ہوا ہے وہ الہ آباد کی تاریخ کا ایک درخشاں باب ہے۔

تحقیق: دینی ماحول ہی تو چاہتا ہوں اب تو گذر ہم لوگوں کا بغیر اسکے مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر جگہ یہ ماحول پیدا کر دے۔ آمین۔

(مکتوب نمبر ۸۱۹)

حال: عاجز پریشاں حال نے ایک نا تمام سا عریضہ پیشتر ازیں ارسال کیا ہے جو ملا ہوگا میرا علاج کامیاب نہیں ہوا اب عید بعد واپسی کا ارادہ ہے اس لئے گھر کا پتہ

پیش خدمت ہے۔

حضرت والا کا جو مکتوب شریف عاجز کو دستیاب ہوا وہ بالکل خلاف توقع مضمون پر مشتمل ہے میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی ایسا وقت کبھی آئے گا یا حضرت کیطرف سے کبھی بھی اس قسم کا مضمون صادر ہونے کا امکان تک بھی ہے شاید عاجز کو حضرت سے ارتباط کے سلسلے میں کچھ ناز ہو چلا تھا اسی لئے قدرت نے میرا غرور توڑنے کو یہ صورت پیدا کردی ہو، واللہ اعلم ؎

ہوگیا تھا پھر بہاروں کو غرور آگیا دورِ خزاں اچھا ہوا

آمدم بر سر مطلب مختصراً یہ عرض ہے کہ عاجز یک رنگ او یک در گیر پر عمل پیرا ہے رہ گئے میرے حالات تو یہ کوئی آج کی بات نہیں ہے عرصہ سے میرے معاملات۔ اور حالات اسی قسم کے ہیں، تعلقات کی کثرت اور ہر طبقہ سے میل وجول، الفت و انس اور خط وکتابت کا سلسلہ ایک پرانا مشغلہ ہے یوں اخلاقی تعلقات کی کمی نہیں مگر خصوصی تعلق تو صرف حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہی نصیب ہوا اور اب حضرت کا وجود گرامی پیش نظر ہے۔

میرے میل جول اور تعلقات مفید صورت میں ہیں میرے لئے تو شاید کوئی فائدہ ہے یا نہیں لوگوں کے لئے ضرور ہے کم از کم عقائد لوگوں کے صحیح ہو جاتے ہیں میں نے آج تک کوئی بات تحدیث نعمت کے سلسلہ میں حضرت کے سامنے پیش نہیں کی یہ خیال رہا کہ نفس کی آمیزش ہو جاتی ہے اور انسان اپنی تعریف خود کرنے لگتا ہے آج مختصراً دو باتیں حقیقت حال اور تحدیث نعمت کے طور پر عرض کروں گا تاکہ جناب والا کو میرے متعلق نظر ثانی کا موقع مل جائے۔

میرے مخدوم! میں ہمدرد اور خدمت گذار طبیعت کا آدمی ہوں لوگ میرے ساتھ بہت انس کرتے ہیں اور میرے تعلقات بھی انس ہی تک محدود ہیں زیادہ ارتباط کہیں نہیں ہوتا ہے اور ان کے عقائد پر اچھا اثر پڑتا ہے، کوئی شیخ میرے دل پر اثرانداز نہیں ہوا سب بیچارے خود اصلاح کے قابل ہیں، کشف وکرامت کسی کا

میرے نزدیک کوئی اہم چیز نہیں مطلب یہ کہ سب سے اخلاقی تعلق ہے کوئی پیری مریدی کا تعلق نہیں ہے۔ قدرت نے میری تقریر میں کچھ اثر رکھا ہے کہ ناممکن ہے کہ میری تقریر کسی جگہ ہو اور سامعین میرے ہمخیال نہ بن جائیں، مجھے جلسوں میں بلایا جاتا ہے اور بعض جگہ میری تقریر کو ناکامیاب بھی بنانے کی کوشش کیجاتی ہے وجہ یہ ہے کہ پہلے مقررین کی تقریر کا اثر زائل ہو جاتا ہے اور میری تقریر دلنشین ہو کر ایک انقلاب پیدا کر دیتی ہے اور سامعین کے دلوں میں حضرات دیوبند کی محبت وعظمت پیدا کر دیتی ہے، بس اور کوئی بات نہیں۔ یہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میرے تعلقات کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی پسند فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں کے لئے تعلق اور تقریر یہ دونوں مفید ہیں۔

میں نے یہ بک بک صرف اس لئے کر ڈالی ہے کہ حضرت والا میرے تعلقات کے متعلق پیدا شدہ صورت حال کا اچھی طرح جائزہ لے سکیں خدا جانتا ہے اپنی تعریف مقصود نہ تھی، ہاں نفس کے مکر گہرے ہیں ان الفاظ میں بھی کوئی رنگ بھر دیا ہو تو کیا تعجب ہے؟

اپنے کو نالائق سمجھتا ہوں یہ اللہ کا احسان ہے۔ جنکا ذکر کر دیا ہے جس رنگ میں کیا ہے وہ حضرت کے سامنے ہے صرف یہ عرض ہے کہ مشائخ اور دیگر مخلوق کے تعلقات نہ مضر نہ مانع، اور یکسوئی اور یک رنگی اور یک درگیری مجھے حاصل ہے الحمد للہ وہ حضرت والا ہی کا آستانہ مبارک ہے۔

تحقیق: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مخلوق کو جب آپ سے نفع ہے اور آپ کو کسی قسم کا ضرر بھی نہیں ہے تو نفع پہونچایئے خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاس (بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہونچائے) اب اس میں تردد ہی کیا باقی ہے۔ والسلام۔

[redacted]

خطبہ نکاح کی اہمیت

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ - امابعد - ابھی انشاء اللہ پرمسرت تقریب کا آغاز ہونے والا ہے جسمیں تقریب کے دولہا دلہن انشاء اللہ نکاح مسنون کے رشتہ میں منسلک ہونے والے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ انکے لئے اس رشتے کو مبارک فرمائے - آمین

شادی کی تقریبات

مجھ سے فرمائش کی گئی کہ نکاح پڑھانے سے پہلے کچھ گزارشات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں اگرچہ شادی بیاہ کی تقریبات آج کل کے ماحول کے لحاظ سے کسی وعظ ونصیحت کی مجلس کے لئے موزوں نہیں لیکن تقریب کو منعقد کرنے والے حضرات کی فرمائش ہے کہ اکثر حاضرین بھی اس موقع پر کوئی دین کی بات سننا چاہتے ہیں اسلئے تعمیل حکم کی خاطر چند کلمات آپ حضرات کی خدمت میں عرض کرتا ہوں -

خطبہ نکاح کی تین آیات

ابھی انشاء اللہ نکاح کے خطبے کا آغاز ہوگا اور یہ خطبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے نکاح بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ :-

اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِی نکاح میری سنت ہے (ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب ماجاء فی فضل النکاح، حدیث نمبر ۱۸۵)

شرعی اعتبار سے تو نکاح دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول سے منعقد ہوجاتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے لئے جو مسنون طریقہ مقرر فرمایا وہ یہ ہے کہ ایجاب قبول سے پہلے ایک خطبہ دیا جائے - اس خطبہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی حمد ہوتی ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جاتا ہے اور عموماً قرآن کریم کی تین آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

نکاح کے موقع پر یہ تین آیتیں تلقین فرمائیں کہ نکاح کے خطبہ میں ان آیات کی تلاوت کی جائے۔ سب سے پہلے سورۂ نساء کی پہلی آیت تلاوت کیجاتی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝ (سورۂ نساء : ۱)

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ : اے لوگو! اپنے اس پروردگار سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا (یعنی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے) اور اسی جان سے اسکی بیوی کو پیدا کیا (یعنی حضرت حوا علیہا السلام کو) اور ان دونوں (آدم وحوا) کے ذریعہ دنیا میں بہت سے مرد وعورت پھیلا دیئے (کہ ساری دنیا کی آبادی انھیں دو مقدس میاں بیوی کی اولاد ہیں) اور اس سے ڈرو جس کے نام کا واسطہ دیکر تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق کا) مطالبہ کرتے ہو (جب کسی کو دوسرے سے اپنا حق مانگنا ہوتا ہے تو وہ اکثر اللہ کا واسطہ دیکر مانگتا ہے کہ خدا کے واسطے میرا یہ حق دے دو) اور رشتہ داریوں (کے حقوق) سے بھی ڈرو (یعنی اسکا خیال رکھو کہ رشتہ داریوں کے حقوق پامال نہ ہونے پائیں) اور اللہ تعالیٰ تمھارے اعمال وافعال پر نگراں ہیں (وہ دیکھ رہا ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور کیا کر رہے ہو)

یہ پہلی آیت ہے جو خطبۂ نکاح میں تلاوت کیجاتی ہے دوسری آیت سورۂ آل عمران کی ہے وہ یہ ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝ (سورۂ آل عمران ۱۰۲)

(اسکا ترجمہ یہ ہے کہ :۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو (جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے) اور تم نہ مرو (موت نہ آئے) مگر اس حالت میں کہ تم اللہ کے فرمانبردار ہو۔

تیسری آیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ نکاح میں تعلیم فرمائی وہ یہ ہے کہ:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝

(سورۃ الاحزاب : ۷۰، ۷۱)

اسکا ترجمہ یہ ہے کہ :۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور (سیدھی) سچی بات کہو (اگر اللہ سے ڈروگے اور سیدھی سچی بات کہنے کی عادت ڈالوگے) تو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کو قبول فرمالیں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمادیں گے ۔ جو شخص اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریگا تو وہ بڑی کامیابی حاصل کرے گا ۔

تینوں آیتوں میں مشترک چیز

یہ تین آیتیں ہیں جو حضور نبی کریم سرورِ دو عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ نکاح کے موقع پر پڑھنے کی تعلیم دی ان تینوں میں جو چیز قدرِ مشترک نظر آتی ہے اور جس کا حکم تینوں آیتوں میں موجود ہے وہ ہے "تقویٰ اختیار کرنا" تینوں آیتوں کا آغاز اس حکم سے ہو رہا ہے کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو" یہ عقد نکاح کے موقع پر جو حکم دیا جارہا ہے اور خاص طور پر تقویٰ اختیار کرنے کی تاکید کیجارہی ہے اور اسکو بار بار دہرایا جارہا ہے اسکی کیا وجہ ہے ؟ یوں تو انسان کو دنیا اور آخرت دونوں کو سنوارنے کیلئے تقویٰ ایک لازمی شرط ہے جس کے بغیر انسان دنیا اور آخرت میں صلاح و فلاح حاصل نہیں کرسکتا

تقویٰ کے بغیر حقوق ادا نہیں ہوسکتے

لیکن خاص طور سے نکاح کا رشتہ ایک ایسی چیز ہے کہ اسکے حقوق اور اسکی برکات اس وقت تک حاصل نہیں کیجا سکتیں جب تک دونوں فریقوں کے دل میں اللہ کا خوف نہو تجربہ اس بات پر گواہ ہے کہ اگر دلوں میں اللہ کا خوف نہ ہو، اللہ کے سامنے جوابدہی کا احساس نہ ہو اور اس بات کا ادراک نہ ہو کہ ایک دن ہمیں اللہ جل شانہ، کے حضور حاضر ہوکر اپنے ایک ایک

قول وفعل کا جواب دینا ہے اس وقت تک صحیح معنیٰ میں ایک شخص دوسرے شخص کا حق ادا نہیں کرسکتا نہ شوہر بیوی کا حق ادا کرسکتا ہے نہ بیوی شوہر کا حق ادا کرسکتی ہے نہ ایک رشتہ دار دوسرے رشتہ دار کا حق ادا کرسکتا ہے نہ دوست دوست کا حق ادا کرسکتا ہے، یہ حق ادا کرنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ دلوں میں اللہ کا خوف ہو اور اللہ کے حضور حاضر ہوکر جوابدہی کا احساس ہو ورنہ محض قانون کے ذریعہ محض محکموں اور عدالتوں کے ذریعہ حقوق نہیں دلائے جاسکتے جب تک کہ حق دینے والے کے دل میں اس بات کا احساس نہ ہو کہ اگر میں نے دوسرے کا حق مارلیا تو شاید میں عدالت اور قانون سے بچ جاؤں لیکن میں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوکر جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کیطرف سے جو عذاب ہوگا اس سے بچنے کی مجھے آج ہی تیاری کرنی ہے اور اس سے بچاؤ کا سامان کرنا ہے۔ جب تک یہ احساس دلوں میں پیدا نہ ہو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

تین آیتوں کی تلاوت سنت ہے

اسلئے خاص طور پر اس نکاح کی تقریب کے موقع پر جو خطبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع فرمایا ہیں ان تین آیتوں کو مقرر فرماکر تقویٰ کی تاکید فرمائی یوں تو ہر انسان جب مسلمان ہوتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور تقویٰ کا عہد کرتا ہے

نئی زندگی کا آغاز

لیکن یہ موقع زندگی کا ایک دورا ہا ہے جس میں ایک نئی زندگی کا آغاز ہورہا ہے، زندگی میں ایک انقلاب آرہا ہے اس وقت میں تقویٰ کے اس عہد کو دوبارہ تازہ کریں اور اسکی تجدید کریں تو ان تین آیتوں کو تلاوت کرنے کا درحقیقت یہ مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو ہمیں صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس موقع پر تقوے حاصل کرنے کی فکر اور اسکی کوشش کو تازہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

کمالات اشرفیہ

(۵۳)

(۱۲۳) فرمایا کہ اعظم گڈھ میں میں نے جو تعظیم علمار کی دیکھی وہ کہیں کبھی نہیں دیکھی اہل علم کو دیکھکر لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں حتیٰ کہ ہنود بھی، میں ایک راستہ سے گذرا درمیان میں سرکاری مدرسہ آیا تو مجھے دیکھکر لڑکے اور مدرس سب کھڑے ہوگئے حتیٰ کہ ہندو لڑکے اور مدرسین بھی، ان لوگوں کا یہ برتاؤ دیکھکر گذرتا چلا جانا اچھا نہ معلوم ہوا میں وہاں رکا اور ان سب سے ملا لوگوں نے مصافحے کئے میں مدرسین سے ایک ایک سے ملا حتیٰ کہ ہندوؤں سے بھی اور مزاج پرسی وغیرہ کی بڑے خوش ہوئے اور ان پر بڑا اثر ہوا، مجھے تعجب ہوا کہ اس قدر متاثر کیوں ہوئے اسکے بعد معلوم ہوا کہ یہاں علمار کا گذر اکثر رہتا ہے کیونکہ لوگ قدر کرتے ہیں مگر ان بندگان خدا کا طرز عمل یہ ہے کہ رستہ میں گذرتے ہیں لوگ ہندو مسلمان انکو سلام کرتے ہیں اور کھڑے ہوجاتے ہیں مگر وہ کسی کا سلام نہیں لیتے نہ کسی سے بات کرتے ہیں منہ چڑھائے ہوئے چلے جاتے ہیں اور اسکو اچھا سمجھتے ہیں کہ یہ علم کی شان ہے اور ہر کس وناکس سے بات کرنا علم کو ذلیل کرنا ہے حتیٰ کہ سنا کہ ایک غیر مذہب والے نے کسی مولوی کے وعظ میں بیٹھنا چاہا مولوی صاحب نے ڈانٹ بتائی کہ نکالو اس مردود و ملعون کو یہ وجہ تھی میرے اس ذرا سے نرم برتاؤ سے اسقدر متاثر ہونے کی کہ آج انکو بالکل نئی سی بات معلوم ہوئی کہ مولوی ایسے بھی ہوتے ہیں پہلے تو سب بھیڑیئے ہی دیکھے تھے۔

ف: اس سے حضرت اقدس کی تواضع ورفق وحسن اخلاق صاف ظاہر ہے۔

(۱۲۴) فرمایا جب اعظم گڈھ جانا ہوا تو وہاں ایک دستور دیکھا کہ لوگ آتے اور بڑے الحاح سے کہتے کہ ذرا دیر کے لئے ہمارے گھر تبرکاً تشریف لے چلئے میں نے کہا بہت اچھا جب ایک شخص کے گھر

پہونچا تو اس نے بڑی خاطرداری سے بٹھایا اور پان، اور دو دو روپئے پیش کئے، میں نے کہا یہ کیا؟ کہا یہ حضور کا حق ہے ہمارے ہاں رواج ہے کہ کسی عالم کو خالی نہیں پھیرتے۔ میں سمجھ گیا کہ تبرک اور تیمن تو برائے نام ہے یہ لب لباب ہے بلانے کا، ان گشتی مولوی صاحبان کی ترکیبیں ہیں کہ اپنے مطلب کی رسمیں باندھ رکھی ہیں اور میں نے کہا کیا واہیات ہے یہ بھی تو رسم ہی ہوئی رسوم کچھ شادی بیاہ کی رسموں کا نام نہیں ہے ہر التزام مالا یلزم رسم ہے، میں ہرگز نہ لوں گا صاحب خانہ نے بہت اصرار کیا کہ میری دل شکنی ہوگی اور یہ تو ہدیہ ہے اسکا قبول کرنا سنت ہے میں نے کہا اگر ہدیہ ہے تو اسکا دینا وہاں بھی ممکن تھا جہاں میں ٹھہرا ہوا ہوں، یہ صرف رسم اور اپنا کرم دکھلانا ہے کہ ہم عالم کو خالی نہیں جانے دیتے اس میں اور خرابیوں کے علاوہ ایک یہ بھی خرابی ہے کہ اگر کوئی غریب آدمی مجھے بلانا چاہے تو کیا کرے تو گویا تبرک بھی امیروں ہی کو مل سکتا ہے اس صورت میں وہ تبرک ہی نہیں ہے جب میں نے وہ روپئے پھیر دیئے تو متعدد آدمی اس مجمع میں سے کھڑے ہوئے اور قسم کھا کر کہا کہ ہمکو غایت درجہ کا اشتیاق تھا کہ ہم بھی آپکو اپنے گھر لے چلیں مگر اس شرم کے مارے خاموش رہے کہ ہمارے پاس دینے کو نہیں ہے میں نے ان لوگوں سے کہا لیجئے اپنی ہی نظروں سے ان نامعقول رسموں کی خرابیاں دیکھ لیجئے، اور میں سب غرباء کے گھر گیا ان لوگوں کو کس قدر خوشی ہوئی اور اپنا بھی دل خوش ہوا۔

ف: اس سے حضرت والا کی حقیقت شناسی، رسم سے تنفر، استغناء، تطییب قلب مسلم صاف ثابت ہے۔

(۱۲۵) فرمایا کہ ایک مقام پر ایک شخص ایک رومال میں باندھکر دو سو روپئے لائے اور میرے سامنے رکھدیئے میں کہا یہ کیا ہے؟ کہا آپ کا نذرانہ

اور سفر خرچ، میں نے کہا آپ اپنے پاس سے دیتے ہیں یا چندہ سے کہا تمام بستی کے چندہ سے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ہر عالم کا ہم اپنے اوپر حق سمجھتے ہیں ہر شخص سے بقدر استطاعت وصول کرتے ہیں اور پیش کرتے ہیں۔ میں نے کہا یہ ہدیہ نہیں ہے غصب ہے جو مال بلا رضامندی وصول کیا جائے وہ مالِ سُحت (مالِ حرام) ہے۔ سب نے مل کر اصرار کیا کہ قبول کر لیجئے، میں نے کہا ہرگز نہ لوں گا اس میں بہت سے مفاسد ہیں۔ ایک موٹی سی بات یہ ہے کہ ہدیہ سے اصل غرض محبت کا بڑھنا ہے بہ دلیل تَهَادَوْا تَحَابُّوْا یعنی آپس میں ہدیہ دیا کرو کہ ایک دوسرے کے دوست بن جاؤ گے اور اس ہدیہ میں ایسے لوگوں کی بھی شرکت ہے کہ انھوں نے مجھے دیکھا تک بھی نہیں نہ کبھی میرا نام سنا تو کیا چیز بڑھے گی جسکی اصل ہے ہی نہیں۔ کہا یہ ہم آپکو یقین دلاتے ہیں کہ کسی نے ناخوشی سے نہیں دیا یہاں سب کو علماء سے محبت ہے۔ میں نے کہا اچھا اسکا امتحان یہ ہے کہ اسکو جس جس سے لیا ہے اسکو واپس کیجئے کہ سب نے جتنا جتنا دیا ہے وہ کم زیادہ کا کچھ خیال نہ کریں اپنا اپنا ہدیہ خود لیکر چلیں میں سب سے لے لوں گا اسی طرح ان سے ملاقات بھی ہو جاوے گی پھر ہدیہ موجب محبت ہو جاویگا اسکا ان کے پاس کچھ جواب نہ تھا وہ رقم لے گئے اور سب کو واپس کی پھر قسم کھانے کو ایک پیسہ بھی تو کوئی لیکر نہ آیا۔ میں نے کہا دیکھ لیجئے یہ چندہ جبر کے ساتھ تھا ورنہ اتنے دینے والوں میں سے کوئی تو اپنا ہدیہ لاتا! معلوم ہوا کہ ایک شخص نے بھی ہدیہ سمجھکر نہیں دیا صرف محصل کے دباؤ اور شرما حضوری سے اور ادائے رسم کے لئے دیا تھا ان ہی باتوں کو دیکھکر میں نے یہ مقرر کر لیا ہے کہ جب کوئی ہدیہ پیش کرتا ہے تو اس سے پوچھتا ہوں کہ تمھاری ماہواری آمدنی کیا ہے؟ اگر اس نے کہا تیس روپیہ

سے تو ایک روپیہ لے لیتا ہوں باقی واپس یعنی ایک دن کی آمدنی سے زیادہ نہیں لیتا ہوں ایک شخص کو جب یہ معلوم ہوا تو کہنے لگے اچھا ایک ہی دن کی آمدنی لے لیجئے مجھے زیادہ پر اصرار نہیں آپ کا کہنا کر دوں گا آج یہ لے لیجئے اور اور کل یا پرسوں تو پھر اتنا ہی لا دوں گا میں نے کہا نہیں دوبارہ دوسرے مہینہ میں لوں گا۔

ف : اس سے بھی حضرت والا کی حقیقت شناسی ، استغنار ، عقل، تجربہ اظہر من الشمس ہے

(۱۲۶) فرمایا کہ بھوپال کے ایک تحصیلدار صاحب میرے پاس آئے پچیس روپئے پیش کئے میں نے کہا کہ یہ بہت ہیں انھوں نے ہرچند اصرار کیا مگر میں نے دس روپئے لئے باقی واپس کر دیئے جب تحصیلدار صاحب چلے گئے تو ایک دوسرے شخص میرے پاس بیٹھے تھے جو تحصیلدار کے ہمراہ آئے تھے انھوں نے بیان کیا کہ جب ہم لوگ گھر سے چلے تو تحصیلدار صاحب نے اول نذرانہ کے لئے دس روپیہ نکالے مگر پھر کہا کہ یہ بہت تھوڑے ہیں میری شان کے بھی خلاف ہے اور حضرت کی شان کے بھی کم سے کم پچیس تو ہوں چنانچہ وہ پچیس ہی لائے قدرتِ خدا کہ آپ نے دس ہی لئے ۔ فرمایا حضرت والا نے کہ مجھے تو اسکا علم بھی نہ تھا میں شاید پانچ ہی لیتا اور بیس واپس کرتا مگر دس لینے کی وجہ یہ ہوئی کہ میں نے ایک روز پہلے اینڈھن قرض خریدا تھا جس کی قیمت دس روپیئے تھی صبح کو میں نے حق تعالےٰ سے دعا کی تھی کہ آج دس روپئے بھیجدیجئے تو یہ قرض ادا ہو جاوے جس وقت یہ پچیس روپیئے آئے تو میں نے کم ہی لینا چاہا مگر پھر حق تعالےٰ سے ڈر معلوم ہوا کہ کہیں گے ہم بھیجتے ہیں اور یہ لیتا نہیں اس واسطے میں نے دس لے لئے یہ حق تعالےٰ کا احسان ہے کہ کہ مجھے مالِ شُبہت (حرام) سے بچایا۔

ف : اس سے حضرت والا کی شان استغنا ، خشیت حق ، تائید ایزدی ثابت ہے ۔

(۱۲۷) فرمایا علی گڈھ جانا ہوا تو کالج والوں نے سائنس کے کمرہ کی بجلی سیر کرائی اور بجلی کے تصرفات دکھلائے تو قدرت کے کرشمے نظر آتے تھے کہ حق تعالیٰ نے کیا کیا چیز پیدا کی ہیں اور انسان کو سب پر غالب کیا ہے اسکے بعد میں نے وعظ میں اسکے متعلق بیان کیا کہ اہل سائنس اس برق کو دیکھکر جو یہ سمجھتے ہیں کہ بس آسمانی برق کی یہی حقیقت ہے تو میں کہتا ہوں کہ اسکے تصرفات کا تو انکار نہیں کیونکہ مشاہد ہیں شریعت نے مشاہدات کے انکار کا حکم نہیں کیا لیکن اہل سائنس کے پاس اسکی کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ بجلی اور آسمانی بجلی ایک ہی ہیں تو یوں کیوں نہ کہا جاوے کہ یہ بجلی دو قسم کی ہوتی ہے ارضی اور سماوی (یا قدرتی اور مصنوعی) ارضی وہ ہے جو صنائع خاصہ سے بن سکتی ہے جو یہ موجود ہے اور سماوی وہ جو شریعت میں ثابت ہے اور جس کی حقیقت سَوْطُ الْمَلَکْ (فرشتہ کا کوڑا) ہے ۔ اسکو کالج والوں نے بہت پسند کیا اس مجمع میں چند پروفیسر اور ماسٹر بھی تھے انکو تو بہت ہی حظ ہوا ۔

ف : اس سے حضرت والا کی قوت تطبیق و ذہن رسی معلوم ہوئی ۔

(۱۲۸) ایک شخص نے پوچھا ہم بریلی والوں کے پیچھے نماز پڑھیں تو نماز ہو جاوے گی یا نہیں ؟ فرمایا ہاں ہم انکو کافر نہیں کہتے اگرچہ وہ ہمیں کہتے ہیں ہمارا تو مسلک یہ ہے کہ کسی کو کافر کہنے میں بڑی احتیاط چاہئے اگر کوئی حقیقت میں کافر ہے اور ہم نے نہ کہا تو کیا حرج ہوا اور اگر ہم نے کافر کہا اور حقیقت حال اسکے خلاف ہے تو یہ بہت خطرناک بات ہے ہم تو قادیانیوں کو بھی کافر نہ کہتے تھے اور وہ ہمیں کہتے تھے ۔ ہاں اب جبکہ ثابت ہو گیا کہ وہ مرزا صاحب کی رسالت کے قائل ہیں تب ہم نے

کفر کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ یہ تو کفر صریح ہے اسکے سوا انکی تمام باتوں کی تاویل کر لیا کرتے تھے گو وہ تاویلیں بعید ہی ہوتی تھیں، ہم بریلی والوں کو اہل ہوا کہتے ہیں اور اہل ہوا کافر نہیں۔ حضرت والا کا یہ طرز عمل سلف کے موافق ہے کہ انھوں نے معتزلہ تک کو کافر کہنے میں احتیاط کی ہے اگرچہ انکے عقائد صریح کفر کے ہیں لیکن سلف نے احتیاطاً یہ اصول رکھا ہے لَا نُکَفِّرُ اَهْلَ الْقِبْلَۃِ (ہم اہل قبلہ (جو قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں) کی تکفیر نہیں کرتے) اور ان کے معاملہ کو حق تعالےٰ کے سپرد رکھا اور انکے اقوال کے لئے ایک کلی تاویل کر لی کہ متمسّک اپنا وہ بھی قرآن و حدیث ہی کو کہتے ہیں گو تمسک میں غلطی کرتے ہیں تو انکا کفر لزومی ہوا نہ کہ کفر صریح ایک مرتبہ حضرت والا سے یہی گفتگو ایک مولوی صاحب نے کی کہ ہم بریلی والوں کو کافر کیوں نہ کہیں۔ فرمایا کہ کافر کہنے کے واسطے وجہ کی ضرورت ہے نہ کہ کافر نہ کہنے کے لئے تو وجہ آپ بتلائیے کہ کیوں کہیں؟ مولوی صاحب نے بہت سی وجوہات پیش کیں اور حضرت والا نے سب کی تاویل کی گو بعید تاویلیں تھیں، بالآخر مولوی صاحب نے کہا کہ اگر کچھ وجہ نہ ہو تو کیا یہ کافی نہیں ہے کہ وہ ہم کو کافر کہتے ہیں اور یہ ثابت ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے والا کافر ہے۔ پس اگر ہم اپنے آپ کو مسلمان جانتے ہیں اور وہ ہم کو کافر کہتے ہیں تو ہم کو یہ بات ماننی چاہئے کہ کفر لوٹ کر انھیں پر پڑتا ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ ہمیں اپنے اسلام میں شک ہے فرمایا غایت سے غایت تمام دلیلوں کا نتیجہ یہ ہے کہ کفر لزومی ہے کفر صریح تو نہ ہوا پس اگر واقع میں کافر ہوں اور ہم نہ کہیں تو ہم سے کیا قیامت کے دن باز پرس ہوگی اور اگر ہم کافر کہیں تو کتنی رکعت کا ثواب ملیگا سوائے اسکے کچھ بھی نہیں کہ تضییع وقت ہے اور بھی کام بہت ہیں۔ رہا یہ کہ کافر نہ کہنا بغرض احتیاط ہے۔ مگر سوال نماز کے متعلق ہے اور اس کے لئے

شبہ تکفیر مسلم (یعنی یہ شبہہ کہ آیا یہ مسلم کافر ہے یا نہیں) کافی علت ہے عدم جواز اقتدار کی تو اَلْیَقِیْنُ لَا یَزُوْلُ بِالشَّکِّ اسکا جواب ہے
ف: اس سے حضرت والا کا تقوی اور احتیاط موافق طرز سلف ثابت ہوا۔

(۱۲۹) حضرت والا اور ایک خاص عزیز کے درمیان امور خانگی میں کچھ ناچاقی پیش آئی تو انھوں نے بہت لمبا چوڑا خط لکھا جسمین ان امور کا تذکرہ تھا اور کچھ جواب الزامی اور کچھ تحقیقی تھے، حضرت والا نے جواب لکھا کہ نہ مجھے مفصل جواب کی فرصت ہے نہ اس کی ضرورت، مناظرہ کرنا مقصود نہیں، صرف اس پر اکتفا کرتا ہوں کہ جو جوابات تم نے لکھے ہیں اگر وہ تمھارے نزدیک شرح صدر کے ساتھ تمھارے اس معاملہ کی صفائی کے لئے کافی ہیں جو خدا تعالے کے ساتھ ہے تو کسی کی خوشی ناخوشی کی پروا نہ کرو کیونکہ اصل دیانت ہے اور ہر معاملہ کی انتہا حق تعالیٰ پر ہوتی ہے جب حق تعالیٰ سے صفائی ہے تو اور کسی کی پرواہ نہیں ہیں تو کیا چیز ہوں میری خوشی ناخوشی کا اثر تم پر کیا پڑ سکتا ہے میں تو کہتا ہوں اگر کسی کا معاملہ فیما بینہ و بین اللہ صاف ہو اور اسکا شیخ جس سے وہ بیعت ہے وہ بھی ناراض ہو تب بھی پرواہ نہ کرنا چاہئے اور اسکو کچھ نقصان نہیں پہونچ سکتا کیونکہ شیخ معبود نہیں ہے بلکہ واسطہ الی المعبود ہے اور معاملہ عبد کا معبود کے ساتھ ہے۔ اور اگر تمھیں خود ہی ان جوابوں کی صفائی معاملہ مع اللہ کے لئے کافی ہونے کی نسبت شرح صدر نہو بلکہ یہ تحریر صرف مشق اور ذہانت ہو اور دل اندر سے تکذیب کرتا ہو تو ذرا اسکا خیال کر لینا کہ جو باتیں تمھارے ذمہ عائد ہوتی ہیں وہ حق اللہ ہیں یا حق العبد اور ان سے سبکدوشی بلا صاحب حق کے عفو کے ہو بھی

سکتی ہے یا نہیں؟ پھر فرمایا واقعی عزیزوں کے ساتھ جان کھپا دیں مگر بے کار۔

ف: اگر لوگ مناقشات خانگی کے وقت اسکی تقلید کریں یعنی ہر شخص معاملہ فیما بینہ و بین اللہ کی صفائی پر نظر رکھے تو مناقشات کی جڑ ہی کٹ جاوے اور عیشۃ نقیہ اور حیاۃ طیبہ نصیب ہو اور اسکی عمدہ تدبیر یہ ہے کہ جیسے نماز روزہ کے مسائل علماء سے پوچھتے ہیں ایسے ہی جب خانگی جھگڑا ہو علماء حقانی سے بصورت استفتاء اسکو دریافت کرلیں جو امر اللہ و امر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو اسکو تسلیم کرلیں انشاء اللہ ایسا سیدھا راستہ نکلے گا کہ متنا قضین خوش رہیں گے اور کسی کی حق تلفی کبھی نہ ہوگی اور اس وقت قدر معلوم ہوگی کہ شرعی قانون میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔

غرضیکہ اس قصہ سے حضرت کا شدت تعلق مع اللہ و صفائی معاملہ معلوم ہوا۔

شجاعت اور رحم عموماً متلازم ہوتے ہیں

ارشاد فرمایا کہ آجکل لوگوں نے ظلم وچوری اور بے رحمی کا نام شجاعت رکھ لیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جس شخص میں حقیقی شجاعت زیادہ ہوتی ہے اسمیں ضعیفوں پر رحم کبھی زیادہ ہوتا ہے بے رحمی اور سنگدلی کا مظاہرہ ان ہی لوگوں سے ہوتا ہے جن میں شجاعت نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں میں رحم و ترس نہیں جب مقابلہ پر آتے ہیں تو مخالف کے ساتھ ایسے برتاؤ کرتے ہیں کہ انسانیت لرز اٹھتی ہے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی شجاعت عطا فرمائی ہے تاریخ اسکی گواہ ہے کہ کمزور دشمن کبھی قبضہ میں آگیا تو اسکے ساتھ کبھی بے رحمی کا معاملہ نہیں کرتے۔

(مجالس حکیم الامت)

رَفعُ المَوانع

(۳)

فی الواقع شہرت بہت بری بلا ہے دین کے لئے تو مضر ہے ہی دنیا میں بھی اسکی بہت آفات ہیں۔ جیسے مولانا فرماتے ہیں ؎

خشمہا و چشمہا و رشکہا　　بر سرت ریزد چو آب از مشکہا

یعنی لوگوں کے غصے اور چشم بد اور غبطے و رشک تیرے سر پر اس طرح برستے ہیں جیسے مشکوں سے پانی گرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ بڑا بننا بہت مشکل ہے۔ آجکل کے بزرگ شاہ صاحب نہیں سیاہ صاحب ہیں، بزرگوں کی یہ شان ہوتی ہے جیسا ان بزرگ نے کیا کہ تمام سامان اس غریب کا واپس کرا دیا اور دعوت میں مسی روٹی پکوائی اور باوجود اسکے کہ اودھ میں تہذیب بہت ہے کہ جس کو تعذیب کہنا مناسب ہے لیکن انھوں نے کچھ پرواہ نہ کی اور وہی روٹی کھائی

تعظیم اور تہذیب ہمارے ان قصبات میں الحمدللہ ایسی تہذیب نہیں ہے سادگی ہے، برتاؤ میں، بات چیت میں ہر امر میں سادگی ہے۔ میرے پاس ایک گاؤں کا آدمی آیا کرتا تھا سلسلہ میں داخل تھا ایک مرتبہ مجھ سے کہنے لگا کہ ہمارے گاؤں میں ایک فقیر آیا کرتا ہے میں اسکا طالب ہو جاؤں میں نے اسکو دھمکایا اسلئے کہ وہ فقیر پابند شریعت نہ تھا ایک مدت کے بعد میں نے پوچھا کہ اب کس کے طالب ہو؟ سادگی سے کہنے لگا بس ابتو تیرا ہی پلہ پکڑ لیا ہے۔ مجھے اسکی زبان سے یہ بات ایسی اچھی معلوم ہوئی کہ میں نے اس سے کئی مرتبہ یہ ہی بات کہلائی۔ اودھ میں تو یہ بات ایسی ہے جیسے گولی ماردی اور تعظیم و تکریم کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی آجائے تو نصف قامت کھڑے ہو جاتے ہیں جیسے میاں جی لڑکوں کو سزا دینے کے لئے

کھڑے ہوجاتے ہیں ۔ مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ اودھ تشریف لے گئے تھے ۔ایک رئیس نے اسی طرح تعظیم کی مولانا نے انگوٹھا دکھایا اس نے کچھ نذر پیش کی مولانا نے منھ چڑھا دیا ، یہ انکی اس تعلیم و تہذیب مفرط کا رد تھا۔ اور اس قصہ میں یہ بھی ہے کہ جب وہ غریب مسی روٹی لایا اور ان امراء نے چاہا کہ شاہ صاحب کو یہ روٹی نہ کھانے دیں اور تہذیب کی وجہ سے یہ تو کہہ نہیں سکے کہ حضرت یہ روٹی نہ کھائیے بلکہ یہ کہا کہ حضور ہم بھی تبرک لیں گے تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ تمھارا مطلب سمجھ گیا ہوں ، بزرگ بھولے نہیں ہوتے ان کو اللہ تعالیٰ فراست اور عقل صحیح عطا فرماتے ہیں ، انبیاء میں کوئی بھولا نہیں ہوا اگر ایسے ہوتے تو مفسدوں کے مکر اور انکی چالوں سے کیسے واقف ہوتے انکے دھوکے میں آجایا کرتے ۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شان یہ تھی کہ قیصر کے یہاں جو ایک قاصد گیا تھا اس سے قیصر نے پوچھا کہ تمھارا خلیفہ کیسا ہے تو انھوں نے کہا انکی شان یہ ہے لایَخدَعُ وَلا یُخدَعُ یعنی وہ نہ کسی کو دھوکہ دیتے ہیں اور نہ کسی سے دھوکہ کھاتے ہیں قیصر نے یہ سنکر کہا کہ کسی کو دھوکہ نہ دینے سے معلوم ہوا کہ وہ بڑے دیندار ہیں اور دھوکہ نہ کھانے سے معلوم ہوا کہ وہ بڑے عاقل ہیں اور جس شخص کے اندر یہ دونوں صفتیں ہوں وہ کسی سے مغلوب نہ ہوگا ۔ اسی طرح ان صاحب نے حقیقت سمجھکر کہدیا کہ میں جانتا ہوں کہ تم لوگ یہ روٹی مجھکو نہ کھانے دوگے سو یاد رکھو میں کسی کو نہ دونگا اور وہ روٹی خود انھوں نے کھائی صرف ایک روٹی انکی درخواست پر دیدی اور یہ جو اس قصہ میں ہے کہ لوگوں نے جب پوچھا کہ حضرت اس میں کیا مصلحت تھی کہ آپ نے سب سامان واپس کرادیا تو انھوں نے فرمایا کہ تم دلوانے ہوئے ہو بیچارے کی پانچ روپیہ تو تنخواہ ہے اور وہ سب آج ہی اگر خرچ کردیتا تو تمام مہینہ بیچارہ تکلیف میں رہتا اور اسکے اہل وعیال کوستے اور بال بچے کہتے کہ

اپچھے بزرگ آئے نکلے کہ صفایا ہی کر گئے اور اس لئے مشائخ کو چاہیئے کہ اپنے متوسلین اور احباب کی رعایت کریں انکی وسعت سے زائد نذر قبول نہ کریں۔

طبعی راحت وکلفت

مگر اب ان اخلاق کو چھوڑ کر بزرگی اس میں رہ گئی ہے کہ وظیفہ میں بولنا انکے نزدیک حرام ہے اگر بولیں گے تو وظیفہ ٹوٹ جائے گا انکا وظیفہ کیا ہوا جولاہے کا تاگا ہے خدا جانے یہ مسئلہ کس نے تراشا ہے کہ وظیفہ میں بولنے سے وظیفہ ٹوٹ جاتا ہے جسکو خدا نے بولنے سے ٹوٹ جانے کو کہا ہے وہ تو ٹوٹ جاتی ہے جیسے نماز باقی کوئی شئے نہیں ٹوٹتی۔ سواب بزرگی اسکا نام رہ گیا ہے کہ جس شئے میں تنگی کرنا چاہیئے اسمیں تو وسعت کرتے ہیں اور وسعت کی جگہ تنگی۔ بڑا بزرگ وہ ہے کہ اگر گھر میں آگ بھی لگ جائے یا کوئی شخص مرتا ہو تو وظیفہ کو قطع کرکے اسکی مدد نہ کرے۔ یاد رکھو بزرگ وہ ہے جو قدم بقدم ہو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

پس اولاد کے ساتھ انبیاء کو بہت محبت ہوتی ہے مگر وہ محبت انکو حق تعالیٰ سے غافل نہیں کرتی، پس معلوم ہوا کہ نعمت اور مصیبت کی ذات مانع نہیں ہے بلکہ وہ درجہ مانع ہے جو افراط کے درجہ میں ہو، اور خواص کو کوئی درجہ بھی مانع نہیں ہوتا کیونکہ انکو مصیبت میں زیادہ ناگواری اور نعمت میں زیادہ گوارائی ہی نہیں ہوتی بخلاف عوام کے کہ انکو مصیبت اور نعمت از جا رفتہ کر دیتی ہے۔ اس مضمون کو دوسرے عنوان سے سمجھو کہ انبیاء اور اولیاء کو بلا اور نعمت سے راحت اور کلفت تو ہوتی ہے لیکن وہ راحت اور کلفت طبعی ہوتی ہے انکو اس میں مبالغہ اور انہماک نہیں ہوتا پس راحت اور کلفت کے دو درجے ہوئے اول طبعی دوسرا درجہ انہماک اور مبالغہ کاکہ یستبشر اشرہ اور

بآسرہ (یعنی بالکلیہ) اس میں کھپ جائے اور دوسری طرف بالکل دھیان نہ ہو انبیاء اور اولیاء کو طبعی راحت اور طبعی کلفت ہوتی ہے چنانچہ جب حضرت ابراہیم یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ کی وفات ہوئی تو حضور کو رنج ہوا اور فرمایا اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ اور حضورؐ کے آنسو جاری ہوئے بعض صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے قلب میں رکھی ہے۔ اسی طرح حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو آتے دیکھکر جوش محبت سے انکو ممبر سے اتر کر اٹھا لیا لیکن یہ حزن اور محبت طبعی تھا جسکا ادراک خاصہ ہے طبع سلیم کا ہاں، اگر کسی پر حال غالب ہو تو اس وقت یہ طبعی کلفت وراحت کبھی نہیں ہوتی لیکن انبیاء پر بوجہ انکے علو مقام کے حال غالب نہیں ہوتا وہ اس سے منزہ ہوتے ہیں وہ حال پر خود غالب ہوتے ہیں غلبۂ حال اولیاء متوسطین پر ہوتا ہے جس میں انکو راحت سے راحت اور کلفت سے کلفت نہیں ہوتی چنانچہ بعض اولیاء اللہ کی اولاد کا انتقال ہوا وہ ہنس دیئے لوگ سمجھتے ہیں کہ ایسے لوگ بڑے کامل ہیں کامل ہونے میں انکے شک نہیں ہاں اکمل نہیں ہیں، اکمل وہ ہے کہ جسکی حالت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہو کہ آنسو ٹپک رہے ہوں اور دل مِنْ كُلِّ الْوُجُوْهِ[1] اپنے مولا کی قضا پر راضی ہو۔ شاید کسی کو اشکال ہو کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے اس لئے میں اسکو ایک مثال سے واضح کرتا ہوں دیکھو کسی شخص کے دنبل ہو جائے سول سرجن کو دکھلایا اس نے کہا بغیر شگاف اور آپریشن کے صاف نہ ہوگا اب اس میں مریضوں کی مختلف حالت ہوتی ہے بعض دل کے کمزور ہوتے ہیں انکو تو کلوروفارم سونگھا کر بیہوش کرکے شگاف (اور آپریشن) دیتے ہیں اس وقت اس مریض کو اس چیر پھاڑ کا کچھ الم محسوس نہیں ہوتا اسلئے کہ دوسری شئے اس کے

[1] ہر طرح سے

حواس پر غالب ہے یہ مثال ان اولیاء اللہ کی ہے جن پر حال ایسا غالب ہوتا ہے کہ انکو مصیبت کا الم محسوس نہیں ہوتا اور ایک قوی شخص ہے کہ اس نے کہا کہ مجھکو بے ہوش کرنے کی ضرورت نہیں تم بشوق تمام اپنا کام کرو ڈاکٹر نے وہ دنبل تراشا، تراشنے میں اسکو تکلیف بھی ہوگی اور آہ بھی زبان سے نکلے گی اور یاد رکھو یہ آہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے تکلیف میں آہ سے بڑی راحت ہوتی ہے یہ آہ مصیبت کی مُقَلِّلْ (گھٹانے والی) ہے۔ غرض اس زخم کے تراشنے کے وقت اس مریض کا منہ بھی بن جائے گا لیکن وہ دل سے راضی ہے کاٹنے والے سے ذرا بھی اسکے دل میں کدورت نہیں ہے چنانچہ جب وہ زخم صاف ہوگیا تو جراح (اور سرجن) کہتا ہے لائیے انعام فوراً جیب سے نکال کر دس روپئے اسکی نذر کئے اور اب وہ جھگڑ رہا ہے حضور یہ بہت کم ہے اور دیکھئے اس نے دس روپیہ اور نکال کر دئیے، اب کوئی اس سے پوچھے کہ ایک تو اس نے مصیبت میں ڈالا پھر اسکو انعام دیا جاتا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ اس زخم پر راضی تھا، سو بظاہر یہاں بھی وہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اگر راضی تھا تو ناک منہ کیوں چڑھایا اور ناراض تھا تو انعام کیوں دیا؟ وہ یہی جواب دے گا کہ کلفتِ طبعیہ کی وجہ سے تو ناک منہ چڑھایا اور دل سے راضی تھا کہ اسکا انجام بہتر ہے۔ یہ مثال اصحاب تمکین کی ہے کہ انکو مصیبت میں طبعی کلفت اور رنج ہوتا ہے اور دل چونکہ یقین رکھتا ہے کہ اس میں حکمت اور مصلحت میرے مولا کی ہے اسلئے راضی ہے اعتراض یا کدورت یا انقباض نام کو بھی نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ شخص بڑا قوی دل ہے کہ باوجود ہوش وحواس کے پھر از جا رفتہ نہیں ہوا اور اپنے خیر خواہ معالج سے اسکو کچھ انقباض نہیں ہوا اگر جاہل اور نادان ہوتا تو ضرور اس سے مکدر

ہو جاتا اور وہ شخص جس کو بے ہوش کیا گیا وہ درجہ میں اس سے کم ہے سول سرجن جانتا ہے کہ اگر ہم اسکو بیہوش نہ کریں گے تو بہت شور مچائیگا اور ہم کو کام نہ کرنے دے گا پس جنکو غلبۂ حال کا کلورا فارم سونگھا دیا گیا ۔ یہ وہ درجہ میں ان حضرات سے کم ہیں اور یہ امر بہت ظاہر ہے اس لئے کہ شریعت نے رضا بالقضاء کا حکم کیا ہے التذاذ بالقضاء کا حکم نہیں کیا اور مشائخ کے کلام سے کھلی اسکا ثبوت ہوتا ہے چنانچہ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎ دگر تلخ بینند دم درکشند (اگر تلخی دیکھتے ہیں تو دم نہیں مارتے (بلکہ خاموشی سے صبر کا کڑوا گھونٹ پی جاتے ہیں)۔

معلوم ہوا کہ تلخی کا تو احساس انکو ہوتا ہے لیکن اس سے راضی ہیں قضاء کے سامنے بولتے نہیں ہیں ۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

ناخوشِ تو خوش بود بر جانِ من دل فدائے یارِ دل رنجانِ من

(تمھارا ناخوش ہونا میرے دل وجان کو اچھا معلوم ہوتا ہے کیونکہ دل تو میرے دل دکھانے والے پر فدا ہے)

معلوم ہوتا ہے کہ دل رنجانی ہوتی ہے لیکن وہ خوش ہے، بہرحال رضا بالقضاء کلفت طبعیہ کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے اور جن کو اس میں لذت ہوتی ہے کلفت بالکل نہیں ہے وہ صاحب کمال نہیں ہے

کامل کی شان

صاحب کمال کی پہچان یہ ہے کہ اسکا حال انبیاء علیہم السلام کے مشابہ ہو، دیکھو حضرت یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام کے فراق میں کیا حال ہوا کہ روتے روتے آنکھیں مبارک سفید ہو گئیں جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ -

(ہائے یوسف ہائے افسوس اور انکی آنکھیں غم سے سفید پڑ گئیں اور انکا دل غم سے گھٹ رہا تھا)، جب بیٹوں نے یہ حال دیکھا تو کہا

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهَالِكِيْنَ یعنی بیٹوں نے کہا کہ قسم اللہ کی (اے ابا) تم تو ہمیشہ یوسف ہی کو یاد کرتے رہو گے یہاں تک کہ سخت مریض ہو جاؤ گے یا بالکل ہلاک ہو جاؤ گے یعقوب علیہ السلام نے سبحان اللہ کیا جواب ارشاد فرمایا ہے، فرماتے ہیں اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی میں تو اپنے رنج و غم کا اپنے اللہ سے شکوہ کرتا ہوں اور میں اپنے اللہ کے یہاں کی وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، یہ وہی مضمون ہے۔ ع ہم در تو گریزم (میں آپ ہی کی طرف بھاگتا اور آپ ہی سے لپٹتا ہوں) دیکھئے ماں جب بچے کو مارتی ہے تو وہ روتا ضرور ہے لیکن رو کر پھر ماں ہی کو لپٹ جاتا ہے، پس بڑا کمال ان اولیاء اللہ کا ہے کہ انکو غم محسوس ہوا اور از جا رفتہ نہ ہوں اور اس شخص کی کیا ہمت ہے کہ اُدھر سے انکو ایسی لذت دی گئی کہ اسکے غلبہ میں سب بھول گئے اور یہ جو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ مطلب یہ کہ میرے بث اور حزن (رنج و غم) کا راز تمکو معلوم نہیں ہے وہ مجھکو معلوم ہے یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ کاملین کی حالت کا اندازہ عوام اور ناقصین بلکہ متوسطین کبھی نہیں کر سکتے۔ مولاناؒ فرماتے ہیں

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نبشتن شیر و شیر

(اللہ والوں کو اپنے اوپر قیاس مت کرو کیونکہ اگرچہ شیر و شیر لکھنے میں یکساں ہیں لیکن دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے)

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد کم کسے ز ابدال حق آگاہ شد

(تمام دنیا اسی سے گمراہ ہوئی کہ اللہ کے ابدال یعنی اولیاء سے کم ہی کوئی آگاہ ہوا)

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور

(لوگوں نے کہا یہ بھی بشر ہیں اور ہم بھی، ہم اور وہ دونوں ہی کھانے پینے اور سونے کی قید کے پابند ہیں)

اور وجہ اسکی یہ ہے کہ کاملین بظاہر عوام مومنین کے مشابہ ہوتے ہیں ان میں کوئی امتیازی نشان نہیں ہوتا اسلئے انکے مراتب کا ادراک ہر ایک کو نہیں ہو سکتا

ظاہر حال انکا اور عوام کا یکساں ہوتا ہے پھر کیسے کوئی پہچانے؟ ہاں جو صاحب بصیرت ہے اسکو ادراک ہوتا ہے پس صورت عوام کے مشابہ اور حقیقت متفاوت، جیسے کسی بزرگ نے حضرت حق سے نازکر کے پوچھا تھا کہ اے اللہ فرعون نے اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کہا اور منصور نے اَنَا الْحق کہا دونوں کا ایک ہی مدلول ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ایک مردود ہوا اور دوسرا مقبول؟ ارشاد ہوا کہ فرعون نے انا ربکم الاعلیٰ ہمارے مٹانے کو کہا تھا اسلئے ملعون ہوا اور منصور نے انا الحق اپنے مٹانے کو کہا اس لئے مقبول۔ اسی مضمون کو مولانا فرماتے ہیں ؎

گفت فرعونے انا الحق گشت پست گفت منصورے انا الحق گشت مست

(فرعون نے انا الحق کہا اور پست و ذلیل ہوگیا اور منصور نے انا الحق کہا وہ مست محبتِ مولیٰ ہوگیا)

رحمۃ اللہ ایں انا را در وفا لعنۃ اللہ آں انا را در قفا

(اس انا کی وفا میں رحمت الٰہی ہے اور اس انا کے پیچھے لعنت خدائی ہے) منصور کے انا الحق کے معنی یہ تھے کہ انا کوئی شئے نہیں، جسکو انا کہا جاتا ہے وہ بھی حق ہے اور فرعون کے انا الحق کے معنی یہ ہیں کہ حق جسکو کہا جاتا ہے وہ انا ہی ہے سوائے میرے کوئی حق نہیں ہے یہاں بھی صورت دونوں قول کی یکساں اور معنی متفاوت، غرض انبیاء مغلوب نہیں ہوتے لیکن رضا میں کامل ہوتے ہیں اور مغلوب نہ ہونے کے سبب انبیاء کو مصیبت میں لذت نہیں ہوتی اور جن پر حال غالب تھا انکو مصیبت میں کلفت محسوس نہ ہوئی بلکہ لذت اور مزہ آیا اور تیسرا حال وہ عوام کا ہے کہ انکو مصیبت میں الم اسقدر محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس میں کھپ جاتے ہیں اور دوسری جہت مقابل یا تو بالکل گم ہو جاتی ہے یا مغلوب ہو جاتی ہے اور بعضوں کی زبان سے بلکہ اکثر کی زبان سے شکوہ اور شکایت بھی اپنے مولا کا نکلتا ہے۔ عوام کی مصیبت انکا جیل خانہ ہے اور خواص کے لئے زخم کا نشتر ہے عوام مصیبت میں اسی کا سبق لیکر بیٹھ جاتے ہیں جسکا کوئی حاصل نہیں سو ایسا نکرنا چاہیئے بلکہ مومن کو چاہیئے کہ معالجات اور آداب ہر مرض اور ہر حال کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ہمکو ارشاد فرمائے ہیں ان پر عمل درآمد کرے اسلئے کہ کوئی مرض ایسا نہیں ہے جسکا علاج ہمکو نہ بتلایا گیا ہو ؎

درد از یار است درماں نیز ہم دل فدائے او شد و جاں نیز ہم

درد بھی محبوب کی طرف سے ہے اور دوا بھی، دل و جان سبھی اس پر فدا ہیں!